کلیاتِ مکاتیبِ اقبال

کلیاتِ مکاتیب اقبال-۱

کلّیاتِ مکاتیبِ اقبال

جلد اوّل

یعنی

شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ
کے تمام اردو اور انگریزی خطوط کا مجموعہ
تاریخی ترتیب اور ضروری تعلیقات و حواشی کے ساتھ

مرتبہ

سیّد مظفر حسین برنی

اردو اکادمی، دہلی

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد ۱
سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی ۴۲

تحقیقی و اشاعتی کمیٹی کے اراکین:

جناب جوگندر پال
ڈاکٹر خلیق انجم
پروفیسر شمیم حنفی
جناب سید شریف الحسن نقوی
ایس۔ اشتیاق عابدی (کوآرڈینیٹر)

KULLIYAT MAKATEEB-E-IQBAL (Vol I)
Ed.I-1989, Ed.II-1991, Ed.III-1992, Ed.IV-1993
Ed. By SYED MUZAFFAR HUSAIN BURNEY
Rs. 125-00
PUBLISHED BY URDU ACADEMY DELHI

اشاعت اول : ۱۹۸۹ء
اشاعت دوم : ۱۹۹۱ء
اشاعت سوم : ۱۹۹۲ء
اشاعت چہارم : ۱۹۹۳ء
قیمت : ۱۲۵ روپے
طباعت : ثمر آفسیٹ پرنٹرز، دریا گنج نئی دہلی ۲
ناشر : اردو اکادمی، دہلی گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

I.S.B.N. 81-7121-041-4

انتساب

اپنی محبوبہ اور رفیقۂ حیات

صبیحہ برنی کے نام

جن کی حوصلہ افزائی، ہمدردی و دمسازی، ایثار و قربانی
اور پر خلوص تعاون سے یہ ممکن ہوا کہ مجھ ایسا ہیچداں
جس کی ایک عمر کوئے انتظامیہ کی آوارہ گردی میں
گزری ہو "حریفِ مئے مرد افگنِ تحقیق"
ہونے کی ہمت کرے!

ترتیب

حرفِ آغاز

دہلی ہندوستان کا دل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شہر اپنی تہذیبی روح، ثقافتی رنگارنگی اور تاریخی کردار کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا ہندوستان ہے۔ دہلی کلچر کے فروغ میں اردو نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے، اور آج بھی یہ زبان اس کی ادبی و تہذیبی شناخت کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اردو کلچر کی اہمیت اور دہلی کی ثقافتی زندگی سے اس کے گہرے رشتے کے پیشِ نظر آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی سابق وزیرِ اعظم مرکزی حکومتِ ہند کے ایما پر ۱۹۸۱ء میں اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

اکادمی کا اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ اور طے شدہ دستورالعمل ہے۔ دہلی کے لفٹیننٹ گورنر اس کے صدر نشین (چیئرمین) ہیں اور اکادمی کے اراکین کو دو سال کے لیے نامزد کرتے ہیں۔ ان اراکین میں ممتاز اہلِ قلم، ادیب، نقاد، صحافی، معلّم اور محقق شامل ہیں۔ اکادمی، دہلی اور بیرونِ دہلی کے دوسرے علمی، ادبی، تہذیبی اور تعلیمی حلقوں سے بھی رابطہ قائم رکھتی ہے اور اپنی سرگرمیوں میں ان کے تعاون اور مشوروں کو خوش آمدید کہتی ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ کتاب انسان کی بہترین ساتھی ہے اور کتاب کا مطالعہ اس کا شریف ترین مشغلہ۔ کتاب ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے جوڑنے کا سب سے عمدہ وسیلہ ہے۔ اپنے اس بیش بہا ورثے کو محفوظ کرنا اسے خوب تر اور مفید تر بنانا ہمارے تہذیبی فرائض کا سب سے اہم حصّہ ہے۔ یہ گویا ادبی روشنیوں کو عام کرنا اور علمی خوشبوؤں کو پھیلانا ہے۔ اکادمی نے نہایت اہم موضوعات پر اچھی کتابوں کی اشاعت کا جو منصوبہ بنایا ہے

"کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" اسی سلسلۂ پیش کش کا ایک حصہ ہے۔ اقبال ایک بڑے شاعر ہی نہیں اپنے عہد کے ایک بڑے دانشور اور مفکر بھی ہیں۔ ان کے خطوط ان کی شاعری ہی کی طرح ان کی فکر و دانش کا مرقع ہیں بلکہ مخطوط میں ان کی عظیم شخصیت کے بہت سے ایسے پہلو بھی نمایاں ہوئے ہیں جن کا اظہار اس اکملیت کے ساتھ شاعری میں نہیں ہو سکا ہے۔ جناب سید مظفر حسین برنی نے علامہ اقبال کے خطوط کو بڑی محنت اور جاں فشانی سے جمع کیا ہے اور پھر انھیں ایک خاص ترتیب سے یکجا کر دیا ہے۔ امید ہی نہیں یقین ہے کہ اہل علم ان کے اس کام کی قدر کریں گے۔
اس کے لیے ہم فاضل مرتب کی علمی کاوشوں کے ممنون ہیں اور اس تعاون کے بھی جو اشاعتی کمیٹی کے ارکان کی طرف سے ہمیں میسر آتا ہے اور ہمارے لیے روشنی و رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ دہلی کی تاریخ و ادبیات سے متعلق کچھ ایسی اہم کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں جو کیاب یا نایاب ہو چکی تھیں۔ ایسی مزید کچھ کتابیں ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔
اس کتاب کی اہمیت، افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس قلیل مدت میں اس کا چوتھا ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ہم اپنے موجودہ سرپرست اور اکادمی کے صدر نشیں جناب پی۔ کے۔ دوبے صاحب لفٹننٹ گورنر، دہلی کی عنایات اور توجہات کے بھی بے حد ممنون ہیں جن کی سرپرستی اور رہنمائی ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہے۔

ایس۔ اشتیاق عابدی
سکریٹری
اردو اکادمی، دہلی

مقدمہ

اُسلوب یا اسٹائل کے بارے میں ڈاکٹر بوفان (۱۷۰۷ء۔ ۱۷۸۸ء) نے کہا تھا کہ "اُسلوب خود انسان ہے" یعنی اس میں انسان کی چھپی ہوئی شخصیت اور اس کے ذہن کو پڑھا جا سکتا ہے، اِس پر ناقدوں نے بہت کچھ بحث کی ہے۔ یہ بات اُسلوب کے لیے درست ہو یا نہ ہو، البتہ خطوط پر ضرور صادق آتی ہے۔ یہاں لکھنے والا بے تکلّف ہوتا ہے اور خطوط میں اُس کا جذباتی مدّوجزر بھی پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ اصنافِ ادب میں سب سے اہم اور معلوم شخصیت خود لکھنے والے کی ہوتی ہے، اُسے یہ علم نہیں ہوتا کہ اُس کے مخاطَب کون ہیں؟ نہ زمان و مکان سے اُن کا رشتہ ثابت شدہ ہوتا ہے نہ لکھنے والے کو اُن کی سطحِ فہم و ادراک کا علم ہوتا ہے، ایک نظم یا ادبی شہ پارہ پڑھنے والے آج بھی ہو سکتے ہیں، اور ہزار سال بعد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح قارئین کے ساتھ اُن کا ماحول بھی تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے، لیکن خطوط کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اِس میں کاتب اور مکتوب الیہ دونوں معلوم ہیں، اُن کا رشتہ بھی زمان و مکان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، وہ ایک مخصوص ماحول میں زندہ ہیں اور اُن کی گفتگو بھی معلوم حقائق سے متعلق ہے۔ کاتب اور مکتوب الیہ کی سطحِ ادراک ایک بھی ہو سکتی ہے، مختلف بھی۔ اِس کے موضوعات قطعاً نجی اور ذاتی بھی ہو سکتے ہیں،

قومی اور عالمگیر بھی۔ اِن خطوط کا محرّک عداوت بھی ہوسکتی ہے، عقیدت ومحبت بھی۔ کاتب اور مکتوب الیہ کا رشتہ رسمی اور کاروباری بھی ہو سکتا ہے اور اس کی جڑیں لکھنے والے کی ذات میں بہت گہری بھی ہوسکتی ہیں۔ خطوط کی ظاہری شکل وہیئت (FORM) کا خواہ کوئی بھی فارمولا تسلیم کرلیا جائے لیکن ان کے مواد اور مشمولات (CONTENTS) کی نوعیت کاتب اور مکتوب الیہ کے رشتے کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ خطوط نویسی یا نامہ نگاری کا آغاز اس زمانے سے ہوگیا ہوگا جب انسان نے رسم الخط ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا۔ چنانچہ تقریباً تین ہزار سال قبل کی تین سو مٹی کی لوحین ایسی نکلی ہیں جن پر مصر کے فراعنہ کے نام خطوط کندہ ہیں۔ یہ ۱۸۸۷ء میں سمرنا (عراق) کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہوئیں۔ یونان کے عظیم شاعر ہومر (HOMER) اور مورخ ہیرو ڈوٹس (HERODOTUS) کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ قدیم یونان میں خط و کتابت کا رواج تھا۔ بہت سے مکاتیب افلاطون[1] (PLATQ) ارسطو (ARISTOTLE) اور ابیقورس (AEPIC URUS) سے بھی منسوب کیے جاتے ہیں۔ پلوٹارک (PLUTARCH) کے خطوط مشہور ہیں لیکن یہ کمال اہل روم کا تھا کہ اُنھوں نے مکتوب نگاری کو باقاعدہ فن بنا دیا۔ سسرو (CICFRO) اور سینکا (بزرگ) (SENECA THE ELDER) کے مکتوبات قابلِ ذکر ہیں۔ لاطینی میں ہورس (HORACE) نے منظوم خطوط لکھنے کی روایت قائم کی۔

انگریزی زبان میں مکتوب نگاری کی خصوصیات بے تکلفی، سادگی، شگفتہ بیانی اور بذلہ سنجی ہیں۔ انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن (DR SAMUEL JOHNSON) لارڈ چیسٹر فیلڈ (LORD CHESTERFIELD) ولیم کوپر

---

[1] افلاطون پر نوٹ حواشیِ مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

(WILLIAM COWPER) چارلیس لیمب (CHARLES LAMB) کیٹس (KEATS) شیلی (SHELLEY) بائرن (BYRON) براؤننگ (BROWNING) الیزبتھ بیرٹ براؤننگ (ELIZABETH BARR ET BROWNING) اورجارج برنارڈ شاہ (GEORGE BERNARD SHAW) کے خطوط قابل ذکر ہیں۔ فرانسیسی ادب میں نپولین (NAPOLEAN) والٹیئر (VOLTAIRE) وکٹر ہیوگو (VICTOR HUGO) اورگائی دی موپاساں (GUE DE MAUPASSANT) کے خطوط ادب کے شہ پارے ہیں۔

عربی میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشہ کے اختیار کرنے والے کو کاتب کہا جاتا تھا۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس فن نے اور ترقی کی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم چار خطوط اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پہلی بار "دارالانشا" قائم کیا۔ حضرت عمرؓ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زید بن ثابتؓ کاتب کے فرائض انجام دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے کاتب حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن اُبیّ بن خلف تھے۔ حضرت عثمانؓ یہ کام مروان بن حکم سے لیتے تھے۔ حضرت علیؓ کے عہد میں حضرت عبداللہؓ بن ابی رافع اور حضرت سعید بن نجران الہمدانی کاتب کا فرض انجام دیتے تھے۔

بنو اُمیہ اور بنی عباس کے عہد میں اس فن نے اور بھی ترقی کی۔ اس میں مہارت حاصل کرنے والوں کے لیے بہت سی کتابیں اور نمونے کے خطوط لکھے گئے۔ ابوبکر[۲۲] الخوارزمی کے رسائل، مقامات، بدیع الزماں[۲۳] الہمدانی اور ابو محمد القاسم[۲۴] الحریری (۱۱۲۲ء) کی "مقامات حریری" تصنیف ہوئیں۔ خطوط نویسی کے آداب اور اس کی تاریخ پر ابوالعباس شہاب الدین القلقشندی[۲۵] (متوفی ۱۴۱۸ء) کی صبح الاعشیٰ جیسی ضخیم کتابیں بھی وجود میں آگئیں۔ آہستہ آہستہ فن بدیع اور صنائع لفظی و معنوی کو

سلہ شیلی اور بائرن پر نوٹ مکتوبات کے حواشی میں ملاحظہ ہوں۔

فروغ ہوا اور تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل، ایہام و توریہ کی بے شمار صورتیں سامنے آئیں اِس کا نتیجہ یہ تو ہوا کہ ہیئت ( ) کی بہت سی شکلیں اختراع ہوگئیں مگر مواد اور معنویت کی طرف سے توجہ ہٹ گئی۔

فارسی ادبیات میں بھی فنِ انشا کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مامون الرشید (۱۷۰ھ ۷۸۶ء / ۱۹۳ھ ۸۰۹ء) کے زمانے سے ہی فارسی زبان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل ہوگئی تھی، عجمیوں نے جہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں فطری طور پر خط و کتابت فارسی میں ہونے لگی۔ یہیں سے فارسی انشا کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ جب ہلاکو خان نے دولتِ عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تو عربی زبان کا وقار بھی ختم ہوگیا اور فارسی انشا کو فروغ پانے کا موقع مل گیا عہدِ وسطیٰ میں تعلیم کا نصاب بھی اِس طرح بنایا گیا تھا کہ بچوں کو پہلے ذخیرۂ الفاظ سے روشناس کرایا جاتا تھا پھر اُنھیں خطوط نویسی کی تعلیم دی جاتی تھی اس طرح انھیں فارسی نثر لکھنے کی مشق بھی ہوتی تھی۔ فنِ مکتوب نگاری پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ فنِ انشا کے ماہروں کا کمال یہ ٹھہرا کہ اگر ایک ہی مضمون کو سو بار لکھیں تو مختلف انداز میں اور مختلف لفظوں میں لکھیں۔ اسے لکھنے والے کی قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ مرزا محمد حسن قتیل[۲۶] کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے کسی دوست کی شادی میں شرکت کے لیے ہر شخص کو نئے مضمون کا رقعہ لکھا تھا۔ قتیل کے رقعات چھپ چکے ہیں۔

فارسی میں خطوط نویسی کو رسمی اور کاروباری مقاصد کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے بھی استعمال کیا گیا صوفیہ نے اپنے مسترشدین کی اصلاح و ہدایت کے لیے خطوط لکھے۔ یا فلسفہ و تصوّف کے مسائل کی تشریح و تعبیر ان خطوط میں کی گئی جیسے حکیم سنائی، شرف الدین[۲] یحییٰ منیری (مکتوباتِ صدی) سید اشرف جہانگیر سمنانی،

نوٹ: حکیم سنائی، سید اشرف جہانگیر سمنانی پر نوٹ حواشی مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

سید محمد مکی (صحائف السلوک) اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات ہیں حضرت مجدد الف ثانی نے خطوط سے وہ کام لیا جو آج کل اخباروں سے لیا جاتا ہے اُن کے زمانے میں ایرانی امراء کا مغل دربار میں اثر و نفوذ بڑھ رہا تھا یہ لوگ مختلف ایرانی علماء کے نام سے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھوا کر امراء میں تقسیم کرتے تھے جن میں اپنے عقائد کی تبلیغ کیا کرتے تھے، اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) نے امرائے عصر کو خطوط لکھے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے مکتوبات تصوف کے علمی اور نظری مسائل پر ہیں۔ جو اپنے مریدوں کو تعلیم دینے کی غرض سے مدوّن ہوئے۔ ان میں رشید الدین فضل اللہ کے مکاتیب کا مجموعہ "منشآت رشیدی" اور مولانا عبدالرحمن جامی کے خطوط "رقعاتِ جامی" مکتوباتی ادب کا اہم سرمایہ ہیں۔ عہد اکبری کے اُمراء میں ابوالفضل علامی نے خطوط لکھے جو برسوں تک مدارس کے نصاب میں داخل رہے ہیں۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں مکتوبات کے سینکڑوں مجموعے وجود میں آ گئے تھے۔ منیر[۲۱] لاہوری کی "انشائے منیر" چندر بھان[۲۲] برہمن کی "چہار چمن" اور منشآت برہمن "، "انشائے مادھورام" اور سید نثار علی بخاری بریلوی کی تالیف انشائے دلکشا اس قبیل کی چند نمایاں کتابیں ہیں۔ ملوک و سلاطین میں اورنگ زیب عالمگیر کے رقعات کئی مجموعوں کی صورت میں مدوّن ہوئے۔ تاریخی اور سیاسی قدر و قیمت کے علاوہ ان خطوط کا ادبی رتبہ بھی بہت بلند ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل (م ۱۱۳۳ھ) کے خطوط کا مرزا غالب (وفات ۱۸۶۹ء) کے فارسی رقعات ("پنج آہنگ")۔ ہندوستان میں نثری اسلوب کے امکانات کا نمونہ ہیں۔ مگر ان کا رجحان مشکل پسندی کی طرف ہے۔ اس لیے بہت مختصر حلقہ میں ان کی پذیرائی ہو سکی۔

نوٹ: شاہ ولی اللہ، حضرت مجدد الف ثانی، جامی، اورنگ زیب عالمگیر، بیدل اور غالب پر نوٹ حواشی مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

اردو کے شعرا متقدمین میں کسی ایک کا بھی کوئی خط نہیں ملتا۔ انھوں نے لکھے بھی کم ہوں گے اور ان کے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ اگر کسی نے حفاظت کی بھی ہوگی تو شمالی ہند میں اتنے انقلابات پے در پے آئے ہیں کہ بڑی بڑی سلطنتوں کی بساط الٹ گئی ہے یہ کاغذ کے پرزے ان آندھیوں میں کیا ٹھہر سکتے تھے۔ بقول شاعر ؎

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گئے آندھیاں آتے آتے

انیسویں صدی کے نصف اول تک خانگی خطوط بھی فارسی میں لکھنے کا چلن تھا اور یہ علم و فضل کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اردو میں جو خطوط لکھے بھی گئے، جیسے رجب علی بیگ[۳۶] سرور کے مکتوبات ہیں، وہ مسجّع و مقفّیٰ اور پر تکلف اردو میں ہیں جہاں لفظوں کے جنگل میں معانی روپوش ہو جاتے ہیں سر برآوردہ و ممتاز اردو شعرا میں سب سے پہلے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ نے اردو میں باقاعدہ خطوط نویسی کی طرح ڈالی۔ اگرچہ وہ بھی فارسی نگارش کے دلدادہ تھے مگر ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد جو عام بیدلی اور افسردگی چھا گئی تھی اس نے وہ فراغت چھین لی تھی جو فارسی نثر میں اظہارِ کمال کا ولولہ پیدا کرتی تھی؛ اس لیے انھوں نے سیدھے سادے لفظوں میں اظہارِ مطالب کر کے بقولِ خود "مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا تھا" ان خطوط کی بے تکلفی ادبی چاشنی اور دل نواز اسلوب سے متاثر ہو کر مرزا غالبؔ کے بعض دوستوں نے ان کو جمع کر کے ایک کتاب "عودِ ہندی" اُن کی زندگی کے آخری ایام میں شائع بھی کر دی تھی۔ اس سے غالب بھی چوکنّے ہو گئے اور اُنھیں شعوری طور پر احساس ہو گیا کہ ان کے خطوط کی اشاعت ہو سکتی ہے؛ اس سے اُن کے اسلوب نگارش پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا؛ اس لیے کہ عودِ ہندی کی اشاعت کے بعد وہ زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے؛ مگر اس کا امکان ہے کہ اس احساس کے بعد وہ بعض امور کے لکھنے میں زیادہ محتاط ہو گئے ہوں؛ بعد کے زمانے میں غالب کا ایک ایک خط محفوظ کیا گیا اور

اب تک بھی ان کی کوئی نہ کوئی غیر مطبوعہ تحریر سامنے آتی رہتی ہے۔ اردو میں آسان اور سائنٹفک نثر کی بنیاد سرسید[۳۲] احمد خاں نے رکھی تھی۔ اگرچہ ابتدا میں وہ بھی مرصع نگاری کے دلدادہ تھے انھوں نے ۱۸۴۰ء میں دہلی کی تاریخی عمارتوں پر اپنی کتاب 'آثار الصنادید' شائع کی تو اس کا چوتھا باب، جس میں اہل دہلی کے حالات ہیں۔ مولانا امام بخش صہبائی سے لکھوایا تھا بعد کو مغربی ادبیات سے بالواسطہ تاثر نے انھیں سہل نویسی کی اہمیت کا احساس دلایا تو انھوں نے اس کی عبارت کو آسان بنایا۔ سرسید نے اردو نثر کو عام فہم بنانے اور علمی زبان کا رتبہ دینے کے لیے جو کوشش کی اُسے باقاعدہ ایک تحریک کہا جا سکتا ہے، ان کے ہم نواؤں میں شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک جیسی بلند مرتبہ شخصیات شامل تھیں۔ محمد حسین آزاد نے بھی شاید سرسید تحریک سے بالواسطہ اثر قبول کیا ہو، یہ سب حضرات اردو نثر کے بنیاد گزاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خطوط بھی دستیاب ہیں، اور ان میں کہیں تصنع یا آورد نہیں ہے، سیدھا سادہ اظہار مطلب ہے۔ علامہ اقبال بھی اسی گروہ سے ذہنی وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کے معاصرین میں اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی عبدالماجد دریابادی وغیرہ بھی اپنے خطوط میں آسان اور علمی نثر لکھتے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد[۴۲] نے "غبار خاطر" لکھ کر اس علمی نثر کو ادبی رنگ و آہنگ بھی دے دیا۔ اور یہ کتاب اردو نثر میں ایک سنگِ میل بن گئی۔ نیاز[۴۳] فتح پوری نے مولانا آزاد کے اسلوب سے توانائی اور شبلی کے انداز بیان سے شگفتگی حاصل کی ہے۔ اُن کے خطوط "مکتوبات نیاز" دو جلدوں میں شائع ہوئے تھے جن میں اکثر کے مکتوب الیہم یا فرضی ہیں یا غیر معلوم ہیں۔

نوٹ: مولانا امام بخش صہبائی، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، نواب وقار الملک، اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریا بادی پر نوٹ حواشی مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

اردو کے شعرا ِ متقدمین میں کسی ایک کا بھی کوئی خط نہیں ملتا۔ انھوں نے لکھے بھی کم ہوں گے اور ان کے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ اگر کسی نے حفاظت کی بھی ہوگی تو شمالی ہند میں اتنے انقلابات پے درپے آئے ہیں کہ بڑی بڑی سلطنتوں کی بساط الٹ گئی ہے یہ کاغذ کے پرزے ان آندھیوں میں کیا ٹھہر سکتے تھے۔ بقول شاعر ؎

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گئے آندھیاں آتے آتے

انیسویں صدی کے نصف اول تک خانگی خطوط بھی فارسی میں لکھنے کا چلن تھا اور یہ علم وفضل کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اردو میں جو خطوط لکھے بھی گئے (جیسے رجب علی بیگ[۳۶] سرور کے مکتوبات ہیں، وہ مسجّع ومقفّیٰ اور پرتکلّف اردو میں ہیں جہاں لفظوں کے جنگل میں معانی روپوش ہوجاتے ہیں سربرآوردہ و ممتاز اردو شعرا میں سب سے پہلے مرزا اسداللہ خاں غالب نے اردو میں باقاعدہ خطوط نویسی کی طرح ڈالی۔ اگرچہ وہ بھی فارسی نگارش کے دلدادہ تھے مگر ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد جو عام بیدلی اور افسردگی چھا گئی تھی اس نے وہ فراغت چھین لی تھی جو فارسی نثر میں اظہارِ کمال کا ولولہ پیدا کرتی تھی، اس لیے انھوں نے سیدھے سادے لفظوں میں اظہارِ مطالب کرکے بقولِ خود "مراسلہ کو مکالمہ بنادیا تھا" ان خطوط کی بے تکلفی ادبی چاشنی اور دل نواز اسلوب سے متاثر ہوکر مرزا غالب کے بعض دوستوں نے ان کو جمع کرکے ایک کتاب "عودِ ہندی" اُن کی زندگی کے آخری ایام میں شائع بھی کردی تھی۔ اِس سے غالب بھی چوکنے ہوگئے اور انھیں شعوری طور پر احساس ہوگیا کہ ان کے خطوط کی اشاعت ہوسکتی ہے، اس سے اُن کے اسلوب نگارش پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا، اس لیے کہ عودِ ہندی کی اشاعت کے بعد وہ زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے، مگر اس کا امکان ہے کہ اس احساس کے بعد وہ بعض امور کے لکھنے میں زیادہ محتاط ہوگئے ہوں، بعد کے زمانے میں غالب کا ایک ایک خط محفوظ کیا گیا اور

اب تک بھی ان کی کوئی نہ کوئی غیر مطبوعہ تحریر سامنے آتی رہتی ہے۔ اردو میں آسان اور سائنٹفک نثر کی بنیاد سرسید[۳۲] احمد خاں نے رکھی تھی۔ اگرچہ ابتدا میں وہ بھی مرصع نگاری کے دلدادہ تھے انھوں نے ۱۸۴۷ء میں دہلی کی تاریخی عمارتوں پر اپنی کتاب 'آثار الصنادید' شائع کی تو اس کا چوتھا باب' جس میں اہل دہلی کے حالات ہیں۔ مولانا امام بخش صہبائی سے لکھوایا تھا بعد کو مغربی ادبیات سے بالواسطہ تاثر نے اُنھیں سہل نویسی کی اہمیت کا احساس دلایا تو انھوں نے اس کی عبارت کو آسان بنایا۔ سرسید نے اردو نثر کو عام فہم بنانے اور علمی زبان کا رتبہ دینے کے لیے جو کوشش کی اُسے باقاعدہ ایک تحریک کہا جا سکتا ہے' ان کے ہم نواؤں میں شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر[۳۳] احمد، مولوی[۳۴] ذکاءاللہ، نواب[۳۵] محسن الملک، نواب وقار الملک، جیسی بلند مرتبہ شخصیات شامل تھیں۔ محمد حسین آزاد[۳۶] نے بھی شاید سرسید تحریک سے بالواسطہ اثر قبول کیا ہو' یہ سب حضرات اردو نثر کے بنیاد گزاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خطوط بھی دستیاب ہیں' اور ان میں کہیں تصنع یا آورد نہیں ہے' سیدھا سادہ اظہار مطلب ہے۔ علامہ اقبال بھی اسی گروہ سے ذہنی وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کے معاصرین میں اکبر الہ آبادی' خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی عبدالماجد دریا بادی وغیرہ بھی اپنے خطوط میں آسان اور علمی نثر لکھتے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد[۳۷] نے 'غبار خاطر' لکھ کر اس علمی نثر کو ادبی رنگ و آہنگ بھی دے دیا۔ اور یہ کتاب اردو نثر میں ایک سنگِ میل بن گئی۔ نیاز[۳۸] فتح پوری نے مولانا آزاد کے اسلوب سے توانائی اور شبلی کے اندازِ بیان سے شگفتگی حاصل کی ہے۔ اُن کے خطوط "مکتوباتِ نیاز" دو جلدوں میں شائع ہوئے تھے جن میں اکثر کے مکتوب الیہم یا فرضی ہیں یا غیر معلوم ہیں۔

نوٹ: مولانا امام بخش صہبائی' شبلی نعمانی' الطاف حسین حالی' نواب وقار الملک' اکبر الہ آبادی' خواجہ حسن نظامی' سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریا بادی پر نوٹ حواشی مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

دل چسپ خطوط لکھنے والوں میں چودھری محمد علی ردولوی (گویا دبستان کھل گیا) غالب کی روایت کے شاید آخری امین تھے۔

غالب کے بعد علامہ اقبال اردو کے دوسرے عظیم اور اہم شاعر ہیں جن کی مقبولیت ہمہ گیر ہے اور ان کے بارے میں بھی ذرا ذرا سی تفصیل کو محفوظ رکھا گیا ہے علامہ اقبال کا حلقہ تعارف اور دائرہ احباب بہت وسیع تھا۔ اس میں والیان ریاست سے لے کر ان کے خادم علی بخش تک سیکڑوں مکتوب الیہم کے نام آتے ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ہزار خطوط اب تک دریافت ہو چکے ہیں، لیکن انھوں نے اپنی چالیس سال سے زائد مدت پر پھیلی ہوئی ادبی زندگی میں اس سے بہت زیادہ خطوط لکھے ہیں، جن میں بہت سے ضائع ہو گئے، کچھ اب بھی کسی گوشہ گمنامی میں پڑے ہوں گے، اور اکا دکا خطوط ہر سال منظرِ عام پر آ کر اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کے دس پندرہ خطوط سب سے پہلے خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب "اتالیقِ خطوط نویسی" میں شائع کیے تھے یہ غالباً ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں چھپی تھی ہمارے سامنے اس کا چوتھا ایڈیشن ہے جو نومبر ۱۹۲۹ء میں محبوب المطابع دہلی سے شائع ہوا۔ اس میں علامہ اقبال کے خطوط موسومہ خواجہ حسن نظامی بھی شامل ہیں (ص ۶۳ تا ص ۷۲)، بیسویں صدی کے عظیم مفکر اور ایک مقبول خاص وعام شاعر کی حیثیت سے اقبال اس بلندی تک پہنچ گئے تھے کہ یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے خطوط شائع نہ کیے جائیں، چنانچہ علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کے خطوط پر مشتمل متعدد چھوٹے بڑے مجموعے شائع ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- شادِ اقبال مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور طباعت اول ۱۹۴۲ء اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد — اس میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد (صدر اعظم ریاست حیدر آباد) کے نام علامہ کے انچاس (۴۹) اور مہاراجا کے باون (۵۲) خطوط ہیں (تعداد صفحات ۲۱۶)

۲- اقبال کے خطوط جناح کے نام مرتبہ و مترجمہ حمید اللہ ہاشمی ۱۹۴۲ء (نیز مرتبہ و مترجم

جہانگیر عالم ۱۹۸۶ء یونیورسل بکس، لاہور (تعداد صفحات ۷۷) پہلی کتاب میں قائد اعظم محمد علی جناح کے نام اقبال کے تیرہ (۱۳) خطوط کا اردو ترجمہ ہے، اصل خطوط انگریزی میں لکھے گئے تھے، محمد جہانگیر عالم کے مجموعہ میں خطوط کی تعداد اٹھارہ (۱۸) ہے۔ تین خط غلام رسول نے علامہ اقبال کی طرف سے لکھے ہیں۔ ان خطوط کا ایک ترجمہ عبدالرحمن سعید نے ۱۹۴۳ء میں کیا تھا (ادارۂ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن)، اور قائد اعظم کے نام علامہ کے خطوط "اقبال نامہ" میں بھی شامل ہیں۔ حال ہی میں صابر کلوروی صاحب نے قائد اعظم کے نام اقبال کا ایک غیر مطبوعہ انگریزی خط محررہ ۱۰ر مئی ۱۹۳۷ء دریافت کیا ہے اور اس کا عکس مع ترجمہ اقبال اکادمی لاہور کے جریدہ "اقبالیات" (جنوری — مارچ ۱۹۸۸ء) میں شائع کیا ہے۔ اس طرح قائد اعظم محمد علی جناح کے نام علامہ اقبال کے خطوط کی تعداد اب انیس (۱۹) ہو جاتی ہے۔

۳۔ اقبال نامہ (حصہ اول) مرتبہ شیخ محمد عطاء اللہ ۱۹۴۵/۱۹۴۴ء لاہور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاد شیخ محمد عطاء اللہ نے اس جلد میں دو سو چھیاسٹھ (۲۶۶) خطوط شامل کیے ہیں۔ جو ۴۵ مکتوب الیہم کے نام ہیں۔ اسی ایڈیشن کے بعض نسخوں میں کچھ ترمیم و اضافہ کر کے بعض صفحات تبدیل کر دیے گئے تھے۔ (اس کی تفصیل صہبا لکھنوی کی کتاب "اقبال اور بھوپال" میں دیکھی جا سکتی ہے۔) لیکن دوسرا ایڈیشن اب تک نہیں چھپا ہے۔

۴۔ اقبال از عطیہ بیگم۔ یہ کتاب سب سے پہلے انگریزی میں شائع ہوئی (وکٹری پرنٹنگ پریس، بمبئی VICTORY PRINTING PRESS, BOMBAY ۱۹۴۷ء صفحات ۸۸۔ اس کتاب میں اقبال کے دس (۱۰) خطوط مع عکس شامل ہیں۔ یہ خطوط جولائی ۱۹۵۰ء میں "نگار" لکھنؤ میں سب سے پہلے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں ضیاء الدین برنی نے اس کتاب

کا اردو ترجمہ کیا جو اقبال اکادمی کراچی نے شائع کیا۔ اس کتاب میں عطیہ بیگم کے نام اقبال کے ایک خط محرّرہ ۲۹ ر مئی ۱۹۳۲ء کی عکس نقل شامل ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ درج نہیں۔ جب کہ اصل کتاب میں یہ خط شامل نہیں ہے۔ اس طرح عطیہ بیگم کے نام اقبال کے خطوط کی تعداد گیارہ (۱۱) ہو جاتی ہے۔ اس مجموعے کا دوسرا ترجمہ منظر عباس نقوی نے کیا، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اہتمام سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا تیسرا ترجمہ عبدالعزیز خالد کا ہے۔ (۱۹۷۵ء آئینۂ ادب لاہور) تعداد صفحات ۹۰ + ۲۔ یہی کتاب ہمارے پیش نظر تھی۔ بہر حال ہم نے زیرِ نظر کلیات میں ازسرِنو ترجمہ کیا ہے۔ (بحوالہ صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ مطبوعہ۔ اقبال ریویو۔ لاہور)۔

۵۔ اقبال نامہ (حصۂ دوم) مرتبہ شیخ محمد عطاء اللہ ۱۹۵۱ء لاہور۔ اس مجموعے میں ایک سو ستاسی (۱۸۷) خطوط شامل ہیں۔ جو بیتالیس (۴۲) مکتوب الیہم کے نام لکھے گئے ہیں۔

۶۔ مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں۔ ۱۹۵۴ء شائع کردہ بزم اقبال لاہور۔ اس مجموعے میں اناسی (۸۹) اردو خطوط ہیں اور یہ سب خان محمد نیاز الدین خاں کے نام ہیں (تعداد صفحات ۵۵ + ۲)۔

۷۔ مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی (مرتبہ نذیر نیازی) طباعت اول ۱۹۵۷ء اقبال اکادمی لاہور۔ اس میں نذیر نیازی کے نام ایک سو اناسی (۱۷۹) خطوط شامل ہیں۔ (تعداد صفحات ۳۷۲ + ۲۸) رفیع الدین ہاشمی نے خطوط کی تعداد ایک سو بیاسی (۱۸۲) لکھی ہے۔

۸۔ انوار اقبال ۔ بشیر احمد ڈار کا مرتبہ مجموعہ اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں مکاتیب کی تعداد ایک سو پچیاسی (۱۸۵) بتائی جاتی ہے لیکن صابر کلوروی صاحب کے مضمون "مکاتیب اقبال کے مآخذ ۔ ایک تحقیقی جائزہ" کی روشنی میں اس مجموعہ میں ایک سو اکیانوے (۱۹۱) خطوط ہیں۔

خطوط کی تعداد میں یہ اختلاف اس لیے ہے کہ ہر اس تحریر کو خط تصور کیا گیا ہے جو بطور خط ہی بھیجی گئی ہے۔ اس مجموعہ کے آٹھ (۸) خطوط دیگر مجموعوں میں شامل ہیں۔ اس طرح ایک سو تراسی (۱۸۳) خطوط نئے ہیں۔ جن میں دو (۲) خط فارسی میں ہیں۔

۹۔ LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL مرتبہ بشیر احمد ڈار پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۶۷ء اقبال اکادمی پاکستان لاہور (تعداد صفحات ۱۲۸ + ۸) اس میں چھیالیس (۴۶) خطوط شامل ہیں۔

۱۰۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی طبع اول ۱۹۶۹ء اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ اس میں غلام قادر گرامی جالندھری کے نام اقبال کے نوے (۹۰) خطوط ہیں۔ طبع دوم جون ۱۹۸۱ء میں بیگم گرامی کے موسومہ خطوط بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔ (تعداد صفحات ۲۵۷ + ۱۲)

۱۱۔ نوادرِ اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ۱۹۷۳ء لاہور مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام اقبال کے مزید نودریافت پچاس (۵۰) خطوط جنھیں ضروری وضاحتوں کے ساتھ جناب محمد عبداللہ قریشی نے صحیفہ (لاہور) اقبال نمبر ۱۹۷۳ء میں شائع کیا تھا۔ اب مہاراجہ کشن پرشاد کے نام اقبال کے ننانوے (۹۹) خطوط موجود ہیں۔ اور اقبال کے موسومہ شاد کے باون (۵۲) خطوط مع مقدمہ و حواشی "اقبال بنام شاد" مرتبہ محمد عبداللہ قریشی شائع کردہ بزم اقبال لاہور (۱۹۸۶ء) میں آگئے ہیں۔ (تعداد صفحات ۴۰۸)

۱۲۔ خطوطِ اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی ۱۹۷۶ء مکتبہ خیابان ادب لاہور۔ اس مجموعہ میں ایک سو گیارہ (۱۱۱) مدون خطوط ہیں جو ستتر (۷۷) مکتوب الیہم کو لکھے گئے (تعداد صفحات ۳۷۶)

۱۳۔ LETTERS OF IQBAL مرتبہ بشیر احمد ڈار ۱۹۷۸ء لاہور۔ اس کتاب میں اقبال کے پندرہ (۱۵) انگریزی خطوط شامل ہیں۔

۱۴۔ خطوط اقبال بنام بیگم گرامی۔ مرتبہ حمید اللہ شاہ ہاشمی ۱۹۸۷ء محبوب بک ڈپو امین پور بازار، فیصل آباد (پاکستان) اس مختصر کتابچہ میں بیگم غلام قادر گرامی کے موسومہ دس (۱۰) خطوط ہیں (صفحات ۸۰) ان میں آٹھ (۸) خطوط محمد عبد اللہ قریشی نے "مکاتیب اقبال بنام گرامی" میں شامل کر لیے ہیں۔

۱۵۔ اقبال کے خطوط جرمن خواتین کے نام۔ علامہ اقبال نے جرمن خاتون فرائلاین ایما ویگیناسٹ FRAULEIN EMMA WAGENAST کو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۳ء کی درمیانی مدت میں جو خطوط انگریزی اور جرمن زبان میں لکھے ان میں سے صرف ستائیس (۲۷) خط ملے ہیں۔ جو مس ویگیناسٹ نے خود ممتاز حسن مرحوم کے حوالے کیے تھے۔ جو اس وقت پاکستان جرمن فورم (PAKISTAN GERMAN FORUM) کے صدر تھے۔ ان خطوط کا اردو ترجمہ جناب سعید اختر درانی کی کتاب "اقبال یورپ میں" میں شامل ہے۔ (ص ۱۰۹ + ۱۴۲) خطوط سے متعلق تمام ضروری تفصیلات بھی مذکور بالا کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ (شائع کردہ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۵ء)

۱۶۔ اقبال نامے مرتبہ ڈاکٹر اخلاق اثر ۱۹۸۱ء بھوپال۔ اس میں اقبال کے اکہتر (۷۱) خطوط ہیں۔ مگر بیشتر وہ ہیں جو اس سے پہلے مجموعوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور جن کا کچھ براہ راست یا بالواسطہ تعلق بھوپال سے ہے۔ صرف چند خطوط اس میں پہلی بار چھپے ہیں (تعداد صفحات ۱۰۴)

۱۷۔ اقبال جہانِ دیگر۔ مرتبہ محمد فرید الحق ایڈووکیٹ ۱۹۸۳ء گردیزی پبلشرز کراچی۔ اس میں راغب حسن کے نام اردو انگریزی زبانوں میں لکھے ہوئے چوالیس (۴۴) خطوط ہیں۔ (تعداد صفحات ۱۰۲)

۱۸ IQBAL HIS POLITICAL IDEAS AT CROSSROAD مرتبہ حسن احمد ڈار مارچ ۱۹۷۹ء پرنٹ ویل پبلیکیشنز علی گڑھ۔ اس میں اقبال کے نو (۹) خطوط مع عکس شامل ہیں پروفیسر ای۔ جے۔ تھامسن (E J THOMPSON) آکسفورڈ یونیورسٹی (تعداد صفحات ۹۸)

۱۹. مظلوم اقبال - مرتبہ شیخ اعجاز احمد۔ اس میں علامہ اقبال کے برادر زادے شیخ اعجاز احمد کے موسومہ ایک سو تین (۱۰۳) خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کی اصلیں اقبال میوزیم پاکستان کو دے دی گئی ہیں۔ شیخ اعجاز احمد نے ان کی وضاحتیں بہت تفصیل سے لکھی ہیں۔ مگر بعض خطوط سے عبارتوں کو حذف بھی کر دیا ہے۔ (سال اشاعت ۱۹۸۵ء کراچی تعداد صفحات ۳۷۷) بعد میں یہ خطوط مع حذف شدہ حصّوں کے مجلّہ ماہنامہ "شاعر" بمبئی کے "اقبال نمبر" (جلد اول) (جنوری تا جون ۱۹۸۸ء) میں شائع ہو گئے ہیں۔

ان مجموعوں کے علاوہ خاصی قابل لحاظ تعداد ان خطوط کی ہے جو متفرق کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں یا وقتاً فوقتاً دریافت ہو کر مجلّات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ اس طرح اقبال کے جو اردو انگریزی مکتوبات اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان کی تعداد لگ بھگ چودہ سو پچاس (۱۴۵۰) ہوتی ہے۔ ان میں کچھ خطوط ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں جو پہلی بار اس کلیات میں شامل ہو رہے ہیں۔ انگریزی خطوط کی تعداد تقریباً سوا سو (۱۲۵) ہے جن کا ترجمہ شامل کلیات ہے۔ جرمن زبان میں سترہ (۱۷) خطوط ہیں۔

مطالعہ اقبالیات کے دوران اکثر شدت سے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے نیز ان کی شاعری کا فکری پس منظر جاننے کے لیے خطوط اقبال کا مطالعہ ازبس مفید ہے اور یہ مطالعہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ان سب خطوط کو یک جا کر کے تاریخی ترتیب اور ضروری حواشی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔ خطوط کے مختلف مجموعے اس سے پہلے بھی تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش ہوئے ہیں، مگر کلیات مکاتیب کو زمانی تسلسل سے پیش کرنے کی یہ کوشش اردو میں یقیناً پہلا قدم ہے۔ اقبال کے سوا مرزا غالب کے خطوط بھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں اور وہ متعدد بار چھپے بھی ہیں مگر غالب کے تمام خطوط کو بھی تاریخی ترتیب (CHRONOLOGICAL ORDER) میں ابھی

تک پیش نہیں کیا گیا ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ہر مکتوب الیہ کے نام کے خطوط یک جا کر دیے جاتے ہیں اس سے تاریخی تسلسل قائم نہیں رہتا اور لکھنے والے کے ذہنی ارتقار کا پتا لگانا دشوار ہوتا ہے، یہ جمع و ترتیب کی سہل ترین صورت ہے اور تاریخی ترتیب میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ جب تک تمام مواد قبضے میں نہ آجائے، یہ ترتیب مکمل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب ان سب خطوط کو تاریخ وار مدوّن کر لیا گیا تو یہ اندازہ ہوا کہ ان میں ایک غیر محسوس ربط و تسلسل پیدا ہو گیا ہے اور ان کے مطالعے سے فکرِ اقبال نہ صرف روشن تر ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے بلکہ اُن کی شخصیت کے نشو و ارتقا کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک خاص دور میں اقبال کے خطوط کسی خاص مسئلے کے محور پر گھومتے ہیں۔ مثلاً پہلی جلد میں اُن کے خطوط فرائلاین ویگنا سٹ اور عطیہ فیضی کے نام اُن کی جذباتی زندگی کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ یا مہاراجہ کشن پرشاد کے موسومہ خطوط زیادہ تر اُس کوشش سے متعلق ہیں جب اقبال نے اپنے ذہن کو حیدر آباد میں ملازمت کرنے کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔ مگر وہ کسی باعزت اور پُر وقار ملازمت کے خواہاں تھے جو افسوس ہے کہ ریاست حیدر آباد اُن کو نہ دے سکی۔

یا "اسرارِ خودی" کی اشاعت کے بعد اُن کے نظریۂ تصوف کے بارے میں جو مباحث پیدا ہوئے اُن سب امور کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں اب اور زیادہ وضاحت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اس تاریخی ترتیب سے کل خطوط کا مطالعہ کرنے سے اقبال کی سوانح نگاری کا کام بھی بہت سہل ہو جاتا ہے۔ اس کا افادہ صرف ناقدین و محققین ہی کے لیے نہیں عام قارئین کے لیے بھی اہم ہے۔ خطوطِ اقبال کے اگرچہ متعدد مجموعے چھپے ہیں لیکن یہ سب بازار میں ملتے بھی نہیں، "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کی اشاعت سے سارے خطوطِ اقبال کے پرستاروں کی دسترس میں آجائیں گے۔ علامہ اقبال کے خطوط پر کام کرنے میں کچھ دشواریاں بھی سامنے آتی ہیں اس لیے کہ۔

(الف) علامہ کے مکتوب الیہم کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اس میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد، سر اکبر حیدری، سر راس مسعود، قائداعظم محمد علی جناح جیسی شخصیات بھی ہیں، اُن کے معاصرین، رشتہ دار، عام قاری اور مداحین، سیاسی رہنما اور اخبار نویس، علماء اور شعراء، اہلِ خانقاہ، غرض طرح طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ان سب مکتوب الیہم کے احوال وظروف سے واقف ہونا بھی ان خطوط کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ازبس ضروری ہے۔

(ب) ان کا سب سے پہلا خط (جواب تک دریافت ہوا ہے) مولانا احسن مارہروی کے نام ہے جو ۲۸ فروری ۱۸۹۹ء کو لکھا گیا تھا اس وقت اقبال کی عمر بائیس (۲۲) سال تھی۔۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے یقیناً خطوط لکھے ہونگے مگر اُن میں سے کوئی تحریر ابھی تک نہیں ملی ہے۔ انھوں نے اپنا آخری دستیاب خط (۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء) کس کے نام لکھوایا ہے یہ مسئلہ ابھی تک متنازعہ ہے۔

(ج) وہ صرف اردو ہی میں خط نہیں لکھتے، اُن کے بہت سے خطوط انگریزی میں بھی ہیں، جو اکثر اُنھوں نے اپنے قلم ہی سے لکھے ہیں۔ ابتدا میں بعض خطوط فراؤلاین ویگناسٹ کو جرمن زبان میں بھی لکھے ہیں۔ مصطفیٰ المراغی کے نام ایک خط عربی میں، آقائے سعید نفیسی کے نام دو خطوط فارسی میں بھی ملتے ہیں۔ انگریزی کے جو خطوط دریافت ہو چکے ہیں وہ علیحدہ جلد میں پیش کیے گئے ہیں۔ جن خطوط کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ ترجمہ تسلی بخش ہے، اسے اردو خطوط کی جلدوں میں تاریخی اعتبار سے اُن کے مناسب مقام پر شامل کر لیا گیا ہے۔ جن تراجم میں کچھ جھول محسوس ہوا اُن کا ازسرِنو ترجمہ کیا گیا ہے یا سابقہ ترجمہ میں مناسب ردّو بدل سے کام لیا گیا ہے۔

(د) بعض شخصیتوں سے ان کی بہت زیادہ خط و کتابت رہی ہے۔ مثلاً گرامی جالندھری۔ مگر اُن کے موسومہ خطوط بھی نسبتاً بہت کم ملے ہیں۔ سب سے

پہلا مجموعہ "شادِ اقبال" ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے شائع کیا تھا جس میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام علامہ کے انچاس (۴۹) خطوط تھے، لیکن ۱۹۴۳ء میں شاد کے موسومہ پچاس (۵۰) خطوط اور مل گئے۔ اقبال نے بعض علمی مسائل پر مولانا انور شاہ کشمیری سے بھی استفسارات کیے تھے خصوصاً جس زمانے میں وہ اپنے لکچرز لکھ رہے تھے، مگر حیرت ہے کہ مولانا کشمیری کے نام اقبال کا صرف ایک خط دستیاب ہوتا ہے، جو "اقبالنامہ" میں شامل ہے۔

(۵) اقبال خط کا جواب لکھنے میں بہت مستعد تھے۔ عموماً فوراً جواب لکھتے تھے، بیماری اور معذوری کے زمانے میں دوسروں سے لکھواتے تھے، لیکن خط لکھنے میں اُن کے ہاں کوئی اہتمام یا تصنع مطلق نہیں تھا، خطوط کی عبارت بھی بے تکلف ہے، سیدھے سادے الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرتے ہیں، شدید رنج یا خوشی میں بھی اپنے جذبات کا بے محابا اظہار نہیں کرتے۔ مثلاً اپنے عزیز ترین دوست سر راس مسعود کے انتقال کی اطلاع پاتے ہی اُن کے سکریٹری جناب ممنون حسن خاں کو یوں لکھا:

"سخت پریشان ہوں، مفصل حالات سے مجھے آگاہ کیجیے۔
میرے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے" (۳۱ر جولائی ۱۹۳۷ء)

لیڈی راس مسعود کو تعزیت کے خط میں لکھتے ہیں۔

"میں آپ کو صبر و شکر کی تلقین کیوں کر کروں، جب کہ میرا دل تقدیر کی شکایتوں سے خود لبریز ہے، مرحوم سے جو میرے قلبی تعلقات تھے اُن کا حال آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، اس بنا پر میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں آپ کے دکھ درد میں شریک ہوں"

(یکم اگست ۱۹۳۷ء)

اپنی اہلیہ (والدہ جاوید اقبال) کے انتقال پر سید نذیر نیازی

کو لکھا:

"کل شام چھ بجے والدہ جاوید اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں
اُن کے آلام و مصائب کا خاتمہ ہوا اور میرے اطمینان قلب کا اللہ
فضل کرے۔" (۲۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

ضبط کی یہی کیفیت خوشی کے مواقع پر بھی برقرار رہتی ہے نواب حمید اللہ خاں نے
اُن کا پانچ سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات مقرر کیا ہے اس کی اطلاع پاکر
سر راس مسعود لکھتے ہیں:

"میں کس زبان سے اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کروں۔ انھوں نے
ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی جب کہ میں چاروں طرف
سے آلام و مصائب میں محصور تھا خدا تعالیٰ ان کی عمر و دولت میں
برکت دے۔"

(۳۰ر مئی ۱۹۳۵ء)

اور سید نذیر نیازی کو لکھا:

"اعلیٰ حضرت نواب صاحب نے میری لائف پنشن پانچ سو روپیہ
ماہوار کر دی ہے خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ انھوں نے
میرے ساتھ عین وقت پر سلوک کیا۔"

(یکم جون ۱۹۳۵ء)

(د) علامہ اقبال کے تمام معلوم خطوط کی تدوین و اشاعت کا منصوبہ اس طرح
بنایا گیا ہے کہ انھیں پانچ جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس تقسیم کے لیے کوئی
جواز بھی ہونا چاہیئے تھا۔ بہت غور و فکر کے بعد اقبال کی تصانیف کو نشانِ راہ بنایا
گیا ہے یعنی 'رموزِ بے خودی'، 'بانگ درا'، 'بالِ جبریل' اور پھر آخری زمانہ۔ اس طرح
اقبال کے ذہنی سفر کو سمجھنے میں بھی آسانی ہوگی۔

(۱) جلد اول میں ۱۸۹۹ سے ۱۹۱۸ء تک لکھے ہوئے تین سو انیس (۳۱۹) خطوط شامل ہیں جن میں سے ایک غیر مطبوعہ ہے اور ایک سو تینتیس (۱۳۳) خطوط کے عکس دیے جا رہے ہیں۔ (۱۹۱۸ء اُن کی تصنیف، رموزِ بیخودی کا سالِ اشاعت ہے۔)

(۲) جلد دوم۔ اس میں ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۸ء تک لکھے ہوئے مکتوبات درج کیے گئے ہیں۔ (اس سال ان کے چھ خطبات "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" لکھے گئے۔)

(۳) جلد سوم۔ میں ۱۹۲۹ء سے آخر ۱۹۳۴ء تک لکھے ہوئے خطوط شامل ہیں۔ (جنوری ۱۹۳۵ء میں "بالِ جبریل" کی اشاعت ہوئی۔)

(۴) جلد چہارم۔ میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک لکھے ہوئے مکتوبات شامل کیے گئے ہیں۔ (۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء علامہ اقبال کی تاریخِ وفات ہے۔) اس آخری جلد کے دوسرے حصے میں علامہ کے خطوط کا تنقیدی و تحلیلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں

(الف) چاروں جلدوں میں شامل خطوط کی مکمل فہرست (بحسبِ تاریخ)

(ب) مکتوب الیہم کی مکمل فہرست (ابجدی ترتیب سے)

(ج) چاروں جلدوں میں اشخاص، مقامات و ادارے اور کتب و رسائل کا مکمل اشاریہ بھی دیا جا رہا ہے۔

(د) سب جلدوں کا ایک جامع اشاریہ (MASTER INDEX) اور خطوط میں جن موضوعات پر لکھا گیا ہے ان کا اشاریہ آخری جلد میں دیا جا رہا ہے۔

(۵) جلد پنجم۔ علامہ اقبال کے انگریزی خطوط پر مشتمل ہے۔ انگریزی کے تمام خطوط کا اردو ترجمہ جلد اول تا چہارم میں باعتبارِ تاریخ اپنے اپنے مقام پر دے دیا گیا ہے اور انگریزی کے اصل خطوط اس جلد میں تاریخی ترتیب سے

یک جا کر دیے گئے ہیں۔

*کلیات مکاتیب اقبالؒ کی ترتیب و تدوین میں اُمورِ ذیل کا خاص طور سے دھیان رکھا گیا ہے۔

(الف) تمام خطوط کو تاریخی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ جن خطوط کی تاریخیں پچھلے مجموعوں میں غلط چھپ گئی تھیں، بعد میں کی جانے والی تحقیق کی روشنی میں ان کی تاریخ درست کرلی گئی ہے۔ بعض خطوط پر تاریخ درج نہیں تھی۔ ان کا زمانہ اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی روشنی میں ہم نے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی ہیں جن پر تاریخ نہیں ہے اور دوسرا کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے زمانۂ کتابت متعین کرنے میں مدد مل سکے۔ ایسے بلا تاریخ خطوط چوتھی جلد کے آخر میں یک جا کر دیے گئے ہیں۔

(ب) ہر جلد میں جن مکتوب الیہم کے نام لکھے ہوئے خطوط آئے ہیں یا جن کا حوالہ خطوط کے متن میں آیا ہے ہم نے ان کے بارے میں ضروری سوانحی خاکے بھی کسی تناسب سے فراہم کر دیے ہیں۔ اور کوشش یہ کی ہے کہ حاشیہ ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہو اور اقبال و اقبالیات سے اُس کا ربط بھی، خواہ وہ خفی ہی کیوں نہ ہو، واضح کر دیا جائے مثلاً اقبال کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کے بارے میں عام قاری کو زیادہ معلومات نہیں ہیں، تو ہم نے حاشیہ قدرے مفصل لکھا ہے۔ مغربی شعرا، اُدبا اور مفکرین پر بھی زیادہ وضاحت سے اِس لیے لکھا ہے کہ اُردو کے قاری کے لیے سُود مند ہو۔ البتہ دیباچہ میں جن ادیبوں کے نام آئے ہیں اُن پر مختصر نوٹ لکھنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض شخصیات پر ہمارے پیش رو جامعین مکتوبات (محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) مفید حواشی لکھ چکے ہیں، ہم نے کہیں اِن حضرات کے لکھے ہوئے حواشی اور تعلیقات کو برقرار رکھا ہے کہیں اُن میں ترمیم بھی کی ہے اور بعض حالات میں کچھ اضافے کیے ہیں، اِن حضرات کا نام وہیں ظاہر کر دیا گیا ہے جہاں اُن سے اخذ کیا ہے۔ حواشی کی بڑی تعداد خود

ہماری لکھی ہوئی ہے۔ جن کتابوں کے یا مقامات کے نام خطوطِ اقبال میں آئے ہیں اُن کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ ان کے لیے کتابوں کے علاوہ بعض اشخاص سے بھی مدد لی گئی ہے جن میں جناب مالک رام صاحب، جناب میر عابد علی خاں صاحب مدیرِ اعلیٰ روزنامہ "سیاست" حیدرآباد، پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب جناب ابوالفیض سحر صاحب اور پروفیسر عبدالودود اظہر صاحب بطورِ خاص دلی اور پُرخلوص شکریے کے مستحق ہیں۔ پھر بھی خطوط میں کچھ نام ایسے غیر معروف آتے ہیں جن کے بارے میں کوشش کے باوجود معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

(د) کلیاتِ مکاتیب کے متن کی صحت کے لیے یہ ضروری تھا کہ علامہ اقبال کے تمام اصل خطوط یا اُن کے عکس جن اصحاب یا اداروں کی تحویل میں ہیں، ان کے عکس حاصل کیے جائیں کیونکہ متن میں اگر ایک لفظ بھی بدل جائے تو جملہ کا مفہوم ہی خبط ہو جاتا ہے۔ ان خطوط کے عکس حاصل کرنے کے لیے ہمیں جو ہفت خواں طے کرنے پڑے اُن کا اب کیا تذکرہ کیا جائے ؎

سفینہ جب کہ کنارے سے آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیئے

جلدِ اول کی کتابت بہت عرصہ پہلے مکمل ہو چکی تھی، مگر اس کی اشاعت میں اس لیے تاخیر ہوتی رہی کہ اصل خطوط (جو زیادہ تر پاکستان میں ہیں) کے عکس ہماری دسترس میں نہ تھے۔ ہم نے پاکستان کے تقریباً تمام ماہرینِ اقبالیات سے رجوع کیا، مگر یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ چند حضرات کے سوا کسی نے دل گرمی سے تعاون نہیں کیا، بعض حضرات نے تو جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی۔ جن حضرات نے دستِ تعاون بڑھایا اُن میں پروفیسر مرزا محمد منور (ناظم اقبال اکادمی پاکستان) اور جناب سہیل عمر (نائب ناظم اقبال اکادمی پاکستان) کے علاوہ جناب صابر کلوروی کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے تقریباً سات سو بیس (۷۲۰) صفحات کے عکس (جن میں اقبال کے لگ بھگ آدھے

خطوط آ گئے ہیں، فراہم کیے۔ اس پہلی جلد میں علامہ کے ایک سوچوالیس(۱۴۴) خطوط کے عکس شامل ہیں جو اس جلد کے مشمولہ کل خطوط کا ایک تہائی سے زائد ہوتے ہیں بعض خطوط کے عکس اتنے خراب تھے کہ انھیں اس میں شامل کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوتا، مجبوراً انھیں روک لیا گیا۔ پھر بھی کسی مجموعہ میں اتنے عکس کا فراہم ہو جانا یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے لیے ان حضرات کا علم دوستی اور فراخ دلی کا اعتراف و اظہار نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی۔ جناب محمد اسرائیل صدیقی، گورنمنٹ کالج پشاور نے بھی اس سلسلے میں بہت مدد کی۔ میرے دیرینہ اور عزیز دوست ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس کام کے لیے پاکستان کے سفر کی صعوبت بھی برداشت کی، اور اپنے دوستوں کی مدد سے جن میں جناب جاوید طفیل (ایڈیٹر نقوش) اور جناب سراج منیر (ناظم ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور) خاص طور سے لائقِ ذکر ہیں، یہ تمام عکس مجھے فراہم کر کے دیے۔ ان کے کرم ہائے بے حساب کا ذکر بار بار آئے گا۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے بھی از راہِ نوازش چند خطوط کے عکس عنایت فرمائے۔ جناب مظہر محمود شیرانی صاحب اور جناب تحسین فراقی صاحب نے بھی ایک ایک خط کا عکس ارسال فرمایا۔ میرے عزیز عرفان احمد امتیازی صاحب نے بھی اِس سلسلے میں بہت تعاون کیا، اُن کے لیے شاید رسمی شکریے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

جناب مختار مسعود صاحب (پرنسپل اسٹاف ٹریننگ کالج لاہور) جناب شیخ عطاء اللہ مرحوم مرتبِ اقبالنامہ کے صاحبزادے ہیں۔ وہ اقبالنامہ کا نیا ایڈیشن چھپوا رہے ہیں۔ اُنھوں نے اس ایڈیشن کے کتابت شدہ اوراق کے عکس ہمیں بھیجنے کی اجازت دی، اور جناب محمد سہیل عمر صاحب نے یہ عکس ارسال فرمائے۔ میں اِن دونوں حضرات کی کرم فرمائی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اقبالنامہ (جلد اول اور جلد دوم) کے خطوط کا موازنہ اس زیرِ اشاعت نئے ایڈیشن سے کر کے متن کو درست کیا گیا ہے۔

پھر بھی مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ابھی برصغیر میں وہ علمی اور تحقیقی روایت قائم نہیں ہوئی جو یورپ میں عام ہے۔ مثال کے طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر جناب عبدالعزیز میمن صاحب مرحوم مشہور عربی کلاسیکی شاعر المعرّی پر کام کر رہے تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ مشہور مستشرق کرنکاؤ بھی اسی موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ میمن صاحب نے انھیں خط لکھا اور اعانت کی درخواست کی۔ پروفیسر کرنکاؤ نے نہ صرف سارا مواد جو انھوں نے بڑی کاوش سے جمع کیا تھا میمن صاحب کو روانہ کر دیا بلکہ یہ بھی لکھا کہ جب تک آپ چاہیں اس کو اپنے پاس رکھیں اور کسی وجہ سے واپس نہ کر سکیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ اللہ یہ ہے معارف پروری، اور علمی تحقیق میں تعاون و امداد کی روشن روایت۔ جس کا فی الحال ہم برّصغیر میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے علامہ اقبال کے چھیاسٹھ (۶۶) مکاتیب بنام مولانا سید سلیمان ندوی کی عکسی نقول بتوسط محبّی مولانا سید احمد ہاشمی مرحمت فرمائیں جس کے لیے میں ان کا مرہونِ منّت ہوں۔

(ج) خطوطِ اقبال کے اب تک جتنے مجموعے شائع ہوئے ہیں ان میں ترتیب و تدوین کے مہماتِ اصول کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کے باوجود 'اقبال نامہ' میں بہت سی کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔ خان محمد نیاز الدین خاں کے موسومہ خطوط کی صحتِ متن کا صداقت نامہ تو جسٹس اے رحمٰن نے دیا ہے مگر اس میں بھی بہت سی وضاحتیں نہیں ملتیں۔ سب سے اچھی اور قابلِ قدر تدوین مکتوباتِ اقبال (مرتبہ سید نذیر نیازی)، خطوطِ اقبال (مرتبہ رفیع الدین ہاشمی) اور اقبال بنام شاد (مرتبہ محمد عبداللہ قریشی)، کی ہے، ہاشمی صاحب نے خطوطِ اقبال کے مقدمہ میں مکتوباتِ اقبال کے تمام چھوٹے بڑے مجموعوں کی خوبیوں اور خرابیوں کا بھی بہت اچھا جائزہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح اُن کی کتاب "تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" میں بہت مفید تنقیدی تجزیہ ملتا ہے۔ جناب صابر کلوروی صاحب

نے بھی مکاتیب اقبال پر نہایت بصیرت افروز اور تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کے تین عالمانہ مقالے (۱) "مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ" (شائع شدہ اقبال ریویو) (۲) "مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق" (شائع شدہ صحیفہ لاہور ۸۳ ۱۹ء) اور (۳) "روحِ مکاتیبِ اقبال۔ ایک تنقیدی جائزہ" سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی کتاب "اقبال ایک مطالعہ" میں اُن کا مضمون "مکاتیبِ اقبال پر ایک تنقیدی نظر" شامل ہے۔ اِن عالمانہ مضامین کو ہم نے "کلیات مکاتیب اقبال" کی ترتیب و تدوین کرتے ہوئے بطورِ خاص پیشِ نظر رکھا ہے' اور وہاں جو مباحث تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں اُنھیں اِس مقدمہ میں دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔

(۵) ایک اہم مسئلہ متن خطوط (ٹیکسٹ) کی پیش کش کا ہے۔ علامہ مرحوم خطوط کا جواب عموماً فوراً لکھ دیتے تھے' اور عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ جواب دینے کے بعد وہ اپنا موسومہ خط ضائع کر دیا کرتے تھے۔ اگر وہ خطوط محفوظ ہوتے جو علامہ کے نام آئے' اور جن کے جواب میں مرحوم نے خط لکھا' تو خطوط اقبال کی ترتیب و تدوین کا مرحلہ بہت آسان ہو جاتا اور بہت سی گتھیاں پیدا ہی نہ ہوتیں یا نہایت آسانی سے سلجھ جاتیں۔ پھر بھی علامہ کے موسومہ چند خطوط مختلف مآخذ میں ملتے ہیں اُن کو ہم نے اقبال کے تحلیلی مطالعہ میں استعمال کیا ہے۔

علامہ اقبال کے ہاں خطوط نویسی میں کوئی اہتمام خاص نہیں تھا' القاب وہ بہت مختصر اور مکتوب الیہ کے رتبے کی رعایت سے لکھتے ہیں۔ عبارت میں اختصار کے ساتھ جامعیت ہے۔ وہ عموماً چھوٹے چھوٹے جملے لکھتے ہیں اور عبارت آرائی نہیں کرتے۔ اکثر خطوط قلم برداشتہ لکھے ہیں۔ اِس لیے اُن سے زبان و محاورہ کی غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ تذکرو تانیث کے معاملے میں وہ مسلّمہ اصولوں سے انحراف بھی کر جاتے ہیں' کبھی سبقتِ قلم سے کوئی لفظ رہ بھی جاتا ہے۔ خط پر تاریخ

کبھی وہ اوپر لکھتے ہیں کبھی آخر میں۔ کبھی تاریخ مع ماہ و سال پوری ہوتی ہے کبھی صرف ۲۹؍ جون لکھیں گے، کبھی سنہ کے پورے اعداد ہوں گے اور کہیں صرف ۳۸ لکھ دیں گے۔ ہم نے اس کا التزام صرف ان خطوط میں کیا ہے جن کی اصلیں یا عکسی نقلیں ہم نے دیکھی ہیں۔ جو خطوط مطبوعہ ماخذ سے نقل ہوئے ہیں ان میں ہم نے ایک طے شدہ معیاری (سٹینڈرڈ) طریقہ کی پیروی کی ہے۔

(د) یہی معاملہ املا کا ہے۔ اردو کا کوئی معیاری املا نہیں ہے۔ پھر بھی صحت سے وہ املا زیادہ قریب ہے جس کے رہنما اصول انجمن ترقی اردو ہند نے تیار کیے تھے۔

علامہ اقبال اکثر الفاظ ملا کر لکھتے ہیں جیسے۔ آپکا، ملجانی چاہیئے، کرونگا وغیرہ۔ مخلوط آواز کے ہندی حروف وہ اکثر ہائے مختفی سے لکھتے ہیں۔ بہائی (بھائی) بہلا (بھلا) لکہنے (لکھنے) مجہے (مجھے) وغیرہ۔

جہاں ہائے مختفی کا استعمال ہونا چاہیئے وہاں وہ دوچشمی (ھ) استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کھا تھا (کہا تھا) وغیرہ۔

دراصل کسی معیاری املا کے بارے میں وہ شعوری کوشش نہیں کرتے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خط لکھتے ہوئے املا کی طرف اُن کا دھیان جاتا ہی نہ ہوگا۔ بہت غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کے سب خطوط کی اصلیں موجود نہیں ہیں، جو اصلیں (اوریجنل ٹیکسٹ) موجود ہیں اُن کو بجنسہٖ اقبال کے املا میں لکھا جائے تو لامحالہ دوسرے خطوط کو کسی معیاری (سٹینڈرڈ) املا کے ساتھ لکھنا ہوگا۔ اِس طرح متن میں ناہمواری پیدا ہوگی کہ کچھ خطوط اقبال کے اختیار کردہ املا میں ہوں گے اور کچھ ہمارے تجویز کردہ کتابی املا میں ہوں گے۔ اس سے کتاب کی علمی وقعت بڑھنے کی بجائے گھٹ جائے گی۔ لہٰذا ہم نے تمام خطوط میں ایک ہی املا اختیار کیا ہے۔ اگر کہیں املائی اختلاف کے اظہار میں کوئی علمی فائدہ سمجھا تو اُسے حواشی میں ظاہر کر دیا ہے۔

(ز) اقبال کے بعض خطوط میں ہمارے پیش رو جامعین نے ترمیم بھی کی ہے (اقبال نامہ، کی اشاعت کے بعد اس کے بعض صفحات تبدیل کیے گئے اور کچھ خطوط سے عبارتیں حذف کردی گئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، صہبا لکھنوی، اقبال اور بھوپال) بعض خطوط سے کچھ الفاظ یا عبارتیں کسی مصلحت سے حذف کردی گئیں جیسا کہ شیخ اعجاز احمد صاحب نے اپنے موسومہ خطوط (مشمولہ مظلوم اقبالؔ) میں کیا ہے۔

کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن پر خود اقبال نے کانفیڈ ینشل اور ذاتی الفاظ لکھے ہیں، یا مکتوب الیہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اُسے ضائع کردے۔ بعض خطوط دو یا تین بار شائع ہوئے ہیں اور ہر بار اُن میں کوئی معمولی لفظی اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اِسے ناقل کی سہل پسندی کہا جا سکتا ہے، مگر حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب ایک ہی خط کی دو تین روایتوں میں یہ اختلاف بہت نمایاں ہو جاتے ہیں۔ مثلاً خطوطِ اقبال مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (ص ۱۱۴۔ ۱۱۸) پر ایک طویل خط بنام خواجہ حسن نظامی درج ہے جو ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو لکھا گیا تھا یہ خط یوسف سلیم چشتی کی (شرح اسرار خودی، (ص ۲۹۔ ۲۵) میں ملتا ہے اور چشتی صاحب نے اسے رسالہ 'خطیب' دہلی (۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہاں سے پروفیسر رحیم بخش نے اِسے 'اوراقِ گم گشتہ' (ص ۷۲۔ ۷۷) میں شامل کیا ہے موخر الذکر کا کہنا ہے کہ تلاش پر معلوم ہوا کہ اول تو ۱۵ جنوری کو 'خطیب' شائع ہی نہیں ہوا ۱۴ جنوری کے شمارے میں یہ خط درج نہیں، شاید ۷ جنوری کے شمارے میں ہو، جو دستیاب نہیں ہو سکا۔ غالباً یہی وہ خط ہے جس پر خواجہ حسن نظامی نے آٹھ سوالات بنا کر بعض اہل تصوف کو بھیجے تھے ان سوالات کے جوابات شاہ سلیمان پھلواروی مرحوم نے دیے جو ۱۴ اور ۲۲ فروری ۱۹۱۶ء کے 'خطیب' میں شائع ہوئے ('اوراقِ گم گشتہ، ص ۷۲۔ ۷۳)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس خط کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے

استفسار کیا تو انھوں نے لکھا کہ "میں نے یہ شرح غالباً ۵۳-۱۹۵۲ میں لکھی تھی اور اُس وقت میرے پاس 'خطیب' ۱۹۱۶ء کا مکمل فائل بھی موجود تھا۔ میرے خیال میں خط کا ماخذ وہی 'خطیب' رسالہ تھا (مکتوب بنام رفیع الدین ہاشمی ۲۴ دسمبر ۱۹۷۵ء)

اِسی خط کا دوسرا متن محمد عبداللہ قریشی نے اپنے مضمون "معرکۂ اسرار خودی" (مجلہ اقبال اپریل ۱۹۵۴ء، ۴۷-۴۰) میں نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر ہاشمی کے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ "۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء کے 'وکیل' امرتسر (یوم شنبہ) کے ص ۵ ہی سے لیا گیا ہے۔ میرے پاس اصل اخبار کا تراشہ بھی موجود ہے۔" (مکتوب عبداللہ قریشی بنام رفیع الدین ہاشمی مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۷۵ء)

اگر یہ خیال کیا جائے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے یہ خط 'وکیل' امرتسر مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء ہی سے 'شرح اسرار خودی' میں نقل کیا ہے اور سہوِ قلم سے 'وکیل' امرتسر کے بجائے 'خطیب' دہلی لکھا گیا ہے تو تعجب کی بات یہ ہے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی (شرح اسرار خودی)، اور پروفیسر رحیم بخش (اوراقِ گم گشتہ) کے متن میں اتنے اختلافات ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ اقبال نے کیا لکھا تھا، اور ان عبارتوں میں یہ تبدیلی کس نے کی ہے؟ یہ اختلافِ متن کی ایک عجیب مثال ہے۔

(ح) اقبال کے بعض خطوط پر جعلی ہونے کا شبہ بھی کیا گیا ہے۔ خصوصاً عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام اُن کے جو خطوط اقبال نامہ میں شامل ہیں ان پر دو وجوہ سے اعتراض ہوئے اول یہ کہ عباس علی خاں لمعہ سے حیدرآباد میں بھی لوگ واقف نہیں، دوسرے اُن کے موسومہ خطوط کی نقل لمعہ نے اپنے قلم سے تیار کرکے شیخ عطاء اللہ مرتب 'اقبالنامہ' کو بھیجی تھی، مرتب نے اصل خطوط نہیں دیکھے۔ ان خطوط میں اقبال نے لمعہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور جو ستائشی کلمات لکھے ہیں وہ لمعہ کی نسبتاً غیر معروف شخصیت اور اقبال کے

اندازِ تحسین سے میل نہیں کھاتے۔

مگر ان شکوک کی بنیاد مضبوط نہیں ہے اور شیخ اعجاز احمد صاحب بھی تصدیق کرتے ہیں کہ لمعہ سے اقبال کی مراسلت تھی۔ لمعہ اقبال کو کتابیں بھی بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ جس میں سے دو ایک کتابیں شیخ اعجاز احمد صاحب کے پاس تاحال محفوظ ہیں۔ اقبال نے ۲۰ رفروری ۱۹۳۵ء کو بھوپال سے بھی ایک خط عباس علی خاں لمعہ کو لکھا تھا۔

ابھی تک اقبال سے منسوب کوئی تحریر سراسر جعلی ثابت نہیں ہو سکی ہے۔

(ط) ہر خط کے آخر میں اس کے ماخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بعض حالات میں ایک سے زیادہ ماخذ میں وہ خط ملتا ہے یا بہت کثرت سے نقل ہوتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ مصادر کے حوالے بھی دیے ہیں لیکن سب مصادر کا احاطہ کرنا ممکن نہ تھا اور مفید بھی نہ سمجھا گیا۔

(ی) خطوط میں جہاں کہیں آیات، احادیث، مقولے یا فارسی اشعار آئے ہیں حتی الامکان اُن کے حوالے تلاش کیے گئے ہیں اور اُن کا ترجمہ بھی عام قاریوں کی سہولت کے لیے درج کر دیا گیا ہے۔

(ک) ہم نے اس کلیات میں اقبال کے تمام مطبوعہ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ خطوط بھی پہلی بار دیے ہیں اس سلسلہ میں خواجہ غلام السیدین مرحوم کی صاحبزادی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید جناب کے۔ ڈی۔ کے سندرم آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ) اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خاص طور سے شکریہ واجب ہے۔ اقبال کا ایک خط بنام عطیہ فیضی (۱۹۰۷ء) بھی پہلی بار شامل ہو رہا ہے۔

ابھی علامہ اقبال کے بہت سے اور خطوط منظر عام پر آئیں گے اور اس کلیات کے آیندہ ایڈیشنوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہے گا۔ میرے عزیز و محترم دوست جناب ممنون حسن خاں صاحب کے پاس کچھ ذاتی خطوط ہیں جن پر علامہ اقبال نے ذاتی یا کانفیڈینشل لکھ دیا ہے وہ کسی طرح منظر عام پر لانے کے لیے آمادہ نہیں ہمارا خیال ہے کہ ایک ادیب اور فنکار کی زندگی کھلی ہوئی کتاب ہوتی ہے جس

میں کچھ بھی "پرائیویٹ" نہیں رہ جاتا۔ اُس کی شخصیت کی مکمل تصویر کشی کے لیے اس کے نہاں خانوں تک پہنچنا بھی اُتنا ہی ضروری بلکہ بعض حالات میں زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے، جتنا مواد ہم اُس کی پبلک لائف سے حاصل کرتے ہیں اُس سے زیادہ معنی خیز اشارے پرائیویٹ خطوط سے مل سکتے ہیں۔

جناب صابر کلوروی، شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد پاکستان نے اپنی کتاب "اشاریۂ مکاتیبِ اقبال" کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"راقم الحروف بھی تقریباً پونے دو صد خطوط پر مشتمل ایک نیا مجموعۂ مکاتیب مرتب کر رہا ہے۔"

(ل) اس کلیات میں شامل اکثر خطوط کی اشاعت کے لیے متعلقہ اصحاب سے اجازت بھی حاصل کرلی گئی ہے، اگرچہ یہ ہر مجموعے کے بارے میں ممکن نہیں ہو سکا۔ خطوطِ اقبال کے اب تک جتنے مجموعے شائع ہوئے ہیں اُن کے مرتبین کے کام کی میں تہِ دل سے قدر کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ان خطوط کی موجودہ صورت میں اشاعت کے لیے وہ مجھے بخوشی اجازت دیں گے جس کے لیے میں شکر گزار رہوں گا۔

میرے عزیز اور دیرینہ دوست نثار احمد فاروقی صاحب صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی نے اِن خطوط کی ترتیب میں نہایت مفید مشورے دیے۔ حواشی لکھنے میں میری امداد فرمائی۔ عربی کی عبارتوں اور فارسی کے شعروں کا ترجمہ بھی کیا اور ہر قدم پر میرے اِس اہم اور دشوار کام میں ہاتھ بٹایا۔ میں اُن کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں حقیقت یہ ہے کہ اِس سلسلے میں اُن کے کرم ہائے بے حساب کو کیسے شمار کروں، بقولِ فیضؔ ع

اتنے احسان کہ گنواؤں تو گنوا نہ سکوں!

جناب سلطان انجم صاحب (ایڈیٹر، "نعیمِ ہریانہ") جناب سید راشد حسین صاحب، (لائبریرین، اقلیتی کمیشن) اور ڈاکٹر توقیر احمد خاں صاحب کا بھی شکریہ

اکرتا ہوں کہ یہ سب مختلف اوقات میں میرے لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت
ے کام کرتے رہے ہیں۔

آخر میں دلّی کے لفٹیننٹ گورنر اور اردو اکادمی دلّی کے صدر عالی جناب رومیش بھنڈاری
حب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ اردو اکادمی
ہ اب تک اردو کی ترقّی اور فروغ کے لیے بہت سے قابلِ تحسین کام کیے ہیں۔ جن
ں قدیم کلاسیکی کتابوں کی اشاعت بھی شامل ہے۔ اس سلسلے میں اس نے
کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کی پانچ جلدوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس
ے لیے دلّی اردو اکادمی کا شکریہ واجب ہے۔ بالخصوص اُس کے فعّال اور مستعد
ریٹری جناب سید شریف الحسن نقوی صاحب کا کہ اُن کے بھرپور تعاون کے بغیر
ں دقت طلب اور صبر آزما کام کی تکمیل ممکن نہ تھی۔

سیّد مظفر حسین برنی

۸-لودی اسٹیٹ
نئی دہلی
۱۲ر جولائی ۱۹۸۹ء

حواشی

۱۔ بوفان (GEORGES LOUIS LECLERC BUFFON ۱۷۰۷ — ۱۷۸۸ء)
یہ جملہ بوفان کے اُس خطبہ کا ہے جو اس نے اکادمی فرانس کا رکن بننے پر ۱۷۵۳ء میں دیا تھا اور جو " DISCOURS SUR LE STYLE " کے نام سے شائع ہوا۔ مبسوط تاریخ قدرت (NATURAL HISTORY) کے لیے مشہور ہے جو سائنسی علوم کو یکجا کرنے کی جدید دور میں پہلی کوشش تھی۔

۲۔ ہومر (HOMER) دنیائے ادب کا عظیم رزمیہ شاعر جو اپنی دو رزمیہ نظموں ILIAD اور ODYSSEY کے لیے مشہور ہے جن کا شمار دنیائے ادب کی معرکۃ الآرا کتابوں میں کیا جاتا ہے اس کے زمانۂ حیات کا تعین نہیں ہو سکا۔ غالباً نویں صدی قبل مسیح کے آخری حصّہ میں گزرا ہے۔

۳۔ ہیروڈوٹس (HERODOTUS) (پانچویں صدی قبل مسیح) مشہور یونانی مورخ جس کی تاریخ (HISTORY) مشہورِ زمانہ ہے جو یونان اور ایران کی جنگوں کے ذکر پر مشتمل ہے۔

۴۔ ارسطو (ARTISTOTLE) (۳۸۴ - ۳۲۲ ق۔م) مشہور عالم یونانی فلسفی سیاسی مفکر، ماہرِ نفسیات، منطقی اور نقاد۔

۵۔ ابیقورس (EPICURUS) (۳۴۱ - ۲۷۰ ق م) یونانی فلسفی اور اخلاقی مصلح جو اپنے فلسفۂ عیش کوشی کے لیے مشہور ہے۔

۶۔ پلوٹارک (PLUTARCH) (۴۶ ق م - ۱۱۹ عیسوی) مشہور عالم یونانی سوانح نگار جس کی LIVES یورپ میں سولہویں صدی سے انیسویں صدی تک بہت مشہور رہیں۔

۷۔ سسرو (CICESRO) (۴۳ ق.م ۱۰۶ عیسوی) رومی سیاست داں عالم اور ادیب۔

۸۔ سینکا (بزرگ) (SENECA THE ELDER) (۴ ق م - ۶۵ عیسوی) مشہور رومی سیاست داں، فلسفی، طنز نگار اور اہم مکتوب نگار۔

۹۔ ہوریس (HORACE) (۶۵ ق م - ۸ ق م) لاطینی زبان کا عظیم شاعر۔

۱۰۔ ڈاکٹر سیموئل جانسن (DR. SAMUEL JOHNSON) (۱۷۰۹ء ۱۷۸۴ء) مشہور نقاد، انشائیہ نگار لغت نویس اور شاعر

۱۱۔ لارڈ چیسٹر فیلڈ (LORD CHESTERFIELD) (۱۶۹۴ء - ۱۷۷۳ء) انگریز سیاست دان، سفیر اس نے اپنے ناجائز بیٹے فلپ سٹین ہوپ (PHILIP STANHOPE) کے نام خطوط لکھے جو LETTERS TO THE SON کے عنوان سے شائع ہوئے اور آج بھی مشہور ہیں۔

۱۲۔ ولیم کوپر (WILLIAM COWPER) (۱۷۳۱ء - ۱۸۰۰ء) اپنے زمانے کا مشہور شاعر جس کی حمدیات آج تک انگریزی داں ممالک میں گائی جاتی ہیں۔ اس کا شمار انگریزی زبان کے چوٹی کے مکاتیب نگاروں میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ چارلس لیمب (CHARLES LAMB) (۱۷۷۵ء - ۱۸۳۴ء) مشہور انگریزی انشائیہ نگار۔

۱۴۔ جان کیٹس (JOHN KEATS) (۱۷۹۵ء - ۱۸۱۱ء) انگریزی زبان کے رومانی دور کا مشہور ترین جواں مرگ شاعر۔ اس کے خطوط اپنی محبوبہ فینی براؤن FANNY BROWNE کے نام محبت و خلوص اور درد و کرب سے مملو ہیں۔

۱۵۔ رابرٹ براؤننگ (ROBERT BROWNING) (۱۸۱۲ء۔۱۸۸۹ء)
انیسویں صدی کا مشہور رجائیت پسند انگریزی شاعر۔

۱۶۔ الزبیتھ بیرٹ براؤننگ (ELIZABETH BARRET BROWNING) (۱۸۰۶ تا ۱۸۶۱ء) مشہور انگریزی شاعرہ۔ جس کی شادی براؤننگ سے ہوئی ان دونوں کے عاشقانہ خطوط مشہور ہیں۔

۱۷۔ جارج برنارڈ شا (GORGE BERNARD SHAW) (۱۸۵۶ تا ۱۹۵۰ء)
انگریزی ادب کا بیسویں صدی کا اہم ترین مزاحیہ ڈرامہ نگار۔

۱۸۔ نپولین (NAPOLEAN-I) (۱۷۶۹ تا ۱۸۲۱ء) عظیم جنرل اور فاتح جو ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۸ء تک اور پھر ۱۸۱۵ء میں سو دن کے لیے فرانس کا شہنشاہ رہا اس نے اپنی محبوبہ جوزفین (JOSEPHINE) کے نام بے شمار رنگین محبت نامے لکھے۔

۱۹۔ وکٹر ہیوگو (VICTOR HUGO) (۱۸۰۲ء تا ۱۸۸۵ء) مشہور فرانسیسی شاعر اور ناول نویس۔ جس کا شمار دنیائے ادب کی عظیم ترین شخصیتوں میں ہوتا ہے۔

۲۰۔ گائی دی موپاساں (GUE DE MAUPASSANT) (۱۸۵۰ تا ۱۸۹۳ء)
مشہور فرانسیسی افسانہ نویس اور ناول نگار

۲۱۔ ابوبکر محمد بن العباس الخوارزمی (۲۲۳۔۳۸۳ھ/ ۹۳۵۔۹۹۳ء)
لغت اور علم الانساب کا ماہر تھا۔ اسے عربی کے لاکھوں شعر یاد تھے۔ خود بھی شاعر تھا۔ اس کے رسائل کا مجموعہ مصر سے چھپا ہے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی (ماہر ریاضی) اور محمد بن احمد الخوارزمی صاحب مفاتیح العلوم سے مختلف شخصیت ہے جو مامون الرشید کا معاصر تھا۔

۲۲۔ بدیع الزماں الہمدانی (۳۵۸۔۳۹۸ھ/ ۹۶۷۔۱۰۰۸ء) عربی کا مشہور انشا پرداز اور شاعر ہے۔ مقامات بدیع الزماں ہمدانی، عربی نثر کی مشہور کتاب ہے جو صدیوں تک کتب درسیہ شامل رہی ہے۔

۲۳۔ محمد بن عثمان الحریری (۴۴۶ - ۵۱۶ھ/ ۱۰۵۴ - ۱۱۲۲ء) عربی علم لغت کا امام سمجھا جاتا ہے۔ مقامات حریری جو المسترشد باللہ کے وزیر شرف الدین کی فرمایش پر لکھی تھی۔ صدیوں تک مدارس میں پڑھائی گئی ہے۔

۲۴۔ احمد بن علی بن احمد الغزاری القلقشندی (۷۵۶ - ۸۲۱ھ/ ۱۳۵۵ - ۱۴۱۸ء) مورخ، ادیب، محقق، ممالیکِ مصر کے دارالانشا میں ملازم تھا۔ اس کی تصنیف "صبح الاعشی فی قوانین الانشا" ۱۴ جلدوں میں ہے۔ اس میں تاریخ ادب کے علاوہ شہروں اور ملکوں کے حالات پر بھی بہت قابل قدر مواد آگیا ہے۔

۲۵۔ محمد حسین قتیل (م ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء) فارسی کے علاوہ اردو کے بھی شاعر اور فنِ انشا کے ماہر تھے۔

۲۶۔ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ (۶۶۱ - ۷۸۲ھ/ ۱۲۶۳ - ۱۳۸۰ء) سلسلہ فردوسیہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ منیر، ضلع پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ اور بہار شریف میں مدفون ہیں۔ آپ کے خلفا کی تعداد ۳۱۳ بتائی جاتی ہے آپ کی تصنیفات میں "مکتوبات سہ صدی" "مکتوبات بست و ہشت" وغیرہ مشہور ہیں۔ "معدن المعانی" ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۲۷۔ سیّد محمد مکیؒ۔ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ (ف ۷۵۸ھ) کے خلیفہ ہیں۔ ان کی تالیف "صحائف السلوک" فن سلوک و تصوف میں ہے۔ یہ کبھی شائع بھی ہو چکی ہے۔ مگر کمیاب ہے۔ قلمی نسخے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

۲۸۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (۸۰۶ - ۹۴۴ھ/ ۱۴۵۶ - ۱۵۳۷ء) سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ شیخ احمد عبدالحقؒ ردولوی کے پوتے حضرت شیخ محمد عارفؒ ردولوی سے بیعت تھی۔ گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں درس دیتے رہے۔ "مکتوباتِ قدوسیہ" "رُشد نامہ" "شرحِ عوارف" وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

۲۹۔ رشید الدین فضل اللہ (۶۴۵ھ۔ ۷۱۸ھ) فضل اللہ بن عماد الدولہ ابی الخیر ملقب بہ رشید، طبیب ہمدانی، ایران کے بڑے وزرا، اطبا اور مورخین میں سے تھے۔ آپ منگول بادشاہوں میں سے اباق خاں، غازان خاں اور سلطان محمد خدا بندہ کے دربار میں تھے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور "مکتوباتِ رشیدی" اور "جامع التواریخ" ہیں۔

۳۰۔ ابوالفضل (۱۵۵۱ء۔ ۱۶۰۲ء) اکبر کے نورتنوں میں سے ایک تھا۔ اپنے وقت کا علامہ اور بلند پایہ مصنف، مورخ اور انشا پرداز۔ "اکبر نامہ"، "آئینِ اکبری"، "عیارِ دانش"، "مکتوباتِ علامی" اس کی مشہور تصانیف ہیں۔

۳۱۔ ابوالبرکات منیر لاہوری (۱۰۱۹ھ۔ ۱۰۵۴ھ/ ۱۶۴۴ء) مرزا یوسف خاں (متوفی ۱۰۴۹ھ/ ۴۰۔ ۱۶۳۹ء) کی ملازمت میں ۱۶۴۵ء میں بحیثیت منشی بمقام اکبر آباد داخل ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اعتقاد خاں حاکم جونپور (متوفی ۱۰۸۲ھ/ ۱۶۷۱ء) کے ہاں ملازمت کرلی۔ ہمیشہ مالی مشکلات میں مبتلا رہا۔ بتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ مشہور انشا پرداز گزرا ہے۔ امیر خسرو کے بعد دیباچہ نگاری کا احیا کیا۔ "انشائے منیر" یا "نگارستانِ منیر" اور "نوبہار" اس کی مشہور تصانیف ہیں۔

۳۲۔ چندر بھان برہمن (متوفی ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۰ء) عہد شاہجہاں میں افضل خاں کا معتمد مقرر ہوا۔ اور اس کی وفات (۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۹ء) کے بعد شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ اپنے عہد کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا۔ مکتوب نویسی میں اس کی مشہور تصانیف "چہار چمن" اور "منشآتِ برہمن" ہیں۔

۳۳۔ منشی مادھو رام (متوفی ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء) اورنگ زیب کے زمانے میں لطف اللہ خاں، نائب صوبہ دار لاہور کے منشی تھے۔ کچھ دنوں شاہزادہ جہاندار شاہ کے ملازم بھی رہے۔ "انشائے مادھو رام" برسوں نصابی کتاب کے طور پر

مدارس میں پڑھائی گئی ہے۔

۴۴۔ سید نثار علی بخاری بریلوی، سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی امروہوی (ف ۲ رمضان ۱۱۹۰ھ، ۰ا اکتوبر ۱۷۷۶ء) کے مرید اور خلیفہ۔ فارسی انشا کے ماہر۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُنھوں نے حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے حالات و ملفوظات بھی "مفتاح الخزائن" (۱۲۲۹ھ ۱۸۱۳ء) کے نام سے لکھے تھے۔ فارسی انشا میں ان کی تالیف "انشائے دلکشا" مطبع نولکشور سے چھپی تھی اور مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔

۴۵۔ رجب علی بیگ (۱۲۰۱-۱۲۵۴ھ) انیسویں صدی میں اردو کے ممتاز اور صاحب طرز نثر نگار۔ جنھوں نے اردو کو مسجع و مقفی نثر کے دلآویز نمونے دیے۔ "فسانہ عجائب" ان کی مشہور تصنیف ہے۔

۴۶۔ سر سید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) ہندوستانی مسلمانوں کے مصلح اور رہنما۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی، ادیب، مورخ، مفسر، دانشور، مقرر، اردو میں جدید مغربی افکار کے علمبردار، تصانیف میں "آثارالصنادید" "خطبات احمدیہ" "مقالات سرسید" وغیرہ اہم کتابیں ہیں۔

۴۷۔ مولوی نذیر احمد (۱۸۳۲-۱۹۱۰ء) اردو کے پہلے ناول نگار، جن کا شمار اردو ادب کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔ عربی زبان کے بھی زبردست عالم تھے۔ اُن کا ترجمۂ قرآن عام فہم اور بامحاورہ ہے۔ انڈین پینل کوڈ
) کا بھی ترجمہ "تعزیرات ہند" ان کا کیا ہوا ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "توبۃ النصوح" اور "ابن الوقت" مشہور ہیں۔

۴۸۔ مولوی ذکاءاللہ (۱۸۳۲-۱۹۱۰ء) مشہور ادیب، ریاضی داں، ماہر تعلیم، کثیر التصانیف۔ ان کی تصانیف تقریباً ۱۴۷ بتائی جاتی ہیں۔ جن میں "تاریخ ہندوستان" (۸ جلدیں) بہت قابل قدر ہے۔

۳۹۔ محسن الملک (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۰۷ء) سلطنت آصفیہ کے معتمد اور مشیر، سرسید کے دست راست، مضمون نگار اور مورخ، اعلیٰ درجہ کے مقرر، مصلح علی گڑھ تحریک کے ستون، اردو کے پرجوش حامی تھے۔

۴۰۔ محمد حسین آزاد (۱۸۲۸ء۔ ۱۹۱۰ء) اردو ادب میں جدید افکار اور اسلوب کے بانی، ادیب، انشا پرداز، مورخ اور علم الالسنہ کے ماہر۔ انھوں نے کرنل ہالرائڈ تحریک پر سب سے پہلے موضوعاتی نظمیں لکھیں اور اردو کو نیچرل شاعری سے روشناس کیا۔ ان کا تذکرہ شعرائے اردو "آب حیات" اور فارسی شعرا کا تذکرہ "سخن دان فارس" نیز عہد اکبری کی تاریخ دربار اکبری زندہ جاوید کتابیں ہیں۔

۴۱۔ ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) جنگ آزادی کے بے مثل مجاہد، جید عالم صحافی، ادیب اور انشا پرداز، شعلہ بیان خطیب، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم، نئے ہندوستان کے قابل احترام معمار، "ترجمان القرآن" "تذکرہ" اور "غبار خاطر" آپ کی نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔

۴۲۔ نیاز فتح پوری (۱۸۸۷ء تا ۱۹۶۶ء) نیاز محمد خاں نام، نیاز تخلص۔ اردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز، صحافی اور نقاد۔ ان کی مکتوبات نگاری کا انداز منفرد تھا۔ "گہوارۂ تمدن" "من ویزدان" "شہاب کی سرگزشت" "عرضِ نغمہ" (ٹیگور کی گیتانجلی کا ترجمہ) "نگارستان" "جمالستان" اور خطوطِ نیاز" (دو جلدیں) ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

۴۳۔ چودھری محمد علی ردولوی (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۵۵ء) ردولی ضلع بارہ بنکی کے زمیندار، اردو کے صاحب طرز ادیب، خاص کر مکتوب نگاری میں منفرد۔ شعر و ادب کے علاوہ مطالعۂ مذاہب اور تاریخ سے دل چسپی تھی۔ "کشکولِ محمد علی شاہ فقیر"، "اتالیق بیوی"، یادگار مولوی کرامت حسین" "میرا مذہب" اور خطوط کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا"

ان کی دل چسپ اور اہم تصانیف ہیں۔

۴۴۔ محمد سالم کرینکو ر FRITZ KRENCOW)(۱۸۷۲- ۱۹۵۲ء)
اسلام قبول کرنے کے بعد محمد سالم نام رکھا۔ مشہور مستشرق ۔ اسلامیات اور عربی زبان و ادب میں تقریبًا تمام علوم و فنون کا محقق۔ اس کے علمی کارناموں کا خاص میدان تحقیق نصوص PREPARING OF CRITICAL EDITION OF OLD ARABIC TEXTS کا فن تھا۔ بارہ (۱۲) علیحدہ علیحدہ علوم سے متعلق تقریبًا بتیس (۳۲) اہم ترین مخطوطات کو تصحیح و تحقیق سے مزین کرکے بیشتر کو شائع کیا۔ اس کی کتابوں کی مجموعی تعداد ستر (۷۰) کے قریب ہے۔

مولانا احسن مارہروی کے نام

مکرم بندہ جناب میر صاحب السلام علیکم

دونوں رسالے پہنچے سبحان اللہ دوست صاحب کی غزل کیا مزے کی ہے افسوس ہے کہ اب تک میں نے آپ کے گلدستے کو کوئی غزل نہیں دی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ امتحان کے بعد باقاعدہ ارسال کیا کروں گا ایک تکلیف دیتا ہوں اگر آپ کے پاس استادی حضرت مرزا داغ کی تصویر ہو تو ارسال فرمایئے گا بہت ممنون ہوں گا۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو مطلع فرمایئے گا کہ کہاں سے مل سکتی ہے میں نے تمام دنیا کے بڑے بڑے شاعروں کے فوٹو جمع کرنے شروع کیے ہیں چنانچہ انگریزی، جرمنی اور فرنچ شعرا کے فوٹو کے لیے امریکہ لکھا ہے غالباً کسی نہ کسی استاد بھائی کے پاس تو حضرت کا فوٹو ضرور ہوگا اگر آپ کو معلوم ہو تو از راہ عنایت جلد مطلع فرمائیے۔ حضرت امیر مینائی کے فوٹو کی بھی ضرورت ہے والسلام

خاکسار

محمد اقبال

از لاہور گورنمنٹ کالج بورڈنگ ہاؤس

۲۸ فروری ۱۸۹۹ء

(اقبال نامہ)

نوٹ: اقبال نامہ حصہ اول میں یہ خط تاریخ ادب اردو کے حوالے سے نقل ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پرانا خط ہے جو دستیاب ہوا ہے۔"

رجسٹرار چیف کورٹ لاہور کے نام

بخدمت،

جناب رجسٹرار صاحب۔

چیف کورٹ پنجاب

لاہور

جناب عالی

نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ میں تمام لیکچروں میں حاضری اور تمام فیسوں کی مکمل ادائیگی کے بعد سنہ ۱۸۹۹ء میں قانون کے ابتدائی امتحان میں شریک ہوا تھا، مگر بدقسمتی سے فلسفۂ قانون کے پرچے میں ناکام رہا۔

میں بے حد شکرگذار ہوں گا اگر آپ ازراہ کرم مجھے اس امتحان کیلئے مزید لیکچروں میں حاضری سے مستثنیٰ فرمادیں تاکہ میں دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء میں منعقد ہونے والے امتحان میں شرکت کرسکوں

پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار کا سرٹیفکیٹ منسلک ہے۔

آپ کا تابعدار

محمد اقبال ایم۔اے

میکلوڈ روڈ۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور

دستخط

وشوسنگھ کپور ایڈووکیٹ نمبر ۷ ۹۳

(لیٹرز آف اقبال)

۶؍جون سنہ ۱۹۰۰ء

(انگریزی سے)

منشی سراج الدین[1] کے نام

ڈیر سراج

دو تین روز سے طبیعت بہ سبب دورہ درد کے علیل ہے یہ چند شعر فکر بہ داشتہ آپ کے شکریہ میں عرض کرتا ہوں میرا ارمغان یہی ہے اسی کو قبول کر کے بے مشکور[2] کیجیے چاہیں تو پیشانی پر چند ارد و سطور لکھ کر مخزن میں بھیج دیجیے والسلام

آپ کا اقبال از لاہور

۱۹۰۲ء

آپ نے مجھ کو جو بھیجی ارمغاں انگشتری
دے رہی ہے مہر و الفت کا نشاں انگشتری
زینت دست حنا مالیدۂ جاناں ہوئی
ہے مثال عاشقاں آتش بجاں انگشتری
تو سراپا آیتے از سورۂ قرآن فیض
وقف مطلق اے سراج مہرباں انگشتری
میرے ہاتھوں سے اگر پہنے اُسے وہ دلربا
ہو مورے دل کی ترجماں انگشتری

---

[1] منشی سراج الدین احمد کے بارے میں دیکھیے۔ عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۲۹۴ - ۳۱۱

[2] "عربی میں مشکور اس کو کہتے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جائے، مگر ہماری زبان میں اس کو کہتے ہیں جو کسی کا شکریہ ادا کرے اسی لیے مشکور کی جگہ، بعض عربی کی قابلیت جتانے والے، اس کو غلط سمجھ کر صحیح لفظ شاکر یا متشکر بولنا چاہتے ہیں مگر ان کی یہ اصلاح شکریہ کے ساتھ واپس کر لی جانی چاہیے" خود لفظ شکریہ کو دیکھیے اصل عربی ہے مگر شکل عربی نہیں اب اس سے ہم نے دو لفظ بنائے ہیں "شکریہ" اور "شکریہ"۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور انسانوں کا شکریہ۔ وہ ناشکرا ہے جو زبان کی اس توسیع کی نعمت کی قدر نہیں کرنا چاہتا" (سید سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی صفحہ ۹۴)

ہو نہ برق افگن کہیں اے طائرِ رنگِ حنا
تاکتی رہتی ہے تیرا آشیاں انگشتری

ساغرے میں پڑا انگشتِ ساقی کا جو عکس
بن گئی گردابۂ آبِ رواں انگشتری

ہموں بہ تبدیلِ قوافی فارسی میں نغمہ خواں
ہند سے جاتی ہے سوے اصفہاں انگشتری

یارم از کشمر فرستادا ست چار انگشتری
چار در صورت بمعنی صد ہزار انگشتری

چار را گر صد ہزار آوردہ ام اینک دلیل
شد قبول دستِ یارم ہر چہار انگشتری

داغ داغ موجِ[1] میناکاری اش جوشِ بہار
می دہد چوں غنچۂ گل بوے یار انگشتری

در لہاور[2] آمد و چشمِ تماشا شد تمام
بود در کشمیر چشمِ انتظار انگشتری

---

[1] موج و میناکاری اشس (معاصرین ۲۹۹)

[2] لاہور کا دوسرا نام جس کو امیر خسرو قران السعدین میں استعمال فرماتے ہیں (اقبال)

ترجمہ:۔ ۱۔ ایک دوست نے کشمیر سے مجھے چار انگوٹھیاں بھیجی ہیں، دیکھنے میں چار ہیں مگر معناً صد ہزار ہیں۔

۲۔ چار کو میں نے اگر صد ہزار کہا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ چاروں انگوٹھیاں میرے دوست کے ہاتھ نے قبول کرلی ہیں۔

۳۔ اس کی موج میناکاری سے جوشِ بہار بھی داغ داغ ہے اور کلی کی طرح انگوٹھی بوے یار دے رہی ہے

۴۔ [illegible] آکر یہ سراپا چشمِ تماشا ہو گئی کشمیر میں یہ چشمِ انتظار بنی ہوئی تھی۔

یار را ساغر بکف انگشتری در دست یار
حلقہ اش خمیازۂ دست خمار انگشتری[1]

ما اسیر حلقہ اش او خود اسیر دست دوست
اللہ اللہ دام و صیاد و شکار انگشتری

خاتم دست سلیمان حلقہ در گوش وے است
اے عجب انگشتری را جان نثار انگشتری

وہ چہ بکشاید بدست آن نگار سیم تن
ماند گر زیں پیشتر سربستہ کار انگشتری

من دلِ گم گشتۂ خود را کجا جویم سراغ
وزدیِ دزدِ حنا را پردہ دار انگشتری

راز دار دزد ہم دزد است در بازار حسن
چشمک دزدِ حنا را راز دار انگشتری

ہر دو باہم ساختند و نقدِ دلہا می برند
پنجۂ مغز انگشت جانان پختہ کار انگشتری

نو بہار دلفریب انگشتری در دست یار
برگِ گل انگشت و آغوشش بہار انگشتری

---

[1] حلقہ اش خمیازہ دستِ خمار انگشتری (معارف ۲۹۹)

ترجمہ ۵۔ یار کی ہتھیلی پر ساغر ہے اور ہاتھ میں انگوٹھی ہے جس کا حلقہ (دائرہ) انگڑائی کے مانند ہے۔ اور انگوٹھی نشے [illegible]

۶۔ ہم اس کے اسیر ہیں اور وہ دست دوست کی اسیر ہے۔ اللہ اللہ کیسا جال ہے کیا صیاد ہے کیا انگشتری ہے

۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اس کی حلقہ بگوش ہے کیسی عجیب بات ہے کہ انگوٹھی کی جان نثار انگوٹھی ہے۔

۸۔ اس نگار سیم تن کے ہاتھوں میں کیا کھلے گی اگر اس سے پہلے انگشتری سربستہ کار رہی ہے۔

۹۔ میں اپنے کھوئے ہوئے دل کا سراغ کہاں ڈھونڈوں، یہ انگشتری تو دزد حنا کی چوری کی بھی پردہ داری کرتی ہے

۱۰۔ بازار حسن میں چور کا رازدار بھی چور ہے، دزد حنا کی چشمک کی راز دار انگشتری ہے۔

من خورم خونِ جگر از حسرتِ پابوسِ دوست
بوسہ بر دستش زند لیکن و نہار انگشتری
بوالہوس ز انگشتری طرزِ اطاعت یاد گیر
می نہد سر بر خطِ فرمانِ یار انگشتری
ماہِ نو قالب تہی کرد است از حسرت بہ چرخ
جلوہ فرما شد چو در انگشتِ یار انگشتری
از صفا نظم سلکِ گوہر است یعنی ایں غزل
کز سراجم نور با آمد چہار انگشتری
گشت اے اقبال مقبولِ امیرِ ملکِ حسن
کردہ وا مارا گرہ آخر ز کار انگشتری

(اقبال نامہ)

لہ اقبال نامہ میں دو شعروں کے دو مصرعے ترک ہو گئے تھے ہم نے ان کا اعادہ محمد عبداللہ قریشی معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۳۰۰ سے کیا ہے۔

ترجمہ ۱۱۔ دونوں باہم سازش کرکے نقد دل اڑاتے ہیں، انگشت جانان بحت معبر ہے تو انگشتری بحتہ کار ہے۔
۱۲۔ یار کے ہاتھ میں انگشتری نو بہار دل فریب ہے انگلی برگ گل ہے اور انگشتری آغوش بہار ہے
۱۳۔ میں دوست کی حسرت پابوس میں خون جگر پی رہا ہوں اور انگشتری اس کے ہاتھ کو رات دن چوم رہی ہے۔
۱۴۔ اے بوالہوس انگشتری سے اطاعت کرنا سیکھ کہ وہ خط فرمان یار پر اپنا سر رکھ دیتی ہے۔
۱۵۔ حسرت سے چاند نے آسمان میں اپنا قالب تہی کر دیا دیکھا جب انگشت یار میں انگشتری جلوہ فرما ہوئی۔
۱۶۔ میرا تحفہ یہ موتیوں کی لڑی ہے یعنی غزل، کہ میرے سراج سے چار انگشتریاں نور بن کر آئی ہیں۔
۱۷۔ اے اقبال تو امیر ملک حسن کا مقبول بن گیا ہے آخر انگشتری نے ہمارا عقدہ حل کر دیا۔

مسز سٹرے ٹن کے نام[1]

جنابِ الفریڈ ولیم سٹرے ٹن (ALFRED WILLIAM STRATTON)

۱۸۹۹ء سے چند برسوں تک پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار اور نیشنل کالج، لاہور کے پرنسپل رہے۔ ۱۹۰۲ء میں اُن کے انتقال پر اقبال نے مسز سٹرے ٹن کے نام ایک تعزیت نامہ لکھا۔ وہ خط لیٹرز ٹو انڈیا (LETTERS TO INDIA) مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء سے اخذ کر کے یہاں پیش کیا جاتا ہے!

"انہوں نے ہمارے ذہنوں پر اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ انہیں بھولنا ناممکن ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف اُن کی شخصیت تھی جس نے ہمیں امریکی عوام اور اُن کے بلند اور بے غرض کردار کی طرف متوجہ کیا ہندوستان میں ہم لوگ زیادہ امتیاز نہیں کرتے، وہ کینیڈا کے باشندے تھے مگر ہمارے لیے وہ ایک امریکی تھے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ڈاکٹر سٹرے ٹن کا ہی اثر ہے کہ یہاں کچھ لوگ امریکی یونیورسٹیوں میں داخلہ کا ارادہ کرنے لگے ہیں اور میں بھی اُن میں سے ایک ہوں۔"[2]

(انگریزی سے) (LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL)

---

[1] مسز سٹرے ٹن کے نام علامہ کا یہ خط سنہ ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس سال مسٹر الفریڈ سٹرے ٹن کا انتقال ہوا تھا۔ صابر کلوروی صاحب نے اُشاریہ مکاتیبِ اقبال، میں اس خط کی تاریخ سنہ ۱۹۰۳ء متعین کی ہے۔

[2] اقبال نے انگلینڈ میں اپنی تعلیم شروع کرنے سے قبل امریکی یونیورسٹیوں میں داخلے کے قواعد و شرائط کے بارے میں کافی معلومات حاصل کی تھیں (لیٹرز ٹو انڈیا کے مرتب کے ریمارکس)

ایڈیٹر ہفتہ وار اخبار "پنجہ فولاد" لاہور کے نام[1]

"ماہِ رواں کے کسی اخبار میں میں نے پڑھا تھا کہ فنِ سخن کے استاد اور ملکِ نظم کے بادشاہ حضرت امیر مینائی کی لائف ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ راقمِ مضمون نے جناب امیر مرحوم کے اکثر تلامذہ اور بالخصوص حضرت جلیل، ریاض، مضطر، کوثر، عابد اور اُن کے خلفِ ارشد حضرتِ اختر وغیرہ کو متوجہ کیا ہے کہ ایسا شاعرِ بے نظیر اور اُن کی لائف اب تک نہ لکھی جائے۔ بے شک یہ حیرانی کی بات ہے کہ کیوں اب تک فنِ سخن کے قدردان بزرگوں نے امیر مرحوم کی شاعرانہ اور پبلک زندگی کو کاغذی جامہ نہیں پہنایا، جس کے دیکھنے کے لیے سخن فہم طبیعتیں بے چینی سے منتظر ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے صاحبِ کمال کی سوانح عمریاں ایک نہیں کئی لکھی جاتیں اور کئی کئی بار چھپتیں، مگر: ع

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

حضرت امیر کے کلام کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ اُن کا درجہ شاعری سے بہت بڑھا ہوا تھا اُن کے کلام میں ایک خاص

---

[1] اقبال کا ارادہ امیر مینائی مرحوم کی زندگی اور شاعری پر ایک مضمون انگریزی میں لکھنے کا بھی تھا۔ اِسے وہ ولایت کے کسی پرچے میں چھپوا کر مشرق کے اس شاعر کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف مغرب والوں سے کرانا چاہتے تھے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار اُنھوں نے خطوں کے ذریعہ امیر مرحوم کے ارشد تلامذہ سے بھی کیا اور اخبارات کے ذریعے بھی اعلان کیا۔ چنانچہ ۲۸۔فروری ۱۹۰۳ء کے ہفتہ وار اخبار "پنجۂ فولاد" لاہور میں، جو منشی محمد الدین فوق مرحوم کی ادارت میں لاہور سے نکلتا تھا، اقبال کا یہ طویل مراسلہ شائع ہوا تھا۔

قسم کا درد اور ایک خاص قسم کی لے پائی جاتی ہے، جو صاحب دلوں کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ کلیجہ پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ آہ! ایسے بے نظیر شخص کے حالات، جو اصلی معنوں میں تلمیذ الرحمن کہلانے کا مستحق ہو، ابھی تک گمنامی میں پڑے رہیں، اندھیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہی شخص یورپ یا امریکہ میں ہوتا تو اس کی زندگی میں ہی اس کی کئی سوانح عمریاں نکل جاتیں۔ مگر افسوس ہے ہندوستان میں ان کی زندگی میں تو درکنار، اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کی کوئی لائف نہ لکھی گئی۔ میرا ایک عرصے سے خیال تھا کہ حضرت امیر کی زندگی کے جستہ جستہ واقعات قلمبند کروں، مگر اب مرحوم کی لائف کے متعلق ایک تازہ مضمون دیکھ کر پھر اُمنگ آئی ہے کہ جس طرح ہو میں اپنے کام کو پورا کروں اور بہت جلد۔

میرا مقصد اصل میں حضرت امیر کی شاعری اور شاعرانہ لائف پر بحث کرنے کا ہے، اس لیے چند باتیں حضرت امیر کے تلامذہ اور دیگر واقف کاروں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں:

(۱) حضرت امیر کی کوئی ایسی بات جس نے ان کی زندگی یا شاعری پر کوئی خاص اثر کیا ہو۔

(۲) اُن کے زبانی مقولے۔

(۳) اُن کے بچپن کی بعض بعض باتیں، جن سے اُنکی آیندہ عظمت کا پتہ چلتا ہو۔

(۴) انہوں نے کس کس مقام کا سفر کیا اور کیوں؟

(۵) کس کس استاد سے کیا کیا حاصل کیا؟

(۶) اُن کی عام عادات۔

(۷) چند ایک مشاعروں کی مفصل کیفیت۔

یہ جتا دینا ضروری ہے کہ یہ مضمون انگریزی میں لکھا جائے گا اور ولایت کے کسی مشہور اخبار یا رسالے میں چھپوایا جائے گا۔ امید ہے کہ

حضرت امیر کے نام لیوا اور اُن کے تلامذہ مجھے امداد دے کر ممنون فرمائیں گے۔

راقم محمد اقبال ایم۔اے
اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

(معاصرین اقبال کی نظر میں)

منشی سراج الدین کے نام

لاہور۔ بھاٹی دروازہ
۱۱ / مارچ ۱۹۰۳ء

برادرِ مکرم۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں آج عید کا دن ہے اور بارش ہو رہی ہے گرامی صاحب تشریف رکھتے ہیں اور شعر و سخن کی محفل گرم ہے۔ شیخ عبدالقادر ابھی اُٹھ کر کسی کام کو گئے ہیں۔ سید بشیر حیدر بیٹھے ہیں اور رات گھبرا کر اصل علت کی آمد ہے یہ جملہ شاید آپ کو بے معنی معلوم ہوگا۔ مگر کبھی وقتِ ملاقات آپ پر اُس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ آپ کے خط نے ایک بڑی[1] فکر سے نجات دی۔ مجھے تین روز[2] سے اس بات کی کاوش تھی کہ نظم کہیں سے ملے تو ارسال کروں۔ الحمد للہ کہ آپ کو[3] مل گئی۔ آپ کی داد کا مشکور ہوں اور اس کو کبھی تصنع نہیں سمجھتا۔ آپ کو کس بات سے یہ اندیشہ پیدا ہوا۔

---

[1] معاصرین: بڑے فکر
[2] معاصرین:۔ دو تین دن سے
[3] معاصرین:۔ تو آپ کو

ترتیبِ اشعار کی خود مجھے فکر[1] ہو رہی ہے۔ مگر یہ خیال ہے کہ ابھی کلام کی مقدار تھوڑی ہے۔ بہر حال جب یہ کام ہوگا تو آپ کے صلاح و مشورہ کے بغیر نہ ہوگا۔ مطمئن رہیں۔ ملٹن[2] کی تقلید میں کچھ لکھنے کا ارادہ مدت سے[3] ہے اور اب وہ وقت قریب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں وقت کا کوئی لحظ خالی نہیں جاتا جس میں اس کی فکر نہ ہو۔ پانچ چھ سال سے اس آرزو کو دل میں پرورش کر رہا ہوں مگر جتنی کاوش آج کل محسوس ہوتی ہے اس قدر کبھی نہ ہوئی[4] فکر روزگار سے نجات ملتی ہے تو اس کام کو باقاعدہ شروع کروں گا اگر چہ بار شروع کرنے سے پیشتر میں نے اس خیال سے کہ کوئی وہابی[5] اس کے بعض اشعار پر کوئی فتوے نہ دے دے تمہید آئیں تمہید میں بھی کہی تھیں اور ایک غزل بھی کہی تھی جو ارسال خدمت کرتا ہوں۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی[6]
منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی
چھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق ہم نشیں! پھر اور کس طرح انہیں دیکھا کرے کوئی

---

[1] معاصرین: مجھے بھی
[2] ملٹن حواشی ملاحظہ ہوں
[3] معاصرین: مدت سے کچھ لکھنے کا ارادہ ہے
[4] معاصرین: نہیں ہوئی
[5] معاصرین: پیشتر کہ کوئی وہابی۔
[6] یہ غزل بانگِ درا میں شامل ہے۔

اُڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم — طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے — نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائے کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں

دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

بلبل کی فریاد[1]

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ — وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی — اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم — شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا

وہ پیاری پیاری صورت، وہ کامنی سی مورت — آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں

ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں — ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں — میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں

ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے — دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے — دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے

میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

---

[1] بعد میں یہ نظم بانگ درا میں شامل ہوئی اور وہاں اس کا عنوان "پرندے کی فریاد" ہے۔

کاغذ ختم ہو گیا ہے دل بھی اکتا گیا ہے میں سمجھتا ہوں میں نے بڑی ہمت کی کہ اتنے اشعار نقل کر دیے اور آپ کو بھی خط لکھ دیا[1]۔ الحمدللہ علی ذالک۔
مندرجہ بالا نظم کی بندش ملاحظہ فرمائیے چونکہ بچوں کے لیے ہے اس واسطے اضافات اور وقتِ مضمون سے خالی ہے علاوہ برَیں[2] فریاد کرنے والا آخر پرندہ ہے والسلام۔ صادق علی خاں صاحب[3]۔ عجز صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

آپ کا صادق
محمد اقبال

[1] اقبال نامہ

[2] معاصر یہ اقبال کی نظر میں

حبیب الرحمن خاں شروانی[4] کے نام

از لاہور بھاٹی دروازہ

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ خان صاحب السلام علیکم
آپ کا نوازش نامہ آج صبح ملا حقیقت یہ ہے کہ آج مجھے اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی داد مل گئی بعض بعض جگہ جو تنقید آپ نے

---

[1] معاصر میں لکھ دیا

[2] معاصر میں: علاوہ ازیں

[3] معاصر میں، صادق علی خاں صاحب مجبر یا اور دیگر

[4] نوٹ: اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔ البتہ اقبال نے بھاٹی گیٹ کی قیام گاہ سے یہ خط لکھا تھا وہ بغرض تعلیم انگلستان جانے سے پہلے یہیں رہتے تھے خط میں جس نظم کا ذکر کیا گیا ہے وہ اخبار وطن کے شمارہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ لہٰذا قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ خط بھی مارچ ہی میں لکھا گیا ہو گا۔

[صابر کلوروی۔ مکاتیبِ اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ]

فرمائی ہے بالکل درست ہے ۔ بالخصوص لفظ مجمہ کے متعلق مجھے آپ سے کلی اتفاق ہے میرے اصل مسودہ میں جو ایک دوست نے لکھا تھا غلطی سے "تو" کی جگہ "جو" لکھا گیا۔ وہیں سے کاتب نے نقل کی (میری ہستی ہے تو تھی الخ) مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے تو ڈکٹیٹ کرایا تھا۔ طور پر تم نے جوا ے موسیٰ الخ اصل مصرع طور پر تو نے جوا ے دیدۂ موسیٰ دیکھا" ہے کاتب نے یہ سمجھ کر کہ پیغمبروں کے نام کے ساتھ حضرت آیا کرتا ہے یہ لفظ لکھ دیا اور اصل لفظ کو زورِ عادت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا مجھے خوب معلوم ہے کہ اس نظم کے بعض دیگر اشعار میں بھی کچھ قابلِ اعتراض باتیں ہیں۔ اس سال مجھے امید نہ تھی کہ میں کوئی نظم پڑھ سکوں گا مڈل کے امتحان کے پرچوں سے فراغت نہ ہوئی طبیعت کو یکسوئی کس طرح نصیب ہوتی۔ یہ نظم جلسہ سالانہ سے تین روز پہلے لکھی گئی اور ہفتہ کی شام کو مطبع میں بھیجی گئی۔ رات کو کاتب نے لکھی اور جلدی میں بندوں کی ترتیب میں بھی غلطی کر گیا۔

میں نے اس کا ایک مصرع بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں لکھا بلکہ جلدی میں جو کچھ منہ میں آیا ڈکٹیٹ کراتا گیا۔ ان حالات کی وجہ سے بعض بعض اشعار میں کچھ نقص رہ گئے۔ لفظ مجمہ کے لئے میں خصوصیت سے آپ کا مشکور ہوں کیوں کہ یہ بات میرے خیال میں مطلق نہ تھی۔

آپ نے جو ریمارک اس کے اشعار پر لکھے ہیں اُن کے لیے آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ہی ترک کر دیں اگرچہ جلسہ میں ہر طرف سے لوگ حسبِ معمول ان کی تعریف کرتے تھے مگر جو مزا مجھے آپکی داد سے ملا ہے اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ افسوس ہے اب کے آپ تشریف نہ لا سکے میر نیرنگ تشریف لائے تھے چوہدری خوشی محمدؐ تھے۔ مولانا گرامی بھی تھے۔ غرضیکہ محفلِ احباب کے سب ارکانِ مشیدہ[1] موجود تھے۔ اگر

---

[1] ارکانِ مشیدہ یعنی مضبوط ستون

آپ ہوتے تو ایک آدھ رات خوب گذر جاتی۔ حبیب کی موجودگی شعراء کے لیے کافی سامان ہے۔ اور بالخصوص جب کہ حبیب شعر فہم اور شعر گو بھی ہے۔ ایف اے کے امتحان کے پرچے مضمون تاریخ یونان و روم کے دیکھ رہا ہوں۔ سامنے بنڈل رکھا ہے اور نتیجہ بھیجنے میں چار دن کا عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا مجبوراً بس کرتا ہوں معاف کیجیے گا۔ اگلے مخزن میں میری دو غزلیں نئی طبع ہوں گی امید ہے آپ پڑھ کر محظوظ ہوں گے۔

مولانا گرامی میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ خط کس کو لکھ رہے ہو۔ میں کہتا ہوں "حبیب" کو تو آپ فرماتے ہیں میرا بھی سلام لکھ دو آخر شاعر ہیں نا۔ والسلام

آپ کا مخلص

اقبالؔ

(اقبال نامہ)

نوٹ: اخبار کا وہ ورق جس میں مکتوب الیہ نے اپنے قلم سے نشانات سارے اور اصلاحات تجویز کی تھیں مجھے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پہلا شعر جس کا حوالہ علامہ اقبالؔ کے خط میں ہے اس طرح چھپا ہوا تھا۔ میری ہستی ہی جو تھی میری نظر کا پردہ + اٹھ گیا بزم سے میں پردۂ محمل ہو کر پہلے مصرع میں جو ترمیم مکتوب الیہ نے تجویز فرمائی یعنی "جو" کی بجائے "تو" اقبالؔ اسی کو کتابت کی غلطی فرما رہے ہیں دوسرا شعر جس کی طرف اس خط میں اشارہ ہے وطن اخبار بحوالہ بالا میں یوں درج ہے۔ طور پر تو نے جو اے حضرت موسیٰ دیکھا وہی کچھ قیس نے دیکھا پس محمل ہو کر اسی تحریر پر مکتوب الیہ نے اپنے قلم سے "اعادہ" اور "حضرت" پر نشان سا بنا ہوا ہے اور حاشیہ پر دیدہ لکھا ہوا ہے تیسرا شعر جس کے لفظ "جبہ" کی طرف اقبالؔ کا اشارہ ہے اور جس میں لفظ "جبہ" کے قریب یہ × نشان بنا ہوا ہے اس طرح درج ہے صفت کوکب سر خار شب فرقت میں چبھ رہی ہے مگر دیدۂ انجم مجھ کو (مطالعہ اللہ)

سید محمد تقی شاہ[1] کے نام

از مقام مغل کوٹ[2]

ڈیر سید تقی۔ السلام علیکم آج مقام مغل کوٹ میں پہنچے گھوڑے کا سفر اور گھوڑے سے اکتائے تو اونٹ کا سفر۔ خدا کی پناہ پہلے روز ۲۴ میل کا سفر گھوڑے پر کیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی لیکن جو تکلیف محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو

---

[1] (الف) سید محمد تقی شاہ مولانا سید میر حسن کے فرزند ارجمند تھے اور علامہ اقبال کے بچپن کے بے تکلف دوست تھے۔ جس زمانے میں اقبال کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد بحیثیت ایس۔ ڈی۔ او بلوچستان میں تعینات تھے ایک مقدمے میں ماخوذ ہو گئے۔ اس سلسلے میں اقبال کو فورٹ سنڈیمن کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ مندرجہ بالا خط اسی سفر کے دوران لکھا گیا۔

[رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال]

(ب) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ رفیع الدین ہاشمی کا خیال ہے کہ مئی ۱۹۰۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔ فورٹ سنڈیمن سے مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کو جو خط لکھا تھا اس پر ۲۵ مئی ۱۹۰۳ء کی تاریخ درج ہے۔ اس خط کا عکس ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء کے "امروز" میں شائع ہوا تھا۔ (مؤلف)

[2] "اقبال نامہ" مرتبہ شیخ عطاء اللہ اور "خطوط اقبال" رفیع الدین ہاشمی دونوں مرتبین مقام کا نام درست نہیں پڑھ سکے۔ جہاں سے یہ مکتوب الیہ کو بھیجا گیا تھا۔ ایک نے (اقبال نامہ) مقام کی جگہ نقطے . . . لگا دیے ہیں اور دوسرے نے نواب کوٹ پڑھا ہے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے اسے "مغل کوٹ" پڑھا ہے۔ عکس کے مطابق یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

[اکبر علی خاں عرشی زادہ: علامہ اقبال اور اُن کے اہل و عیال
- شاعر "اقبال نمبر" ۱۹۸۸ء بمبئی]

وہ لذیذ ہو جاتی ہے۔ فورٹ سنڈیمن اس یہاں سے ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے پرسوں پہنچیں گے۔ بشرطیکہ کوئی بارش نہ ہوئی آج معلی کوئٹہ پہنچے ہیں بھائی صاحب کے متعلق خبر ملی ان کو رائل انجینیر کوئٹہ کے تار پہ تار دینے کی وجہ سے حراست سے نکالدیا ہے اُس نے متواتر تاریں دیں کہ ایک معزز افسر کو بغیر منظوری شملہ کیوں حراست میں دیا گیا ہے۔ اسی متواتر تاروں کے دوران میں وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی تبدیلی بھی ہو گئی ہے سُنا ہے کہ اس مقدمے میں اس کی ہی شرارت تھی خدا نے ہی خیر کرے گا آپ مطمئن رہیں امید ہے اس مقدمے کا نتیجہ بھائی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا معلوم ہوتا ہے کوئٹہ کے حکام کو ان کی دیانت وغیرہ کا ثبوت کافی مل گیا ہے۔ ایجنٹ کوئٹہ نے فورٹ سنڈیمن کے ایجنٹ کی فوراً تبدیلی کردی ہے۔ اس مقدمے کی ساری بنا عداوت پہ ہے مجھے سارے حالات ابھی معلوم نہیں ہوئے تاہم جو کچھ معلوم ہوئے اُن سے یہی اندازہ کر سکا کہ اس کی تہ میں عداوت محض ہے

باقی خیریت ہے

امیر[1] کہاں ہے، خدا کے لیے وہاں ضرور جایا کریں۔ مجھے بہت اضطراب ہے خدا

---

[1] امیر بیگم کا تعلق گوالیوں کے ایک گھرانے سے تھا۔ لیکن وہ اور اس خاندان کی دیگر خواتین تائب ہو چکی تھیں۔ امیر بیگم اردو فارسی اساتذہ کے کلام سے شناسا ہونے کے علاوہ خود بھی شعر کہتی تھیں۔ نہایت فصیح و بلیغ اردو میں بات چیت کرتی تھیں اس وجہ سے اقبال ان سے بہت متاثر تھے۔

تقریباً اسی زمانے ۱۹۰۴ء میں اپنی ایک نظم "سرگزشت آدم" کے مقطع میں اپنے اس تعلق خاطر کا اظہار بایں الفاظ کیا ہے۔

عجب شے ہے صنم خانۂ امیر اقبال
میں بت پرست ہوں رکھدی کہیں جبیں میں نے

یہ نظم "مخزن" یکم ستمبر ۱۹۰۴ء میں غزل کے طور پر شائع ہوئی تھی اس غزل کے چند اشعار "باقیات اقبال" کے مجموعوں میں "سرود رفتہ" مرتبہ غلام رسول مہر مطبوعہ ۱۹۵۹ء وغیرہ میں شامل ہیں

[رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال]

جانے اس میں کیا راز ہے جتنا دور ہو رہا ہوں۔اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں والسلام۔شیخ صاحب کی خدمت میں یہ تمام حالات عرض کر دیں والسلام

آپکا
مخلص محمد اقبال

(عکس) (شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء عسی)

حبیب الرحمن خاں شروانی کے نام

مخدوم و مکرم خان صاحب السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ لاہور ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا میں ایک مصیبت میں مدت سے اس وقت لاہور سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر برٹش بلوچستان میں ہوں۔آپ بھی خدا کی جناب میں دعا کریں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے نظر ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اٹھاؤں گا۔اگر میری ہر نظم کے متعلق آپ اس قسم کا خط لکھ دیا کریں تو میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔

آپ کا اقبال
از فورٹ سنڈیمن۔برٹش بلوچستان
۲۵ رمئی ۱۹۰۳ء

(اقبال نامہ)

حبیب الرحمان خاں شروانی کے نام

از شہر سیالکوٹ ۶ اگست ۱۹۰۳ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ خان صاحب السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کل شام ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں خدا کے فضل سے اس تشویش کا خاتمہ ہوا میرے بڑے بھائی جان پر جو بلوچستان کی سرحد پر سب ڈویژنل افسر ملٹری ورکس تھے اُن کے مخالفین نے ایک خوفناک فوجداری مقدمہ بنا دیا تھا۔ لیکن الحمد للہ کہ دشمنوں کے منہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہوئے۔ اگرچہ روپیہ کثیر صرف ہوا تاہم شکر ہے ہماری مصیبت کا خاتمہ ہوا۔ ہم باقی رہ گئے اور ہماری مصیبت دشمنوں کی تلاش میں پھر بلوچستان کی طرف عود کر گئی۔ بلوچستان ایجنسی والے تو ہمارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر خدا لارڈ کرزن کا بھلا کرے کہ میرے لکھنے پر معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

خواجہ غلام الحسنین[1] کے نام

"آپ کے ترجمے کی بے تکلف روانی بالکل حیرت انگیز ہے۔ اگر ہربرٹ ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی (اردو میں) اس سے بہتر طرزِ تحریر اختیار نہ کرسکتا۔"

(انوارِ اقبال)

خواجہ حسن نظامی کے نام

مکرمی سید صاحب زاد عمرہٗ

دو دفعہ پیسہ اخبار میں مَیں نے وہ خبر[2] پڑھی جسے پڑھ کر لاہور کے تمام دوستوں کو بے انتہا تشویش تھی۔ مگر قدرتِ خدا کی، مجھے مطلق رنج نہ ہوا۔ اور اسی بنا پر جس دوست نے مجھ سے پوچھا میں نے بے تکلف کہہ دیا کہ خبر غلط ہے۔ الحمد للہ کہ ایسا ہی ثابت ہوا اور میں لاہور کے احباب میں مفت کا صوفی مشہور ہو گیا۔ ایسی خبریں

---

[1] خواجہ غلام الحسنین نے ہربرٹ اسپنسر کی کتاب "ایجوکیشن" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا۔ اس پر اقبال نے اپنی رائے لکھ کر بھیجی جس کو مترجم نے اپنی خود نوشت سوانح عمری (۱۹۴۸ء) میں درج کیا ہے۔

[2] خواجہ حسن نظامی کے انتقال کی خبر اُن کی زندگی ہی میں کئی بار شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب کے بدخواہی چھپواتے ہوں گے۔ ایسی ہی کسی خبر کے بارے میں یہ خط ہے۔

[3] اتالیق: نہ محسوس ہو۔

زیادتی عمر کی علامت ہیں۔ میری نسبت بھی لاہور میں اس قسم کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں۔ والسلام۔
اس خبر سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملک کو آپ کی کس قدر ضرورت ہے ان شاء اللہ میں بھی تعطیلوں میں اگر ممکن ہوا تو آپ سے دہلی میں ملوں گا۔
میں کچھ دنوں کے لیے لاہور سے باہر تھا۔ اس واسطے آپ کے کارڈ کا جواب نہ لکھ سکا۔

راقم آپ کا مفتون
اقبال از لاہور
۲۲ر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

(اقبال نامہ
اتالیق خطوط نویسی)

منشی دیانرائن نگم کے نام

از ایبٹ آباد ضلع ہزارہ

جناب من میں کئی دنوں سے یہاں ہوں لیکن افسوس کہ یہاں پہنچتے ہی بیمار ہو گیا اور اسی وجہ سے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا
ابھی پورا افاقہ نہیں ہوا۔ اشعار ارسال خدمت کرتا ہوں
(دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو۔)

محمد اقبال
معرفت شیخ عطا محمد سب ڈویژنل افسر ملٹری ورکس

۱۰ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء
(قومی آواز دہلی)

(عکس)

بابو عبدالمجید ازل کے نام

بابو صاحب مکرم

یہ کوئی صاحب چھوٹے شملہ سے میری غزل کی اصلاح کر کے ارسال کرتے ہیں۔ میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجیے اور عرض کیجیے کہ بہتر ہو اگر امیر اور داغ کی اصلاح کیا کریں۔ مجھ گمنام کی اصلاح کرنے سے آپ کی شہرت نہ ہوگی میرے بے گناہ اشعار کو جو حضرت نے تیغِ قلم سے مجروح کیا ہے اس کا صلہ انہیں خدا سے ملے میں بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا اُن کو عقل و فہم عطا کرے۔ میں نے یہ دو حرف محض از راہِ ہمدردی تحریر کیے ہیں۔ امید وہ برادہ سمجھیں گے۔ اکثر انسانوں کو کنجِ تنہائی میں بیٹھے بیٹھے ہمہ دانی کا دعویٰ ہو جاتا ہے۔ ان کا قصور نہیں فطرت انسان ہی اسی قسم کی ہے۔

راقم آثم

محمد اقبال

ماخذ [سوانحِ اقبال]

ؔ پیر غلام دستگیر صاحب نامی کی ذات مستحق تشکر ہے۔ آپ کی کوشش سے یہ خط دستیاب ہوا ہے۔ نامی صاحب لکھتے ہیں۔

"۵ مئی ۱۹۳۸ء کو میں مشفقی عبدالمجید صاحب ازل کے یہاں حسبِ معمول ملاقات کے لیے گیا۔ آج کل ہر صحبت میں علامہ سر اقبال مرحوم کے ذکر کے سوا اور کچھ مذکور نہیں ہوتا ہم کئی گھنٹے تک اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ جب میں واپس آنے لگا تو حضرت ازل نے حضرت اقبال مرحوم کا ایک سیالکوٹ سے لکھا ہوا خط مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء جو انھیں ۱۳ اکتوبر کو شملہ میں ملا تھا حوالہ کیا۔ یہ خط ازل صاحب کے دفتر کے ایک ڈرافٹسمین محمد قاسم کے خط کے جواب میں تھا اور اقبال مرحوم کی اس نظم کے متعلق ہے جو رسالۂ "مخزن" بابت ستمبر ۱۹۰۴ء میں چھپی تھی اور اب "بانگِ درا" کے صفحہ ۸۰ پر بعنوان "سرگزشتِ آدم" درج ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ [طالب فارسی "سوانح اقبال"]

شیخ عبد العزیز کے نام

لاہور
۱۸/ اکتوبر ۱۹۰۳ء

مائی ڈیر شیخ صاحب

آپ کا شیریں کلمات سے مملو محبت نامہ مجھے ابھی ملا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس کا فوری جواب دینے پر کیوں مجبور ہو گیا ہوں آپ نے میرے ساتھ جس بے تکلفی کا اظہار کیا ہے میں اس کا قطعاً برا نہیں مانتا اگرچہ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے ملے نہیں ہیں تاہم میں نے ہمیشہ آپ کو اپنے بہترین دوستوں میں سے ایک سمجھا ہے یکساں طبائع کو باہم تعارف کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ دل کی آنکھیں نہیں ہیں مگر وہ مادی حجابات کے باوجود دیکھ سکتا ہے۔

آپ نے مجھے یہ یاد دلا کر شرمندہ کیا کہ میں نے آپ کو ہمیشہ مایوس کیا ہے مگر مجھے یہ سوچ کر قدرے اطمینان ہوتا ہے کہ میں نے کبھی غلط عذر پیش نہیں کیا اگر مجھے حرکت میں لانے کے لیے زیادہ زوردار درخواست کی ضرورت ہے تو اس لیے نہیں کہ میں دوسروں کی منتوں سے لطف اندوز ہوتا ہوں بلکہ اس لیے کہ بدقسمتی سے میں طبعاً کاہل ہوں یہ شیخ عبد القادر کی لطیف شرارت تھی کہ انہوں نے میری کاہلی کا تذکرہ آپ سے ایسے الفاظ میں کیا جنہیں آپ دہرا نہیں سکتے۔

میں ضرور آؤں گا کیونکہ میں آپ کو خوش کرنا چاہتا ہوں اور اپنی وعدہ خلافی کی تلافی بھی کرنا چاہتا ہوں مگر براہ کرم یاد رکھیے کہ میرا آنا مشروط ہے۔ اگر آپ کے خط میں لکھی ہوئی تاریخوں میں کالج کی چھٹی ہے اور کوئی غیر متوقع مانع پیش نہ آیا تو مجھے آپ کی فرمائش کی تعمیل میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ میں انجمن میں ایک مقالہ 'حیاتِ طبی کی کیفیات' پر پڑھوں گا

اور ممکن ہوا تو ایک نظم بھی اپنے آنے کی تاریخ اور وقت میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ میں آپ کو یہ زحمت دینا نہیں چاہتا کہ آپ مجھے ہوشیارپور لے جانے کے لیے لاہور آئیں۔ البتہ اگر آپ کو یہاں کوئی ذاتی کام ہے تو خوش آمدید۔

میں نے ہوشیارپور کے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے اور اس چھوٹے سے لیکن ہنگامہ پرور قصبے کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوگی۔ مجھے بہرحال یہ خبر نہیں کہ اس چھوٹی سی جگہ میں آپ کے لیے خاصا وسیع عملی میدان ہے یا نہیں۔ شیخ عبدالقادر نے مجھے بتایا کہ آپ کی فعالیت کو بہت وسیع علاقہ چاہیئے ــــ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور میرے بارے میں آپ جو خیالات رکھتے ہیں اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے

آپکا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

شیخ عبدالعزیز کے نام

بصیغۂ راز لاہور
۲۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء

مائی ڈیر شیخ صاحب

آپ کا حسبِ معمول نوازشوں سے بھرپور خط مجھے ابھی ملا ہے مگر مجھے پیر کے دن یہاں رہنا ہے تو اس لیے نہیں کہ اُس دن کالج بند نہیں ہوگا بلکہ کسی اور وجہ سے جو میں نے آپ کو اپنے پچھلے خط میں بتائی نہیں۔ سینٹ کی میٹنگ میں جو نئے قوانین کے تحت نئے فیلوز کا انتخاب کرنے کے لیے ۔ ر نومبر کو منعقد ہوگی آنریبل مسٹر شاہ دین فیلو شپ کے لیے میرا نام تجویز کرنے والے ہیں ذاتی طور پر یہ مجھ

زیب نہیں دیتا کہ ادھر اُدھر جا کر اس حقیر اعزاز کے لیے سینٹ کے ممبروں کو اپنے حق میں آمادہ کروں مگر آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ مسلمان فیلوز کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ یہ حکومت کے نامزد کردہ کل چھ ہیں جن میں سے تین (مولوی ہونے کے اعتبار سے) عملاً گویا نہیں ہیں۔ لوگ ان باتوں کو دوسرے ڈھنگ سے لیتے ہیں اور مجھے دوستوں نے مجبور کیا ہے کہ کوشش کروں اور ہو سکے تو فیلوشپ حاصل کروں۔ اس لیے مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر گھوموں۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی اتنی سی چیز کے لیے اپنے نام کو آگے بڑھانا ایک بھدّی سی بات ہے اس لیے جو پہلے سے نامزد ہیں مجھے ان کے دوستوں کی تلاش ہے تاکہ انہیں اپنے دوستوں کی رائے پر میرے حق میں اثر انداز ہونے کے لیے آمادہ کر سکوں۔ جناب شاہ دین نے میری طرف سے کچھ لوگوں سے ملاقات کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کی کنویسنگ میں کتنی زحمت ہے اور کتنا وقت لگتا ہے پچھلے چند دنوں سے میں اس گناہِ بے لذّت میں گرفتار ہوں۔

اندریں حالات میں آپ کے مشورہ کے تحت کام کرنے کو آمادہ ہوں بشرطیکہ آپ اس معاملہ کو دوسرے معاملوں کی روشنی میں لیں۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اتوار کو لاہور سے میری غیر حاضری بھی میرے مفاد کو نقصان پہنچائے گی میں آپ کے لیے سب چیزوں کی قربانی دینے کو تیار رہوں کیونکہ اس زمانے میں قومی مفادات سب پر مقدم ہیں۔ دوسری چھوٹی چھوٹی باتوں کو پس پشت ڈال دینا چاہیے۔ میں آپ سے ایمانداری سے کہتا ہوں کہ میں بہانہ سازی نہیں کر رہا ہوں اور میں یقیناً کسی ایسے محفوظ تر ضابطہ عمل پر غور کروں گا جو ان حالات میں آپ تجویز کریں گے۔

میں اس وقت آسانی سے ہوشیار پور آ سکتا ہوں مگر احباب کی تاریخوں کے
آس پاس یہاں سے جانا، آپ بھی مانیں گے کہ خلافِ مصلحت ہوگا لوگ وعدہ تو
کر لیتے ہیں مگر دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر وقت دیکھتے رہیں کہ
وہ اپنے وعدہ میں پکے ہیں یا نہیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(نوادر)

انگریزی سے

خواجہ حسن نظامی کے نام

قلب مجسم۔ آستانہ محبوب کی خاک بوسی کے لیے ایک دن نکل کر دہلی
ٹھہروں گا اور ضرور ٹھہروں گا۔ ٹھیک تاریخ پھر عرض کروں گا۔ باقی خیریت ہے والسلام
آپ کا اقبال از سیالکوٹ
[اتالیقِ خطوط نویسی]

(عکس)

نوٹ۔ اس خط کا عکس "اتالیق خطوط نویسی" مرتبہ خواجہ حسن نظامی صفحہ ۴۳ پر
۲۲ جولائی ۱۹۰۴ء کے خط کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس لیے قیاس غالب یہ ہے کہ یہ خط
بھی یورپ جانے سے پہلے ۱۹۰۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔ جبکہ اگلا خط ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء کا ہے۔
یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں خطوط کو تاریخ وار و سنہ وار مرتب و مدون
کیا گیا ہے

(مؤلف)

شاطر مدراسی کے نام

از لاہور گورنمنٹ کالج ـ ۲۴۔ فروری ۱۹۰۵ء

مخدوم ومکرم جناب شاطر

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مع قصیدہ پہونچا۔ اس قصیدے کا کچھ حصہ مخزن میں شائع ہو چکا ہے۔ اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے ہمارے ایک کرم فرما جالندھر میں ہیں میں نے سُنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انھوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے ازبر یاد ہے۔ اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں۔ بندشیں صاف اور ستھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے ہوئے دل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ انسان کی روح کی اصلی کیفیت "غم" ہے خوشی ایک عارضی شے ہے۔ آپ کے اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ نے فطرتِ انسانی کے اس گہرے راز کو خوب سمجھا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس کے سقموں سے آپ کو آگاہ کروں۔ میں آپ کے حُسنِ ظن کا ممنون ہوں مگر بخدا مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ آپ کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھوں۔

میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ میرے اشعار کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے شاید میرے حق سے بڑھ کر مجھے داد دی ہے۔ میں آپ کے نوازش نامے کا ابتدائی حصہ دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہوں اور آپ کی وسعتِ قلب پر حیران۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ بامراد رکھے۔

آپ کے خاندانِ تعزز کا حال معلوم کر کے مجھے بڑی مسرت ہوئی آپ لوگ گذشتہ کاروانِ اسلام کی یادگاریں ہیں اور اس وجہ سے ہر طرح واجب الاحترام اور قابلِ تعظیم ہیں۔

اس قصیدے کے ارسال کرنے کا وعدہ آپ فرماتے ہیں میں اس کا شوق سے منتظر رہوں گا۔ والسّلام

آپکا نیازمند
محمد اقبال از لاہور گورنمنٹ کالج
بھاٹی دروازہ
(خطوط اقبال)

شاطر مدراسی کے نام

لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ موصول ہوا۔ مولانا حالی نے جو کچھ آپ کے اشعار کی نسبت تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے آپ کا اسلوب بیان واقعی نرالا ہے اور آپ کی صفائی زبان آپ کے ہم وطنوں کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستاں کے رہنے والے ہوں گے مگر یہ معلوم کر کے کہ آپ کی پرورش بچپن سے مدراس میں ہوئی ہے مجھے بھی تعجب ہوا۔

مولانا حالی نے جو شعر پسند فرمایا ہے واقعی میں خوب ہے اور سوائے ایک شعر کے تمام قصیدے میں اس پائے کا کوئی اور شعر نہیں ہے۔ یعنی

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال
ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

جو شعر مولانا نے انتخاب کیا ہے[1] وہ شعریت میں اس شعر سے کہیں زیادہ ہے مگر معنوں کے اعتبار سے یہ شعر اس سے بلند تر ہے میرے خیال میں دونوں شعر ایک پائے کے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت اچھے اچھے اشعار آپ کے قصیدے میں موجود ہیں مثلاً

کوئی جل مرتا ہے بلبل کوئی چلاتا ہے شکار
اپنا اپنا ہے مقدر، ماوپر کا کیا گناہ[2]

اور یہ مصرع۔ ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی نا پایدار

یہ مضمون ٹینی سن مرحوم ملک الشعرائے انگلستان کے ایک شعر میں بھی بڑی خوبی سے ادا ہوا ہے۔ جن صاحب کو آپ کا قصیدہ ازبر ہے ان کا نام پنڈت جیورام وکیل ہے باقی خیریت ہے۔

آپکا نیازمند
محمد اقبال از لاہور
(خطوطِ اقبال)

مولوی انشاء اللہ خاں کے نام

مخدوم و مکرم مولوی صاحب، السلام علیکم

آپ سے رخصت ہو کر اسلامی شان و شوکت کے اس قبرستان میں پہونچا جسے دہلی کہتے ہیں ریلوے اسٹیشن پر خواجہ سید حسن نظامی اور شیخ نذر محمد صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس موجود تھے تھوڑی دیر کے لیے شیخ صاحب موصوف کے مکان پر قیام کیا۔ ازاں بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر حاضر ہوا اور تمام دن وہیں بسر کیا۔

---

[1] مولانا حالی کا منتخب شعر یہ تھا ۔

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم   کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلق لیل و نہار

[2] "مخزن" میں مطبوعہ قصیدے میں لفظ "گناہ" کے بجائے "قصور" ہے۔ تہ پہلا شعر اس طرح ہے ۔

کیوں نہ ہوں قائل تمہارے روح کے ہم اہل دل   ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی ناپایدار

اللہ اللہ، حضرت محبوب الٰہیؒ کا مزار کیا عجیب جگہ ہے بس یہ سمجھ لیجیے کہ دہلی کی آدھی سوسائٹی حضرت کے قدموں میں مدفون ہے۔ خواجہ حسن نظامی کیسے خوش قسمت ہیں کہ ایسی خاموش اور عبرت انگیز جگہ میں قیام رکھتے ہیں شام کے قریب ہم اس قبرستان سے رخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ نے خواجہ صاحب سے کہا کہ ذرا غالب مرحوم کے مزار کی زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے، خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے، جہاں وہ گنجِ معانی مدفون ہے[1] جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حسنِ اتفاق سے اس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا ولایت نام تھا اس ظالم نے مزار کے قریب بیٹھ کر

دل سے تری نگاہ، جگر تک اُتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی طبیعتیں متأثر ہو گئیں بالخصوص جب اس نے یہ شعر پڑھا:

---

[1] مرزا غالب کے مزار پر میر مہدی مجروح کا کہا ہوا قطعہ تاریخ وفات نصب ہے۔ جس کا مادۂ تاریخ یہ ہے: "ہاتف نے کہا، گنجِ معانی ہے تہِ خاک" اقبال نے یہاں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے

علامہ اقبال کی وفات کے بعد ۲۹۔ اپریل ۱۹۳۸ء کے ہفتہ وار منادی (دہلی) میں خواجہ حسن نظامی نے جو تعزیتی مضمون لکھا تھا اس میں بھی مذکورہ بالا واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا:

"اس سفر کے وقت مرحوم کے ساتھ میر نیرنگ صاحب وغیرہ شعرا بھی تھے۔ جو سب جمع ہو کر مرزا غالب کے مزار پر گئے اور میں نے محفل کے مشہور قوال ولایت خاں کو بلایا تھا۔ ولایت خاں اس وقت نو عمر لڑکا تھا سر اقبال نے غالب کی لوحِ مزار کو دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لے کر سر جھکا لیا تھا اور ولایت خاں نے غالب کی یہ غزل گائی تھی۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں ۔۔۔ اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

اس شعر کو ولایت خاں نے اس طرح ادا کیا تھا کہ سب پر ایک کیفیت الم طاری ہو گیا تھا مگر آہ جب اقبال کے مرنے کی خبر آئی تو اس ولایت خاں قوال نے، جو اب بوڑھا ہو گیا ہے، دلی ریڈیو میں خود اقبال کی ایک غزل گائی اور ایسے درد انگیز لہجے میں کہ سب سننے والے رونے لگے" (بحوالہ: معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۴۳۹)

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پُرنم ہوگئیں اور بے اختیار لوحِ مزار کو بوسہ دے کر اس حسرت کدہ سے رخصت ہوا یہ سماں اب تک ذہن میں ہے اور جب کبھی یاد آتا ہے تو دل کو تڑپا جاتا ہے۔

اگرچہ دہلی کے کھنڈر مسافر کے دامنِ دل کو کھینچتے ہیں مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہر مقام کی سیر سے عبرت اندوز ہوتا شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے[1] پر فاتحہ پڑھا دارا شکوہ کے مزار کی خاموشی میں دل کے کانوں سے "ہوالموجود" کی آواز سنی[2] اور دہلی کی عبرتناک سرزمین سے ایک ایسا اخلاقی اثر لے کر رخصت ہوا جو صفحۂ دل سے کبھی نہ مٹے گا۔

۱ ستمبر کی شب کو میر نیرنگ اور شیخ محمد اکرام اور باقی دوستوں سے دہلی میں رخصت ہوکر بمبئی کو روانہ ہوا اور ۳ کو خدا خدا کر کے اپنے سفر کی پہلی منزل میں پہنچا ریلوے اسٹیشن پر تمام ہوٹلوں کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ مگر میں نے ٹامس کک[3] کی ہدایت سے انگلش ہوٹل میں قیام کیا اور تجربہ سے معلوم کیا کہ یہ ہوٹل ہندوستانی طلبا کے لیے جو ولایت جا رہے ہوں نہایت موزوں ہے ریلوے اسٹیشن یہاں سے قریب ہے گھاٹ یہاں سے قریب ہیں۔ ٹامس کک کا دفتر یہاں سے قریب ہے۔ غرض کہ ہر قسم کا آرام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شہر کے باقی تمام ہوٹلوں کی نسبت ارزاں ہے۔ صرف تین روپیہ یومیہ دو اور تین

---

[1] شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں (م ۹۱۵ / ۱۵۵۶ء) کا مقبرہ بھی حضرت نظام الدین اولیا کی بستی میں جانب مشرق ہے دراصل یہ اس جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں قدیم موضع غیاث پور واقع تھا یہیں حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ تھی جس کے کھنڈر ابھی تک اس مقبرہ کے گوشہ شمال مشرق میں موجود ہیں۔ دارا شکوہ کی آرامگاہ مقبرہ ہمایوں کے ایک حجرہ میں جانب شمال واقع ہے جس کی ضریح اوپر صحن میں بھی بنی ہوئی ہے۔

[2] اس خط میں علامہ اقبال نے "ہوالموجود" کی آواز سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دارا شکوہ وحدت وجود کا قائل تھا۔

[3] بحری جہاز راں کمپنی کا نام۔

کا آرام حاصل کر لو یہاں کا منتظم ایک پارسی پیر مرد ہے جس کی شکل سے اس قدر تقدس ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو ایران کے پرانے زرتشور (نبی) یاد آ جاتے ہیں دکانداری نے اس کو ایسا عجز سکھایا ہے کہ ہمارے بعض علماء میں باوجود عبادت اور مرشد کامل کی صحبت میں بیٹھنے کے بھی ویسا انکسار پیدا نہیں ہوتا۔ کارلائل نے کیا خوب کہا ہے:

"محنت ہی بہت بڑی عبادت ہے"[1]

میرے دل پر اس پیر مرد کی صورت کچھ ایسا اثر کرتی تھی کہ بعض اوقات اُسے دیکھ کر میری آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں لیکن جب اُس کی وقعت میرے دل میں اندازہ سے زیادہ ہو گئی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا بیان بعض وجوہ سے ضروری ہے میں ایک شام نیچے کی منزل میں کرسی پر بیٹھا تھا کہ پارسی پیر مرد کمرے سے باہر نکلا۔ اُس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی۔ جب اُس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اُس کو چھپانے کی کوشش کی اور میں نے دُور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب ہم سے کیوں چھپاتے ہو، خوشی سے اِس کا شوق کرو۔ ذرا مسکرایا اور کچھ پیے ہوئے بھی تھا بولا:

"شراب شوک پینے سے سبھی غم دور ہو جائے"

میں نے سن کر کہا وارے بڈھے خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پرانی شاخ سے بہت سا میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔

اس ہوٹل میں ایک یونانی بھی آکر مقیم ہوا۔ جو ٹوٹی پھوٹی سی انگریزی بولتا تھا میں نے ایک روز اُس سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ بولا چین سے آیا ہوں اب ٹرانسوآل[2] جاؤں گا۔ میں نے پوچھا چین میں تم کیا کام کرتے تھے کہنے لگا سوداگری کرتا تھا لیکن چینی لوگ ہماری چیزیں نہیں خریدتے میں نے سُن کر دل میں کہا

1- THE BEST WORSHIP, HOWEVER, IS STOUT WORKING
[IN A LETTER TO HIS WIFE]

[2] ٹرانسوال، جنوبی افریقہ کا ایک صوبہ اس علاقے میں کوئلے، تانبے، لوہے، سیسے، سونے اور ہیرے کی کانیں کثرت موجود ہیں ۔۔ مقالات اقبال: میں نے سن کر اُن سے کہا۔

ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقل مند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں ۔ شاباش افیمیو شاباش ! نیند سے بیدار ہو جاؤ ۔ ابھی تم آنکھیں ہی مل رہے ہو کہ اس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے ہاں ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو از سر نو قائم کرنے میں تمہاری مدد کر سکیں گے ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے ۔ ہمارے ملک میں محبت اور مروت کی بو باقی نہیں رہی ہم اُس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اُس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں ۔ کاش خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں ! مولوی صاحب میں بے اختیار ہوں ۔ لکھنے تھے سفر کے حالات اور بیٹھ گیا ہوں وعظ کرنے کیا کروں ؟ اس سوال کے متعلق تاثرات کا ہجوم میرے دل میں اس قدر ہے کہ بسا اوقات مجھے مجنون سا کر دیا اور کر رہا ہے ۔

ایک شب میں کھانے کے کمرے میں تھا کہ دو جنٹلمین میرے سامنے آبیٹھے شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یوریپین ہیں فرانسیسی میں باتیں کرتے تھے آخر جب کھانا کھا کر اُٹھے تو ایک نے کرسی کے نیچے سے اپنی ترکی ٹوپی نکال کر پہنی جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ترک ہے میری طبیعت بہت خوش ہوئی اور مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ کس طرح ان سے ملاقات ہو ۔ دوسرے روز میں نے خواہ مخواہ باتیں شروع کیں یورپ کی اکثر زبانیں سوائے انگریزی کے جانتا تھا میں نے پوچھا فارسی جانتے ہو ۔ بولا بہت کم ۔ پھر میں نے فارسی میں اس سے گفتگو شروع کی ۔ لیکن وہ نہ سمجھتا تھا آخر مجبوری ٹوٹی پھوٹی عربی میں اس سے باتیں کیں ۔

لہ ؎ گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے (بالِ جبریل)

یہ نوجوان ترک ینگ ٹرک پارٹی[1] سے تعلق رکھتا ہے اور سلطان عبدالحمید کا سخت مخالف ہے۔ باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ شاعر بھی ہے میں نے درخواست کی کہ اپنے شعر سناؤ۔ کہنے لگا میں کمال بے (ترکی کا سب سے بڑا مشہور زندہ شاعر[2]) کا شاگرد ہوں اور اکثر پولیٹیکل معاملات پر لکھا کرتا ہوں۔ کمال بے کے جو اشعار اس نے سنائے سب کے سب نہایت عمدہ تھے لیکن جو شعر اپنے سنائے وہ سب کے سب سلطان کی ہجو میں تھے اُن میں سے ایک شعر یہاں درج کرتا ہوں؛

ظلم و جور ِ ن تو سغو جبہ بر ملتے محوا یلیور
آدمیت ملک و ملّت دشمنِ عبدالحمید

یعنی کبیر ظلم و جور نے تمام قوم کو مٹا دیا ہے۔ عبدالحمید آدمیت اور ملک و قوم سب کا دشمن ہے۔

اس مضمون پر اُس سے بہت گفتگو ہوئی اور میں نے اُسے بتایا کہ ینگ پارٹی کو انگلستان کی تاریخ سے فائدہ اٹھانا چاہیے کیونکہ جس طریق سے رعایا

---

[1] ینگ ٹرک پارٹی، ترکی کے جلا وطنوں اور سیاہ گرزیوں کی ایک جماعت ہے ۱۸۹۱ء میں جنیوا میں انجمن اتحاد و ترقی کی ملیا د ڈالی۔ مقصد یہ تھا کہ سلطان پر دباؤ ڈال کر اسے ملک میں اصلاحات پر مجبور کیا جائے یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی انجمن کی سرگرمیوں میں جوش و خروش سے حصہ لیا انجمن کو اپنے مقاصد میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو ترکی میں دستوری حکومت قائم ہو گئی انجمن کے افراد نوجوان ترک کہلاتے تھے نوجوان ترکوں کی جدوجہد کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

چاک کر دی تُرک ناداں نے خلافت کی قبا   سادگی مسلم کی دیکھ، اَوروں کی عیاری بھی دیکھ

[2] علامہ اقبال کا یہ ریمارک اس معنیٰ میں صحیح نہیں ہے کہ گو نامق کمال اس وقت ترکی کا سب سے بڑا مشہور شاعر شمار کیا جاتا تھا لیکن زندہ نہ تھا کہ اس کی وفات ۱۸۸۸ء میں ہو چکی تھی تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔ (مؤلف)

انگلستان نے بتدریج اپنے بادشاہوں سے پولیٹیکل حقوق حاصل کیے وہ طریق سب سے عمدہ ہے بڑے بڑے عظیم الشان انقلابوں کا بغیر کشت و خون کے ہو جانا یہ کچھ خاکِ انگلستان ہی کا حصہ ہے۔ ایک روز سرِ شام میں اور یہ حرکت جملین بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکولوں کی گراؤنڈ میں مسلمان طلبا کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے اُن سے ایک کو بلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں اس سے دریافت کیں۔ میں نے اس طالب علم سے پوچھا کہ انجمن[1] اس اسکول کو کالج کیوں نہیں بنا دیتی۔ کیا فنڈ نہیں ہے یا اور کوئی وجہ ہے اس نے جواب دیا کہ فنڈ تو موجود ہے اور اگر ضرورت ہو تو ایک آن میں موجود ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں بڑے بڑے متموّل سوداگر موجود ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مسلمان طلباء پڑھنے کے لیے نہیں آتے اس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجود ہیں اور جیسی تعلیم ان میں ہوتی ہے ویسی سردست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے یہ جواب سن کر میں بہت خوش ہوا میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مسلمانوں کا کالج ضرور ہو گا کیونکہ یہاں کے مسلمان تموّل میں کسی اور قوم سے پیچھے نہیں ہیں لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ تموّل کے ساتھ اُن میں عقل بھی ہے ہم پنجابیوں کی طرح احمق نہیں ہیں۔ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع نقصان پر ہر پہلو سے غور کر لیتے ہیں۔

غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجب شہر ہے۔ بازار کشادہ، ہر طرف پختہ سربفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے۔ بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے یہاں ہر چیز مل سکتی ہے یورپ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً ملیگی

---

[1] یہ غالباً انجمن اسلام بمبئی کے مدرسہ کی بات ہے جو آج بھی وی ٹی اسٹیشن کے بالمقابل موجود ہے اور اب کالج بن چکا ہے

ہاں البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی یعنی فراغت۔
یہاں پارسیوں کی آبادی اسی نوّے ہزار کے قریب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے اس قوم کی صلاحیت نہایت قابل تعریف ہے۔ اوران کی دولت و عظمت بے اندازہ۔ مگر اس قوم کے لیے کسی اچھی فیوچر FUTURE کی پیشین گوئی نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے علاوہ اس کے نہ کوئی ان کی زبان ہے اور نہ ان کا لٹریچر ہے اور طرہ یہ کہ فارسی کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں۔ ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ و ریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دارومدار ہے میں نے اسکول کے پارسی لڑکوں اور لڑکیوں کو بازار میں پھرتے دیکھا۔ چستی کی مورتیں تھیں مگر تعجب ہے کہ ان کی خوبصورت آنکھیں اسی فی صدی کے حساب سے عینک پوش تھیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عینک پوشی پارسیوں کا قومی فیشن ہوتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے قومی ریفارمر اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتے اس شہر کی تعلیمی حالت عام طور پر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے ہمارے ہوٹل کا حجام ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات جانتا تھا۔ گجراتی کا اخبار ہر روز پڑھتا تھا اور جاپان اور روس کی لڑائی سے پورا باخبر تھا نوروجی دادا بھائی کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا میں نے اس سے پوچھا، نوروجی انگلستان میں کیا کرتا ہے؟ بولا "مجور کالوں کے لیے لڑتا ہے" ہوٹل کے نیچے مسلمان دکاندار ہیں میں نے دیکھا ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے میں نے

ایک روز ان سے پوچھا تم اردو پڑھ سکتے ہو کہنے لگے نہیں سمجھ سکتے ہیں پڑھنا نہیں جانتے۔ میں نے پوچھا کہ جب مولوی تمہارے نکاح پڑھاتا ہے تو کون سی زبان بولتا ہے مسکرا کر بولا "اردو" یہاں پر ہر کوئی اردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے ہمارے ہوٹل کا سیٹھ روہی بوتل والا پیر مرد، کبھی ہندوستان نہیں گیا مگر اردو خاصی بولتا تھا۔

میں بمبئی یعنی باب لندن کی کیفیت دیکھ کر حیران ہوں، خدا جانے لنڈن کیا ہوگا جس کا دروازہ ایسا عظیم الشان ہے۔ اچھا دیدہ خواہد شد۔ ۲ستمبر کو ۲ بجے ہم وکٹوریہ ڈاک گھاٹ پر پہونچے جہاں مختلف کمپنیوں کے جہاز کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر یہاں کی دنیا ہی نرالی ہے۔ کئی طرح کے جہاز اور سینکڑوں کشتیاں ڈاک میں کھڑی ہیں اور مسافر سے کہہ رہی ہیں کہ سمندر کی وسعت سے نہ ڈر۔ خدانے چاہا تو ہم تجھے صحیح و سلامت منزلِ مقصود پر پہونچا دیں گے۔ خیر طبی معائنہ کے بعد میں اپنے جہاز پر سوار ہوا۔ لالہ دھنپت رام وکیل لاہور اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر صاحب اس روز حسنِ اتفاق سے بمبئی میں تھے میں ان کا نہایت سپاس گذار ہوں کہ یہ دونوں صاحب مجھے رخصت کرنے کے لیے ڈاک[1] پر تشریف لائے بہت سے اور لوگ بھی جہاز پر سوار ہوئے اور اُن کے دوستوں اور رشتہ داروں کا ایک ہجوم ڈاک پر تھا۔ کوئی تین بجے جہاز نے حرکت کی اور ہم اپنے دوستوں کو سلام کہتے اور رومال ہلاتے ہوئے سمندر پر چلے گئے یہاں تک کہ موجیں اِدھر اُدھر سے آ آ کر ہمارے جہاز کو چومنے لگیں۔ فرانسیسی قوم کا مذاق اس جہاز کی عمدگی اور نفاست سے ظاہر ہے ہر روز صبح کو کئی آدمی جہاز کی صفائی میں مصروف رہتے ہیں اور ایسی خوبی سے صفائی کرتے ہیں کہ ایک تنکا تک جہاز پر نہیں رہنے دیتے۔ ملازموں میں مصر کے چند حبشی بھی ہیں جو مسلمان ہیں اور عربی بولتے ہیں جہاز کے فرانسیسی افسر نہایت خوش خُلق ہیں اور ان کے تکلفات کو دیکھ کر لکھنؤ یاد آجاتا ہے ایک روز ایک افسر تختۂ جہاز پر کھڑا تھا کہ ایک حسین عورت کا اُدھر سے گذر ہوا، اتفاق سے یا غالباً ارادۃً یہ عورت اس افسر کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی گذری۔ ہمارے نوجوان افسر نے اس توجہ کے جواب میں ایک ایسی ادائے جنبش کی کہ ہمارے ملک کے حسین بھی اُس کی نقل نہیں اتار سکتے۔

---

[1] ڈیک DECK تختۂ جہاز۔

کھانے کا انتظام بھی نہایت قابلِ تعریف ہے میز بھی فرانسیسی تکلف کی گواہی دے رہا ہے مگر اس جہاز پر ہم ہندوستانیوں کے لیے ایک بڑی دقت ہے اور وہ یہ کہ جہاز کے تقریباً سب مسافر فرانسیس بولتے ہیں انگریزی کوئی نہیں جانتا جہاز کے تمام ملازم فرانسیسی بولتے ہیں اور بعض اوقات اُن کو اپنا مطلب سمجھانے میں بڑی دقت ہوتی ہے اگرچہ فرانسیسی جہازوں میں ہر طرح کی آسایش ہے، تاہم میری رائے یہی ہے کہ ہم لوگوں کو انگریزی کمپنیوں کے جہازوں میں سفر کرنا چاہیئے ان کے مسافر سب کے سب انگریزی داں ہوتے ہیں۔ اور علاوہ اس کے مسافروں کی کثرت کی وجہ سے جہاز پر بڑی رونق ہوتی ہے ہمارے اس جہاز میں ساٹھ سے زیادہ مسافر نہیں ہیں۔

ہم لوگ رات کو اپنے اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور صبح سے شام تک تختۂ جہاز پر کرسیاں بچھا کر بیٹھے رہتے ہیں، کوئی پڑھتا ہے۔ کوئی باتیں کرتا ہے۔ کوئی پھرتا ہے کیبن میں جہاز کی جنبش کی وجہ سے طبیعت بہت گھبراتی ہے مگر تختۂ جہاز پر بہت آرام رہتا ہے۔ میرے تمام ساتھی دوسرے ہی روز مرضِ بحری میں مبتلا ہو گئے مگر الحمدللہ کہ میں محفوظ رہا۔ مجھ سے اکثروں نے دریافت کیا کہ کیا تم نے پہلے بھی بحری سفر کیا ہے جب میں نے جواب دیا کہ نہیں تو وہ حیران ہوئے اور کہا کہ تم بڑے مضبوط آدمی ہو بمبئی سے ذرا آگے نکل کر سمندر کی حالت کسی قدر متلاطم تھی۔ خواجہ خضر صاحب کچھ خفا سے معلوم ہوتے تھے اتنی اونچی اونچی موجیں آتی تھیں کہ خدا کی پناہ! دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ ایک شب ہم کھانا کھا کر تختہ جہاز پر آبیٹھے کچھ عرصے کے بعد سمندر کی سرد ہوا نے ہم سب کو سلا دیا۔ مگر دفعتہً ایک خوفناک موج نے اُچھل کر ہم پر حملہ کیا اور تمام مسافروں کے کپڑے بھیگ گئے عورتیں بچے اور مرد نیچے بھاگ کر اپنے اپنے کمروں میں جا سوئے اور ہم تھوڑی دیر کیلئے جہاز کے ملازموں اور افسروں کے تمسخر کا باعث بنے رہے رستے میں ایک آدھ بارش بھی ہوئی جس سے سمندر کا تلاطم نسبتہً بڑھ گیا اور طبیعت اس نظارے کی یکسانیت

سے اُکتانے لگی۔ سمندر کا پانی بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے اور موجیں جو زور سے اٹھتی ہیں ان کو سفید جھاگ چاندی کی ایک کلغی سی پہنا دیتی ہے اور دُور دُور تک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سطح سمندر پر روئی کے گالے بکھیر ڈالے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت دلفریب ہے اگر اس میں موجوں کی دہشت ناک کشاکش کی آمیزش نہ ہو ان کی قوت سے جہاز ایک معمولی کشتی کی طرح جنبش کرتا ہے آسمان اُوپر تلے ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر آنکھیں چونکہ اس نظارے سے کسی قدر مانوس ہو گئی ہیں اور نیز جہاز والوں کے چہروں کا اطمینان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک معمولی بات ہے۔ اس واسطے ہم کو بھی خوف کا احساس نہیں ہوتا۔ یورپین لڑکے لڑکیاں تختہ جہاز پر دوڑتے پھرتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کرتے کہ جہاز میں ہیں۔

ہمارا ایک ہم سفر پادری ہے جو جنوبی ہندوستان سے آیا ہے اور اب اٹلی کو جا رہا ہے۔ گزشتہ رات مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ فرانسیسی پادری بہت سی زبانیں جانتا ہے اور روسی زبان خوب بولتا ہے میں اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے اس نے میرے سوال پر نہایت حیرانی ظاہر کی اور پوچھا کونٹ ٹالسٹائی کون ہے؟ مجھے دیکھ کر نہایت تعجب ہوا۔ کہ یہ شخص روسی زبان جانتا ہے اور کونٹ کے مشہور نام سے واقف نہیں ہے۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ جہاز پر دیاسلائی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تختہ جہاز کی ایک طرف ایک کمرے کی دیوار پر پیتل کی ایک انگیٹھی سی لگا رکھی ہے جس میں چند لکڑیاں آگ لگا کر رکھ دیتے ہیں جن لوگوں کو سگریٹ یا سگار روشن کرنا ہو اس انگیٹھی سے ایک لکڑی اٹھا لیں۔

جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالیٰ کی قوتِ لامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو۔ حج بیت اللہ میں جو تمدنی اور روحانی فوائد ہیں ان سے قطع نظر کر کے ایک بڑا اخلاقی فائدہ سمندر کی ہیبت ناک موجوں اور اس کی خوفناک وسعت کا

دیکھتا ہے جس سے مغرور انسان کو اپنے ہیچ محض ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے شارع اسلام کی ہربات قربان ہو جانے کے قابل ہے۔

بابی انت وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

آج ۱۲ ستمبر کی صبح ہے۔ میں بہت سویرے اٹھا ہوں۔ جہاز کے جاروب کش ابھی تختے صاف کر رہے ہیں چراغوں کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے آفتاب چشمۂ آب میں سے اٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور سمندر اس وقت ایسا ہی ہے جیسا ہمارا دریائے راوی۔ شاید صبح کے پُرتاثیر نظارے نے اس کو سمجھا دیا کہ سکونِ قلب بھی ایک نایاب شے ہے۔ ہر وقت کی الجھن اور بے تابی اچھی نہیں۔ طلوعِ آفتاب کا نظارہ ایک درد مند دل کے لیے تلاوت کا حکم رکھتا ہے یہی آفتاب ہے جس کے طلوع و غروب کو میدان میں ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے مگر یہاں سمندر میں اس کی کیفیت ایسی ہے کہ:

نظارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد[2]

حقیقت میں جن لوگوں نے آفتاب پرستی کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے میں ان کو قابلِ معذوری سمجھتا ہوں۔ ناسخ مرحوم کیا خوب فرما گئے ہیں:

ہے جی میں آفتاب پرستوں سے پوچھیے
تصویر کس کی ہے ورقِ آفتاب میں

کوئٹے کے ڈپٹی کمشنر صاحب جو اٹھارہ ماہ کی رخصت لے کر ولایت جا رہے ہیں اور وہ پادری صاحب جو ٹالسٹائی کے نام سے ناواقف معلوم ہوتے تھے اس وقت جہاز کی اوپر کی چھت پر کھڑے اس نظارے کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ یہ پادری صاحب بڑے مزے کے آدمی ہیں ان میں ایک خاص ہنر ہے اور وہ یہ کہ ہر کسی کو باتوں میں لگا لیتے ہیں انگریزی بولتے ہیں مگر بہت شکستہ

---

[1] (ترجمہ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] (ترجمہ) نظارہ کو پلکوں کی جنبش سے بھی گلہ ہے

اور مجھ کو جب بلاتے ہیں تو ٹالسٹائی کے نام سے۔ کل مجھ سے پوچھتے تھے تم ہندوستان کا ٹالسٹائی بننا چاہتے ہو۔ میں نے جواب دیا ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں ہے۔ زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے، تب جاکر کہیں ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بڑے باخبر آدمی معلوم ہوتے ہیں کل رات اُن سے ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی عربی اور فارسی جانتے ہیں۔ سر ولیم میور تصانیف کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کاش یہ شخص ذرا کم متعصب ہوتا۔ عمر خیام کے بڑے مداح ہیں مگر میں نے ان سے کہا کہ اہل یورپ نے ابھی سحابی نجفی کی رباعیات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ عمر خیام کو کبھی کے فراموش کر گئے ہوتے۔

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منوّر کروں:

اللہ رے خاکِ پاکِ مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو اُدھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدّس سرزمین، تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی! باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروا نہ کی۔ مگر اے پاک سرزمین، تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدّس نقش قدم دیکھے

ہیں۔ اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا ہے کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذرّوں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اُڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لُٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں

جہاں کی گلیوں میں بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی[1]

از عدن مورخہ ۱۲ر ستمبر راقم محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

خواجہ حسن نظامی کے نام

از کیمبرج، ٹرینٹی کالج ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۵ء[2]

اسرارِ قدیم سید حسن نظامی

ایک خط اس سے پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔

---

[1] علامہ اقبال کی دیرینہ آرزو تھی کہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہو اور روضۂ نبوی پر حاضری کا موقع ملے عمر کے آخری حصے میں اس آرزو میں حسرت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ ارمغانِ حجاز کی رباعیات، اس ضمن میں حضرت علامہ کے احساسات کی بہترین ترجمان ہیں۔ اس طرح کے جذبات سر اکبر حیدری کے نام ایک خط میں بھی ظاہر کیے گئے ہیں۔

[2] ۱۹۰۵ء انالیق خطوط نویسی میں اس خط کی تاریخ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۵ء درج ہے اور ہم نے اسی کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اقبالنامہ میں ۸ر اکتوبر ہے۔

اس خط کے جواب کا انتظار ہے اور بڑی شدّت کے ساتھ۔ اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوّف کے متعلق ہوں اُن کا پتا دیجیے۔ سپارہ اور رکوع کا پتا لکھیے اس بارہ میں آپ قاری شاہ سلیمان صاحب یا کسی اور صاحب سے مشورہ کرکے مجھے بہت جلد مفصل جواب دیں اس مضمون کی سخت ضرورت ہے اور یہ گویا آپ کا کام ہے۔

قاری شاہ سلیمان صاحب کی خدمت میں میرا یہی خط بھیج دیجیے اور بعد التماسِ دعا عرض کیجیے کہ میرے لیے یہ زحمت گوارہ کریں اور مہربانی کرکے مطلوبہ قرآنی آیات کا پتا دیویں۔

اگر قاری صاحب موصوف کو یہ ثابت کرنا ہو کہ مسئلہ وحدۃ الوجود یعنی تصوّف کا اصل مسئلہ قرآن کی آیات سے نکلتا ہے تو وہ کون کون سی آیات پیش کر سکتے ہیں۔ اور انکی کیا تفسیر کرتے ہیں؟

کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ تاریخی طور پر اسلام کو تصوّف سے تعلق ہے؟ کیا حضرت علی مرتضےٰ کو کوئی خاص پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟ غرضکہ اس امر کا جواب معقول اور منقول اور تاریخی طور پر مفصّل چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ ذخیرہ اس امر کے متعلق موجود ہے مگر آپ سے اور قاری صاحب سے استصواب ضروری ہے۔ آپ اپنے کسی اور صوفی دوست سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں، مگر جواب جلد آئے۔ باقی خیریت ہے۔

اقبال

[اتالیق خطوط نویسی ص ۶۳
اقبالنامہ]

مولوی انشاء اللہ خاں کے نام

مولوی صاحب[1] مخدوم و مکرم، السلام علیکم

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہونچ کر دوسرا خط لکھوں گا مگر چونکہ عدن
سے سویز تک کے حالات بہت مختصر تھے اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا
کہ لندن پہونچ کر مفصل واقعات عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس
پر میں نوٹ لیتا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ منزلِ مقصود پہ پہونچ کر وہ کاغذ

---

[1] یہ مکتوب جزوی طور پر ماہِ نو، اپریل ۱۹۶۱ء
میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا کہ نعیم آرزو صاحب
کے بیان کے مطابق یہ دراصل منشی محمد دین فوق امرتسری (مرحوم)
کے نام لکھا گیا تھا۔ مگر یہ بیان درست نہیں کیونکہ القاب ہی
سے ظاہر ہے کہ خطاب فوق سے نہیں۔ فوق کے نام اقبال کے
اکثر خطوط "ڈیر فوق" سے شروع ہوتے ہیں یا ایک دو خطوط

میں مکرم بندہ" اور "برادر مکرم و معظم" کے القاب استعمال
ہوئے ہیں۔ محض اس خط میں فوق کو مولوی صاحب کہنے کی
کوئی تک نہیں ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ "ماہ نو" میں فوق
کے نام اس خط کا جو متن چھپا ہے اس میں القاب صرف اتنا ہے
"مخدوم مکرم" حالانکہ اصل خط میں "مخدوم و مکرم" کے ساتھ "مولوی
صاحب" کے الفاظ بھی موجود ہیں چونکہ فوق کو مولوی صاحب قرار
دینا مشکل تھا لہذا القاب سے "مولوی صاحب"
کے الفاظ خارج کرکے یہ مشکل آسان بنالی گئی اور خط فوق کے [ق۱]

کہیں کھو گیا۔ یہی وجہ میرے اب تک خاموش رہنے کی تھی شیخ عبدالقادر صاحب کی معرفت؎ آپ کی شکایت پہونچی۔ کل ایک پرائیوٹ خط میں نے آپ کو لکھا تھا۔ دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر اُن میں جا گرتا ہے۔ چونکہ ملک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ میں بوجہ گرمی کے اور نیز قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کر سکا انجینیری کے اس حیرت ناک کرشمے کی دید سے محروم رہا جب ہم سویز پہونچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آموجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا ان لوگوں کی فطرت میں میلان تجارت مرکوز ہے۔ اور کیوں نہ ہو ان ہی کے آبا و اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی سلیمان اعظم انہیں میں کا ایک شہنشاہ تھا جس کی وسعت تجارت نے اقوام یوروپ کو ڈرا کر ان کو ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔

کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے، کوئی مصر کے پرانے بُت بیچتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ ذرا سا بت اٹھارہ ہزار برس کا ہے۔ جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے غرضکہ یہ لوگ گاہکوں کو قید کرنے میں

؎ نام ٹھہرایا گیا۔ یہ خط مولوی انشاء اللہ خان کے اخبار وطن (۲۲ر دسمبر ۱۹۰۶ء) میں اس وضاحت کے ساتھ چھپا کہ اقبال نے یہ خط مولوی انشاء اللہ خان کو ارسال کیا ہے مگر وطن نے اس کی تردید نہ کی حالانکہ اس زمانے میں وہ اپنا ہفتہ وار اخبار نکالتے تھے اور ایک غلط بات کی تردید ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھی۔

[رفیع الدین ہاشمی، خطوط اقبال]

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے انہیں لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچّہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے ایک نوجوان مصری دکاندار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں میں نے اُس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں، مگر چونکہ میرے سر پر انگریزی ٹوپی تھی اُس نے ماننے میں تامل کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اُردو بولتا تھا، جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا "تم بھی مسلم ہم بھی مسلم" تو مجھے بڑی مسرت ہوئی، میں نے اسے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے کیا اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مسلمان کی داڑھی منڈی ہو تو اسے کو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیے ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہو گی۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروّج ہو جاتا تاکہ ہمارے دوست موسمی علماء کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہوا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا، اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاءاللہ، ماشاءاللہ کہنے لگے اور میری غرضِ سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے' یا یوں کہیے کہ دو چار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہونچے۔

تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اُن کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سکنڈ کے لیے علی گڈھ کالج کے ایک ڈیپوٹیشن کا شبہ ہوا لیکن

جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور میں بھی دخل در معقولات ان میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا کہ جیسے حریری کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔

آخر مسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہوا اور آہستہ آہستہ سویز کنال[1] میں جا داخل ہوا۔ یہ کنال جسے ایک فرانسیسی انجینئر نے تعمیر کیا تھا دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق و مغرب کا اتحاد ہے۔ دنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اس مغربی دماغ نے زمانۂ حال کی تجارت پر اثر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا، جس نے اقوامِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی، جس نے حال کی دنیا کی تہذیب و تمدن کو اور سے کچھ اور کر دیا۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز مشکل سے اس میں سے گزر سکتے ہیں اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی غنیم چاہے کہ رات بھر میں اسے مٹی سے پُر کر دے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ جب ٹھیک رہتی ہے اور اس کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں جانب سے جو ریگ ہوا سے اُڑ کر اس میں گرتی رہتی ہے اس کا انتظام ہوتا رہے۔ کنارے پر جو مزدور کام کرتے ہیں بعض نہایت شریر ہیں جب ہمارا جہاز آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور جہاز کی چند انگریز بی بیاں کھڑی ساحل کی سیر کر رہی تھیں تو اُن میں سے ایک مزدور از سر تا پا برہنہ ہو کر

---

[1] نہر سویز کی کھدائی کا ٹھیکہ مصر کے خدیو سعید پاشا نے ایک فرانسیسی دوست فرڈی ننڈ ڈی لیسپس کو دیا۔ (۳۰ نومبر ۱۸۵۴ء) کمپنی ۱۸۵۸ء میں قائم ہوئی جس نے اخراجات کے لیے بیس کروڑ فرانک کا انتظام کیا۔ کھدائی ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء کو شروع ہوئی۔ برطانیہ نے بہت مخالفت کی مگر آخر کار نہر کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس کا افتتاح ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو ہوا۔
[رفیع الدین ہاشمی: خطوطِ اقبال]

ناچنے لگا۔ یہ بیچاری دوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

جہاز سے گزرتے ہوئے ایک اور دلچسپ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ ہم نے ایک مصری جہاز گذرتے ہوئے دیکھا جو بالکل ہمارے ہی پاس سے ہو کر گذرا۔ اس پر تمام سپاہی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور نہایت خوش الحانی سے عربی غزل گاتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ ایسا پُر اثر تھا کہ اس کی کیفیت اب تک دل پر باقی ہے۔

ابھی ہم پورٹ سعید نہ پہونچے تھے کہ ایک بارود سے بھرے ہوئے جہاز کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جانے کی خبر آئی۔ تھوڑی دیر میں اس کے ٹکڑے کنال سے گذرتے ہوئے دکھائی دیے۔ جان و مال کا بے اندازہ نقصان ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے ہماری طبیعت اس مصیبت پر بہت متاثر رہی۔ پورٹ سعید پہونچ کر پھر مسلمان تاجروں کی دکانیں تختۂ جہاز پر لگ گئیں۔ میں ایک کشتی پر بیٹھ کر مع پارسی ہم سفر کے بندرگاہ کی سیر کو چلا گیا۔ پورٹ سعید جہازوں کو کوئلہ مہیا کرنے والے بندرگاہوں میں سب سے بڑا ہے اور سعید پاشا کے نام سے مشہور ہے جس نے سویز کنال بنانے کی اجازت دی تھی۔ عمارات کا نظارہ نہایت ہی خوبصورت ہے اور شہر چھوٹی موٹی بمبئی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ یہ کبھی دنیا کے تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہوگا۔ مدرسہ دیکھا، مسجدوں کی سیر کی۔ اسلامی گورنر کا مکان دیکھا موجد سویز کنال کا مجسمہ دیکھا۔ غرض کہ خوب سیر کی، یہاں کے مدرسے میں عربی اور فرانسیسی پڑھاتے تھے، جس حصّے میں انگریز آباد ہیں وہ حصہ خصوصیت سے خوبصورت اور پاکیزہ ہے لیکن افسوس ہے کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہ جگہ بہت میلی ہے۔ یہودی، فرانسیسی، انگریز، یونانی، مسلمان غرضکہ دنیا کی تمام اقوام یہاں آباد ہیں۔ سب کے محلے جدا جدا ہیں ہوٹل بھی جدا جدا ہیں اور گرجے بھی، شہر کی سیر کر کے پورٹ آفس میں آیا، ملازم قریباً سب مسلمان ہیں اور خوب

انگریزی اور عربی بولتے ہیں اس عمارت میں داخل ہو کر میں نے نوٹس بورڈ
سے کئی ایک عربی الفاظ سیکھے جن کو ایک کاغذ پر میں نے نوٹ کر لیا
لیکن افسوس ہے کہ بعد میں وہ کاغذ بھی کھو گیا۔ کچھ ٹکٹ پوسٹ آفس
سے خرید کیے اور خطوں پر لگا کر ڈاک میں ڈالے تعجب ہے کہ ان میں
سے کسی خط کی رسید نہیں آئی۔ آخر اپنے مسلمان راہ نما کو جو اکثر زبانیں
جانتا تھا کچھ انعام دے کر جہاز کو لوٹا۔ یہاں جو پہونچا تو ایک اور نظارہ
دیکھنے میں آیا۔ تختۂ جہاز پر تین اطالین عورتیں اور دو مرد وائلن بجا رہے
تھے اور خوب رقص و سرود ہو رہا تھا ان عورتوں میں ایک لڑکی جس کی عمر تیرہ چودہ
سال ہو گی نہایت حسین تھی۔ مجھے دیانت داری کے ساتھ اس بات کا اعتراف
کرنا چاہئے کہ اس کے حسن نے تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر سخت اثر کیا، لیکن
جب اس نے ایک چھوٹی سی تھالی میں مسافروں سے انعام مانگنا شروع
کیا تو تمام اثر زائل ہو گیا کیونکہ میری نگاہ میں وہ حسن جس پر استغنا کا
غازہ نہ ہو بدصورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

القصہ فردوسِ گوش اور کسی قدر جنتِ نگاہ کے حظوظ اُٹھا کر ہم روانہ
ہوئے اور ہمارا جہاز بحرِ روم میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے بہت سے
جزیرے رستے میں ملتے ہیں جن میں سے بعض کسی نہ کسی بات کے لیے
مشہور ہیں لیکن ان کے نظارے کی کیفیت ذہن سے اُتر گئی۔ یہ جتنے سطور
لکھے ہیں حافظے سے لکھے ہیں اگر میرے نوٹ ضائع نہ ہو جاتے تو امید ہے
کہ میں آپ کے ناظرین کو زیادہ کامیابی کے ساتھ خوش کر سکتا۔

بحرِ روم کے ابتدائی حصے میں سمندر کا نظارہ بہت دلچسپ تھا اور ہوا میں
ایسا اثر تھا کہ غیر موزوں طبع آدمی بھی موزوں ہو جائے میری طبیعت قدرتاً
شعر پر مائل ہو گئی اور میں نے چند اشعار کی غزل لکھی جو حاضر ہے:

مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

نیا جہاں کوئی اے شمع ڈھونڈیے کہ یہاں
ستم کشِ تپشِ ناتمام کرتے ہیں

عجب تماشا ہے مجھ کافرِ محبت کا
صنم بھی سن کے جسے رام رام کرتے ہیں

ہوا جہاں کی ہے بیکار آفریں کیسی
کہاں عدم کے مسافر قیام کرتے ہیں

نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں

رہینِ لذتِ ہستی نہ ہو کہ مثلِ شرار
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں

بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
کہ خوش نواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری پستی سے
نظامِ دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں

---

۱ تا ۵ یہ اشعار بانگِ درا میں مشمولہ غزل میں موجود نہیں ہیں۔

بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ
کہ ہم تو رسم محبت کو عام کرتے ہیں

ہرے رہو وطن مازنی کے میدانو!
جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبال
بلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

(مازنی اٹلی کے محسنین کا سرگروہ تھا۔ یہ شعر اس وقت لکھا گیا جب کہ اس ملک کا ساحل نظر کے سامنے تھا۔)

مارسیلز[1] تک پہنچنے میں چھ روز صرف ہوئے، کچھ تو اس وجہ سے کہ سمندر کا آخری حصہ بہت متلاطم تھا اور کچھ اس خیال سے کہ اصل راستہ میں طوفان کا اندیشہ ہو گا ہمارا کپتان جہاز کو ایک اور راستے سے لے گیا۔ جو معمولی رستے سے کسی قدر لمبا تھا ۲۲ کی صبح کو مارسیلز یعنی فرانس کی ایک مشہور تاریخی بندرگاہ پر پہنچے اور چونکہ ہمیں آٹھ دس گھنٹے کا وقفہ مل گیا تھا اس واسطے بندرگاہ کی خوب سیر کی۔ مارسیلز کا نوٹرڈام گرجا[2] نہایت اونچی جگہ تعمیر ہوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے

---

[1] مارسیلز: بحیرۂ روم کی سمت فرانس کا ساحلی شہر اور جنوبی بندرگاہ

[2] نوٹرے ڈیم: فرانس میں متعدد گرجا حضرت مریم سے منسوب ہیں، انہیں نوٹرے ڈیم کہا جاتا ہے یہاں مارسیلز کا گرجا گھر ہے

کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم و فنون کی محرک ہوئی ہے۔ مارسیلز سے گاڑی پر سوار ہوئے اور فرانس کی سیر کی۔ حسین رہگذر رستے کے عرق بہ ہو گئی۔ کھیتیاں جو گاڑی کے اِدھر اُدھر آتی ہیں ان سے فرانسیسی لوگوں کا نفیس مذاق مترشح ہوتا ہے۔ ایک رات گاڑی میں کٹی اور دوسری شام ہم لوگ برٹش چینال[1] کو کراس کر کے ڈوور[2] اور ڈوور سے لندن پہنچے۔ شیخ عبدالقادر کی باریک نگہ نے باوجود میرے انگریزی لباس کے مجھے دُور سے پہچان لیا اور دوڑ کر بغل گیر ہو گئے۔

مکان پر پہنچ کر رات بھر آرام کیا۔ دوسری صبح سے کام شروع ہوا۔ یعنی ان تمام فرائض کا مجموعہ جن کی انجام دہی نے مجھے وطن سے جدا کیا تھا اور میری نگاہ میں ایسا ہی مقدس ہے جیسے عبادت۔ والسلام

آپکا

اقبال

از کیمبرج ۲۵ نومبر ۱۹۰۵ء (خطوطِ اقبال)

---

[1] برٹش چینل؛ فرانس اور انگلستان کے درمیان واقع سمندر کو برٹش چینل (رودبارِ انگلستان) کہا جاتا ہے فرانس اور انگلستان کے درمیان اسکی چوڑائی ۲۱ میل ہے۔

(مقالاتِ اقبال کے متن میں برٹش چینل ہے)

[2] ڈوور؛ (DOVER) انگلستان کا معروف ساحلی شہر اور ایک اہم بندرگاہ فرانس کی سمت سے جانے والے ڈوور کے راستے ہی انگلستان میں داخل ہوتے ہیں یہاں سے لندن ۶۶ میل دور ہے۔

خواجہ حسن نظامی کے نام

[1]

پُراسرار نظامی علادہ ابھی ملا۔ اس سے پہلے آپ کا نوازش نامہ نہیں ملا۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کا خط آئے اور میں جواب نہ دوں۔

الاحسان کے دو نمبر بھی کل موصول ہوئے۔ خوب اور بہت خوب۔ کس قدر تغیر ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مضمون پر بات کرنا خلافِ اصولِ طریقت تھا۔[2] اب یہ زمانہ ہے کہ ماہوار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے لیکن کیوں صاحب آپ مجھے رسوا کر کے اب مشہور کرنے لگے ؎

اب مری شہرت کی سوجھی ہے انھیں دیکھے کوئی

مٹ کے میں جس دم غبارِ کوے رسوائی ہوا

اقبال۔ لاہور

(اتالیق خطوط نویسی)

---

[1] اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ لیکن اتالیق خطوط نویسی میں مشمولہ خطوط کے سیاق و سباق کے پیشِ نظر غالباً یہ خط ۱۹۰۵ء میں لکھا گیا۔

[2] مراد یہ ہے کہ تصوف حال تھا، قال نہیں تھا۔ اس کو عمل کے آئینے میں دکھایا جاتا تھا۔ اس پر مضامین نہیں لکھے جاتے تھے۔ اب یہ ایسا موضوع ہو گیا ہے کہ اس پر رسالے شائع ہونے لگے۔ (مؤلف)

منشی دیا نرائن نگم

ایڈیٹر "زمانہ" (کانپور) کے نام

ا "زمانہ" (کانپور) کے ایڈیٹر نے ۱۹۰۶ء کے آغاز میں سودیشی تحریک کے متعلق چند سوالات مرتب کیے اور ان کو مختلف مسلمان مفکرین ادیب اور سیاسی رہنماؤں کے پاس بھیجا۔ یہ سوالات اپریل ۱۹۰۶ء کے شمارے میں شائع کیے گئے۔ سوالات یہ تھے۔

۱۔ سودیشی تحریک بذات خود ملک کی ترقی کے لیے کہاں تک مفید ہے۔ اور اس تحریک کے نشیب و فراز، نفع و نقصان اور عمل درآمد کے متعلق آپ کی مفصل رائے کیا ہے۔

۲۔ اس تحریک میں ہندوستان کے اتفاق کی کہاں تک ضرورت ہے؟ خاص مسلمانوں کے لیے اس سے کوئی نفع یا نقصان پہنچے کی کہاں تک امید ہے؟

۳۔ اس تحریک کی کامیابی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اور اس کی کامیابی کا ہندو مسلمانوں پر جداگانہ اور ملک پر بہ حیثیت مجموعی کیا اثر ہوگا؟

اقبال کا جواب جو انھوں نے کیمبرج سے بھیجا تھا مئی ۱۹۰۶ء کے شمارے میں یوں شائع کیا گیا ہے۔]

صابر کلوروی نے اس خط کی تاریخ مارچ ۱۹۰۶ء متعین کی ہے

اشاریہ مکاتیب اقبال ص ۱۰

از جناب پروفیسر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے
از کیمبرج

۱۔ سودیشی تحریک ہندوستان کے لیے کیا ہر ملک کے لیے جس کے اقتصادی اور سیاسی حالات ہندوستان کی طرح ہوں مفید ہے کوئی ملک اپنے سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ پہلے اس کے اقتصادی حالات درست نہ ہو جائیں۔ ہمارے اہل الرائے سیاسی آزادی سیاسی آزادی پکارتے ہیں، مگر کوئی شخص اس باریک اصول کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ سیاسی آزادی کے شرائط میں سب سے بڑی شرط کسی ملک کا اقتصادی دوڑ میں سبقت لے جانا ہے، جہاں تک کہ اس کا جغرافی مقام اور دیگر قدرتی اسباب اس کے ممد ہوں سیاسی آزادی کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بغیر دام دیے مل جائے۔ انگلستان کی سرزمین کے ہر ذرے میں اُن لوگوں کا خون چمکتا ہوا نظر آتا ہے جنہوں نے سیاسی حقوق کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ باغیوں کی طرح نہیں بلکہ ان لوگوں کی طرح جن کے دلوں میں اپنے وطن کے قانون اور اس کے رسوم کی عزت ہوتی ہے اور جو اپنے گراں قدر خون کے قطرے قانون کی تائید میں بہاتے ہیں نہ اس کی تردید اور مخالفت میں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو قوم خود آزادی کی دلدادہ ہو وہ اوروں کی آزادی کو رشک کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی' اور انگریزوں کی معاشرت دیکھ کر بھی میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ہاں ہم لوگوں میں اس کی قابلیت ہونا ضروری ہے اور اس قابلیت کے پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا ہے اقتصادی قوانین کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے جس کی طرف خوش قسمتی سے اب اہل وطن کی توجہ ہوئی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بے وجہ جوش ہماری آرزو کو تاریک کر دیتا ہے اور ہم اس جوش میں

ایسی طفلانہ حرکات کر دیتے ہیں جس کا مفید اثر کچھ نہیں ہوتا اور جس کا نقصان دیر پا ہوتا ہے بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکہ اور جرمن کی چیزیں خریدو، مگر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ مجھ کو تو اس کا اقتصادی فائدہ کچھ نظر نہیں آتا بلکہ اگر انسانی فطرت کے محرکات پر غور کرو تو اس میں سراسر نقصان ہے اس طریق عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان سے ہم کو سخت نفرت ہے نہ یہ کہ ہم کو ہندوستان سے محبت ہے۔ اپنے وطن کی محبت کسی غیر ملک (؟) کے مستلزم نہیں ہے۔[۲۸] علاوہ اس کے اقتصادی لحاظ سے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مغربی خیالات اور تعلیم کی اشاعت سے اب ہماری ضرورتوں کا احاطہ وسیع ہو گیا ہے اور اسی میں سے بعض اس قسم کے ہیں کہ سر دست ہمارا اپنا ملک ان کو پورا نہیں کر سکتا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس طفلانہ فعل سے سوائے اس کے کہ حکام کو خواہ مخواہ بدظن کیا جائے اور کیا فائدہ ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہمارا ملک بعض جوالی خصوصیات اور دیگر قدرتی اسباب کے عمل کی وجہ سے ان کو ارزاں نرخ پر تیار ہی نہیں کر سکتا۔ اس بات کی کوشش کرنا کہ ہماری ساری ضرورتیں اپنے ملک کی خصوصیات سے پوری ہو جایا کریں سراسر جنون ہے۔ واقعات کے لحاظ سے دیکھو تو یہ بات کسی ملک کو نہ اب نصیب ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور اگر یہ بات ممکن بھی ہو جائے تو اس میں میرے خیال میں بجائے فائدہ کے نقصان ہے جس کی مفصل تشریح اس مقام پر نہیں ہو سکتی۔ سو دیشی تحریک کو عملی صورت دینے کے لیے میری رائے میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو اس وقت ملک میں تیار ہو رہی ہیں اور ان کی کمیت اور کیفیت کیا ہے؟

(ب) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو پہلے تیار ہوتی تھیں اور اب تیار نہیں ہوتیں۔؟

(ج) وہ کون کون سی مصنوعات ہیں جن کو ہم خصوصیت سے عمدہ اور ارزاں تیار کر سکتے ہیں۔؟

(د) ملک کے صوبوں یا دیگر قدرتی حصص کے لحاظ سے وہ کون کون سے مقام ہیں جو بعض اسباب کی وجہ سے خاص خاص مصنوعات کے لیے موزوں ہیں۔

(ا) تخمیناً کس قدر سرمایہ زیورات وغیرہ کی صورت میں ملک میں معطّل پڑا ہے؟ اور اس کو استعمال میں لانے کے لیے کیا وسائل اختیار کیے جائیں۔ ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر عملی کام شروع کرنا چاہیے۔ ضرور ہے کہ ابتدا میں ناکامی کا سامنا بھی ہو، مگر کوئی بڑا کام سوائے قربانی کے نہیں ہوا۔ کسی ملک کے اقتصادی حالات کا درست ہونا تھوڑے عرصے کا کام نہیں ہے، اس میں صدیوں کی ضرورت ہے، ہم نقصان اُٹھائیں گے تو ہماری آیندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں گی علاوہ اس کے مشترک سرمایہ کی جماعتیں نہایت مفید ثابت ہوں گی خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں کے لوگ کم سرمایہ رکھتے ہیں سرمایہ کے بہترین نتائج اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اس کی مقدار بڑی ہو۔ مگر عملی لحاظ سے کامیاب ہونے کے لیے سب سے بڑی ضرورت اصلاحِ اخلاق کی ہے۔ لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتبار کرنا سکھاؤ، ان کے اِسراف کی عادت پر نکتہ چینی کرو اور اُن کے دل پر یہ امر نقش کر دو کہ انسان کی زندگی کا مقصد خود غرضی کے پردے میں بنی نوعِ انسان کی بہتری کی جستجو کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ میں جیسا چاہتا تھا ویسا جواب نہیں لکھ سکا۔ کچھ اس خیال سے کہ ڈاک کا وقت جاتا ہے

اور کچھ اس خیال سے کہ زیادہ تعویق مناسب نہ ہوگی۔

(۲) سیاسی حقوق کے حصول کی دوسری بڑی شرط کسی ملک کے افراد کے اغراض کا متحد ہونا ہے اگر اتحادِ اغراض نہ ہوگا تو قومیت پیدا نہ ہوگی اور اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظامِ قدرت کے قوانین ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں گے۔ قدرت کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کی پروا نہیں کرتی۔

مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور عملی زندگی اس قسم کی اختیار نہیں کرتے جس سے اُن کے اندرونی رجحانات کا اظہار ہو۔ ہم کو قال کی ضرورت نہیں ہے خدا کے واسطے حال پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ مذہب دنیا میں صلح کرانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جنگ کی غرض سے۔

میری رائے میں اس تحریک کی کامیابی سے مسلمانوں کو ہر طرح فائدہ ہے۔ ایک صاحب نے کسی اخبار میں یہ خط چھپوایا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر مسلمان زراعت پیشہ ہیں اُن کا یہ ارشاد شاید پنجاب کی صورت میں صحیح ہو، تاہم یہ کہنا کہ مسلمان زراعت پیشہ ہیں اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو سودیشی تحریک کی کامیابی سے کچھ فائدہ نہیں ہے اگر مصنوعات سستی ہوں (جو بالآخر اس تحریک کی کامیابی کا نتیجہ ہوگا) تو خریدنے والوں کو بھی فائدہ ہے اور بیچنے والوں کو بھی۔ مسلمان خواہ بیچنے والے ہوں، خواہ خریدنے والے ہر طرح فائدہ میں ہیں۔ ہاں اگر وہ بیچنے والے ہیں تو اُن کو زیادہ فائدہ ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ وہ بائع نہ بنیں۔

(۳) اگر صبر و استقلال سے کام کیا گیا تو اس تحریک میں ضرور کامیابی ہوگی۔ دور اندیشی تمام کامیابی کا راز ہے ایک حد تک تو اس تحریک کے مطابق ملک میں عمل درآمد ہو رہا ہے اس عمل کی توسیع کی ضرورت

ہے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ عمدہ اور ارزاں مصنوعات پیدا کر کے گراں اور ظاہری نمائش والی چیزوں کو ملک سے نکالو۔(؟) مقدس عہد لینا کہ ہم خارجی ممالک کی مصنوعات استعمال نہ کریں گے اور جوش میں آکر انگریزی کپڑے کے کوٹ آگ میں پھینک دینا ایک طفلانہ فعل ہے جو اقتصادی لحاظ سے غیر مفید اور سیاسی لحاظ سے مضر ہے۔ اگر اس تحریک سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحادِ اغراض پیدا ہو جائے اور رفتہ رفتہ قوی ہوتا جائے تو سبحان اللہ اور کیا چاہیئے ہندوستان کے سوئے ہوئے نصیب بیدار ہوں اور میرے دیرینہ وطن کا نام جلی قلم سے فردِ اقوام میں لکھا جائے۔ والسلام

(انوارِ اقبال)

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق[1]

آپ کا کارڈ ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ مجھے بھی یہ خیال تھا کہ جاتی دفعہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، افسوس ہے۔ مجھے اس موقع پر فرصت کم تھی ورنہ کہیں نہ کہیں آپ سے ملنے کو آجاتا۔ اچھا ہوا آپ نے وہ پرچہ[2] اپنی ذمہ داری پر چلانا شروع کیا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہاں سے مشاغل سے مطلق فرصت نہیں ملتی۔ ایسے حالات میں مضامین لکھنے

---

[1] چونکہ یہ خط اپریل ۱۹۰۷ء کے کشمیری میگزین میں شائع ہوا تھا۔ لہٰذا اب اس کی تاریخ مارچ ۱۹۰۷ء ہوئی۔

[صابر کلوروی، مکاتیب اقبال کے ماخذ پر ایک نظر]

[2] پرچہ جس کی طرف خط میں اشارہ ہے وہ کشمیری میگزین ہے جو ۱۹۰۶ء میں شروع ہوا تھا اور جس کے لیے فوقؔ صاحب نے اقبال سے منظوم اشعار کی فرمائش کی تھی۔

کی کہاں سوجھتی ہے۔ البتہ شعر ہے جو کبھی کبھی خود موزوں ہو جاتا ہے۔ سو شیخ عبدالقادر (ایڈیٹر مخزن) لے جاتے ہیں۔ ان سے انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ سے بھی انکار نہیں۔ اگر کچھ ہو گیا تو حاضر کروں گا۔ والسلام

محمد اقبال

ٹرینٹی کالج۔ کیمبرج انگلینڈ

(انوارِ اقبال)

خواجہ حسن نظامی کے نام

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

سرمست سیاح کو سلام، متھرا۔ ہردوار۔ جگن ناتھ۔ امرناتھ جی سب کی سیر کی۔ مبارک ہو۔ مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ بلکہ ہمارے میر صاحب[1] نیرنگ اور اکرام[2] کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بُت خانہ ہے کہ ہر بُت اس صنم کدے کا رشکِ صنعتِ آزری ہے اس پرانے مکان کی کبھی سیر کی ہے؛ خدا کی قسم، بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ۔ میں تو ہر قدم پر آپ کو یاد آتا تھا کیوں نہ یاد آؤں۔ آپ بھی ہم کو یہاں عموماً یاد آیا کرتے ہیں۔ والسلام

آپکا

محمد اقبال

نامہ [۱۔ اتالیق خطوط نویسی
۲۔ اقبال نامہ]

---

[1] میر غلام بھیک نیرنگ۔

[2] شیخ محمد اکرام معاون مدیر رسالہ مخزن یہ غالب نامہ اور آبِ کوثر وغیرہ کے مصنف سے مختلف شخصیت ہیں

عطیہ فیضی کے نام

مائی ڈیر مس فیضی،

میں لندن آرہا ہوں اور آپ سے ملنے کا مشتاق ہوں۔

آپ کا ایس۔ ایم۔ اقبال

پس نوشت۔ لندن میں میرا پتہ HAMMER SMITH ہے۔

(انگریزی سے) [روزنامہ "ڈان" کراچی
۳ راپریل ۶۷ ۱۹ء ص۔ ۱۵]

نوٹ

(الف) عطیہ فیضی اپنی کتاب "اقبال" میں لکھتی ہیں کہ اقبال نے لندن اور کیمبرج سے متعدد خطوط لکھے جو ضائع ہو گئے۔ عطیہ فیضی کے ایک انگریزی مضمون IQBAL: A REFLECTION (شائع شدہ "ڈان") میں ایک خط درج ہے جو اس شک کو تقویت پہنچاتا ہے کہ عطیہ فیضی نے بعض خطوط بوجوہ اپنی کتاب IQBAL میں شائع نہیں کیے۔ یہ چھوٹا سا خط محفوظ رہ سکتا ہے تو دوسرے خطوط بھی محفوظ ہوں گے۔ جنھیں مصلحتاً منظر عام پر نہیں لایا گیا۔

(ب) اقبال کا یہ خط کیمبرج سے لکھا گیا ہے۔ عطیہ فیضی کی اقبال سے ملاقات یکم اپریل ۱۹۰۷ء کو ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ خط مارچ ۱۹۰۷ء کے آخری ہفتے میں لکھا گیا ہوگا۔

(صابر کلوروی)

(ج) عطیہ فیضی کے نام مندرجہ بالا خط جناب صابر کلوروی صاحب نے فراہم کیا ہے۔ جو ان کے شکریہ کے ساتھ کلیات میں شامل کیا جا رہا ہے (مولف)

عطیہ فیضی کے نام

ٹرینٹی کالج
کیمبرج
۲۴ر اپریل ۱۹۰۷ء

مائی ڈیئر مس فیضی!

ان نظموں میں سے، جنہیں میں نے آپ کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، ایک نظم ملفوف ہے اگر آپ اسے توجہ سے پڑھ کر اپنی تنقید سے نواز سکیں تو میں ممنون ہوں گا۔

میں آپ کو اپنی اردو کتاب "علم الاقتصاد" (علمِ سیاست مدن) کا ایک نسخہ بھیجنے کا سوچ رہا تھا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہاں میرے پاس اس کی کوئی جلد نہیں۔ اگرچہ ہندوستان سے اس کا حاصل کرنا چنداں دشوار نہ ہوگا۔ میں اسی ڈاک میں اس کے لیے لکھ دوں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص
س۔ م۔ اقبال

(انگریزی سے) (اقبال از عطیہ بیگم)

اے گُل! زِ خارِ آرزو آزاد چوں رسیدۂ؟[1]
تو ہم زِ خاکِ این چمن مانندِ ما دمیدۂ؟

---

[1] باعتبارِ اصول املا رسیدہ ای، دمیدہ ای، وغیرہ ہونا چاہیے مگر غالباً خود اقبال نے ہمزہ کے ساتھ لکھا ہے اس لیے ہم نے بدستور باقی رکھا ہے یہ غزل اقبال کے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں ہے رجح

اے شبنم! از فضائے گُل آخر ستم چہ دیدۂ؟
دامن ز سبزہ چیدۂ تا بفلک رسیدۂ
از لوحِ خویش باز پُرس، قصۂ جُرمہائے ما
آخر جواب ناسزا از لبِ ما شنیدۂ؟
با من مگو: کہ مثلِ گُل ہموارہ شاخ بستہ باش!
مانندِ موجِ بُو مرا آوارہ آفریدۂ
ہنگامہ دیر یک طرف، شورشِ کعبہ یک طرف
از آفرینش جہان دردِ سرے خریدۂ

(ترجمہ)

۱:۔ اے پھول تو نے تمنا کے کانٹے سے کیسے دامن چھڑایا
تو بھی ہماری طرح اس چمن کی مٹی سے اُگا ہے؟

۲:۔ اے شبنم گل کی فضا میں (یعنی چمن کی فضا میں) تو نے آخر کیا ستم دیکھا
کہ سبزہ سے اپنا دامن سمیٹ کر آسمان کی طرف مائل پرواز ہے؟

۳:۔ ہمارے جرم کا قصہ خود اپنی لوح (محفوظ) سے پوچھ لے،
آخر ہماری زبان سے کبھی کوئی نا زیبا جواب سنا ہے؟
(مطلب یہ کہ جو کچھ ہم نے کیا یہ ہمارا مقدر اور مقسوم تھا)

۴:۔ مجھ سے مت کہو کہ پھول کی طرح ہمیشہ شاخ سے وابستہ رہ
تو نے مجھ کو خوشبو کی لہر کی طرح پیدا کیا ہے۔

۵:۔ کہیں دیر کا ہنگامہ ہے تو کہیں کعبے کی شورش آوارہ ہے
(اے خدا) تو نے دنیا کو پیدا کیا اور ایک دردِ سر مول لے لیا ہے

ہستیم ما گدائے تو یا تو گدائے ماستی؟
بہر نیاز سجدۂ در پسِ ما دویدۂ
اُفتی اگر بدستِ ما حلقہ بگردِ تو کشیم
ہنگامہ گرم کردۂ خود از میان رمیدۂ
اقبال غربتِ توام نشتر بدل ہمی زند
تو در ہجوم عالمے یک آشنا ندیدۂ

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق!

اہل اللہ کے حالات نے جو آپ نے بنام "یادِ رفتگاں"[1] تحریر فرمائے ہیں، مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں

۱۶۔ (ترجمہ) ہم تیرے گدا ہیں یا تو ہمارا گدا ہے؟
کہ ایک سجدۂ نیاز کے لیے تو ہمارے پیچھے پڑ رہا ہے!

۱۷۔ اگر تو میرے ہاتھ آ جائے تو تیرے چاروں طرف حلقہ کھینچ دوں
تو نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور خود درمیان سے غائب ہو گیا ہے؟

۱۸۔ اقبال! تیری اجنبیت میرے دل میں نشتر کی طرح چبھتی ہے
تو نے اس دنیا کے ہجوم میں کوئی بھی آشنا نہیں دیکھا۔

[1] یادِ رفتگاں فوق صاحب کی کتاب بزرگانِ سلف کے متعلق تھی اس کا دوسرا نام تذکرہ صوفیاء لاہور بھی ہے اس کتاب کے مطالعے سے متاثر ہو کر اقبال نے وہ نظم لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی — نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(بشیر احمد ڈار)

درج کی ہیں مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حُسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔

بھائی فوق! خود بھی اس گوہرِ نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسّلام

آپ کا دوست
(شیخ) محمد اقبال، ایم اے۔ پروفیسر
گورنمنٹ کالج۔ لاہور۔
(انوارِ اقبال)

از سیالکوٹ
۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء[1]

---

[1] انوارِ اقبال میں (ص ۵۲-۵۳) اس خط کی تاریخ ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء درج ہے مگر صابر کلوروی کی تحقیق "روحِ مکاتیبِ اقبال۔ ایک تنقیدی جائزہ" کے مطابق یہ خط ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا ہے چنانچہ اس بنا پر ہم نے اس خط کو ۱۹۰۶ء کے مکاتیب میں شامل کیا ہے۔
(مؤلف)

ویگیناسٹ کے نام

اقامت خانہ تھرنر
۴۱۔ شیلنگ سٹراسے
میونخ [1]

۱۹/اکتوبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من فرائیلائن [2] ویگے ناسٹ

مجھے آپکا کارڈ مل گیا ہے۔ یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ جرمن زبان سے میری محدود واقفیت ہمارے درمیان ایک دیوار کی طرح کھڑی ہے۔

اگر میرے خطوط مختصر ہوں، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرے پاس لکھنے کو کچھ نہیں ہے، بلکہ یہ کہ میرا ذریعۂ اظہار ناقص ہے۔ مزید برآں میں نہیں چاہتا کہ اپنی ٹوٹی پھوٹی جرمن سے آپ کی طبیعت خراب کروں۔ لیکن یہ رکاوٹ آپ کے لیے موجود نہیں، چنانچہ مجھے آپ سے مکمل اظہار کی امید ہے۔

میں نے اخبار میں ایک اشتہار دے دیا ہے کہ مجھے ایک اُستانی کی ضرورت ہے یہ افسوس کی بات ہے کہ ہائیڈل برگ (HEIDELBERG) کے قیام کے دوران میں نے جرمن لکھنے کی مشق نہ کی۔ یہ وہ پہلی تحریر ہے جو میں اس زبان میں لکھ رہا ہوں۔

---

[1] (PENSION) - PENSION THURNER, SCHELLING STR. 41 MUNCHEN
مسرل پرائیوٹ ہوٹل)

[2] (MISS مس (فرائیلائن یعنی FRAULEIN = FRL. MEIN LIEBES FRL. WEGENAST

خزاں کی دھیمی اور نیم آلود ہوا بڑی خوشگوار ہے۔ موسم بڑا خوبصورت ہے۔ لیکن افسوس کہ ہر حسین چیز کی طرح یہ بھی بے دوام[1] ہے۔
براہ کرم جلد خط لکھیے۔

خدا حافظ

آپکا دوست

ایس۔ ایم اقبال

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

ویگیناسٹ کے نام

اقامت خانہ گھمرنر
۱۴۔ تھیلنگ سٹراسے
میونخ۔
۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من فرائیلائن ویگے ناسٹ

یہ آپ کا بڑا کرم تھا کہ آپ نے (خط[2]) لکھا۔ لیکن بہت مختصر۔ میں اس وقت تک آپ کو نہیں لکھوں گا، جب تک آپ مجھے وہ خط نہیں بھیجتیں، جو

---

[1] KURZWEILING کوتاہ عمر، زود گزر، مستعجل۔

[2] اقبال ان خطوط میں عموماً یوں ہی تحریر کرتے ہیں۔ مثلاً: مجھے ضرور لکھیے۔ ڈاکٹر سعید اختر درانی نے اس کے ترجمے میں عموماً "خط" کا اضافہ کر دیا ہے۔

آپ نے پھاڑ ڈالا ہے۔ یہ بڑی بے رحمی ہے۔ آپ ہائیڈل برگ HEIDELBERG. میں تو ایسی نہیں تھیں۔ شاید ہائیل برون (HEILBRONN) کی آب و ہوا نے آپکو بے مہر بنا دیا ہے۔

میں زیادہ لکھنا چاہتا تھا، مگر...... وہ خط۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میرا خط پھاڑ ڈالیں[1]۔

آپ کا بہت مخلص
ایس۔ ایم اقبال
(اقبال یورپ میں)

(جرمن سے)

ویگیناسٹ کے نام

اقامت خانہ مُحرّر
۴۱۔ شیلنگ شڑاسے
میونخ۔
۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من مس[2] ویگیناسٹ
میں آپ کے خط کے لیے شکر گزار ہوں۔ مجھے میونخ بڑا پسند آیا ہے۔

نوٹ:۔ لفافے پر یہ پتا لکھا ہے

FRL. EMMA WEGENAST
LOUISEN STRASSE
HEILBRONN

ٹکٹ پر میونخ کی مہر ہے۔

۱۔ جس سے غالباً مراد اقبال کی طرف لکھا ہوا خط ہے۔

۲ اصل خط میں FRL. (FRAULIEN) کا اختصار) ہے یعنی مس MISS یہ طرزِ تخاطب اقبال نے اپنے تقریباً خطوط میں لکھا ہے چاہے وہ جرمن میں ہوں یا انگریزی میں۔

جناب رائنر[1] نے یہاں اپنی ایک جاننے والی کو لکھا تھا، اور انہوں نے میرے لیے ایک اُستانی ڈھونڈ لی ہے۔ اگرچہ اس مکان میں جرمن زبان بولنے کا کوئی موقع میسر نہیں آتا، تاہم میں اپنی دونوں اُستانیوں کے ساتھ کافی گفتگو کر لیتا ہوں۔ کل ہم لوگ ایک نمائشِ ہنر[2] دیکھنے کے لیے گئے وہاں اتنی بہت (سی) خوبصورت تصویریں ہیں کہ انسان خود کو ایک دنیائے خواب میں محسوس کرتا ہے۔ ہم نے وہاں دو گھنٹے گذارے، اور میری اُستانی جو آرٹ کی سمجھ رکھتی ہیں، میرے لیے ایسی باتوں کی وضاحت کرتی رہیں جن سے میں اس سے پہلے بے خبر تھا۔

کل مجھے محترمہ پروفیسر صاحبہ کا خط موصول ہوا۔ اُنہیں جناب رائنر سے اطلاع ملی تھی کہ میں اس اقامت خانے سے خوش نہیں ہوں میں نے انہیں لکھا ہے کہ جو شخص اقامت خانۂ شیرر[3] میں رہ چکا ہو، اسے اور کوئی اقامت گاہ پسند نہیں آسکتی۔

آج میں باہر نہیں نکل سکتا، موسم خوشگوار نہیں ہے۔ براہ کرم میری بجائے جرمن زبان کا بُرا مت مانیے، اور نہ اس کا جو میں نے اپنے پہلے خط میں لکھا تھا۔ اُمید ہے کہ آپ بالکل بخیریت ہوں گی۔ مجھ میں سوچنے اور صحیح زبان لکھنے کا یارا[4] نہیں ہے۔

آپ کا دوست
ایس۔ ایم اقبال

(جرمن سے)

[اقبال یورپ میں]

---

[1] HERR REINER

[2] KUNST AUSSTELLUNG = ART EXHIBITION (شاید میونخ کی آرٹ گیلری (ALTE PINAKOTHEK?

[3] PENSION SCHERER یہ ہائیڈل برگ میں واقع ہے جہاں اقبال جرمن زبان سیکھنے کے لیے مقیم تھے

[4] GEDULD = PATIENCE حوصلہ، صبر، یارا۔

ویگیناسٹ کے نام

لندن

۱۶ر نومبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا خط مل گیا ہے۔ لیکن میں ابھی تک جم کر نہیں بیٹھ سکا ہوں[1] ٹھہر کر لکھوں گا۔

(جرمن سے)

دلی نیک تمنائیں

اقبال[2]

(اقبال یورپ میں)

ویگیناسٹ کے نام

معرفت طامس کک اینڈ سنز[3]

لڈگیٹ سرکس

لندن

۲ر دسمبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من، فرائیلائین ایما

مجھے آپ کا خط موصول ہو گیا ہے۔ وہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں

---

[1] ANGESIEDELT = SETTLED (یہ بامحاورہ زبان نہیں ہے غالباً اقبال نے کوئی لغت دیکھ کر ترجمہ کیا ہے)

[2] ۔ اس پوسٹ کارڈ کا عکس فقیر سید وحید الدین کی کتاب IQBAL IN PICTURES میں موجود ہے اس کتاب میں پوسٹ کارڈ کی پشت کی تصویر بھی دکھائی گئی ہے اور وہاں پتہ یوں درج ہے۔

FRL EMMA WEGENAST - 16 LOUISA (کذا) STR HEILBORNN

(GERMANY) یعنی LOUISA بجائے LOUISEN [سعید اختر درانی: اقبال یورپ میں]

[3] C/O MESSRS THOMAS COOK AND SONS

LUDGATE CIRCUS, LONDON 2ND DEC 07

اپنی جرمن زبان بھول گیا ہوں۔ میں بہت معروف تھا۔ اور زیادہ نہ سیکھ سکا[1]
آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھتیں؟ میرے لیے آپ کو لکھنا، اور اپنے دل
کی بات کہنا بہت آسان ہو جائے گا۔

میرا خیال تھا کہ میں ہائیل برون HBJI BRONN, کے رستے سفر
کر سکوں گا[2] لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ میرے لیے یہ قطعی لازم تھا کہ میں
پانچ نومبر کو لندن میں رہوں۔ پروفیسر آرنلڈ (PROF ARNOLD) مصر گئے ہیں
اور میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا ہوں۔ میرے ذمے ہفتے میں دو لکچر ہیں۔

میں زیادہ لکھ یا کہہ نہیں سکتا۔ آپ تصور کر سکتی ہیں کہ میرے
باطن (؟) میں کیا ہے۔ میری بہت بڑی خواہش یہ ہے کہ میں دوبارہ
آپ سے بات کر سکوں اور آپ کو دیکھ سکوں ——— لیکن میں نہیں
جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو۔ اس کے لیے
ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے۔ براہ کرم میں نے جو لکھا ہے
اس کے لیے مجھے معاف فرمائیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس قسم
کے اظہار جذبات کو پسند نہیں کرتیں۔

---

[1] یہ لفظ صاف نہیں پڑھا جا سکتا LERNEN (سیکھنا) ہے۔ یا LESEN (پڑھنا)

[2] یعنی میونخ سے۔

براہ کرم جلد لکھیے اور سب کچھ۔ یہ اچھا نہیں ہے کہ کسی شخص کا کچھ بگاڑا (۲) جائے جو آپ کا کچھ نہیں بگاڑتا (۲)؟

آپکا مخلص[۳]

ایس ایم اقبال

علی بخش کے نام

لندن

۱۱ر دسمبر ۱۹۰۷ء

عزیز علی بخش کو بعد سلام کے واضح ہو کہ خط تمہارا پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میرے آنے میں ابھی چھ سات ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ امید ہے کہ اس وقت تک تم فارغ نہ رہو گے اور وہ کمی جو چوری سے ہو گئی ہے

۱ـه VERDERBEN یعنی بگاڑنا TO SPOIL یا TO RUIN (اگر VERBERGEN ہوتا تو اس کا مطلب TO CONCEAL یعنی چھپانا ہوتا) ہمارا خیال ہے کہ اقبال نے VERBERGEN ہی لکھنا چاہا لیکن لغزش قلم نے اسے ۔۔۔ بنا دیا، یا دونوں کے املا میں التباس ہوا۔ ترجمہ مناسب یہ ہوگا "یہ اچھا نہیں ہے اس شخص سے کچھ چھپایا جائے جو آپ سے کچھ نہیں چھپاتا"

[ماخذ: سید اختر درانی، اقبال یورپ میں، روزنامہ جنگ، لندن، یکم مئی ۱۹۸۲ء میں لکھا گیا]

۲ـه VERDIRBT = SPOILS OR RUINS جب کہ VERBIRCT = CONCEALS

مترجم

۳ـه یہ انگریزی میں لکھا ہے۔ (YOUR SINCERELY)

اُسے پورا کر لو گے۔ مجھے یہ سن کر بڑا افسوس ہوا، اگر میں وہاں ہوتا تو اس موقع پر ضرور تمھاری مدد کرتا۔

تم نے اپنی شادی کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے میرا تو خیال تھا کہ تمھاری شادی ہو چکی ہے۔ بہرحال انسان کو شادی سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ بیوی اور بچوں کی پرورش کے واسطے اس کے پاس سامان ہے یا نہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی محنت سے بیوی کو آسودہ رکھ سکو گے تو ضرور کر لو۔ شادی کرنا عین ثواب ہے اگر بیوی آسودہ رہ سکے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکتا ہو تو وہ شادی کرے سے نہ صرف اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرتا ہے بلکہ ایک بے گناہ کو بھی ساتھ ڈوبتا ہے۔

باقی خیریت ہے۔ امید ہے تم سب خیریت سے ہوں گے۔

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

ویگے ناسٹ کے نام

معرفت طامس کک اینڈ سن
لڈگیٹ سرکس
لندن ای سی[1]

۲۰/جنوری ۱۹۰۸ء

عزیزہ من مس ویگے ناسٹ

میں آپ کی تصاویر کے لیے ہزار گونہ شکریہ ادا کرتا ہوں، جو آج شام مجھے موصول ہوئیں۔ یہ آپ کی بڑی کرم فرمائی ہے۔ دونوں تصویریں بڑی خوبصورت ہیں اور وہ ہمیشہ میرے مطالعے کے کمرے میں میری میز پر رہیں گی، لیکن یہ مت باور کیجیے کہ وہ صرف کاغذ ہی پر نقش ہیں۔ بلکہ وہ میرے دل[2] میں بھی جاپذیر ہیں اور مدام رہیں گی۔

شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہو گا کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ پاؤں ...... لیکن میں یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہ کروں گا اور ہمیشہ آپ کے لطف و کرم کو یاد رکھوں گا۔

میں اپنی جرمن زبان بالکل بھول چکا ہوں۔ آپ ہی کیوں انگریزی نہیں سیکھ لیتیں؟ یوں ہم ایک دوسرے کی بات بہتر سمجھ سکیں گے براہ کرم جلد خط لکھیے جوں ہی میری فوٹوگراف بنتی ہے، میں بھی آپ کو اپنی تصویر بھیج دوں گا۔

---

[1] C/O MESSRS THOMAS COOK AND SONS,
LUDGATE CIRCUS, E C 20TH JAN 08

[2] ۔ اقبال نے صرف Z تحریر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حرف HERZ (جرمن۔ دل) کا آخری حصّہ ہے۔

خدا حافظ، میری عزیزہ مس ایما[1]، اور ہمیشہ جانیے۔

آپکا

ایس۔ ایم اقبال

لفافے پر پس تحریر: میں دونوں تصویریں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

ویگیناسٹ کے نام

معرفت طامس کک اینڈ سن

لڈگیٹ سرکس

لندن ای۔ سی

۲۱ جنوری[2] سہ شنبہ

میری عزیزہ مس ایما،

کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں تغافل شعار ہوں؟ یہ بالکل ناممکن ہے۔۔۔۔۔۔ جب آپ کا پچھلا خط پہنچا تو میں بہت بیمار تھا، اور اس نے مجھے اور بھی بیمار کر ڈالا۔ کیونکہ آپ نے لکھا تھا کہ آپ نے بڑے طوفانوں سے گذرنے کے بعد اپنی طمانینتِ قلب[3] دوبارہ حاصل کرلی

---

[1] EMMA

[2] خط نمبر چھ کے بعد موجودہ خط کی تاریخ کچھ صحیح نہیں لگتی۔ یا ہو سکتا ہے وہ پہلی تاریخ غلط ہو۔

[3] FRIEDE = PEACE (آشتی، امن وسکون)

ہے۔ میں یہ سمجھا کہ آپ میرے ساتھ مزید خط و کتابت نہیں کرنا چاہتیں، اور اس بات سے مجھے بڑا دکھ ہوا۔ اب مجھے پھر آپ کا خط موصول ہوا ہے، اور اس سے مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوبصورت خیالوں سے معمور رہتا ہے!
ایک شرارے سے ایک شعلہ اٹھتا ہے۔ اور ایک شعلے سے ایک بڑا الاؤ روشن ہو جاتا ہے! لیکن آپ سرد مہر ہیں، غفلت شعار ہیں۔ آپ جو جی میں آئے کیجیے۔ میں بالکل کچھ نہ کہوں گا، اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا۔
شاید جب میں ہندوستان کو روانہ ہوں گا، تو آپ سے ملاقات کر سکوں گا۔ میں اپنی جرمن تمام تر بھول چکا ہوں آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟۔

آپکا

اقبال

(جرمن سے)

(اقبال یورپ میں)

خواجہ حسن نظامی کے نام

لندن

۱۰ فروری ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط اور رام کرشن[1] دونوں چیزیں پہنچیں، خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ مجھے کبھی کبھی یاد فرما لیا کرتے ہیں افسوس

---

[1] یہ خواجہ حسن نظامی کا کوئی رسالہ ہوگا۔ خواجہ صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کرشن جی اور بابا گورو نانک کی سوانح عمریاں بھی لکھی تھیں۔

کہ جرمنی کے پتے پر جو خط آپ نے لکھا وہ نہ پہنچا۔ بمبئی سے آپ کا ایک خط آیا تھا۔ اس کا جواب اسی پتے پر لکھا تھا معلوم نہیں پہنچا یا نہیں پہنچا۔ نظم کشن نہایت عمدہ ہے۔ جو طریقِ اشاعت مذہبِ حقہ کا آپ نے اختیار کیا ہے، مجھے اس سے پوری ہمدردی ہے۔ مسٹر آرنلڈ صاحب بہادر سے آج اس کا ذکر آیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی کتاب مجھ سے لے لی کہتے تھے کہ میں نے ہندوستان میں بہت کوشش کی کہ سلسلۂ نظامیہ نے جو کوشش اشاعت اسلام میں کی ہو، اُس کی تاریخی شہادت ملے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اگر آپ کے خاندان میں اس مضمون پر کوئی کتاب محفوظ چلی آتی ہو تو آگاہ کیجیے۔ اس کے علاوہ اُن کی یہ خواہش ہے کہ ایک کاپی اس کتاب کی ملے جو آپ کے کسی دوست نے "کلکی پران" کے متعلق لکھی ہو، اور جس کا ذکر آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں کیا ہے۔ مسٹر آرنلڈ کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کے لیے کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی اور اب وقت ہے کہ ایسا کیا جائے۔ اس میں ہندوستان کیا، ساری دُنیا کا بھلا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں میری کامیابیوں پر جو لوگ آپ کو مبارکباد دیتے ہیں راستی پر ہیں۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے۔ دیکھنے کو دو، حقیقت میں ایک۔ انگلستان میں مَیں نے اسلامی مذہب و تمدّن پر لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا "اسلامی تصوّف" پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے "مسلمانوں کا اثر تہذیبِ یورپ پر"، "اسلامی جمہوریت"، "اسلام اور عقلِ انسانی" وغیرہ۔ تمام دوستوں کی خدمت میں آداب کہیے اور میرے لیے درگاہ شریف پر دعا کیجیے۔

آپ کا اقبال

[اقبال نامہ]

ویگیناسٹ کے نام

معرفت طامس کُک اینڈ سن
لڈگیٹ سرکس
لندن ای ۔ سی
۲۶ ؍ فروری ۱۹۰۸ء

عزیزہ من مِس[1] ویگے ناسٹ

میں ہر چیز کے لیے معذرت خواہ ہوں ۔ مجھے اس قدر مصروفیت رہی کہ میں آپ کو خط نہیں لکھ پایا ہوں ۔ آپ ایسی فرشتہ خصلت ہیں کہ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیں گی ۔ آج شام بھی مجھے ایک لیکچر دینا ہے تصوف پر ۔ چند روز ہوئے مجھے محترمہ پروفیسر صاحبہ کا خط موصول ہوا ۔ اُن کا ایک فرانسیسی طالب علم لندن میں تھا ، اور ہم دونوں نے مل کر محترمہ پروفیسر صاحبہ کو ایک خط لکھا ۔ آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھ لیتیں ؟ مجھے اپنی بھدی جرمن زبان سے آپ کے کانوں کی توہین کرتے شرم آتی ہے ــــ بہر حال میں اس خط و کتابت کو جرمن زبان کے سبق لینے کا ایک بہانہ سمجھتا ہوں ۔ سو آپ مجھے اب تک درس دے رہی ہیں ۔

میں جولائی کے اوائل میں ہندوستان لوٹ رہا ہوں ، اور میری تمنا ہے کہ اپنے سفر سے بیشتر آپ سے ملنے کا موقع مجھے حاصل ہو سکے ۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ چند روز کے لیے ہائیڈل برگ آ سکوں ۔ لیکن اگر ممکن

---

[1] یہاں FRAULEIN مکمل لکھا ہے ۔

[2] سید اختر درانی صاحب کا ترجمہ لفظی تھا ۔ لہٰذا محاورہ و زبان کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس میں ترمیم کی گئی ہے ۔ (مؤلف)

ہو تو کیا آپ پیرس میں مجھ سے مل سکتی ہیں؟ آپ ہائیڈل برگ HEIDELBERG کب آئیں گی؟ جناب رائنر HERR REINER کہاں ہیں؟ وہ مجھے بالکل خط نہیں لکھتے میں دو مرتبہ انھیں لکھ چکا ہوں۔ شاید وہ بے حد مصروف ہیں۔ آپ تمام دن کیا کرتی ہیں؟ کیا آپ مطالعہ کرتی ہیں، یا سہیلیوں کے ساتھ وقت گذارتی ہیں؟

آپ کی تصویر میری میز پر رکھی ہے، اور ہمیشہ مجھے اُن سہانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے، جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے تھے۔

ایک تبیع خیالات خوش آیند کے ساتھ۔

آپ کا

ایس ایم اقبال

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

وگیناسٹ کے نام

معرفت طامس کک اینڈ کمپنی

لڈگیٹ سرکس

لندن ای۔ سی

۴ر جون ۱۹۰۸ء

عزیزہ من مِس وگیے ناسٹ

مجھے آپ کا خط پہنچا، اور میں فوراً جواب لکھ رہا ہوں۔ شاید آپ کو میرا جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ آپ کے پوسٹ کارڈ کے لیے بے حد شکریہ۔

لہ مس وگیے ناسٹ اُن دنوں شاید HEILBRONN میں ہوں گی۔ جو ہائیڈل برگ کے جنوب مشرق میں قریب تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

براہِ کرم جلد لکھیے اور مجھے بتائیے کہ آپ کیا کر رہی ہیں کیا سوچ رہی ہیں؟ آپ میرے خط کا انتظار کیوں کرتی ہیں؟ میں ہر روز آپ سے اطلاع پانے کی آرزو رکھتا ہوں۔ مس فیضی[1] اپنی بہن اور برادرِ نسبتی کے ساتھ یہاں ہیں، جو کہ ایک ہندوستانی نواب[2] ہیں میں چند روز ہوئے ان سے ملنے گیا تھا۔ وہ بخیریت اور بڑی خوش و خرم ہیں۔ شاید وہ جرمنی جائیں گی میں بہت مصروف ہوں۔ جلد انگلستان سے رخصت ہو رہا ہوں آغاز جولائی میں۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا میرا جرمنی کے رستے سفر کرنا ممکن ہوگا یا نہیں۔ یہ میری بہت بڑی تمنا ہے کہ میں ہندوستان لوٹنے سے پہلے آپ سے ملاقات کر سکوں۔ بے رحم نہ بنیے۔ پلیز[3]۔ جلد خط لکھیے اور تمام احوال بتائیے۔ میرا جسم یہاں ہے، میرے خیالات جرمنی میں ہیں۔ آج کل بہار کا موسم ہے۔ سورج مسکرا رہا ہے۔ لیکن میرا دل غمگین ہے۔ مجھے کچھ سطریں[4] لکھیے۔ اور آپ کا خط میری بہار ہوگا۔ میرے دل غمگین میں آپ کے لیے بڑے خوبصورت خیالات کا لامتناہی سلسلہ ہے یہ ہیں۔ آپ کے لیے میری تمنائیں۔

آپ کا

اقبال

(جرمن سے)[5] (اقبال یورپ میں)

---

[1] مس عطیہ فیضی۔

[2] اقبال نے انہیں ہندوستانی شہزادہ لکھا ہے مس فیضی اپنے بھائی ڈاکٹر فیضی کے ساتھ اگست ۱۹۰۷ء کے اواخر میں اقبال سے ملنے ہائیڈل برگ جا چکی تھیں۔ جہاں وہ مس ویگے ناسٹ سے متعارف ہوئی تھیں (اقبال از عطیہ بیگم مترجم ضیاء الدین برنی)

[3] SITIE = PLEASE میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔

[4] WORTER = WORTE = WORDS الفاظ

[5] ترجمہ میں ترمیم کی ہے۔ (مؤلف)

ویگیناسٹ کے نام

معرفت طامس کک اینڈ سن
لڈگیٹ سرکس
لندن ای سی
۱۰ر جون سہ شنبہ

عزیزہ من مس ویگے ناسٹ
میں آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں۔ اور آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ مع ہٰذا میں اپنی ایک تصویر ملفوف کر رہا ہوں۔ شاید میں ایک اور تصویر آپ کو بھیجوں گا

آپ کا
ایس ایم اقبال

پس تحریر: میں ۳ جولائی کو ہندوستان روانہ ہو رہا ہوں اور وہاں سے خط لکھوں گا
[جرمن سے] (اقبال یورپ میں)

ویگیناسٹ کے نام

۴۹۔ ایلشم روڈ
کینسنگٹن غرب
لندن ۱
۲۷ر جون ۱۹۰۸ء

عزیزہ من مس ایما
میں نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ جرمنی کے رستے سفر کر سکوں

---

49 ELSHAM RD KENSINGTON, W LONDON ۱ے

لیکن یہ ممکن نہیں ہے میں تین جولائی کو[1] انگلستان سے روانہ ہوں گا اور چند روز پیرس میں رکوں گا۔ جہاں مجھے کچھ کام ہے۔

براہ کرم فوراً لکھیے۔ میں ہندستان روانہ ہونے سے پہلے آپ کا خط پانے کا متمنی ہوں میں اگلے سال یورپ واپس آنے اور آپ سے ملنے کی امید رکھتا ہوں[2]۔ مت بھولیے گا کہ اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے، پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے، اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے۔ ہمیشہ مجھے لکھتی رہیئے گا اور یاد رکھیے گا کہ آپ کا ایک سچّا دوست ہے، اگرچہ وہ فاصلہ دراز پر ہے جبحِلْ

---

[1] میرے اندازے میں اقبال جولائی کی آٹھ یا دس تاریخ کے لگ بھگ انگلستان سے روانہ ہوئے ہوں گے۔ (یکم جولائی کو انہیں بار ایٹ لا کی ڈگری ملی۔ ۳ جولائی کو انہوں نے جناب THOMAS F W صاحب کے نام اپنے مطبوعہ تھیسس (ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء) کا ایک نسخہ (لندن میں) معنون کیا۔ جواب میرے پاس ہے) وہ ۲۷ جولائی کو لاہور پہنچے۔ اٹلی یا فرانس سے بمبئی تک کے جہاز کے سفر میں گیارہ سے تیرہ دن لگتے تھے۔ وہ بمبئی شاید ۲۴ یا ۲۵ جولائی کو پہنچ گئے ہوں گے (ڈاکٹر سعید اختر درانی)

[2] اقبال نے مس ییگی کو بھی لاہور سے کئی خط لکھے (مثلاً ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء میں) کہ عنقریب میں یورپ کا سفر کروں گا اور آپ سے ملوں گا۔ لیکن مصروفیات (اور اپنے معروف تساہل) کی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اقبال عمر بھر دوبارہ جرمنی نہ جا سکے (سعید اختر درانی)

ایک دوسرے کے قریب ہوں، تو فاصلہ کچھ معنی نہیں رکھتا۔
براہ کرم فی الفور لکھیے۔

آپ کا
ایس۔ ایم۔ اقبال

پس تحریر: مجھے جناب خنفر[1] کی بیماری کا سن کر بڑا افسوس ہوا ہے۔
میں نے اُن سے کہا تھا کہ صحت کا خیال رکھیں۔

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

شیخ عبدالعزیز کے نام

سیالکوٹ شہر
۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

مائی ڈیر عزیز صاحب
میرے لاہور کے دوستوں نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے لیے لاہور میں کام شروع کرنا اشد ضروری ہے بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے ان کے بارے میں آپ سے ملاقات ہونے پر گفتگو کروں گا یہ بدقسمتی ہے کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکے۔ لیکن جب ہمارا اندازِ فکر ایک ہی ہے تو ملاقات کی چنداں اہمیت نہیں رہتی آپ جب بھی لاہور آئیں براہ کرم مجھ سے ضرور ملیں میں شاید نومبر میں وہاں

---

[1] HERR CHANFER

رہوں گا آپ کے حوصلہ افزا خطوط کا شکریہ اور امید ہے کہ ضمیر کے معاملات میں آپ کی دلچسپی برقرار رہے گی۔

آپ کا مخلص
ایس۔ ایم اقبال

(انگریزی سے)
(نوادر)

شاطر مدراسی کے نام

سیالکوٹ شہر ۲۹ راگست ۱۹۰۸ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔ میں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا گیا تھا۔[1] کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مبارکباد کا شکریہ قبول کیجیے۔ اعجاز عشق کے[2] چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت شرافت کے ساتھ دولت کمال سے بھی مالامال کیا ہے۔ و ذلک فضل اللہ یعطیہ من یشاء[3]

میں آپ کی سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں

---

[1] اقبال ولایت سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کرکے ۲۷ر جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے مکتوب الیہ نے اس پر مبارکباد کا خط لکھا۔

[2] قصیدۂ اعجاز عشق کتابی صورت میں ۰ ۱۹ء میں مطبع نافع الاسلام مدراس سے شائع ہوا تھا۔
(خطوط اقبال)

[3] قرآن حکیم میں اس آیت کی صحیح شکل یہ ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) یہ آیت تین مقامات سورۃ المائدہ ۵۴، سورۃ الحدید ۲۱، اور سورۃ الجمعہ ۴۔ پر آئی ہے اقبال نے جلدی میں یؤتیہ کو یعطیہ بنا دیا۔ اگرچہ قرآن کا متن نہیں ہے مگر مفہوم اس کا بھی وہی ہے۔

جب کبھی شائع ہوں مجھے ایک کاپی عنایت فرما کر سپاس گذار فرمائیں آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اور شعرا میں بہت شاذ پایا جاتا ہے مولٰنا حالی، شبلی، شاد جیسے قادرالکلام بزرگوں سے دادِ سخن گوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں جو کچھ ان بزرگوں نے آپ کے حق میں تحریر فرمایا ہے وہ آپ کے لیے باعث افتخار ہے۔

میں ایک دو ماہ کے لیے سیالکوٹ مقیم رہوں گا۔ اس کے بعد لاہور بیرسٹری کا کام شروع کروں گا ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔

آپ میرے مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ میں کیا اور میرا کلام کیا۔ نہ مجھے ان اوراق پریشاں کے جمع کرنے کی فرصت ہے نہ حقیقت میں اس کی ضرورت ہے[1] محض دوستوں کے دل بہلانے کے لیے کبھی کبھی کچھ لکھتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔ گذشتہ تین سال سے بہت کم اتفاق شعرگوئی کا ہوتا ہے اور اب تو میں ہر[2] اس قسم کا اختیار کرنے کو تیار ہوں جس کو شاعری سے کوئی نسبت نہیں[3]

اگر آپ اعجازِ عشق میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سیّد میر حسن صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجیے یہ بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں میں نے انہیں سے اکتساب فیض کیا۔ والسلام

آپ کا نیاز مند
محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

---

[1] غالباً مکتوب الیہ نے اُردو مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کیا ہوگا۔ حضرت علامہ کی اسی بے نیازی یہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے۔ کے سبب پہلا باضابطہ اُردو مجموعہ "بانگِ درا" سولہ برس بعد، ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع کیا گیا۔

[2] اصل متن میں حرف "کو" موجود نہیں۔

[3] اقبال نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو چیف کورٹ پنجاب میں درخواست دی کہ میرا نام وکلاء کی فہرست میں درج کیا جائے۔ ان کی درخواست منظور ہوئی اور وہ پریکٹس کرنے لگے (خطوطِ اقبال)

محمد دین فوق کے نام

از سیالکوٹ شہر ۲۹ اگست ۰۸ء

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے کل ملا۔
میں ایک دو روز کے لیے بغرض مشورہ لاہور گیا ہوا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ میگزین[1] میں جو کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لیے مبارک باد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ گاہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ جموں کے رستے کشمیر جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں تاکہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لیے کچھ نہ کر سکوں گا کیونکہ ہمہ تن قانون کی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مُہم میں میرا شامل حال ہو۔ انشاء اللہ نومبر میں لاہور چلا جاؤں گا اور مستقل طور پر کام شروع کروں گا۔ اس وقت آپ سے ملاقات ہوا کرے گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھی اور میں کشمیری گوت کے متعلق بھی چند باتیں آپ سے کروں گا۔ باقی خیریت ہے۔

---

[1] مراد کشمیری میگزین سے ہے جس کے مختلف پرچوں میں فوق صاحب اقبال کے متعلق لکھتے رہتے تھے۔ فروری ۱۹۰۸ء کے پرچے میں صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ فخر قوم و ملک شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے نے ولایت جا کر علمی میدان میں جو کچھ نام پیدا کیا ہے اس کا تذکرہ وقتاً فوقتاً کشمیری میگزین میں ہوتا رہا ہے لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کی جگہ جو چھ ماہ کے لیے معطل تک عربی کے پروفیسر مقرر ہوتے ہیں اپریل ۱۹۰۹ء کے شمارے میں اقبال کی ان دنوں کی تصویر اور ان کے تفصیلی حالات درج کیے ہیں۔

اللہ یار صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیجیے۔ علاوہ ازیں تارا چند[1] صاحب کی خدمت میں۔ سلام۔ والسلام[2]

محمد اقبال

عکس (انوار اقبال)

---

[1] تارا چند تارؔ دہلی دروازے لاہور کا حلوائے سوہن فروش تھا جس کو شاعری کا ذوق تھا۔ فوقؔ صاحب نے اپنی کتاب کلام فوق (صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶) میں ذکر کیا ہے کہ لاہور کی انجمن سخن جو پہلے بھاٹی دروازے ہوا کرتی تھی بعد میں دہلی دروازے ہونے لگی اور اللہ یار جوگی اور تارا لاہوری اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

[2] کشمیری میگزین ماہ اگست ۱۹۰۸ء (صفحہ ۳۳-۳۵) میں بعنوان اقبال لاہور میں اقبال کی انگلستان کی واپسی کی تفصیل دی گئی ہے اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے جس سے اس خط کے بعض مندرجات کی وضاحت ہو جائے گی "شیخ محمد اقبال ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو سردار پر شام کی گاڑی پر لاہور تشریف لانے وقت مقررہ سے پیشتر ان کے احباب استقبال کے لیے اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے باہر اور اندر رہا ساہجوم تھا اقبال نہایت خندہ پیشانی اور فراخدلی سے سب سے ملے۔ بھاٹی دروازہ کے بالا میں شیخ گلاب دین صاحب وکیل چیف کورٹ بھائی کی جانب سے منتظر ایستادہ تھے جہاں میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے شیخ صاحب کی قابلیت کے متعلق چند الفاظ فرمائے۔

اللہ یار جوگی نے خیر مقدم کرتے ہوئے نظم پڑھی۔

کہ ہو کے آئے ولایت سے ڈاکٹر اقبال	کدھر ہے کیف مسرت مجھے سنبھال سنبھال
نشہ میں چور ہوں دل ہے مرا نہال نہال	چڑھی ہوئی ہیں خوشی کے خمار سے آنکھیں
کہ اس زمین میں جن کا ہے اندراج محال	خدا کے فضل سے وہ کیں ہیں ڈگریاں حاصل
رئیس سارے کھڑے تھے برائے استقبال	گزشتہ پیر کو لاہور کے سٹیشن پر
وہ ہر زبان پہ ترا ذکر سب کو ترا خیال	وہ لیٹ گاڑی کا ہونا وہ انتظار شدید

[بقیہ]

ویگیناسٹ کے نام

سیالکوٹ شہر[1]
ہندوستان
۳ر ستمبر ۱۹۰۸ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ میں

---

[1] SIALKOT CITY INDIA 3RD SEPT 08

← دھوئیں کا اٹھا وہ گاڑی کا یک بیک آنا ‎ ‎ نکلنا گھر سے ترا شکل مدرِ کمال
ترس گئی تھیں یہ آنکھیں کسی کے درشن کو ‎ ‎ دوبارہ لایا یہ موقع وہ ابرِ دستِ نوال
وہ کشمکش تھی احبا کو دیکھنے کی ترے ‎ ‎ رسائی پانا بھی تجھ تک تھا ایک امرِ محال
گلے سے ملتے تھے تیرے اچھل اچھل کر دوست ‎ ‎ کوئی تھا دور کے نظارہ ہی سے بیرۂ ور
ترس ترس کے یہ موقع خوشی کا پایا ہے ‎ ‎ کہ آئے خیر سے گھر، پھر کے حضرتِ اقبال
تھی حاجت ایسے ہی لیڈر کی اہلِ خطہ کو ‎ ‎ جواں خیال جواں سال اور جواں اقبال
تری ترقی کی دنیا ہے سامنے تیرے ‎ ‎ زمانہ اب ہے موافق سنبھل ہمیں بھی سنبھال
گئے وہ دن کہ جو کہتے تھے اب مٹی یہ قوم ‎ ‎ اڑا وہ رنگ جو سنتے تھے اب گرے پر و بال
یہی دعا ہے یہی آرزو یہی اُمید
کہ دوست شاد ہوں دشمن ترے رہیں پامال

اس کے بعد منشی غلام علی خاں غلامی خوشنویس پیسہ اخبار (لاہور) نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی۔

آمدِ اقبال سے جشنِ طرب گھر گھر ہوا ‎ ‎ اوج پر ہے آج پھر لاہور کا اختر ہوا ←

انگلستان سے رخصت ہونے سے پہلے آپ سے مل نہ سکا۔ براہ کرم جلد لکھیے کہ آپ ان دنوں کیا کررہی ہیں۔ میں نے اپنے پیشے کا آغاز لاہور میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ایک وکیل کے لئے اچھی جگہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہائیڈل برگ میں ہوں گی۔ براہ کرم جناب اور محترمہ پروفیسر صاحبان کو میرا سلام کہیے گا۔ اور جب آپ لوگ ایک ساتھ ہوں تو مجھے یاد کیجیے گا۔

← دوست اور احباب خرم ہیں ترے دیدار سے	جب کہ تو مثلِ ہلالِ عید جلوہ گر ہوا
ڈگری پائی بکر وایت سے تو آیا کامیاب	فلسفہ میں خاص کر بیکن کا تو ہمسر ہوا
کیوں نہ ہو ہندوستاں میں تیرا شہرہ چار سو	ترا علم و فضل اور اخلاق جب برتر ہوا
ہوگیا پنجاب میں ممتاز شہر سیالکوٹ	فخر اس کو جب کہ تیرے نام نامی پر ہوا
فاضلان دہر میں پایا ہے تو نے امتیاز	کامیابی کا طلوعِ[1] ہمت سے تیری سر ہوا
حبذا۔ تو خیریت سے واپس آیا پھر یہاں	حق میں دن لاہور کے یہ عید سے بڑھ کر ہوا
آکہ تیری جا ہماری چشم و دل میں ہے مدام	تیرا استقبال بزم عیش کا منظر ہوا

ہے غلامی بھی ترا مخلص قدیم اے نیک خو
خیر مقدم کو ترے یہ بھی بدل حاضر ہوا[2]

(انوارِ اقبال)

---

[1] قطعہ اس طرح نظم ہوا ہے کہ میں ساقط ہوگئی۔ قطعہ پڑھا جائے گا (مؤلف)

[2] حاضر بروزن ساعر نظم ہوا ہے

یہاں بڑی بارش ہوئی ہےلے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے اور مزید کی توقع ہے۔

میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں۔ لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے۔۔۔ ایما۔

آپ کا
ایس۔ ایم اقبال

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

خواجہ حسن نظامی کے نام

سیالکوٹ
۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط پہنچا۔ پوسٹ کارڈوں کے لیے شکرگزار ہوں میں نے وی پی کے لیے لکھا تھا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ یہ نیاز جو آپ کو پہنچی ہے، والدہ مکرمہ کی نیاز تھی۔ قبول فرمائیے بھائی صاحب کا ارادہ خود حاضر ہونے کا تھا مگر شاید انھیں فرصت نہ تھی۔

آپ لوگوں کو میرا مشتاق بناتے ہیں۔ مجھے کچھ اعتراض نہیں مگر اندیشہ ہے کہ مجھ سے مل کر انھیں مایوسی نہ ہو۔ میں نے سید صاحب موصوف کے نام ایک عریضہ ابھی لکھا ہے۔ اُن کا خط اس خط میں ملفوف کرتا ہوں۔

لے GEREGELT (GEREGNET? = HAS RAINED) تحریر کردہ لفظ سیاق وسباق کے لحاظ سے بے معنی ہے

آپ اپنی ہر تحریک میں بغیر پوچھے مجھے شریک تصور کیجیے۔ مگر جس درد[1] نے کئی مہینوں سے مجھے بیتاب کر رکھا ہے، جو مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا، جو مجھے تنہائی میں رُلاتا ہے، اس کی وجہ مجھ سے پہلے سن لیجیے پھر جو چاہیے کیجیے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں اور آپ میرے ساتھ۔

کئی دنوں سے بیمار ہوں۔ دعا کیجیے کہ بالکل اچھا ہو جاؤں۔

آپکا صادق

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

رجسٹرار چیف کورٹ لاہور کے نام

جناب رجسٹرار صاحب

چیف کورٹ لاہور

جناب عالی!

میں حد درجہ ممنون ہوں گا اگر آپ براہِ کرم اندراج نام کی منسلکہ درخواست[2] عزت مآب جج صاحبان کی خدمت میں پیش فرما دیں۔

آپ کا تابعدار

ایس (شیخ) محمد اقبال بار۔ ایٹ۔ لا

(لیٹرز آف اقبال) (انگریزی سے)

---

[1] غالباً یہ اقبال کی اُن نفسی کیفیات کی طرف اشارہ ہے جو پہلی شادی کے بعد اور دوسری شادی سے قبل اُن پر گزر رہی تھیں

[2] انگریزی تحریر پر کوئی تاریخ نہیں ہے مگر اس درخواست کے پیش کرنے کے بعد اقبال کا نام بحیثیت وکیل چیف کورٹ لاہور میں اکتوبر ۱۹۰۸ء میں درج ہوا تھا، اس لیے یہ تحریر ۱۹۰۸ء کی مانی گئی ہے۔

عزت مآب جج صاحبان
چیف کورٹ پنجاب
لاہور

جناب والا!
میں لنکنز اِن LINCOLN'S INN کی آنریبل سوسائٹی سے فارغ التحصیل بار۔ ایٹ۔ لاہوں کہ مجھکو جولائی میں کامیاب قرار دیا گیا تھا۔ میں وکالت کا پیشہ لاہور میں شروع کرنے کا متمنی ہوں۔ میں شکر گذار ہوں گا اگر عزت مآب جج صاحب میرا نام بحیثیتِ وکیل پنجاب چیف کورٹ میں درج فرمائیں۔

میں سرکاری ملازمت سے وابستہ نہیں ہوں اور نہ کاروبار کرتا ہوں۔
لازمی اسناد منسلک ہیں۔

آپ کا تابعدار
محمد اقبال
بار۔ ایٹ۔ لا
معرفت مسٹر محمد شفیع بار۔ ایٹ لا

(لیٹرز آف اقبال) (انگریزی سے)

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور

۲۵ نومبر ۱۹۰۸ء

مخدومی خواجہ صاحب!

آپ کے حلقے[1] کا ذکر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بھی اس حلقہ میں شامل تصور کیجیے اور اہلِ حلقہ سے استدعا کیجیے کہ میرے حق میں دعا کریں مجھے آپ سے ایک بہت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اور اس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ تاحال فارغ البالی سے بیٹھنے[2] کا موقع نہ ہوا۔ ورنہ عرض کرتا۔ بہرحال آپ ایک نئی بات سننے کے لیے تیار رہیں میرے خیال میں اور احباب بھی ہیں جن سے ابھی تک ذکر اس بات کا نہیں آیا[3]۔ تاہم وہ اس امر میں یقین ہے ہمارے ساتھ ہوں گے اگر ممکن ہوتا تو ابھی آپ کو دہلی سے لاہور تشریف لانے کی خبر دیتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نادانستہ اُسی طرف کو جا رہے ہیں جس طرف میں آپ کو لانا چاہتا ہوں۔ اس بات نے مجھے جرأت دلائی ہے کہ میں آپ سے رہنے سہنے کا دکھ ظاہر کروں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ہمدردی کے ساتھ اس قصے کو سن سکتے

---

[1] ۱۹۰۸ء میں خواجہ حسن نظامی نے "حلقہ نظام المشائخ" قائم کیا تھا، اُسی کی طرف اشارہ ہے اس کی کچھ تفصیل خواجہ حسن نظامی کی آپ بیتی میں ملے گی۔

[2] یہ خط غالباً اقبال کی خانگی ازدواجی زندگی سے متعلق ہے۔ اس زمانے میں بھی جدمانی خلوا انھیں پریشان کیے رکھتا تھا

[3] اتالیق: ذکر اس امر کا۔

ہیں مگر آپ سے مجھے پوری ہمدردی کی توقع ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے اس بات کا ذکر نہیں آیا۔ آپ سے ذکر ہو چکنے کے بعد اگر مناسب ہوا تو بعض خاص دوستوں سے اس کا تذکرہ کروں گا زیادہ کیا عرض کروں تا حال خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ امید ہے کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا

لاہور

ماخذ [اقبال نامہ
اتالیق خطوط نویسی

تلوک چند محروم کے نام

مکرم بندہ جناب تلوک چند صاحب محروم

آپ[1] کا سلام و پیام رسالہ مخزن میں میری نظر سے گذرا۔ جس حسنِ ظن کا اظہار آپ[2] نے ان اشعار میں کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ میں آپ کی نظمیں مخزن میں پڑھتا رہا ہوں۔ ماشاءاللہ خوب طبیعت پائی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ[2] تھوڑے عرصے میں تمام شعر

---

[1] اقبال ڈاکٹریٹ اور بیرسٹری کی تکمیل کے بعد جولائی ۱۹۰۸ء میں یورپ سے لوٹے تو ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے محروم نے "سلام و پیام" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو رسالہ مخزن نومبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی اس پر اقبال نے انھیں یہ خط لکھا۔

[رفیع الدین ہاشمی، خطوط اقبال]

[2] یہاں لفظ "آپ" زائد ہے۔

لکھنے والوں[1] میں آپ کا نمبر اوّل ہوگا۔
افسوس ہے کہ میں بوجہ مصروفیت فی الحال شعر گوئی سے محروم ہوں
خدا آپ کی جولانیِ طبع کو اور زیادہ کرے۔ والسلام
محمد اقبال۔ بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور
۳ جنوری ۱۹۰۹ء
(خطوطِ اقبال)

ویگیناسٹ کے نام

لاہور[2]
(ہندوستان)
۱۱ جنوری ۱۹۰۹ء

عزیزۂ من مس ایما

آپ کے پُر تلطف خط کے لیے بے حد شکریہ آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے مجھے لکھا، اور مجھے یاد رکھا، جب کہ میں جرمنی سے اس قدر دور ہوں۔ مجھے ہائیڈل برگ سے آپ کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ شاید آپ کا خط گم ہوگیا ہے۔ اور مجھے یہ جان کر بڑا افسوس ہوا ہے کہ میرا خط (بھی) راستے میں گم ہوگیا ہے۔

جب میں ہندوستان پہنچا، تو میرے ہم وطنوں نے میری[3] ایسی عزت افزائی کی جسے لفظوں میں بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ ملک کے ہر گوشے

---

[1] انوارِ اقبال: لکھنے والوں

[2] LAHORE (INDIA) 11TH JAN 09

[3] سید اختر درّانی کا ترجمہ کہیں کہیں لفظی تھا۔ اس میں محاورہ و زبان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قدرے ترمیم کردی گئی ہے۔ (مؤلف)

سے مجھے چالیس کے قریب تہنیتی نظمیں بھیجی گئیں۔ جب میں لاہور پہونچا تو احباب اور قدر دانوں کی جانب سے میرے گلے میں سونے کا ہار ڈال کر استقبال کیا گیا۔ بمبئی سے لاہور اور سیالکوٹ تک ہر اسٹیشن پر ہزار ہا لوگ جمع تھے۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے بچے اور بڑے[1] بھی رستے کے اسٹیشنوں پر[2] میری نظمیں گا رہے تھے۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ جب میں گھر پہنچا تو میرے والدین بالکل صحت مند تھے۔ میری بہنیں اور والدہ بڑی مسرور ہیں کہ اب میں اُن سے آن ملا ہوں۔

میں اب لاہور میں ہوں۔ اور یہاں ایڈووکیٹ کے طور سے کام کر رہا ہوں۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں کبھی آپ کے خوبصورت وطن کو بھول سکوں، جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور سے بالاکرم ہمیشہ مجھے لکھتی رہیے گا۔ شاید ہم دوبارہ جرمنی یا ہندوستان میں ایک دوسرے سے مل سکیں۔ کچھ عرصے بعد جب میرے پاس کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے تو میں یورپ میں اپنا گھر بناؤں گا۔ یہ میرا تصور[3] ہے۔ اور میری تمنا ہے کہ یہ سب پورا ہوگا[4]۔

---

[1] ERWACHSENE = CRWACHSENEN بالغان۔

[2] یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔ AUS DER BAHNHOF UBER DEM WEG

[3] VIEW = ANSICHT مطمحِ نظر۔

[4] یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔ ES ALLES GUT SEIN WURDEN

جناب خاؤبال[1] کے انتقال کی خبر سن کر بڑا افسوس ہوا۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اُن کی صحت کے بارے میں اُن سے کئی بار تذکرہ کیا تھا۔
براہِ کرم اپنے اس دوست کو مت بھولیے جو آپ کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھتا ہے[2] اور جو آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہائیڈل برگ HEIDELBERG میں میرا قیام مجھے ایک خوبصورت خواب سا لگتا ہے، اور میں اس خواب کو دہرانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ آپ خوب (بہتر؟) جانتی ہیں۔

دلی نیک خواہشات کے ساتھ۔

آپ کا

ایس۔ ایم اقبال

بار۔ ایٹ۔ لا

لاہور

(ہندوستان)

(جرمن سے)

(اقبال یورپ میں)

---

[1] HERR CHAUBAL شاید یہ خط نمبر ۱۱ (مورخہ ۲۰ جون ۱۹۰۸ء) والے جناب CHAUFAR CHANFER ہی ہیں۔ اگرچہ ان دو جگہوں پر لکھائی میں ہجے مختلف ہیں۔

[2] خط میں جرمن زبان کا یہ فقرہ خلافِ محاورہ ہے۔

عطیہ فیضی کے نام

لاہور
۱۳؍ جنوری ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

کرم نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں، جو ابھی ابھی موصول ہو کر انتہائی تسکین کا باعث ہوا ہے۔ ذاتی طور پر تعزیت کے لیے میرا بمبئی آنے کا ارادہ تھا لیکن بدقسمتی سے ۲۹؍ دسمبر کو جب میں کانفرنس کے مباحث میں شریک تھا، وطن سے بھائی جان کی تشویشناک علالت کی اطلاع بذریعہ تار ملی۔ اسی سہ پہر سیالکوٹ چلا گیا اور بقیہ تعطیلات ان کی تیمارداری میں صرف ہو گئیں۔ خوش قسمتی سے اب صحت یاب ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں از سرِ نو زندگی بخش کر مجھے ایک دردناک حادثہ سے بال بال بچا لیا۔ میں ان کا کتنا ہی روپیہ خرچ کر چکا اور ابھی کر رہا ہوں۔

جنجیرہ آنے کی دعوت کے لیے آپ کا، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کا ممنون احسان ہوں۔ یہ دعوت میرے لیے مسرت و شفقت کی سرمایہ دار تھی لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں نے ابھی ابھی اپنا کام شروع کیا ہے جو اس جگہ میری مستقل موجودگی کا متقاضی ہے۔ دوسروں کے لیے مجھے آپ کے لطفِ صحبت سے محروم ہونا پڑ رہا ہے۔ اس حادثہ میں آپ کی اور آپ کی ہمشیرہ کی دلداری و غمگساری کے لیے آنے کی ایک تقریباً ناقابلِ ضبط پُرزور خواہش تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں مَیں آپ کے کسی قدر کام آ سکتا ہوں۔ لیکن ان مقاصد کی خاطر جہاں میری موجودہ حالت کے پیشِ نظر جبر مشیت اور زیادہ شدت سے اپنے آپ کو محسوس کراتا ہے میں اپنے جذبات کی سختی

سے پامالی پر مجبور رہوں۔ میری یہ دنیا پرستی جو بے شک شاعری کی خوابوں کی دنیا میں حماقت کے ہم معنی ہے، ناگوارِ خاطر نہ ہوگی، مستقبل قریب میں میرے لیے جنیوا آنا ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے ستمبر کی تعطیلوں میں جب چیف کورٹ بند ہوتا ہے، میں ملاقات کی کوئی سبیل نکالوں گا۔ نواب صاحب بیگم صاحبہ اور آپ کی مختصر صحبت بھی میرے لیے بیک وقت حلاوت اور ذہنی منفعت کی سرمایہ دار رہے براہ کرم انہیں میرا حد درجہ مؤدبانہ سلام پہنچا دیجیے اور ایک دور افتادہ دوست کی نیک خواہشات کا یقین دلا ئیے، جسے ناموافق حالات نے اگرچہ آپ سے اور ان سے ملاقات کے بے شمار مواقع سے محروم کر دیا ہے لیکن جسے یہ ناموافق حالات بھی دولتِ تخیل سے محروم کر دینے پر قادر نہیں۔

دائم آپ کا
س۔ م۔ اقبال
بار۔ ایٹ۔ لا

مکرر آنکہ:

ایرانی مابعد الطبیعیات[1] پر میری کتاب شائع ہو گئی ہے۔ جلد ہی ایک

---

[1] یہ اقبال کے مقالہ "ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کی طرف اشارہ ہے جس پر انہیں ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو میونخ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی تھی (لیٹرز آف اقبال: بشیر احمد ڈار ص: ۴۱)
"اقبال کا یہ تحقیقی مقالہ ان کے قیامِ انگلستان ہی کے زمانے میں لندن کی لوزاک اینڈ کمپنی LUZAC & CO. نے کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔ سالِ اشاعت ۱۹۰۸ء درج ہے۔"
(مزید بحث کے لیے رجوع کیجیے۔
[رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ ص: ۳۰۱۔ ۳۱۲]

نسخہ خدمتِ عالی میں مرسل ہوگا۔ نظموں (غنائی) کا مجموعہ جلد شائع کرنے کا آرزو مند ہوں۔ یہ ہندوستان میں طبع، جرمنی میں مجلّد اور ایک ہندوستانی خاتون کے نام سے فخرِ انتساب حاصل کرے گا۔

(انگریزی سے) (اقبال: عطیہ بیگم)

خواجہ حسن نظامی کے نام

مخدومی و مکرم جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم

حلقہ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا سے سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو۔ مجھ کو بھی اپنے حلقہ مشائخ کے ادنےٰ ملازمین میں تصور کیجیے۔

مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہولے تو پھر عملی طور سے اس میں دلچسپی لینے کو حاضر ہوں۔ آپ نے اچھا کیا کہ محمد شفیع صاحب کے نام خط لکھا۔ میری طرف سے مزار شریف پر بھی حاضر ہو کر عرض کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۴ر جنوری ۱۹۰۹ء

(اقبالنامہ)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور

۲۷ر جنوری ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر عزیز

آپ نے مجھ میں اور میرے کام میں دلچسپی لینے کا جو وعدہ کیا

ہے اس کا بہت بہت شکریہ۔

مُنشی نے جو نوٹ آپ کو لکھ کر بھیجا اس کے بارے میں مجھے کبھی نہیں بتایا۔ یہ مناسب تھا کہ آپ نے براہِ راست اس کو جواب نہیں دیا۔ براہ کرم اپنے والد صاحب اور محمد نیاز و دوست محمد کو میرا سلام کہیے۔

بہترین خواہشات کے ساتھ۔

آپ کا مخلص

ایس۔ ایم۔ اقبال۔

بار۔ ایٹ۔ لا

(انگریزی سے) (نوادر)

محمد دین فوق کے نام

برادر مکرم و معظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ ہمارے مربی و محسن جناب نواب سر آنریبل خواجہ محمد سلیم اللہ صاحب نواب بہادر نواب ڈھاکہ نے ۵ فروری ۱۹۰۹ء کو وائسرائیگل کونسل میں کشمیریوں کے متعلق فوج اور زمینداری کی بابت سوالات پیش کیے تھے۔ فوج کے متعلق تو لارڈ کچنر کمانڈر انچیف افواجِ ہند نے فرمایا کہ کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اگرچہ کشمیریوں کی کوئی کمپنی یا سکواڈرن علیحدہ موجود نہیں۔ اس امر کے متعلق انجمن کشمیری مسلمانان لاہور علیحدہ کوشش کر رہی ہے۔ مگر فی الحال میں آپ کی توجہ دوسرے سوال کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ زراعت پیشہ اقوام کے متعلق جو جواب نواب صاحب کے سوال کا دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ لوکل گورنمنٹ جس قوم کو مناسب سمجھتی ہے اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لیتی ہے۔ گورنمنٹ پنجاب کو یہ دونوں سوال اور جواب زمینداری کے متعلق حضور والسرائے بہادر نے بھیج دیے تھے۔ گورنمنٹ ممدوح نے حکم جاری فرمایا ہے کہ کمشنر اپنے

اپنے علاقہ کی مفصل رپورٹ کریں کہ آیا کشمیری مسلمان اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لیے جائیں یا کیے جانے کے لائق ہیں۔ کمشنر صاحب بہادر نے ڈپٹی کمشنروں کے نام حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ ان کو اس معاملہ میں مدد دیں۔ ڈپٹی کمشنروں نے تمام کشمیری زمینداروں کی ایک فہرست مرتب کرائی ہے جس سے ان کو معلوم ہوگا کہ پنجاب میں کتنے کشمیری زراعت پیشہ ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ کا حکم نہایت صاف ہے۔ انھوں نے تحصیلداروں سے چار امور دریافت فرمائے ہیں یعنی (۱) قوم کشمیری کے افراد کا عموماً کیا پیشہ ہے (۲) کس قدر کشمیری ایسے ہوں گے جن کا گزارہ صرف زراعت کاری پر ہے (۳) اگر وہ مالکان اراضی ہیں تو کب سے انھوں نے زمین حاصل کی ہے (۴) کوئی کشمیری دخیل کار ہے یا نہیں۔ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات اور شہروں میں بود و باش رکھنے والے زراعت پیشہ کشمیریوں کی جو فہرست تیار ہوگی اس میں مندرجہ بالا چار امور کا خیال کیا جاتا ہے۔

آپ مہربانی فرما کر تحصیلدار صاحبوں کو اس فہرست کے مرتب کرنے میں خود بھی امداد دیں اور دیکھیں کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے تیار کی جاتی ہے یا نہیں۔ تمام اہلِ خطہ کو جو آپ کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ ان کو مفصل طور پر یہ سمجھا دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں بھی فہرست کے تیار کرنے میں مدد دیں تاکہ مکمل فہرست تیار ہو اور ہماری عالی گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے کہ کشمیری کس قدر پنجاب میں زمیندار ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر تیار نہیں ہوئی تو صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کریں کہ وہ ان کو بموجب حکم کے تیار کرانے کا حکم صادر فرمائیں۔

جو نقشہ کہ تیار ہو رہا ہے اس کی ایک نقل انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے پاس جس قدر جلد ممکن ہو سکے ارسال فرمانے کی کوشش کریں۔

یہ چٹھی اپنے بھائیوں کو جو مضافات میں رہتے ہیں جلدی بھیج دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کس قسم کی فہرست تیار ہونی چاہیے۔ اگر وہ دیکھیں کہ فہرست بموجب حکم بالا تیار نہیں ہوئی یا ہوئی تو وہ آپ کی معرفت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے خط و کتابت کریں۔

اس غرض کے لیے کہ مندرجہ بالا امر میں تمام قوم کے افراد متفقہ طور پر اپنی بہبودی کے لیے کوشش کر سکیں اور نیز دیگر امور کے لیے جو قوم سے بحیثیت مجموعی تعلق رکھتے ہوں۔ میں تحریک کرتا ہوں کہ آپ اپنے سینٹر میں علاحدہ کشمیری مجلس قائم کریں اس کے علاوہ ہر ایسے مقام میں جہاں آپ کا اثر ہو اپنے دیگر بھائیوں کو کشمیری مجلس قائم کرنے کی ترغیب بھی دیں کیونکہ اس طریق سے نہ صرف قوم کے افراد میں اتحاد و یگانگت کی صورت پیدا ہوگی بلکہ قومی حقوق کی حفاظت اور توسیع میں بھی سہولت ہوگی۔

خاکسار محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا ء
جنرل سکریٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور[1]

بصحن گلشن ما صورت بہار بیا
کشادہ دیدۂ گل بہر انتظار بیا[2]
۷ مارچ ۱۹۱۲ء

اقبال

(انوار اقبال)

(ترجمہ)

---

[2] ہمارے صحن گلشن میں بہار کی طرح آجا، پھولوں کی آنکھیں انتظار میں کھلی ہیں آجا

[1] بشیر احمد ڈار مرتب "انوار اقبال" نے اس خط کی تاریخ ۷ مارچ ۱۹۱۲ء درج کی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وہ خط ہے جس کا حوالہ اقبال نے اپنے خط مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۰۹ء میں دیا ہے۔ جسے فوق نے "کشمیری میگزین" بابت مئی ۱۹۰۹ء میں شائع کیا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ خط ۷ مارچ ۱۹۱۲ء کو لکھا گیا تھا تو پھر یہ "کشمیری میگزین" بابت مئی ۱۹۰۹ء میں کیسے شائع ہوا؟ (مؤلف)

خواجہ حسن نظامیؒ کے نام

پیارے نظامی!

آپ کا کارڈ پہنچا۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہوں گے کئی دنوں کی بیماری کے بعد کل بسترِ بیماری سے اُٹھا ہوں۔ مفصّل خط پھر لکھوں گا۔ بلکہ کچھ عرصے کے بعد آپ کو لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ بعض لوگ آپ پر اخباروں میں حملہ کرتے ہیں۔ افسوس ہے مسلمانوں میں معمولی اخلاق بھی نہ رہے۔ میں خود علی گڑھ کالج کی پروفیسری نامنظور کرنے سے ہدفِ ملامت ہو رہا ہوںؑ۔ مگر ؎

سلہ "اقبال از عطیہ بیگم" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں فلسفے کی پروفیسری کی پیش کش کو جنوری تا مارچ ۱۹۰۹ء کے درمیان کسی وقت رد کیا تھا لہٰذا اس خط کا سنہ ۱۹۰۹ء ہوگا۔

[صابر کلوروی، مکاتیبِ اقبال کے ماخذ۔ ایک تنقیدی جائزہ۔]

سلہ "(ولایت سے) گھر پہنچتے ہی آپ کو علی گڑھ کالج کی پروفیسری پیش کی گئی مگر آپ نے بیرسٹری میں کمال حاصل کرنے کے شوق میں اسے قبول نہ کیا۔ اس پر روزنامہ پیسہ اخبار اور دوسرے اخباروں میں بے شمار مضامین اور مراسلے شائع ہوئے جن میں قومی کالج کی اس خدمت سے انکار پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔"

(برائے تفصیل: محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں ص ۲۳۵–۲۳۹)

شادم ز طعنِ خلق کہ مرغانِ باغِ عشق
شاخے کہ سنگ می رسدش آشیاں کنند

اقبال

[اقبال نامہ]

[اتالیق خطوط نویسی]

نینسی آرنلڈ کے نام

" یہ رہا ریاضی کا ایک مسئلہ تمہارے لیے، وہ تمام مرد (اور عورتیں) جو دلی کی مسجد میں معروفِ نماز ہیں، ذرا ان کو گن کر تو دکھاؤ۔ اقبال "

(بنام میس نینسی آرنلڈ۔ تھارنٹن روڈ ویمبلڈن۔ لندن۔ انگلستان)

(اقبال یورپ میں)

(انگریزی سے)

لہ (ترجمہ) میں لوگوں کی لعنت ملامت سے خوش ہوں کہ باغ عشق کے پرندے اسی شاخ پر آشیانہ بناتے ہیں جس شاخ تک پتھر پہنچ سکیں۔

سلہ میرا اندازہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے استاد مشفق (سر طامس آرنلڈ) کو خاصی باقاعدگی سے خط لکھا کرتے تھے۔ پروفیسر آرنلڈ کے قیام لاہور کے دوران اقبال کا ان کے یہاں بہت آنا جانا تھا پروفیسر آرنلڈ کا مکان اُن دنوں ٹمپل روڈ پر تھا۔ مس عطیہ فیضی کے نام ایک خط (مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء) میں علامہ اقبال مسٹر اور مسز اکبر حیدری کی مہمان نوازی کا بڑی گرم دلی کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں: "میرے دل میں ان دونوں کا ←

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۹/اپریل ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس فیضی!

نوازش نامہ کے لیے جو آج صبح ہی موصول ہوا، سراپا سپاس ہوں۔ میں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ مسٹر میر محمد کون بزرگ ہیں۔ غالباً آپ اُنہیں نہیں جانتیں مگر آپ اُن کی اہلیہ کو جانتی ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ نے اس اشارہ سے اب تک ان کا سراغ لگا لیا ہوگا۔

بلاشبہ میں نے علی گڑھ کی شعبۂ فلسفہ کی پروفیسری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور چند روز پہلے گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ تاریخ کی پروفیسری

← ہے صد احترام ہے ان کا وہ دوسرا حقیقی گھر ہے۔ جو میرے دیکھنے میں آیا۔ پہلا آرنلڈ کا تھا یعنی کیمبرج اور لندن کے دوران قیام میں بھی جناب اقبال اکثر پروفیسر آرنلڈ سے ملتے رہتے تھے۔ کبھی آرنلڈ صاحب کیمبرج آ گئے تھے اور کبھی علامہ لندن اُن سے ملنے جاتے تھے۔ ان ملاقاتوں کی کچھ تفصیل عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" سے اور کچھ "بانگ درا" میں شیخ عبدالقادر کے دیباچے سے معلوم ہو سکتی ہے میرے دوست ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب کے جو خاندانی خطوط جمع ہیں، میں نے انھیں بغور دیکھا ہے لیکن علامہ اقبال کا کوئی خط، سر تھامس کے نام دریافت نہیں ہوا۔ (اسی طرح ماڈلین کالج کیمبرج کی لائبریری سے بھی کوئی خط نہیں مل سکا) ہاں اس ذخیرے سے ایک پوسٹ کارڈ ملا، جو علامہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کی صاحبزادی نینسی NANCY کو لکھا تھا (جو بعد ازاں کیمبرج سے بی اے کرنے کے بعد ایک انجینئر جناب بارفیلڈ سے بیاہی گئیں) ←

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں ملازمت کرنا ہی نہیں چاہتا میرا ارادہ تو اولین فرصت میں اس ملک سے ہجرت کر جانے کا ہے۔ وجہ آپ کو معلوم ہے مجھے اپنے بھائی کا ایک طرح کا اخلاقی قرضہ ادا کرنا ہے جو زنجیر پا بنا ہوا ہے۔ میری زندگی حد درجہ تلخ ہے۔ وہ مجھ پر میری بیوی مسلط کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب کو لکھ دیا ہے کہ انہیں میری شادی ٹھہرانے کا کوئی حق نہ تھا۔ بالخصوص جبکہ میں نے ایسے کسی حبالۂ عقد میں داخل ہونے سے دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔ میں اُس کا نان نفقہ برداشت کرنے کو تو ضرور آمادہ ہوں لیکن اسے اپنے ساتھ رکھ کر اپنی زندگی کو اجیرن بنانے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔ ایک انسان ہونے کے ناطے میرا بھی خوشی پر حق ہے۔ اگر سوسائٹی یا نیچر مجھے اس سے محروم کرتی ہے تو میں دونوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتا ہوں اس کا واحد علاج یہی ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دوں یا پھر شراب میں پناہ ڈھونڈوں جو خودکشی کو آسان تر بنا دیتی ہے۔ یہ کتابوں

← مس نینسی آرنلڈ ہندوستان میں، ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئی تھیں یعنی پروفیسر آرنلڈ کے علیگڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں منتقل ہونے سے ایک سال قبل۔ اس پوسٹ کارڈ پر انارکلی پوسٹ آفس، "۵ اپریل ۱۹۰۹ء" کی مہر لگی ہے۔ گویا اس وقت مس نینسی کی عمر قریب گیارہ بارہ سال تھی۔ اس پوسٹ کارڈ کی پشت پر جامع مسجد دہلی کی تصویر ہے، جہاں ایک جمِ غفیر نمازِ جمعہ ادا کر رہا ہے۔ قنات کے اس طرف خواتین نماز کے لیے کھڑی ہیں۔ پتہ نہیں معلوم کہ یہ پوسٹ کارڈ عید کارڈ کے طور سے بھیجا گیا تھا یا نہیں؟

(اقبال یورپ میں، سعید اختر درانی ص ۵۸-۵۹)

لہ "اقبال" از عطیہ بیگم، ترجمہ عبدالعزیز خالد۔ ص ۶۲، ۶۳

لہ (سر طامس آرنلڈ کے نواسے، جو برمنگھم یونیورسٹی میں عمرانیات کے استاد ہیں)

کے مُردہ بنجر اوراق میرے لیے سرمایۂ مسرت سے عاری ہیں۔ میری روح کا سوزان کے ساتھ تمام سماجی رسوم و رواج کو جلا کر خاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ کہتی ہیں دنیا کو ایک خدائے خیر نے پیدا کیا ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر اس زندگی کے حقائق تو کسی دوسرے نتیجے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں عقلی طور پر تو یزداں کی نسبت ایک قادرِ مطلق اور ابدی اہرمن پر ایمان لانا زیادہ آسان نظر آتا ہے۔ ان مُزخرفات کے لیے معذرت خواہ ہوں میں ہمدردی کا طالب نہیں۔ میں تو صرف اپنی روح کو سبک بار کرنا چاہتا تھا چونکہ آپ مجھے بخوبی جانتی ہیں، میں نے اپنے جذبات کے اظہار کی جرأت کی ہے۔ یہ ایک اعتماد ہے۔ براہ کرم کسی اور کو نہ بتائیے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں نے ملازمت سے کیوں انکار کیا۔

مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے استانی کا بندوبست نہیں کر سکا۔ چند روز ہوئے انجمن[1] کے سیکریٹری نے مجھے بتایا تھا کہ آج کل اُستانی کا مہیا آنا ممکن نہیں۔ چند روز گذرے میں[2] نے "سماج کے ارتقا میں مذہب کے عنصر کے مفہوم" پر ایک جلسۂ عام میں تقریر کی تھی۔ میں نے صرف چند نوٹ لکھ لیے تھے۔ معلوم نہیں میں نے جو کچھ کہا اُسے کسی نے قلمبند

---

[1] انجمن سے مراد انجمن حمایت اسلام لاہور ہے۔

[2] یہ لیکچر بہ جماعت احمدیہ - لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۱۰ء میں دیا گیا۔ مرزا جلال الدین کے بقول اس سے اقبال کی شہرت بحیثیت متفکر عالم کے استوار ہو گئی (دیکھیے ملفوظات، مرتبہ محمود نظامی)

بھی کیا یا نہیں۔ انجمن میں میرا لیکچر "اسلام ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے" [1] کے زیرِ عنوان انگریزی میں ہوگا اگر یہ شائع ہوا تو ایک نسخہ آپ کی نذر کروں گا۔ میں مدیر "اوبزرور" [2] سے کہوں گا کہ وہ "اوبزرور" کا ایک پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ عبد القادر صاحب چیف کورٹ میں پریکٹس کرنے کے لیے لاہور تشریف لے آئے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ آپ کو باور نہیں آتا کہ میں آپ سے اور نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے جو مجھ پر بے حد شفقت فرماتے ہیں، ملاقات کے لیے بمبئی آنے کا آرزومند ہوں۔ میں تو ضرور حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن سرِدست نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ ممکن بھی ہوگا۔ آپ لوگوں کی صحبت سے زیادہ تسکین مجھے کہیں میسر نہیں آسکتی۔

دو تین ہفتے ہوئے مجھے آپ کی سہیلی ویگیناسٹ [3] کا خط ملا۔ مجھے یہ لڑکی بہت پسند ہے۔ میں نے اسے اور بوڑھی نیک دل استانی [4] کو خط لکھا ہے۔

---

[1] یہ مقالہ غالباً انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں پڑھا گیا۔ بعد میں ڈاکٹر ایس وائی ہاشمی نے اسے ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔ اس کی ایک کاپی اقبال اکیڈمی کی لائبریری میں موجود ہے بعد ازاں یہی لیکچر ہندوستان ریویو (جولائی ۱۹۰۹ء) میں شائع ہوا اور اسی سے سید عبد الواحد صاحب نے اپنی کتا ب THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL میں شامل کیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ہاشمی کے رسالہ میں سے ایک دس سطر کا پیراگراف رہ گیا جو اقبال کے نثری کام کے IQBAL'S PROSE WORK کے زیرِ عنوان "اقبال" (IQBAL) (جولائی ستمبر ۱۹۶۷ء) میں شائع ہوا۔

(اقبال از عطیہ بیگم)

[2] OBSERVER

[3] WEGENAST

[4] FRAU PROFESSOR

براہِ کرم نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے اور اُنہیں میری دوستی کا یقین دلائیے جوان کے کسی زیادہ مصرف کی نہیں لیکن خلوص وثبات کی سرمایہ دار ہے۔

آپ کا مخلص
اقبال
بار۔ایٹ۔لا

(اقبال؛ عطیہ بیگم) (انگریزی سے)

شیخ عطاء اللہ کے نام

از لاہور
۱۰ اپریل ۱۹۱۳ء

مخدوم مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب السلام علیکم

آپ کی تصنیف شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن کئی روز ہوئے مجھے شیخ عتیق اللہ صاحب سے ملی تھی۔ میں عرصہ سے آپ کی تحریر کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ عدیم الفرصت رہا۔ معاف کیجیے گا۔

یہ چھوٹا رسالہ نہایت لاجواب ہے اور میں اس کے طرزِ استدلال کو نہایت پسند کرتا ہوں۔ آپ کی محنت واقعی داد کے قابل ہے۔

اور آپ اس بات کے لیے تحسین کے مستحق ہیں کہ قانونی مشاغل میں دینی خدمات کا موقع بھی نکال لیتے ہیں خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

یورپ میں اس مضمون پر تحقیق ہوئی اور ہو رہی ہیں خصوصاً علمائے جرمنی کے درمیان ایک شخص موسوم بہ فان کریمر نے جرمن زبان میں ایک مبسوط کتاب "تاریخ القرآن" لکھی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کبھی فرصت ملے

تو اس کے بعض حصص کا ترجمہ اردو میں کر ڈالوں۔ کتاب کا انداز عالمانہ اور منصفانہ ہے اگرچہ مجموعی لحاظ سے اس کا مقصد ہماری آرا و عقائد کے خلاف ہے میرا مقصد ترجمے سے صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء کو یورپ والوں کا طرزِ استدلال و تحقیق معلوم ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد اقبال

عکس[1] (انوارِ اقبال)

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۱۷ اپریل ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

آپ کے دلجویانہ الفاظ کا شکریہ۔ آپ کے مکتوب نے مجھے انتہائی سکون بخشا ہے۔ میں بھی آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں اور اپنے تمام تر وجود کو آپ کے سامنے بے نقاب کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتی ہیں کہ آپ مجھ سے بہت سے سوال کرنا چاہتی ہیں۔ بسم اللہ! آپ کے خطوط ہمیشہ محفوظ انداز میں رکھتا ہوں۔ کسی کی ان تک رسائی نہیں اور آپ جانتی ہیں کہ میں آپ سے کوئی بات چھپاتا نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے خط جیسا کہ آپ فرماتی ہیں بالکل طمانیت بخش ہیں

---

[1] عکسی خط بہت دھندلا ہے اور صاف پڑھنے میں نہیں آتا ہے۔ (مؤلف)

لیکن انہی وجوہ کی بنا پر جو آپ نے اپنے گذشتہ[1] عنایت نامہ میں بیان کی تھیں، ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ مجھے فراموش کاری کا مرتکب نہ گردانیے یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔ میں تو آپ سے اس امر کی توضیح و تشریح سننا چاہتا ہوں۔ محض یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ کس طرح تشریح فرماتی ہیں گذشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گذرنا پڑا۔ مجھے وہ مقام ہیبت ناک طور پر برفستان لگا۔ دوزخ کے ارباب اختیار نے میری حیرت دیکھ کر کہا کہ اس مقام کی فطرت تو حد درجہ بارد ہے لیکن یہ گرم ترین مقام بن جاتا ہے اس کے گرمانے کیلئے ہر شخص اپنا ایندھن ساتھ لاتا ہے میں بھی اس سلسلہ میں امکان بھر کوئلہ جمع کرنے کی فکر میں ہوں، کیونکہ وہاں (عالم بالا) میں کوئلے کی کانوں کی بہت قلت ہے[2]

---

[1] گذشتہ خط میں اقبال نے اپنی ایک خانگی اذیت کا ایک دردناک خاکہ پیش کیا تھا جس کے جواب میں عطیہ بیگم نے کلماتِ تسکین تحریر فرمائے اور اس اضطراب و مایوسی کو اقبال کی شان کے منافی قرار دیا (عطاء اللہ)

[2] اس خواب کی کیفیت "سیر فلک" کے نام سے غالباً اس خط کے بعد نظم کی تھی۔ یہ "بانگ درا" میں شامل ہے اس نظم کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

کیا بتاؤں تمہیں ارم کیا ہے	خاتمِ آرزوے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور	بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جام بدست	پینے والوں میں شورِ نوشانوش
دُور جنت سے آنکھ نے دیکھا	ایک تاریک خانہ سرد و خموش ←

عبدالقادر صاحب سے اکثر چیف کورٹ کے کمرۂ وکلاء میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ تقریباً روزانہ ہی۔ مگر عرصۂ دراز سے آپ کے متعلق ہماری باہمی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ میری کم گوئی اب بڑھتی جاتی ہے۔ میرا سینہ یاس انگیز اور غم انگیز خیالات کا خزینہ ہے۔ یہ خیالات میری روح کی تاریک بانبیوں سے سانپ کی طرح نکلے چلے آتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ

میں ایک سپیرا بن جاؤں گا اور گلیوں میں گھومتا پھروں گا۔ تماش بین لڑکوں کی ایک بھیڑ میرے پیچھے پیچھے ہو گی۔ یہ خیال نہ فرمائیے کہ میں کوئی قنوطی ہوں۔ یقین مانیے میری تیرہ بختی میرے لیے ایک لطف و لذت کی سرمایہ دار ہے۔ میں ان لوگوں پر ہنستا ہوں جو اپنے کو خوش سمجھتے ہیں دیکھا آپ نے میں کیسے اپنے لیے سامانِ مسرت بہم پہنچاتا ہوں۔

کچھ عرصہ پہلے مس ویگیناسٹ (MISS WEGENAST) کا خط ملا تھا جب اُسے جواب لکھوں گا تو اُسے وہ دن یاد دلاؤں گا جب آپ جرمنی میں تھیں افسوس ہے کہ وہ دن اب کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔

← طالعِ قیس و گیسوئے لیلیٰ — اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر — کرۂ زمہریر ہو رُوپوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اسکی — حیرت انگیز تھا جوابِ سروش
یہ مقام خنک، جہنّم ہے — نار سے نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے — جن سے لرزاں ہے مردِ عبرت کوش

اہلِ دُنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

لہ اس جرمن خاتون کے خط کا ذکر گذشتہ خط بنام عطیہ فیضی مورخہ ۹ اپریل ۱۹۰۹ء میں بھی ہے جو صرف آٹھ روز قبل لکھا گیا تھا۔ اس سے اقبال کی ذہنی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ آج کل اپنے ہی شہر ہائیلبرون (HEILBRONNE) میں ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت تک ہائیڈل برگ (HEIDELBERG) اپنی اُستانی صاحبہ کے پاس ان کے پڑھانے کے کام میں اعانت کے لیے پہنچ چکی ہوں گی۔ اطمینان فرمائیے کہ وہ بہمہ وجوہ خیریت سے ہے۔ بدخطی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ اس سے پہلے آپ کو کیا کیا کچھ لکھ چکا ہوں خیالات کا ایک طوفان ہے کہ ہر لحہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ خیالات کی بے ربطی کے لیے اس ہرزہ خیالی و ہرزہ گردی کو معاف فرما دیجیے گا۔

جہاں تک اُستانی کا تعلق ہے مجھے آج ہی انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے مہتمم زنانہ مدارس نے ایک درخواست بھیجی ہے اُن سے خط وکتابت کے بعد آپ کو جلد اطلاع دوں گا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ آیا اسے پبلک گرلز سکول جنجیرہ میں پڑھانا ہوگا یا بمبئی میں؟

میرے بڑے بھائی[1] کا تبادلہ ایک مقام پر جو بمبئی سے تقریباً سو میل ہے ہوگیا ہے۔ وہ عنقریب وہاں پہنچ جائیں گے۔ اوبزرور اخبار کے دو پرچے ارسال خدمت ہیں امید ہے آپ کی دلچسپی کا موجب ہوں گے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

آپ کا مخلص ترین

اقبال

(انگریزی سے) (اقبال؛ عطیہ بیگم)

---

[1] اس زمانے اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی تعیناتی ملٹری ورکس سروس کے سمتی ڈسٹرکٹ میں دیولالی چھاؤنی میں ہوگئی تھی۔ (جاوید اقبال؛ زندہ رود ۲/۲۹۲)

چیف کورٹ بار ایسوسی ایشن لاہور کے نام

چیف کورٹ بار ایسوسی ایشن

لاہور۔

۸ رمئی ۱۹۰۹ء

جنابِ عالی!

حکومتِ پنجاب نے مجھے عارضی طور پر مرحوم مسٹر جیمس، فلسفے کے پروفیسر کی ذمّے داریاں لاہور گورنمنٹ کالج میں سونپی ہیں۔ کالج کے ارباب حل و عقد کی اس دشواری کے پیشِ نظر، جو فلسفے کے پروفیسر کی اچانک وفات سے پیدا ہو گئی ہے، میں نے یہ نظام صبح کے اوقات میں چھ بجے سے نو بجے تک منظور کر لیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قوانین کی رُو سے مجھے آپ کو مطلع کرنا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ ناظمِ تعلیمات نے عزت مآب چیف جج صاحب کو اس سلسلے میں لکھ دیا ہوگا۔

آپ کا تابعدار

محمد اقبال

بار۔ ایٹ۔ لا

ایڈووکیٹ، چیف کورٹ،

لاہور۔

(انگریزی سے) (لیٹرز آف اقبال)

محمد دین فوقؔ کے نام

ڈیر فوق!

مرزا افضل احمد صاحب کا خط ملفوف ہے وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں[۱]۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ آیا ہے مہربانی کرکے اس کی تعمیل بھی کریں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں (اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو) مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کر دیں:

غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر۔ گجرانوالہ۔ یہ صاحب آپ کے خریدار ہیں۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب دے دیں۔

راقم
محمد اقبال

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء[۲] (انوارِ اقبال)

---

[۱] ۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو کشمیری مسلمانان لاہور کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں اقبال بھی ایک رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ۲۳ جنوری کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ایک انجمن بنام "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" قائم کی گئی۔ ۶ فروری کو انجمن کے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا اور اقبال اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے انجمن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ پنجاب کے زراعت پیشہ کشمیری مسلمانوں کا تھا اس سلسلہ میں گورنر جنرل کے پاس وفد لے جانے پر غور کر رہے تھے۔ مرزا افضل احمد کا خط اسی سلسلہ میں تھا۔

[۲] اس خط پر اقبال نے تاریخ درج نہیں کی تھی۔ یہ مرزا افضل احمد کے خط محررہ ۹ مئی ۱۹۰۹ء کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ اسی قیاس سے "انوارِ اقبال" کے مرتب نے اس کی تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۰۹ء متعین کی ہے۔ مرتب نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے۔ حالانکہ انھیں یہ بتانا چاہیے تھا کہ یہ تاریخ قیاسی ہے۔

[صابر کلوروی: مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ]

اراکین انجمن کشمیری مسلمانان کے نام

براد رِمکرم و معظم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

انجمن کشمیری مسلمانان[1] لاہور کی طرف سے پہلے بھی مسئلہ زمینداری کے متعلق ایک

---

[1] لاہور میں مقیم کشمیری برادری کے چند سرآوردہ اصحاب نے برادری کے اصلاحِ احوال کے لیے فروری ۱۸۹۶ء میں "انجمن کشمیری مسلمانان" کے نام سے انجمن قائم کی۔ اقبال اس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کے طالب علم تھے۔ کشمیری ہونے کے ناطے سے ان کا تعلق انجمن مذکورہ سے قائم ہوا اور انجمن کے "کشمیری گزٹ" میں ان کا کلام بھی شائع ہونے لگا ایم اے کے بعد جب وہ اورینٹل کالج میں استاد مقرر ہوئے تو انہیں انجمن کا سکریٹری بنا دیا گیا ۱۹۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے بعد یورپ سے واپسی پر انہوں نے وکالت شروع کی تو انجمن کی از سرِ نو تجدید ہوئی اور اقبال جنرل سکریٹری بنائے گئے۔ انجمن کے ایک وفد نے علامہ اقبال کی قیادت میں دسمبر ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں نواب سلیم اللہ خاں سے ملاقات کی اور نواب موصوف نے انجمن کا سرپرست PATRON بننا منظور کرلیا۔ الغرض اس زمانے میں اقبال نے کشمیری مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بڑی سرگرمی اور تندہی کے ساتھ مختلف کارروائیوں میں حصہ لیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محمد عبداللہ قریشی کا مضمون اقبال اور انجمن کشمیری مسلمانان مجلۂ اقبال، اپریل ۱۹۵۶ء ص ۳ - ۵۲)

اِس ضمن میں علامہ اقبال نے انجمن کے ارکان کو متعدد مراسلے روانہ کیے۔ اسی طرح کا ایک مراسلہ۔ انوارِ اقبال (ص ۵۶ - ۵۹) میں شامل ہے یہ خط بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس خط پر بھی کوئی تاریخ درج نہیں لیکن قیاس ہے کہ جون ۱۹۰۹ء کے "کشمیری گزٹ" میں مطبوعہ یہ خط مئی ۱۹۰۹ء میں لکھا گیا ہوگا۔"

(رفیع الدین ہاشمی)

مطبوعہ، چھٹی بعض قومی کمیٹیوں اور بزرگانِ قوم کی خدمت میں ارسال کے جانے کے علاوہ کشمیری میگزین بابت مئی ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی ہے جو امید ہے تمام برادران کی نظر سے گذری ہوگی۔ اس مسئلہ پر دیگر قومی کمیٹیوں کے علاوہ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور بھی غور کر رہی ہے بلکہ اس نے ایک چھٹی بخدمت صاحب سینئر سیکریٹری جناب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر صوبہ پنجاب بدیں مضمون ارسال کی ہے کہ کشمیری زمینداروں کی فہرست اقوام بندی صرف ضلع سیالکوٹ و گورداسپور تک ہی محدود نہ رہے بلکہ یہ حکم ازراہِ الطافِ خسروانہ دیگر اضلاع مثلاً گوجرانوالہ، لاہور، امرتسر، جہلم، راولپنڈی لدھیانہ، اٹک، ہزارہ وغیرہ میں بھی جہاں کشمیری آبادی کثرت سے ہے نافذ فرمایا جائے۔ صاحب ممدوح کی خدمت میں ایک نقشہ بھی اس مضمون کا ارسال کیا گیا ہے کہ فہرست کس طرح سے تیار ہونی چاہیئے جواب آنے پر سب بھائیوں کو بذریعہ میگزین اطلاع دی جائے گی۔

فوجی مسئلہ کی ضرورت اور اہمیت سے بھی انجمن غافل نہیں ہے۔ اس مسئلے کے متعلق خاموشی اس لیے ہے کہ ہمارے مربی و محسن نواب بہادر سر خواجہ محمد سلیم اللہ صاحب بہادر کے۔سی۔ایس آئی۔ سی۔ آئی۔ ای نواب آف ڈھاکہ نے اپنی ایک تازہ چٹھی بنام جنرل سیکریٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور میں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ صاحب کمانڈر انچیف بہادر افواجِ ہند سے ملاقات کر کے اس مسئلے کی نسبت فیصلہ فرمائیں گے، اب نواب صاحب ممدوح کو تمام امورِ متعلقہ خدمات فوجی سے آگاہی کی ضرورت ہے تاکہ پوری واقفیت حاصل کر کے حضور کمانڈر انچیف بہادر سے گفتگو کر سکیں اور صراحت و وضاحت سے اپنے بھائیوں کی مردانگی اور جاں نثاری اور انکی

فوجی خدمات کا تذکرہ کر سکیں۔ ایسا مصالحہ بہم پہنچانا معمولی بات نہیں ہے اور نہ ہی ایک شخص یا ایک کمیٹی کا کام ہے جب تک تمام برادری متفقہ کوشش سے اس میں ہاتھ نہ بٹائے گی یہ کام سرانجام نہ ہوگا اس لیے سب بھائیوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ کشمیری انجمن لاہور کو اس معاملہ میں مدد دیں اور نقشہ ملازمانِ اہلِ خطہ فوج کو جو لفِ ہٰذا ہے، اچھی طرح سے پُر کر کے جتنی جلدی ہو سکے جنرل سیکریٹری کو واپس ارسال فرمائیں تاکہ نواب صاحب بہادر کی خدمت میں افواجِ ہند کے کشمیری بہادروں کی مکمل فہرست ارسال کر دی جائے۔ آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ اس نقشہ سے کسی طرح ہمارے ان بھائیوں کو جو اس وقت صیغۂ فوج میں ملازم ہیں، نقصان پہنچے گا۔ نقصان پہنچنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گورنمنٹ آف انڈیا اور خود کمانڈر انچیف بہادر تسلیم کر چکے ہیں کہ کشمیری مسلمان فوجوں میں ملازم ہیں ان کے لیے کوئی بندش اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے البتہ ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ لاہور کی کمیٹی جس میں ہماری برادری کے اکثر اہل الرائے اور قانون داں بزرگ شامل ہیں، اپنے بھائیوں کے اس خیال پر کافی سے زیادہ غور کر چکی ہے اور وہ ہر طرح مطمئن ہے بلکہ ایسی فہرستوں کے مرتب ہونے سے قومی فائدہ کی بہت بڑی توقع رکھتی ہے۔

کمیٹی کوشش کر رہی ہے کہ ہمارا ایک ڈیپوٹیشن جس میں ہماری برادری کے معزز فوجی پنشنر عہدہ دار خصوصیت سے شامل ہوں بسرپرستی نواب بہادر آف ڈھاکہ صاحب بہادر کمانڈر انچیف کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہو کہ کشمیری مسلمانوں کی رجمنٹ یا مختلف رجمنٹوں میں یا رسالوں میں کمپنی علیحدہ بنائی جانے کا حکم صادر فرمایا جائے، اگر برادرانِ قوم نے فہرستیں اور نقشے مکمل کر کے جلد تر واپس کر دیے تو غالب توقع ہے کہ گورنمنٹ ضرور ہماری گذارش پر توجہ فرمائے گی۔

اس چٹھی کے ساتھ علاوہ نقشہ ملازمانِ اہلِ خطہ فوج کے ایک نقشہ مردم شماری اہلِ خطہ کا بھی ہے اس کی خانہ پُری بھی ضروری ہے۔ اس نقشے سے نہ صرف اپنی برادری کی صحیح مردم شماری ہی دریافت کرنا مقصود ہے بلکہ یہ امر بھی جیسا کہ نقشہ کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا، مدِ نظر ہے کہ قوم کے خواندہ اور ناخواندہ اور بیکار اور باکار اصحاب کا حال بھی معلوم ہو جائے تاکہ کمیٹی حتیٰ المقدور اپنے بھائیوں کو کسی قسم کی امداد پہنچا سکے۔ دنیا اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ بغیر تعلیم کے کوئی قوم زندہ قوموں میں شمار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر قومیں آج آپ کو مہذب، شائستہ اور ترقی یافتہ نظر آتی ہیں وہ سب علم کے زینہ ہی سے آسمانِ عروج و کمال پر پہنچی ہیں۔ آپ کو یاد رہے کہ آپ میں بھی وہ سچے موتی اور جواہر موجود ہیں جن کی چمک دمک سے دنیا حیران اور خیرہ ہو سکتی ہے لیکن صرف جِلا کی ضرورت ہے اور جِلا تعلیم کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

آخر میں پھر یہ گذارش کرتا ہوں کہ دونوں نقشے فوجی اور مردم شماری بہت جلد پُر کر کے واپس ارسال فرمائیں۔ اگر یہ نقشے ختم ہو جائیں تو آپ لاہور کمیٹی سے اور طلب فرما سکتے ہیں یا اسی نمونے کے اور نقشے دستی بنا سکتے ہیں

قوم کا خادم

(ڈاکٹر شیخ) محمد اقبال ایم اے

بیرسٹر ایٹ لا، لاہور۔

(خطوطِ اقبال)

عطیہ فیضی کے نام

لاہور
۱۷ر جولائی ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

گرامی نامہ کے لیے جو ابھی موصول ہوا ہے سراپا سپاس ہوں
آج صبح سے طبیعت غیر معمولی طور پر بشاش ہے۔ سو اگر نیاز نامہ میں ظرافت
کی چاشنی محسوس کریں تو معذور سمجھیں۔ میں نے اپنے منصوبے نہیں
بدلے ہیں۔ میری خاموشی سے آپ کوئی مخالف نتیجہ اخذ کرنے میں حق
بجانب نہیں ہیں، تاہم کبھی کبھی[1] دو کشتیوں، ایک دخانی جہاز، دو تانگوں
دو گھاڑیوں کے خیال سے خوف ضرور لاحق ہوتا ہے۔ فی الواقع یہ سفر تو ایک
ہفت خواں سے کم نہیں جسے عبور کر لینے پر مجھے رستم کی سی شہرت نصیب
ہو سکتی ہے۔ رستم کی ضرورت تو اشد تھی اور مجھے اپنی ضرورت کی نوعیت
کا پورا پورا علم بھی نہیں ہے۔ میں عموماً جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں
تو پھر اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتا ہوں۔ جدھر چاہیں بہالے جائیں

---

[1] جنجیرہ پہنچنے کے لیے مصائب و وسائل سفر کا یہ حال عطیہ بیگم نے اپنے خط میں اقبال کی آگاہی کے لیے لکھا تھا (عطا اللہ) جنجیرہ ایک جزیرہ تھا جہاں خشکی سے پہنچنے کے لیے ان تمام وسائل کی ضرورت پڑتی تھی۔

مجھ پر آپ کی بے پایاں عنایات کا تو غالباً آپ کو علم ہی نہیں لیکن مجھے ان کا اس قدر احساس ہے کہ اس کے اظہار سے میری زبانِ قلم قاصر ہے چونکہ تمام احساسات کا حیطۂ بیان میں لے آنا ممکن نہیں، آئیے اس قصہ کو یہیں چھوڑ دیں اور پھر آپ بھی تو فرماتی ہیں کہ آپ قطعی فیصلہ کر چکی ہیں اور اب اس میں کسی تغیر کی گنجایش نہیں۔ وہ شکایاتِ شیریں جنہیں آپ غلطی کے نام سے تعبیر کرتی ہیں، ان کی نوعیت سے مجھے آگاہ کرنے میں بخل نہ فرمائیے۔ اگر یہ شکایات مجھ سے ہیں تو از راہِ کرم انہیں تشنۂ تفصیل نہ رہنے دیجیے۔ بلاشبہ ہر شخص کے لیے زندگی موت کے انتظار کا نام ہے۔ میں بھی اگلے جہان کی سیر کا آرزومند ہوں وہاں پہنچ کر چاہتا ہوں کہ اپنے خالق کی زیارت کروں اور اُس سے تقاضا کروں کہ میری ذہنی کیفیت کی عقلی وضاحت کی جائے اور یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا مجھ سے آپ کو شکایت نہ ہونی چاہیئے میں تو خود اپنے لیے بھی ایک معمہ ہوں۔ برسوں گذرے میں نے کہا تھا [1]

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

بہت سے لوگوں نے میرے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار [2] کیا ہے اور (سچ تو یہ ہے) کہ مجھے تنہائی میں بار بار اپنے آپ پر ہنسی آتی ہے میں اب ان خیالات و بیانات کا ایک قطعی جواب دینے والا ہوں۔ آپ اسے "مخزن" کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گی۔ میں نے نہایت عمدگی سے اپنے متعلق دوسروں کے خیالات کا اظہار تو کر دیا ہے لیکن جواب ابھی نظم کرنا باقی ہے۔

---

[1] نظم بہ عنوان "زاہد اور رندی" کی آخری بیت جو "بانگ درا" میں شامل ہے۔

[2] جس نظم کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ "عاشق ہرجائی" کے عنوان سے "بانگ درا" کے حصہ دوم میں غلطی سے شامل کر لی گئی جس میں وہ نظمیں ہیں جو دورانِ قیام یورپ میں کہی گئی۔ یہ نظم جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہے ۱۰ جولائی ۱۹۰۹ء کے بعد لکھی گئی جو اس خط کی تاریخ ہے۔

مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ شمالی ہند میں میری ذات سے عقیدت واحترام کے فقدان سے آپ کو قلق ہوا۔ یقین مانیے مجھے دوسروں کے اکرام واحترام کی پرواہ نہیں۔ میں دوسروں کی واہ واہ پر زندہ رہنے کا قائل نہیں ؎

جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے[1]

میری ایک سیدھی سادھی ایماندارانہ زندگی ہے میرا دل میری زبان سے کاملاً ہم آہنگ ہے۔ لوگ منافقت وریاکاری کی عزت و تعریف کرتے ہیں اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لیے وجہ حصولِ احترام و عقیدت ہوسکتی ہے تو مجھے گمنام اور بے نام ونشان مرجانا زیادہ پسند ہے۔

عوام کے احترام وعقیدت کا خراج ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اُن کے غلط نظریاتِ اخلاق ومذہب کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں مجھے عوام کے احترام کی خاطر اُن کے نظریات کو قبول کر کے اپنے آپ کو گرانا اور روحِ انسانی کی فطرتی آزادی کو دبانا منظور نہیں۔ بائرن، گوئٹے اور شیلے کو اپنے معاصرین کا احترام حاصل نہ ہوسکا۔ میں اگرچہ فنِ شعر میں اُن کی ہمسری کا دعویدار نہیں ہوسکتا تاہم مجھے فخر ہے کہ اس اعتبار سے میں اُن کی ہم نشینی کا حقدار ضرور ہوں۔

کیا میں نے کبھی آپ کی رہنمائی کی ہے؟ آپ کو آموزش کی احتیاج ہی کب تھی؟ مجھے یاد ہے میں نے افلاطون سے آپ کو روشناس کرایا مگر بات وہیں ختم ہوگئی۔ ہم نے اسے اتنا کم پڑھا کہ اس سلسلہ میں میں آپ کی علمی رہنمائی کے اعزاز کا قرار واقعی دعویٰ نہیں کرسکتا۔

---

[1] "بانگِ درا" کی غزل کا شعر جو "بانگِ درا" کے حصۂ اوّل میں ہے

آپ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خواہشات کے عدم احترام کا مرتکب ہوں، یہ واقعی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے تو ہمیشہ آپ کی خواہشات کا احترام ملحوظ رکھا ہے اور آپ کی خوشنودی کے لیے امکان بھر کوشاں رہا ہوں البتہ جب کبھی کوئی امر ہی میرے حیطۂ اقتدار سے باہر ہوا تو میں مجبور رہا۔ میری فطرت کا تقاضا میری رہنمائی ایک دوسری طرف ہی کر رہا ہے۔

"وگرنہ آپ زیادہ محتاط ہوتے"۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں آپ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔ از راہِ کرم وضاحت فرمائیے کہ مجھے کس اعتبار سے زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ میں آپ کی خوشنودی کی خاطر ہر چیز کرنے کو تیار رہوں۔ دنیا میری پرستاری نہیں کر سکتی۔ میری پرستش کوئی کیا کرے گا! کیوں کہ میری سرشت ہی ایسی ہے کہ میں معبود نہیں بن سکتا۔ مجھ میں ایک پرستار کی جبلّت اس قدر راسخ ہے لیکن وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوتے ہیں، عوام پر ظاہر ہو جائیں تو پھر مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں[۱] کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔

لفٹیننٹ گورنر، لاہور گورنمنٹ کالج کی پروفیسری کے لیے سیکریٹری آف سٹیٹ سے میری سفارش کرنے پر آمادہ تھے لیکن میں نے اپنے میلانِ

---

[۱] ملاحظہ ہو اقبال کا شعر ؎

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

(میرے بعد لوگ میرے شعر پڑھتے ہیں، روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مردِ خود آگاہ نے دنیا کو دگرگوں کر دیا)

طبیعت کے خلاف اس تقرری کے لیے امیدواری سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا ہے حالات متقاضی ہیں کہ ہر مسئلہ میں مالی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھوں اگرچہ اسی نقطۂ نگاہ کے خلاف میں نے چند سال قبل بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ اللہ کے بھروسہ پر میں نے وکالت کو ہی اپنا پیشہ اختیار کیے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کیا آپ مجھے اس نظم کی جو میں نے میونخ سے آپ کو بھیجی تھی، نقل ارسال فرما سکتی ہیں؟ میرے پاس کوئی نقل نہیں اور میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔

مہربانی کر کے نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام نیاز کہیے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال: عطیہ بیگم)

ویگیناسٹ کے نام

جرمنی بالائے کل[1]

لاہور

(ہندوستان)

۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء

عزیزۂ من فرائیلائین[2] ایما

---

[1] DEUTSCHLAND UBER ALLFS = GERMANY AHOVE ALL
(جرمنی سب سے اونچا یا جرمنی کا بول بالا)

[2] یہاں پورا لفظ FRAUI EIN (مس) لکھا ہے

یہ آپ کی بڑی نوازش ہے کہ آپ نے مجھے لکھا ہے۔ مجھے آپ کا خط پاکر (ہمیشہ) بہت ہی مسرت ہوتی ہے۔ اور میں بے تابی سے اُس وقت کا منتظر ہوں، جب میں دوبارہ آپ کے وطن میں آپ سے مل سکوں گا۔ براہ کرم مجھے ہمیشہ ہمیشہ لکھتی رہئے۔ مجھے جرمنی بہت پسند ہے۔ اس نے میرے آورشوں پر بہت اثر کیا ہے اور جرمنی میں اپنا قیام کبھی فراموش نہ کروں گا۔ میں یہاں بالکل اکیلا رہتا ہوں، اور خود کو بڑا غمگین پاتا ہوں۔ ہماری تقدیر ہمارے اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے ایک ایسی عظیم قوت ہے جو ہماری زندگیوں کو منظم کرتی ہے۔ محترمہ پروفیسر صاحبہ، جناب پروفیسر صاحب، اور تمام خواتین حضرات کو میں ہمیشہ اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ آہ! وہ دن جب میں جرمنی میں تھا!

مس فیضی بمبئی میں ہیں۔ ان کی والدہ انتقال کر گئی ہیں، اور وہ بہت غمزدہ ہیں۔ اب وہ کچھ بہتر ہیں۔ بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہوں۔ اور میرے دل میں یورپ، اور بالخصوص جرمنی کو دوبارہ دیکھنے کی بڑی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے دل اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجیے گا۔

آپ کا دوست

ایس۔ ایم۔ اقبال

بار۔ ایٹ۔ لا

(جرمن سے)　　　　(اقبال یورپ میں)

؎ IDEALEN = IDEALE (= IDEALS)

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور
۲ر اگست ۱۹۰۹ء

مخدومی! رسالہ پہنچ گیا تھا۔ آپ کی دست بستہ دعا نے بڑا لطف دیا۔ میں فراموش کار نہیں۔ البتہ اگر آپ کو یہ لقب دیا جائے تو موزوں تر ہے۔

کچھ دنوں سے عدیم الفرصت ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ قانونی پیشہ میں اس قدر مصروفیت رہے گی۔

پنجاب میں نظامی مشہور ہوں اور آپ میری خبر نہیں لیتے۔

سیہ کار
محمد اقبال

[اتالیق خطوط نویسی]
"اقبال نامہ"

مولانا گرامی کے نام

لاہور۔ ۱۱؍ مارچ ۱۹۱۰ء

بابا گرامی[1]! سلام

خط لکھے ہوئے کئی دن گذر گئے۔ حیدری صاحب کے متعلق استفسار کیا تھا، جواب ندارد۔ دو خطوں کے جواب آپ کے ذمے ہیں آپ کس عالمِ غفلت میں قیام پذیر یا تشریف فرما ہیں۔ جواب لکھیے اور جلد اشعار کے متعلق جو کچھ میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیجیے۔

آپ نے ایک غزل لکھی تھی[2] فرسنگ است، تنگ است اسی زمین میں ایک استاد کا شعر نہایت پسند آیا:

---

[1] گرامی کے نام اقبال کا یہ پہلا خط نہیں، جیسا کہ اس کے ابتدائی فقرے ہی سے ظاہر ہے۔ پھر یہ شیخ عطاء اللہ صاحب مرتب "اقبال نامہ" کو مدیر شہاب (حیدرآباد دکن) سے ملا تھا، جن کے ہاں یہ ایک بسکٹ فروش کی دکان سے پڑیا کی صورت میں پہنچا تھا۔ خدا جانے اس سلسلہ کا کتنا قیمتی ذخیرہ غفلت و بے خبری میں تلف ہو گیا۔ (عبداللہ قریشی)

(۲) جس غزل کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے وہ دیوانِ گرامی کے صفحہ ۳۲ پر موجود ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں: ←

ہلاکِ شیشۂ در خوں نشستۂ خویشم[۱]
کہ آخریں نفسش عذر خواہیِ سنگ است

للہ درّ من قال[۲]

جواب جلد آئے۔ مجھے کئی دن سے انتظار ہے۔ آپ رخصت پر کب آتے ہیں؟ پنجاب میں کئی لوگ چشم براہ ہیں اور بالخصوص اقبال

محمد اقبال۔ لاہور

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

→ اسیرِ عشق بناموس و ننگ در جنگ است
کہ عشق دشمنِ ناموس و رہزنِ ننگ است
عتابِ او ہمہ آفت خطابِ او ہمہ قہر
گرامی این چہ فسون است و این چہ نیرنگ است[۱]

الف اسیرِ عشق ناموس و ننگ سے جنگ کر رہا ہے کیونکہ عشق ناموس (آبرو) کا دشمن اور ننگ (عزت اور لحاظ) کا رہزن ہے۔
اس کا عتاب تمام آفت اور اس کی باتیں تمام قہر ہیں، اے گرامی یہ کیا فسوں ہے اور یہ کیسا طلسم ہے!

[۱] ترجمہ میں اپنے خون میں ڈوبے ہوئے شیشہ دل پر مرتا ہوں، جو اپنے دمِ واپسیں میں بھی پتھر سے معذرت خواہ ہے
یہ شعر ملا زمانی یزدی متوفی ۱۰۲۱ھ کا ہے
(آزاد بلگرامی۔ مآثر الکرام ص ۲۸ طبع حیدرآباد ۱۹۱۳ء)

[۲] "بھلا کہنے والے نے خوب کہا ہے"۔

(مکاتیب اقبال)

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۳۰ / مارچ ۱۰ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

ملامت نامہ کے لیے جس سے میں بے حد لطف اندوز ہوا، سراپا سپاس ہوں۔ ایک دوست کی ملامت سے بڑھ کر اور کیا لطف انگیز ہو گا۔ نواب صاحب کا دعوت نامہ حیدرآباد ہی میں موصول ہوا تھا اور میں نے فوراً بعد آپ کو خط لکھا تھا کہ "مورو ڈ آنجیرہ" انا میرے لیے کیوں ممکن نہیں، کل واپسی پر آپ کا خط ملا۔ عتاب شیریں۔ اور میں نے نواب صاحب کو تار دے دیا کہ میں اپنی کالج کی مصروفیات کی وجہ سے، جو پہلے بھی بارہا میرے لیے زنجیر پا بن چکی ہیں، شرف حاضری سے محروم رہ گیا ہوں۔ میں اگر حیدرآباد[۱]

---

[۱] اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ اقبال نے مارچ ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد کا سفر کیا۔ وجوہات اس خط میں صاف طور پر بیان نہیں کی ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد سے خط و کتابت میں بھی یہ راز نہیں کھلتا۔ البتہ گمان غالب ہے کہ یہ سفر ریاست حیدرآباد میں ملازمت کے سلسلہ میں ہوگا۔
دس دن کی رخصت لی۔ حیدرآباد میں قیام حیدری صاحب کے ہاں رہا۔ اس سفر کی یادگار نظم "گورستانِ شاہی" ہے جہاں قطب شاہی سلاطین کے مقبرے ہیں۔ شہر سے پانچ میل دور یہ قبرستان قلعہ گولکنڈہ کے قریب واقع ہے۔ یہ نظم پہلی بار مخزن کے جون ۱۹۱۰ء کے شمارہ میں شائع ہوئی اور اب "بانگِ درا" میں شامل ہے۔
(ملاحظہ ہو، عبداللہ قریشی: مکاتیب اقبال بنام گرامی "نوادر اقبال" مجلہ "صحیفہ" کا اقبال نمبر۔ رسالہ "اقبال" (اپریل ۱۹۶۱ء) میں سید عبدالواحد کا مضمون "اقبال اور حیدرآباد دکن")

چند روز اور ٹھہر جاتا تو مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام مجھے ضرور شرفِ باریابی بخشتے۔ میں وہاں کے جملہ اکابر سے ملا۔ اکثر نے مجھے اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ میرا سفرِ حیدر آباد بلا مقصد نہ تھا جیسا کہ آپ کو علم ہے۔ عند الملاقات عرض کروں گا۔ خاندانِ حیدری سے ملاقات ہی مقصودِ سفر نہ تھا۔ شاید آپ کو معلوم ہے کہ میں ان سے اس سفر ہی میں ملا ہوں۔ قبل ازیں ان سے مجھے نیاز حاصل نہ تھا۔ ان کے ساتھ میرا قیام نہایت درجہ باعثِ لطف رہا۔ بیگم حیدری کا انتہائی کرم ہے کہ انھوں نے ان عنایت آمیز الفاظ میں میرا ذکر فرمایا۔ مجھے ان کے ہاں گھر کی سی آسایش میسر آئی۔ مجھے ان کا اہلِ عرب کا سا جذبہ بے حد پسند آیا اور ان تمام امور میں جو ان کی توجہ یا ہمدردی کا مرکز ہیں، ان کے فہم و فراست کا انتہائی مداح ہوں۔ یہ زیادہ تر حیدری صاحب اور بیگم حیدری ہی کے اثر و رسوخ کی وجہ سے تھا کہ مجھے خوش قسمتی سے حیدر آباد کی معاشرت کے بعض بہترین نمایندوں سے ملاقات کا موقع میسر آیا۔ حیدری صاحب ایک ثقہ اور وسیع المشرب بزرگ ہیں ان سے ملاقات سے قبل میری رائے تھی کہ وہ اعداد و شمار سے کام رکھنے والے ایک خشک طبع انسان ہوں گے لیکن مبداء فیاض نے انھیں ذہن رسا اور دلِ گداختہ سے نوازا ہے۔ ان دونوں کے لیے میرے دل میں بے حد احترام ہے۔ ایک حقیقی گھر کا نقشہ ایک میں نے آرنلڈ صاحب ہاں دیکھا تھا۔ اور دوسرا ان کے ہاں۔ بیگم حیدری اپنے وجدان کی بدولت ہم مردوں کی نسبت جن کا سرمایہ بے جان تجزیاتی استدلال ہے، بہتر معاملہ

سہ یہ خط گذشتہ خط مورخہ ، جولائی ۱۹۱۰ء کے تقریباً آٹھ ماہ بعد لکھا گیا تاہم اس میں ان امور کے بیان میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے جن کا اُس خط میں ذکر تھا۔

فہم ہیں۔

اب اتنا کرم فرمایئے کہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے معذرت پیش کیجیے۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب کے تار کے جواب میں اس خط کا جو میں نے انہیں لکھا تھا، کیا حشر ہوا؟ شومیِ قسمت سے میری افتادِ طبیعت ایسی ہے کہ میں اپنے دلی جذبات کے اظہار و اعلان کا عادی نہیں۔ میرے تعلقِ خاطر میں ایک گہرائی و گرمجوشی پائی جاتی ہے مگر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ میں ایک بے حس انسان ہوں۔ ازراہ کرم نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کو یقین دلایئے کہ میں دائم ان کا نیازمند ہوں۔ جب کبھی حالات نے مساعدت کی، میں انتہائی مسرت کے ساتھ جنجیرہ حاضر ہوں گا۔ میری رخصتِ اتفاقیہ صرف دس دن کی تھی جو ۲۸ر کو ختم ہو گئی۔ میں ۲۳ر کو حیدرآباد سے لاہور کے لیے روانہ ہوا۔ چار دن کا سفر ہے۔ واپسی میں مجھے اورنگ زیب کے مزار پر بھی حاضر ہونا تھا۔ حضرتِ عالمگیر پر میں ایک انتہائی وجد انگیز اور ولولہ خیز نظم لکھوں گا کہ اردو خوانوں کی نظر سے آج تک نہ گذری ہو گی[1]

۲۹ر کی صبح کو لاہور پہنچا، سیدھا کالج جانا پڑا اور وہاں سے کچہری۔ آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ اندریں حالات میرے لیے جنجیرہ کا سفر کیوں کر ممکن تھا۔ اس بنا پر مجھے بادلِ نخواستہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ

---

[1] بہرکیف اس موضوع پر اقبال نے کوئی نظم اردو میں نہ لکھی۔ فارسی مثنوی رموزِ بے خودی" میں چند ابیات عالمگیر پر ہیں ؎

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں ۔۔ ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

(کفر اور دین کے معرکے میں وہ اورنگ زیب) ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا)

کے دیدار کی لذت سے محروم ہونا پڑا۔ مجھے یقین ہے اس تصریح سے آپ کی تسلی ہو جائے گی اور آپ میری طرف سے وکالت کریں گی۔ اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا مجھے خود اعتراف ہے لیکن فراموش گاری اور ریاکاری کا کبھی مرتکب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن شاید جیسا کہ آپ خیال کرتی ہوں گی میں تو خود اپنے لیے بھی ایک معمہ ہوں جس کو سب جانتے ہیں ع

وہ راز ہوں کہ زمانے پہ آشکار ہوں میں

میرے طور طریقے الوکھے ہو سکتے ہیں لیکن اس دنیا میں ایسوں کی کیا کمی ہے جن کے اطوار مجھ سے بھی حیرت انگیز ہوں۔ موقع ہی انسان کی اصلی فطرت کا امتحان ہے اگر کبھی وقت آیا تو میں یقیناً آپ کو دکھا دوں گا کہ مجھے اپنے احباب سے کس قدر تعلقِ خاطر ہے اور ان کے لیے کس قدر دلسوزی مجھ میں پائی جاتی ہے زندگی کسے پیاری نہیں اور کیوں نہ ہو۔ لیکن اپنے آپ میں اس قدر قوت ضرور پاتا ہوں کہ جب ضرورت پڑے اسے دوسروں پر نثار کر دوں فراموش گاری، ریاکاری کو اشارۃً و کنایۃً بھی مجھ سے منسوب نہ کیجیے گا کہ اس سے میری روح کو اذیت ہوتی ہے۔ میری فطرت سے متعلق آپ کی ناواقفیت پر لرزاٹھتا ہوں۔ کاش میں اپنا باطن آپ پر عیاں کر سکتا تاکہ میری روح پر فراموش گاری کا جو حجاب آپ کو نظر آتا ہے، دور ہو جاتا۔

براہ کرم اس ناگزیر فروگذاشت کے لیے میری طرف سے ان کی خدمت میں معذرت پیش کیجیے اور مجھے فوری طور پر مطلع کیجیے کہ میری تصریح اُن کے نزدیک قابلِ قبول ثابت ہوئی یا نہیں۔

دائم آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(اقبال: عطیہ بیگم)

وحشت کلکتوی کے نام

لاہور، ۳۰ر مارچ ۱۹۱۹ء

مخدوم و مکرم جناب وحشت۔ دیوانِ وحشت کی ایک کاپی
جو آپ نے ازراہِ عنایت ارسال فرمائی۔ موصول ہوئی۔
شکریہ قبول کیجیے میں ایک عرصہ سے آپ کے کلام کو شوق سے
پڑھتا ہوں اور آپ کا غائبانہ مداح ہوں دیوان قریباً سب کا سب
پڑھا اور خوب لطف اٹھایا۔ ماشاءاللہ آپ کی[1] طبیعت نہایت تیز ہے
اور فی زمانہ بہت کم لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی مضمون آفرینی
اور ترکیبوں کی چستی خاص طور پر قابلِ داد ہیں، فارسی کلام بھی
آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ شعر کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ایک مستقل اثر
پڑھنے والے کے دل پر چھوڑ جائے اور یہ بات آپ کے کلام میں بدرجہ
اتم موجود ہے۔ والسلام

نیاز مند
محمد اقبال

(خطوطِ اقبال) (عکس)

---

[1] اصل متن میں "کی" موجود نہیں ہے۔

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۷ر اپریل ۱۰ء

مائی ڈیر مس عطیہ

کرم نامہ کے لیے جو آج صبح موصول ہوا سراپا سپاس ہوں۔ معلوم نہیں آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ میں نے حیدرآباد سے آپ کو دو خط لکھے ایک آپ کی طرف اطلاع کے موصول ہونے سے بیشتر اور دوسرا آپ کا تار ملنے کے بعد۔ اپنے دوسرے خط میں میں نے تار ملنے کی اطلاع دی اور بالتفصیل بتایا کہ میرے لیے جنجیرہ آنا کیوں کر ممکن نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے شومیِ قسمت سے میرا دوسرا خط شرفِ ملاحظہ سے محروم رہا۔ ورنہ میں یوں ہدفِ ملامت بے دریغ نہ بنتا۔ میں یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہوں کہ یہ نیاز نامہ کیوں کر آپ تک نہ پہنچا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میری نیت اور میرے عمل سے متعلق ایک افسوسناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کا تدارک بلا ملاقات آسان نہیں۔ اس دوستی کی خاطر جس کا میں اب بھی مدعی ہوں ہماری ملاقات اشدّ لابدّ[1] ہو چکی ہے۔ لہٰذا میں اس کے لیے ضرور وقت نکالوں گا۔ اگرچہ آپ کا خیال ہے کہ اس گذارشِ احوالِ واقعی کے لیے کوئی موقع میسر نہ آسکے گا۔

مجھے امید ہے میں اپنے اخلاص و صداقت کا آپ کو قائل کر سکوں گا۔ مجھے آپ کی فطری نیکی پر اعتماد ہے لیکن فی الحال آپ سے صرف یہی درخواست کروں گا کہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت

---

[1] اشدّ لابدّ۔ انتہائی ضروری لازمی۔

میں میرا جواب پیش کر دیں۔ میری دانست میں وہ آپ کی نسبت عفو درگذر کی لذت سے زیادہ آشنا ہیں۔

ہمارے درمیان جو غلط فہمی ہوئی ہے اُس کے متعدد اسباب ہیں اور یہی اسباب غیر شعوری طور پر آپ کے دل و دماغ پر مسلط ہیں۔ ان اسباب نے میری شومیِ قسمت سے آپ کو مجھ سے اس حد تک بدظن کر دیا ہے کہ اب آپ مجھ پر دروغ بافی کی تہمت طرازی تک اُتر آئی ہیں اور میرے تعلقات کو خلوص و صداقت سے معرّا سمجھتی ہیں۔

براہ کرم میری سیاحتِ حیدرآباد سے متعلق کوئی حسبِ دلخواہ نتائج اخذ نہ کیجئے۔ مثلاً یہ کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام میری قدر افزائی فرما رہے ہیں۔ اس معاملہ میں خود میری تحریر کا انتظار فرمائیے میں نے اتنا لمبا سفر صرف دوستوں سے ملنے کی خاطر اختیار نہیں کیا تھا۔ خصوصاً جبکہ میرے پاس قطعاً گنجائش نہ تھی حیدرآباد کی سوسائٹی کے متعلق اتنا ہی کہوں گا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔

آج صبح تک آپ کا تازہ عنایت نامہ موصول ہونے سے قبل میرا خیال تھا کہ حیدرآباد سے واپس پر آپ کا جو مکرمت نامہ مجھے لاہور میں موصول ہوا تھا اُس میں خیر اندیشی کی ایک بین السطور جھلک ضرور موجود تھی لیکن اس تازہ گرامی نامہ نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ آپ فی الحقیقت مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں میں نہایت پریشان خاطر ہوں اور جب تک اپنی بریت پیش نہ کروں یہی کیفیت قائم رہے گی۔ یقین مانیے، مجھ میں یا میری نیازمندی میں قطعاً کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ میری پیش گوئی ہے کہ ایک دن خود آپ کو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔

میں نے کب اعلیٰ حضرت حضور نظام کی طرف سے اپنی قدر افزائی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے آپ کو تو معلوم ہے مجھے توان باتوں کی مطلق پروا نہیں ۔ اگرچہ لوگ بدقسمتی سے مجھے بحیثیت ایک شاعر ہی کے جانتے ہیں، لیکن میں شاعر کی حیثیت سے شہرت کا آرزو مند نہیں ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے نیپلز[1] سے (NAPLES) ایک اطالوی رئیسہ[2] کا خط آیا تھا جس میں اس نے میری چند نظمیں مع انگریزی ترجمہ کے طلب کی تھیں لیکن شاعری کے لیے میرے دل میں کوئی ولولہ موجود نہیں اور اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے ۔ جب مجھے ممالکِ غیر سے ایسے شایستہ اشخاص کی قدر دانی میسر آئے تو مجھے ایک ہندوستانی والیِ ریاست کی قدر دانی کی کیا پروا ہوسکتی ہے ۔ مائی ڈیر مس عطیہ میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجیے ۔ اور نہ ہی مجھ پر ایسا عتاب فرمائیے جو آپ کے خط سے ٹپک رہا ہے، آپ نے تمام حقیقت تو سُنی نہیں، آپ کو میری اُن مشکلات کا جو میری روش کا باعث ہوئی ہیں کچھ اندازہ ہی نہیں میرے رویّہ کی مفصّل تشریح ایک طویل خط کی طالب ہے جس کی طوالت ناگواری کی حد تک پہنچ جائے گی ۔ اور شاید یہ داستانِ طویل متعدد خطوط کی طالب ہو، اور ایک نیا زنامہ اِس کا متحمل نہ ہوسکے ۔ مزید براں اس حقیقت سے کیسے انکار ہوسکتا ہے کہ کاغذ کے نقوشِ بے جان سے الفاظ کی آواز زیادہ مؤثر ہوتی ہے ۔ کاغذ جذباتِ انسانی کی حرارت کا کب متحمل ہوتا ہے ، اور کئی امور ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کا ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں ہوتا ۔

---

[1] اٹلی کا ایک مشہور شہر

[2] BARONESS

میری نیت سے متعلق فیصلہ دینے میں عجلت سے کام نہ لیجیے۔
آپ مجھے دنیادار بننے اور بک جانے کا الزام دیتی ہیں شاید اس الزام میں حقیقت کا ایک شمّہ ضرور موجود ہے لیکن جب آپ پر تمام حالات منکشف ہوں گے تو آپ کو میرے طرزِ عمل کے لیے وجہِ جواز بھی نظر آجائے گی۔ دوسرے اعتبارات سے میں اب تک ایک خواب دیکھنے والا ہی ہوں اور بقول آپ کے ایک دوست کے جیسا کہ انہوں نے اُردو ادب پر اپنے ایک مقالہ میں مجھے خطاب دیا ہے "سہانے خواب دیکھنے والا"۔

نواب صاحب نے بجا طور پر میرے پتے کے متعلق آپ کو سند سمجھا اور یہ کیوں نہ کہوں کہ آپ نے ایسی سند ہونے سے انکار کر دیا۔ میں تو اس سند کے اختیارات تسلیم کرنے کو تیار ہوں اور ہمیشہ تیار رہوں گا بعض لوگ ادھر بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آپ کے متعلق مجھے بھی ایسی ہی سند سمجھتے ہیں۔ لیکن میری مایوسی کا اندازہ کیجیے، جب مجھے دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ لاہور آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے مفتخر ہونے والا ہی نہیں بلکہ ہو چکا ہے۔ آپ نے تو دو حرفی اطلاع تک سے دریغ فرمایا۔ آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی اور اس سے میرے قلق میں مزید اضافہ ہوا۔ میری رائے میں اِن امور پر گفتگو ملاقات ہی پر اُٹھا رکھنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں قلم روکتا ہوں۔ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ البتہ ضرور نہیں کہ وہ باتیں اسی نوعیت کی ہوں کہ زیبِ قرطاس نہ ہوں۔

کچھ دیر پہلے مجھے آپ کا اعتماد حاصل تھا اور آپ کو میرا پاسِ خاطر بھی ملحوظ تھا۔ انہی تعلقات کے پیشِ نظر کم از کم میری ایک درخواست تو قبول فرمائیے۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے بعد معذرت عرض کیجیے کہ میری مجبوریوں کے پیشِ نظر میری فروگذاشت سے درگذر فرمادیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونا خود میرے لیے صد ہزار

مسرّت کا سرمایہ دار ہوتا۔ زیادہ نہیں کہوں گا۔ مبادا میرے خلوص پرشبہ کیا جائے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آپ میرے خطوط آپ سے متعلق میرے رویہ کے غلط اندازے کی روشنی میں مطالعہ کرتی ہیں اور یہ کوشش نہیں کرتیں کہ آپ کا خیال جس غلط راستہ پر پڑ چکا ہے، اُسے اس سے ہٹا لیں۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو از راہِ کرم خلوص و دیانت کی خاطر (اور اس جنس میں میری تہی مائیگی مسلّم اور آپ کا دامن مالا مال ہے) اس وقت تک انتظار کیجیے کہ حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے مقتضائے انصاف یہی ہے۔ آپ منصف ضرور رہیں خواہ بعض اوقات ضد ہی کیوں نہ کر بیٹھیں اور آمادۂ جفا ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ اُن دنوں کی یاد میں جو بیت چکے ہیں لیکن جن کی یاد میرے قلب میں تازہ ہے۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ تک میرا پیغام پہنچا دیجیے اور اُن سے عرض کیجیے، فرو گذاشت کو لاپروائی پر محمول نہ فرماویں اور نہ ہی یہ خیال فرما دیں کہ میرے دل میں اُن سے بہتر مقام کسی دوسرے کو میسّر آ گیا ہے۔

لاہور واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا تو میں نے نواب صاحب کو تار دے دیا کہ کالج سے متعلق مصروفیات کی بنا پر جنجیرہ حاضر نہ ہو سکا میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے تار کو شرفِ ملاحظہ حاصل ہوا یا اُس کا بھی وہی حشر ہوا۔ جو میرے حیدرآباد والے خط کا ہوا اور جس کی عدم رسیدگی شدید غلط فہمی کا موجب ہوئی۔

نظم کی نقل کے لیے جو آپ نے ارسال فرمائی ممنون ہوں اس کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے ہر چند حافظہ پر زور دیا، یہ اشعار یاد نہ آتے۔

نظموں کی اشاعت کے لیے مختلف حصصِ ملک سے تقاضے آ رہے ہیں ایک صاحب نے جنھیں آپ سے ملاقات حاصل ہے اپنی خدمات اس سلسلہ میں پیش کی ہیں۔ وہ خود مقدمہ لکھیں گے ہندوستان کے

بہترین مطبع میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرائیں گے اور جرمنی میں اس کی جلد بندھوائیں گے۔ لیکن مجھ میں اب شاعری کے لیے کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کسی نے میری شاعری کا گلا گھونٹ دیا ہے اور میں محرومِ تخیل کر دیا گیا ہوں۔

شاید حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ پر جن کے مرقد منوّر کی میں نے حال ہی میں زیارت کی سعادت حاصل کی ہے میری ایک نظم ہو گی جو میرے آخری اشعار ہوں گے۔ اس نظم کو لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں میرا خیال ہے اگر مکمّل ہو گئی تو کافی عرصہ تک زندہ رہے گی آپ کی باصرہ خراشی کافی ہو چکی۔ اب مجھے خط ختم کرنا ہے بارہ بج چکے ہیں دن کے کام کے بعد تھک کر چُور ہو چکا ہوں، اور اب ایک گونہ اندوہ کے ساتھ لیٹ جاتا ہوں۔ ملامت کے لیے مکرّر شکریہ۔

آپ کا ہمیشہ مخلص[1]

محمد اقبال

۵ر اپریل سنہ ۱ء

(اقبال نامہ)

شیخ عبد العزیز کے نام

لاہور

۱۶ر جون سنہ ۱ء

مائی ڈیر عزیز

حامل رقعہ ہذا۔ سلطان علی جو کبھی میرے منشی تھے،

---

[1] ترجمہ میں ذرا سی ترمیم کی ہے (مؤلف)

ایک فوجداری مقدمہ میں پھنس گئے ہیں اور مجھ سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ سے ان کے معاملہ میں غور کرنے کی سفارش کروں یہ اپنی داستان آپ کو خود سنائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کو بری کرانے میں مدد کر سکیں گے۔

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

ایڈیٹر "مخزن" کے نام

"گذشتہ مارچ میں مجھے حیدر آباد دکن جانے کا اتفاق ہوا وہاں آستانۂ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہز ایکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی. سی. آئی. ای یمین السلطنت پیش کار وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد کی خدمت بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ ہز ایکسلنسی کی نوازش کریمانہ اور وسعت اخلاق نے جو نقش میرے دل پر چھوڑا وہ میرے لوحِ دل سے کبھی نہیں مٹے گا۔ مزید الطاف یہ کہ جناب ممدوح نے میری روانگی حیدر آباد سے پہلے ایک نہایت تلطف آمیز خط لکھا اور اپنے کلام شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اس عنایت بےغایت کے تشکر یے میں دل سے زبان پر بے اختیار آگئے۔ انہیں زبان قلم کی وساطت سے جناب مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرأت کرتا ہوں۔ حیدر آباد دکن میں مختصر قیام کے دنوں میں میرے عنایت فرما جناب مسٹر نذر علی حیدری صاحب بی اے معتمد محکمۂ فنانس، جن کی قابلِ قدر خدمات اور وسیع تجربے سے دولت آصفیہ مستفید ہو رہی ہے، مجھے ایک شب ان شاندار مگر حسرت ناک گنبدوں

کی زیارت کے لیے لے گئے جن میں سلاطین قطب شاہیہ سو رہے ہیں، رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے چھن کے آتی ہوئی چاندنی نے اس پُرحسرت منظر کے ساتھ مل کر میرے دل پر ایسا اثر کیا جو کبھی فراموش نہ ہوگا ذیل کی نظم انھی بے شمار تاثرات کا ایک اظہار ہے اس کو میں اپنے سفر حیدر آباد کی یادگار میں مسٹر حیدری اور ان کی لئیق بیگم صاحبہ مسز حیدری کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں جنھوں نے میری مہمان نوازی اور میرے قیام حیدر آباد کو دلچسپ ترین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا"

(اوراق گم گشتہ، رحیم بخش شاہین)

"بانگ درا" کے صفحات ۱۶۷-۱۷۵ پر ایک نظم بعنوان "گورستان شاہی" ملتی ہے متن میں اس کے پس منظر کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں ملتا۔ لیکن باقیات اقبال مرتبہ عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی کے صفحات ۳۵۵-۳۵۶ پر اس نظم کے بعض متروکہ اشعار درج کرنے کے ساتھ نظم کے پس منظر پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے۔

"یہ نظم ان شاندار مگر حسرت ناک گنبدوں کی زیارت
سے متاثر ہو کر کہی تھی جن میں سلاطین قطب شاہیہ سو رہے
ہیں۔ رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے
چھن چھن کر آتی ہوئی چاندنی نے اس پُرحسرت منظر کے
ساتھ مل کر اقبال کے دل پر ناقابل فراموش اثر کیا۔"

اسی طرح سرود رفتہ مرتبہ غلام رسول مہر و صادق علی دلاوری کے صفحات ۱۳۲-۱۴۳ پر محذوف اشعار اور ترمیم شدہ اشعار تو دے دیے گئے ہیں لیکن پس منظر غائب ہے۔ دراصل یہ اور ایک دوسری نظم "شکریہ" علامہ اقبال کے سفر حیدر آباد دکن کی یادگار ہیں جو انھوں نے مارچ ۱۹۱۰ء میں کیا تھا۔ یہ نظمیں "مخزن" لاہور بابت جون ۱۹۱۰ء میں مندرجہ بالا تعارف کے ساتھ شائع ہوئیں لیکن بعد میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر تعارف حذف کر دیا گیا۔

(بقیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ)

اس تحریر سے ایک تو نظم کی تاریخ کا یقین ہوتا ہے اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی اس نظم کا ماخذ نہ تو سوں برن A C SWINBURNE (1837-1909) کی ایک نظم "THE GARDEN OF PROSERPINE" اور نہ تھامس گرے THOMAS GRAY (1716-1791) کی مشہور نظم "ELEGY WRITTEN IN A COUNTRY CHURCHYARD" ہی ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ کہتے وقت ان نظموں کی طرف بھی اُن کا ذہن منتقل ہوا ہو۔

مذکورہ دونوں کتابوں میں اس نظم کے محذوفات اور تراجم بھی پیش کی گئی ہیں۔ ذیل میں "گورستانِ شاہی" کے تمام اشعار میں ردوبدل، ترمیم و اضافہ کی نشاندہی کی جاتی ہے جو "باقیاتِ اقبال" اور "سرودِ رفتہ" سے زیادہ جامع ہے۔

مخزن : آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے
یعنی دھندلا سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے

بانگِ درا : پہلے بند کے پہلے شعر کے مصرعِ ثانی میں تبدیلی
کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے

مخزن : حسرتِ نظارۂ افلاک سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے

بانگِ درا : پہلے بند کے چوتھے شعر کا مصرعِ اول
باطنِ ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے

مخزن : گرچہ باغِ زندگی سے گل بداماں ہے زمیں
سیکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں

(بقیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ)

بانگ درا : تیسرے بند کے پانچویں شعر کا مصرع اول
رنگ و آب زندگی سے گل بداماں ہے زمیں

مخزن : کہہ رہی ہے کوئی ایام کہن کی داستاں
چاندنی کرتی ہے میناروں سے کیا سرگوشیاں
شورش بزم طرب کیا، عود کی تقریر کیا
قید تاریدان غم کا بار دست گیر کیا

بانگ درا یہ پہلا شعر حذف کر دیا گیا اور چھٹے بند کے پہلے شعر کے مصرع ثانی میں تبدیل کر دی گئی۔
درد مندان جہاں کا بار دست گیر کیا

مخزن : یہ قمر تو ناظم عالم کا اک ادنیٰ ایاز ہے
پہلے سونے کی تیا، محو خرام ناز ہے

بانگ درا : آٹھویں بند کا تیسرا شعر یوں ہے
چاند جو صورت گر ہستی کا اک اعجاز ہے
پہنے سیمابی قبا محو خرام ناز ہے

مخزن صبح کے تارے یہ تھی مشرق کے رہزن کی نظر
وہ اڑا کر لے گیا آویزۂ گوش سحر
شب کے اختر دیدۂ خورشید سے ڈرتے ہیں یہ
بھیس شبنم کا بدل کر سیر گل کرتے ہیں یہ
رات یہ تاروں بھری ذوق نظر کی عید ہے
ریزہ ریزہ ٹوٹ کر پیمانۂ خورشید ہے
اگئے ہیں تارے چمن سے شعلۂ بے سوز گل
روح کا فردوس ہے حسن نظر افروز گل

(بقیہ اگلے صفحے پر)

گوہر علی خاں[1] کے نام

لاہور
۲۲ اگست ۱۹۱۰ء

مہربان بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء کے پیسہ اخبار میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کے متعلق مجھے کچھ یاد نہیں کہ آپ نے میری نسبت کیا تحریر فرمایا تھا۔ اخبار افغان بھی میری نظر سے نہیں گذرتا۔

(بقیہ حاشیہ) زندگی کی مے سے مینائے حباب لبریز ہے
منظرِ حسرت بھی ہے کون تو حسن آمیز ہے

بانگ درا — شروع کے چار اشعار حذف ہیں پر کیا، آٹھویں شعر کا عنوان تحریر یوں ہے
زندگی سے یہ پرانا خاکدان معمور ہے
موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

مخزن — حدِ طفلک سے ہے اس کی چمک محفوظ تر
چھو نہیں سکتی اسے صرصر کی موج پرخطر

بانگ درا — حذف کر دیا ہے۔

(رحیم بخش شاہین)

[1] جناب گوہر علی خاں آنریری سکرٹری انجمن اسلامیہ پکھلی (ہزارہ) نے مجوزہ "عالمگیر اسلامی کانفرنس مصر" کے بارے میں بعض نامور مسلمانوں سے ۱۹۰۹ء میں استمزاج کیا تھا کہ مصر میں ایسی عالمگیر اسلامی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مسلمانان ہند کی شرکت مناسب ہے یا نہیں؟ اس پر نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین، شمس العلما مولانا شبلی نعمانی، خان بہادر میاں محمد شفیع، مولوی محمد عزیز مرزا اور علامہ اقبال نے ایسی کانفرنس کے انعقاد کی مصلحت اور خصوصاً اس میں شرکت سے احتراز کی صلاح دی تھی اور بعض نے اس کی ضرورت اور شرکت کا مشورہ دیا تھا۔ اکابرین ملت کی یہ گراں قدر آرا، اس وقت بوجوہ شائع نہ کی گئیں۔ ۱۹۱۵ء میں انقلاب عالم کی مناسبت سے صاحب گوہر علی خاں نے وہ خطوط شائع کر دیے جن میں علامہ اقبال کا مندرجہ بالا خط بھی شامل تھا۔

روزنامہ پیسہ اخبار ۲۱ جولائی ۱۹۱۵ء (جلد نمبر ۲۶ شمارہ ۸۶۶۲) صفحہ ۳ (محمد حنیف شاہد)

آپ کی ملامت میری سرآنکھوں پر۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کا جوشِ حمیت اسلامی اور خلوص نیت قابل تحسین ہے۔ اور میں اس ملامت کو غیروں کی تعریف سے بہتر تصور کرتا ہوں۔ یہ بات صحیح ہے کہ انگلستان سے واپس آنے کے بعد میں نے زیادہ تر اپنے مشاغل قانونی کی طرف توجہ رکھی ہے اور شاید مجھے ایسا ہی کرنا بھی چاہیے تھا کیونکہ کوئی شخص جو اپنی زندگی میں ناکام رہے اوروں کے کام نہیں آسکتا تاہم ان نامساعد حالات میں بھی جو کچھ مجھ سے ہو سکا ہے۔ میں نے دریغ نہیں کیا۔ قومی خدمت کوئی آسان بات نہیں افسوس ہے کہ آپ کو تمام حالات معلوم نہیں۔

کئی لوگوں نے ایسے ہی اعتراضات مجھ پر اور بعض لوگوں پر بھی کیے ہیں۔ لیکن میں نے ان احباب کو معذور تصور کر کے کوئی جواب نہیں دیا۔

مصری کانفرنس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ یہ تجویز مسلمانانِ عالم کی قومی اور معاشرتی اصلاح کی غرض سے دو سال پیشتر علامہ عصر کی ایک روسی اخبار نویس کی تحریک پر دنیائے اسلام کے سامنے پیش کی گئی تھی لیکن اس بحث کے تھوڑے ہی عرصے بعد ٹرکی اور ایران میں انقلاب کے آثار نمایاں ہو گئے اور مسلمانوں کی توجہ اور طرف مبذول ہو گئی۔ ٹرکی کی حالت ابھی تک قابلِ اطمینان نہیں اور کچھ عجب نہیں کہ کوئی عظیم الشان تغیر اس ملک میں پھر ہو۔ ایران ابھی انقلاب کے مرحلے سے نہیں گزر سکا۔ مراکو کی حالت سخت مخدوش ہے غرض کہ موجودہ حالات میں اسلامی دنیا پولیٹیکل انقلابات سے آزاد نہیں پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ اس قسم کی کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا۔ حال کے مصری اور ٹرکی اخباروں میں جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس پر کوئی دیکھنے والا بحث نہیں کرتا لیکن جو مقصد اس قسم کی کانفرنس سے پورا ہو وہ مکہ معظمہ کی سالانہ کانفرنس سے ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان اس سے فائدہ

اٹھانا نہیں جانتے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب مسلمان اس رمز سے آگاہ ہوں گے جو فریضۂ حج میں مختص ہے عالمگیر اسلامی کانفرنس مصر کے میں مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ اسلامی ملکوں کی پالیٹکس سے اسے بالکل علاحدہ رکھا جائے اور اس کی تجاویز مسلمانوں کی سوشل اور مذہبی اصلاح تک محدود ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا کی گورنمنٹیں ضرور اسے بدظنی کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ میں اس قسم کی تجویز کا جس کا مقصد مسلمانوں کی بہتری ہو، کس طرح مخالف ہو سکتا ہوں خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ ایسی کانفرنس کی تجویز اس روسی اخبار نویس کی تحریک سے کئی ماہ پیشتر خود میرے ذہن میں آچکی تھی اور میں نے لنڈن میں اپنے دوست شیخ عبدالقادر صاحب سے اس کا ذکر بھی کیا تھا۔ ایک عام معاشرتی اور تمدنی کانفرنس کے انعقاد سے مسلمانوں کو ضرور فائدہ ہوگا اور قومیت کی ایک نئی روح ان میں پیدا ہوگی لیکن یہ کام مشکل ہے اور اس کے سرانجام کرنے کے لیے انتہا درجہ کے استقلال اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہے۔ عام لوگوں کو یہ تجویز نہایت دلفریب معلوم ہوتی ہے اور منتظموں کے قومی تخیلات اس سے تحریک میں آتے ہیں مگر وہ لوگ اس کی مشکلات سے آگاہ نہیں ہیں، اور مسلمانانِ عالم کی موجودہ حالت کے تمام کوائف سے ان کو واقفیت نہیں ہے۔ بڑا سنبھل کر قدم رکھنا چاہیے اور جب تک ہم کو پورا یقین نہ ہو جائے کہ کسی بدنتیجہ کے پیدا ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے، تب تک کوئی عملی کام کرنا شاید مناسب نہ ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اور اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب سے جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے، وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے۔ بہر حال ابھی اس کانفرنس کے ہونے کا مجھے چنداں یقین نہیں

ہے ۔ کیونکہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں دیگر اسلامی ممالک کی توجہ اور طرف ہے اور ان کی موجودہ حالت بھی اس کی متقاضی نہیں ہے ۔

پان اسلامزم کا خوف بالکل بے معنی ہے اور فرانس کے چند احمق اخباروں کی ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے ۔ مسلمانان عالم کی کسی ملک میں کوئی ایسی تحریک عام طور پر نہیں ہے جس کا منشا یورپ سے پولٹیکل مقابلہ کرنا ہو نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے ۔ مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔

اذا تناجیتم فلا تتناجیتم بالاثم والعدوان[1]

آپ کا نیازمند
محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاہور
(نقوش اقبال نمبر)

ایڈیٹر "پیسہ اخبار" کے نام

مخدوم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب "پیسہ اخبار"

السلام علیکم

مہربانی کر کے مندرجہ ذیل سطور اپنے اخبار میں درج فرما کر مجھے ممنون و مشکور فرمائیں :

---

[1] قرآن حکیم کی آیت یا ایھا الذین امنوا اذ تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان (۵۸ : ۹)
ترجمہ : اے ایمان والو ، جب تم سرگوشیاں کرو تو گناہ اور ظلم کے لیے سرگوشیاں نہ کیا کرو ۔

اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۱۳ پر مندرجہ ذیل خبر درج ہے:

"بعد نمازِ عصر آپ کی نواسی کا نکاح ہونے والا تھا مگر مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی وقتی غیر حاضری کی وجہ سے بعد نماز مغرب پانچ سو روپیہ مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔"

اس عبارت سے میرے اکثر احباب کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے زبانی اور بذریعہ خطوط استفسار کیا ہے۔ سب حضرات کی آگاہی کے لیے بذریعہ آپ کے اخبار کے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جن ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا ذکر ایڈیٹر صاحب "الحکم" نے کیا ہے وہ کوئی اور صاحب ہوں گے۔ والسلام ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء

آپکا خادم

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا لاہور

ویگیناسٹ کے نام

لاہور

ہندوستان

۲۲ ستمبر ۱۹۱۰ء

عزیزہ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا نوازش نامہ موصول ہو گیا ہے، جس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج ڈاک کا دن ہے[1] لیکن بدقسمتی سے میں بہت مصروف ہوں۔

---

[1] اگر اقبال اسی باقاعدگی سے تقریباً ہفتہ وار مس ویگے ناسٹ کو خط لکھتے تھے تو ظاہر ہے ان میں سے بہت سے محفوظ نہیں رہے۔

اگلے ہفتے میں آپ کو ایک طویل (تر) خط لکھوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ممکن ہو گا۔

یہ پوستین ایک تبتی بھیڑ کی ہے۔ یہ دراصل ایک اُوور کوٹ کے کالر اور بازوؤں کے لیے ہے۔

دلی نیک تمناؤں کے ساتھ

محمد اقبال

بار۔ ایٹ لا

لاہور (ہندوستان)

(جرمن سے)

(اقبال یورپ میں)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۰ء

مائی ڈیر عزیز

شاید آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر ممکن ہوا تو مجھے حاضر ہونے میں خوشی ہوگی۔ ہوشیار پور میں خود آپ کی ذات میں بڑی کشش ہے جس میں میرے دوست ایف ایس افتخار الدین کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

آپ کا تابعدار

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(نوادر)

لے غالباً اس خط کے ساتھ اقبال نے ایک پوستین تحفہ بھیجی ہو گی۔

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور
۲۸؍اکتوبر ۱۹۱۰ء

مائی ڈیر عزیز

آپ کا ۲۷ کا رقعہ ابھی ملا، میں نے وہاں آنے کا پورا ارادہ کرلیا تھا مگر آج صبح یہ جان کر الجھن ہوئی کہ پیر کے دن کالج کی کوئی چھٹی نہیں ہے۔ اگر یہ مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں جمعہ کی شام کو ہوشیارپور پہنچ جاتا اور فقیر صاحب کو بھی اسی کے مطابق اطلاع کردیتا مگر بحالت موجودہ میں آج روانہ نہیں ہوسکتا۔

اندریں صورت مجھے امید ہے کہ اس سال آپ مجھے معاف کردیں گے۔ آیندہ سال مجھے امید ہے کہ میں حاضر ہوسکوں گا۔ یہ کالج کا تعلق مجھے معذور کردیتا ہے۔ دسمبر میں یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا میں نے آپ کا خط شیخ عبدالقادر صاحب کو بھیج دیا ہے۔ وہ کل روانہ ہورہے ہیں اور پیر کو واپس آئیں گے کیونکہ انہیں دوسری تاریخ کو راولپنڈی میں ایک مقدمہ کی پیروی کرنی ہے۔

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

نینسی آرنلڈ کے نام

لاہور

۱۱ / جنوری ۱۹۱۱ء

عزیزۂ من نینسی (MY DEAR NANCY)

پچھلے پیر کو صبح سویرے جب کہ میں زندگی کے عجب و غرور[1] (VANITIES) پر غور کر رہا تھا میرے ملازم نے تمہارا کرسمس کارڈ لاکر مجھے دیا۔ تم تصور کر سکتی ہو کہ اسے پاکر مجھے کس قدر خوشی ہوئی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس نے مجھے اُن پر مسرت دنوں کی یاد دلائی جو میں نے اپنے گرو (GURU) کے ساتھ انگلستان میں گزارے تھے میں اس عمدہ تحفے کے لیے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔

میرا خیال ہے کہ تم اپنے علم نباتات (BOTANY) کے اسباق میں خوب ترقی کر رہی ہوگی۔ میں جب جب اگلی مرتبہ اپنے گرو کی پابوسی کے لیے (TO KISS THE FEET OF MY GURU) انگلستان آؤں گا، تو مجھے امید ہے کہ تم مجھے اُن سب پھولوں کے نام سکھلاؤ گی، جو انگلستان کی خوبصورت وادیوں میں اُگتے ہیں۔ مجھے اب تک وہ SWEET WILLIAM[2]

---

[1] VANITY کا ترجمہ عجب و غرور سے زیادہ اچھا "بھرم" ہوگا یا پھر اسے کھوکھلاپن کہا جاتے اس وقت مس نینسی کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔

[2] ہلکے سرخ اور (سفیدی آمیز) رنگ کا ایک خوشبودار پھول۔

اور BLUE BELLS[1] اور TULIP (کنزا؟) LEEP[2] کے پھول یا دہیں بسو تم دیکھ سکتی ہو کہ تمہارے شاگرد کا حافظہ کچھ ایسا بُرا نہیں ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ میرے گروجی ان دونوں نوخیز انسانیت (YOUNGER HUMANITY) کی فلاح و بہبود میں بہت مصروف ہیں[3] سو اس یزدانی ہستی اور بے چارے فانی اقبال کے درمیان تم ضرور ایک نیک پیامبر کا کام انجام دو (SO DO ACT A GOOD PROPHET BETWEEN HIS DIVINITY AND THE POOR MORTAL IQBAL) جو (بے چارا) اس کے متعلق سب کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ (آں جناب) اپنے الہامات (REVELATIONS) کو تم تک محدود نہ رکھیں گے اور تم یہ (خبریں) موقع پاکر مجھ تک پہنچا دوگی۔

افسوس ہے کہ اب مجھے یہ خط ختم کرنا پڑے گا۔ نچلے کمرے میں میرے سائیس کی سیاہ فام ننھی بچی (THE LITTLE BLACK DAUGHTER OF MY SICE) چلّا رہی ہے۔ اور صبح سے میرے آرام میں خلل ڈال رہی ہے۔ وہ ایک عذابِ جان (PERFECT NUISANCE) ہے لیکن مجھے اس کی برداشت کے سوا چارہ نہیں کیونکہ اُس کا باپ میرا بڑا وفادار خادم ہے۔

---

[1] نیلے رنگ کا سُنبل نما پھول۔

[2] گلِ لالہ، یہ لفظ LEEP شاید قرأت کی غلطی ہے (درانی)

[3] اس زمانے میں پروفیسر آرنلڈ انگلستان میں زیرِ تعلیم ہندوستانی طلبہ کی مدد کے لیے مشیرِ تعلیم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

براہِ مہربانی اپنے ابا، اپنی امی اور خالہ AUNTIE کو میرا سلام کہو۔ اور MARCAS [1] (کذا) کو بھی، اگر تم انھیں کبھی خط لکھو تو۔

تمھارا خیر خواہ

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال یورپ میں)

ویگیناسٹ کے نام

لاہور

۱۱/ مئی ۱۹۱۱ء

عزیزہ من فرائیلائین [2] ویگے ناسٹ

آپ کا خوبصورت پوسٹ کارڈ مجھے مل گیا ہے۔ اور اس کے لیے میں آپ کو اپنے دلی تشکرات بھیجتا ہوں۔ میری بڑی تمنا ہے کہ جرمنی کا دوبارہ سفر کروں تاکہ آپ سے مل سکوں۔ اور (ے مگر) میں نہیں جانتا کہ یہ کس دن ممکن ہو سکے گا۔ لیکن میرے خطوط

---

[1] شاید اس سے مراد سر مارک آرلڈ کے دوست اور مشہور سیاح اور ماہر آثار قدیمہ SIR MARC AUREL STEIN سے ہے۔ (دُرّانی)

[2] یہاں پورا لفظ FRAULEIN (= مس) لکھا ہے۔

آپ کو اس "ظالم"[۱] جرمن زبان کی وجہ سے، جو میں لکھتا ہوں کافی دل لگی کا سامان بہم پہنچاتے ہوں گے۔

وہ خوبصورت ٹائیاں[۲] مجھے مل گئی تھیں۔ اور میں بے حد شرمندہ ہوں کہ میں اس قدر مصروف تھا کہ آپ کو لکھ نہ سکا۔ اور اپنا شکریہ نہ بھیج سکا۔

جب آدمی کوئی زبان نہیں لکھ سکتا، تو اس کا قلم[۳] بہت دل شکستہ[۴] ہوتا ہے اور ایسے انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے شکریے کا پورا اظہار کر سکے۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے کہ اپنی جرمن صحیح کر سکوں۔ براہ کرم میری غلطیوں کو معاف فرمائیے، لیکن مہربانی کرکے ایک طویل خط لکھیے۔ مجھے اُمید ہے کہ محترمہ پروفیسر صاحبہ بخیریت ہوں گی

آپ کا دوست

محمد اقبال

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

---

۱ TERRIBLE = SCHRECKLICH - خوفناک، بدنما۔

۲ CRAVATEN = [KRAWATTE] = TIES, SCARVES

۳ FEER = FEDER قلم

۴ اقبال نے یہاں MISERABLE لکھا ہے جو جرمن زبان کا لفظ نہیں ہے۔

(قرال)

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۵ جولائی ۱۹۱۱ء

مائی ڈیر مس فیضی!

افسوس ہے کہ آپ کے اس عنایت نامے کا جو کچھ عرصہ گذرا موصول ہوا تھا جلد جواب نہ دے سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں خاصی پریشانی میں مبتلا رہا۔ بدنصیبی سایہ کی طرح میرے ساتھ لگی رہی ہے اور اُس کی اِس درجہ وفاداری کی وجہ سے مجھے اُس سے اُنس ہوتا جا رہا ہے تفصیل سے پھر کسی وقت لکھوں گا۔

جہاں تک نظموں کے مجموعہ کا تعلق ہے میں بخوشی ایک نسخہ ارسالِ خدمت کروں گا۔ ایک دوست نے میری نظموں کا ایک مرتّب کردہ مجموعہ بھیجا ہے۔ کاتب اُنہیں خوش خط لکھ رہا ہے۔ جب کتابت ختم ہو چکے گی تو نظرِ ثانی کروں گا۔ جو نظمیں اشاعت کے قابل سمجھی جائیں گی اُنہیں دوبارہ لکھواؤں گا اور ایک نقل آپ کی خدمت میں بھی پیش کروں گا۔ آپ کو میرا شکرگذار ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کی مسرت ہی میرا کافی صلہ ہے، جیسا کہ آپ نے اپنے نوازش نامہ میں لکھا ہے۔ بلکہ اس تحسین و ستایش کے لیے جس کا میں مستحق نہیں ہوں میں خود آپ کا احسان مند ہوں۔ لیکن یہ تو ارشاد ہو کہ یہ مجموعہ جو ایک دلِ خونچکاں کے نوحہ ہائے غم کے سوا کچھ نہیں، آپ کے کس مصرف کا ہے؟ لہٰذا میں نے انتساب میں کہا ہے:

خندہ ہے بہرِ طلسمِ غنچہ تمہیدِ شکست
تو تبسم سے مری کلیوں کو نامحرم سمجھ

درد کے پانی سے ہے سرسبزیِ کشتِ سخن
فطرتِ شاعر کے آئینے میں جوہر غم ہے

اشاعت کے لیے انتخاب میرے لیے ایک مشکل مرحلہ ہے گذشتہ پانچ سال سے میری نظمیں بیشتر نجی نوعیت کی ہو کر رہ گئی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ پبلک کو انھیں پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ ان میں سے بعض تو کل ہم میں نے تلف کر ڈالی ہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں کوئی چرا کر انہیں شائع نہ کر دے۔ بہر حال دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ قبلہ والد صاحب نے فرمایش کی ہے کہ حضرت بوعلی قلندرؒ کے طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اس راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے۔ تمہید کا بند ملاحظہ فرمائیے:[1]

نالہ را انداز نو ایجاد کن ❊ جرم را از ہاے وہو آباد کن
آتش استی بزم عالم بر فروز ❊ دیگران را ہم ازین آتش بسوز
سینہ را سر منزل صد نالہ ساز ❊ اشک خونین را جگر پیکانہ ساز
پشت پا بر شورش دنیا بزن ❊ موجۂ بیرون این دریا بزن

بقیہ اشعار حافظے سے اتر گئے ہیں۔ امید ہے عدالت سے واپسی پر یاد آجائیں گے دس بج چکے ہیں۔ اب مجھے جانا ہو گا۔ ایک تازہ غزل ملفوف ہے جو حال ہی میں "ادیب" میں شائع ہوئی ہے۔ میں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ کو (جنہیں میرے خیال میں آپ جانتی

---

[1] یہ اشعار بعد میں "مثنوی اسرارِ خودی" میں شائع ہوئے لیکن ترتیب بدل گئی اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے یہ مثنوی ۱۹۱۱ء کے وسط میں لکھنا شروع کی گو مولانا گرامی کے نام خط مورخہ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۳ء میں اقبال نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ مثنوی لکھنا ۱۹۱۳ء میں شروع کیا (ملاحظہ ہو "مکاتیب اقبال بنام گرامی" مرتبہ قریشی) صاف ظاہر ہے کہ مثنوی کی ابتدا تو ۱۹۱۱ء میں ہوئی لیکن اس پر سنجیدگی سے کام ۱۹۱۳ء میں شروع ہوا۔ (مؤلف)

ہیں) لکھا ہے کہ مجھے ان اشعار کا انگریزی ترجمہ بھیجیں جو میں نے شہزادی دلیپ سنگھ کی سہیلی مس گوٹس مین کے لیے اُس وقت لکھے تھے جب انہوں نے شالامار باغ سے ایک خوبصورت پھول توڑ کر مجھے پیش کیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اصل میرے پاس محفوظ نہیں لیکن آپ کے لیے سعی ضرور کروں گا۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلامِ شوق فرما کر ممنون فرمائیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)

[اوراق گم گشتہ
[اقبال از عطیہ فیضی،

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۶ر اکتوبر ۱۱ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ سید صاحب۔ السلام علیکم

کل ظفر علی خاں صاحب سے سنا تھا کہ جناب کو چوٹ آگئی۔ اسی وقت سے میرا دل بے قرار تھا اور میں عریضہ خدمتِ عالی میں لکھنے کو تھا کہ جناب کا محبت نامہ ملا۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس تکلیف کو رفع کرے اور آپ کو دیر تک زندہ رکھے، تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُس قلب کی گرمی سے متاثر ہوں جو خدا نے آپ کے سینے میں رکھا ہے۔

میں آپ کو اُسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے اور وہی محبت و عقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرفِ نیاز حاصل ہو

اور میں اپنے دل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اِس ہجوم میں تنہا ہوں۔ ایک فردِ واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جا سکے۔

طعنہ زن ہے ضبط اور لذت بڑی افشا میں ہے
ہے کوئی مشکل سی مشکل راز داں کے واسطے

لارڈ بیکن کہتے ہیں "جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے"[1]
سو یہی حال میرا لاہور میں ہے اس کے علاوہ گذشتہ ماہ میں بعض معاملات کی وجہ سے سخت پریشانی رہی اور مجھے بعض کام اپنی فطرت اور طبیعت کے خلاف کرنے پڑے اور ان ہی میں طبعِ سلیم میرے لیے شکنجے کا کام دے گئی۔ کیا خوب کہہ گیا ہے عرفی؛

رَستم ز مدعی بقبولِ غلط و لے
در تابم از شکنجۂ طبعِ سلیمِ خویش[2]

نا تمام نظم کے اشعار آپ نے پسند فرمائے۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوتی ہے کہ آپ میرے اشعار پسند فرماتے ہیں۔ "غرّۂ شوال"[3] پر چند اشعار لکھے تھے۔ زمیندار اخبار کے عید نمبر میں شائع ہوئے اُن کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے چند اشعار آخر میں ایسے لکھے ہیں کہ ترکی و اٹلی کی جنگ نے اُس کی تصدیق کر دی ہے۔ اگر زمیندار اخبار

---

[1] MAGNA CIVITAS, MAGNA SOLITUDU

(A great city is a great solitude)

Bacon — From the Essay entitled 'Of Friendship' included in his book of 'Essays'

[2] (ترجمہ) مدعی و خصم کی غلط پکڑ سے تو میں نکل آیا، مگر اب اپنی طبع سلیم کے شکنجہ میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں۔

[3] غُرّہ قمری مہینے کا پہلا دن

آپ تک نہ پہنچا ہو تو تحریر فرمایئے، بھجوا دوں گا۔

خواجہ حسن نظامی واپس تشریف[1] لے آئے۔ مجھے بھی اُن سے محبت ہے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اور مجھ کو بھی زیارتِ روضۂ رسول نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھیے کب جوان ہوتی ہے۔ شیخ عبدالقادر لائل پور میں سرکاری وکیل ہو گئے۔ اب وہ لاہور سے وہاں چلے گئے کچھ دن ہوتے یہاں آئے تھے مگر ان سے نہ مل سکا۔ آرڈر[2] قائم کرنے کا خیال تھا اور اب تک ہے مگر اس راہ میں مشکلات بیحد ہیں اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس مذاق کے لوگ کہاں ہیں بہر حال میں ہم خیال پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں اور کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ آپ دعا کریں۔

خیریت مزاج سے مطلع کیجیے۔ مجھے اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔ خدا آپ کو صحتِ کامل کرامت فرمائے۔

دعا گو

محمد اقبال۔ بیرسٹر۔ لاہور

(اقبال نامہ)

---

[1] خواجہ حسن نظامی حجاز و فلسطین و شام کے سفر پر ۱۹۱۱ء میں گئے تھے اور مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی تھی۔

[2] آرڈر سے مراد غالباً "سلسلۂ صوفیہ" ہے، اس زمانے میں خواجہ حسن نظامی نے حلقۂ نظام المشائخ قائم کر رکھا تھا اور اس کی توسیع و تبلیغ میں مصروف تھے۔

عبدالواحد[1] کے نام

مخدومی السلام علیکم۔ آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے[2]۔ اسرارِ خودی" کے لیے لکھ دیا ہے۔ امید ہے آپ کو جلد مل جائے گی جس حسنِ ظن کا آپ نے اپنے خط میں اظہار فرمایا ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں۔

بنگلور اور میسور[3] دیکھنے کا مجھے بھی اشتیاق ہے مگر سفر طویل ہے اور میری صحت طویل سفر کی اجازت نہیں دیتی۔ بہر حال اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوا تو آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ افسوس ہے کہ اس وقت کوئی فوٹو اپنا میرے پاس موجود نہیں۔ جب بنواؤں گا تو آپ کی خدمت میں ایک کاپی ضرور ارسال کروں گا۔

آپ کا نیازمند محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

۲۱ / اکتوبر ۱۹۱۱ء

(دانائے راز دیارِ دکن میں)

---

[1] ابو حامد عبدالرحیم مرحوم نے بہ کمال مہربانی و شفقت ڈاکٹر اقبال کے تین خطوط جو ان کے والد مرحوم کے نام تھے مرحمت فرمائے تھے۔ عبدالواحد مرحوم کو ادب اور طب سے خاص دلچسپی تھی۔ ابو حامد نے ادبی لگاؤ ورثے میں پایا تھا۔ اقبال سے خاص عقیدت تھی۔ ڈاکٹر اقبال ۱۹۲۹ء میں مدراس تشریف لائے تو ان سے ملنے اپنے دوست محمد جمیل مرحوم کے ساتھ مدراس گئے۔ اور بنگلور میں ساتھ ساتھ رہے۔ مدراس اور بنگلور میں لی گئی تصاویر میں ان دونوں دوستوں کو اقبال کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔

[2] حسبِ وعدہ حضرت اقبال نے "اسرارِ خودی" کا نسخہ روانہ فرمایا۔

[3] ابو حامد مرحوم نے بتایا کہ عبدالواحد مرحوم نے ڈاکٹر اقبال کو میسور (بنگلور) آنے کی دعوت دی تھی سلطان ٹیپو سے عقیدت کی وجہ سے وہ خود میسور آنے کی آرزو بھی رکھتے تھے۔

(سلیم تمنائی، دانائے راز دیارِ دکن میں)

مولوی کرم الٰہی صوفی کے نام[1]

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب۔ السلام علیکم۔

میں نے آپ کی کتاب "اسلامی تاریخ عہد افغانیہ" شروع سے لے کر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اس کی بہت قدر کریں گے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابلِ داد ہیں اور آپ کی قوتِ استدلال اور روایت تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاق تاریخ نویسی اب تک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مؤرخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جن کی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے، اس کتاب کے مطالعے سے اخلاق فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں جو ان کی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرانشین تیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچ کر اقوامِ قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیبِ جدید کے بانی بن گئے تاریخ کا مقصد اگر

---

[1] مولوی کرم الٰہی صوفی کی کتاب "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" پر اقبال کا یہ خط (ریویو کی صورت میں) رسالہ "مخزن" کے نومبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں بطور اشتہار شائع ہوا۔ اس لیے غالباً یہ خط نومبر ۱۹۱۱ء سے پہلے لکھا گیا۔

اخلاق ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیئے تو آپ
کی تصنیف اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے، اور میں بہ حیثیت
ایک مسلم ہونے کے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب
عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیّت کا
احساس جس کو بالفاظِ دیگر قومی خودداری کہنا چاہیئے، قومی
زندگی کے لیے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا
ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لیے ضروریات میں سے ہیں
پس اس اعتبار سے آپ کی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے
اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب
کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور
جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپ کو اس مقدّس رسولؐ
کی بارگاہ سے ملے جس کے کام سے بنی نوعِ انسان کی نجات اور
جس کے نام سے ہماری قومیّت زندہ ہے۔ والسّلام

آپ کا خادم
محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور۔

(انوارِ اقبال)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور
۹ / نومبر ۱۹۱۱ء

مخدومی السلام علیکم۔ آپ کے دونوں نوازش نامے یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ الحمد للہ کہ جناب خیریت سے ہیں۔

ترکوں کی فتح کا مژدۂ جانفزا پہنچا۔ مسرت ہوئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ دل کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں روح کیا چاہتی ہے اور آنکھوں کو کس نظارے کی ہوس ہے۔ میں ایک زبردست تمنا کا احساس اپنے دل میں کرتا ہوں گو اس تمنا کا موضوع مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں۔ ایسی حالت میں مجھے مسرت بھی ہو تو اس میں اضطراب کا عنصر غالب رہتا ہے۔ لاہور کی بستی میں کوئی ہمدم دیرینہ نہیں۔ نام و نمود پر مرنے والے بہت ہیں۔ قومی جلسوں سے بھی پہلو تہی کرتا ہوں۔ ہاں آپ کے خطوط جو میرے پاس سب محفوظ ہیں بار بار پڑھا کرتا ہوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ ارادہ کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں استدعا کروں کہ خط ذرا لمبا لکھا کیجیے مگر میں خود لمبا خط لکھنے سے گھبراتا ہوں۔ پھر میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو لمبا خط لکھنے کی زحمت دوں یہ ایک قسم کی روحانی خود غرضی ہو گی جس کا ارتکاب میرے نزدیک گناہ ہے۔ آپ کی ملاقات کے لیے دل تڑپ رہا ہے۔ خدا جلد کوئی سامان پیدا کرے۔ کیا آپ دربار کے موقع پر دہلی تشریف لائیں گے؟

زمیندار میں یہ پڑھ کر نہایت افسوس ہوا کہ ' اُردو شاہنامہ '
تلف ہو گیا۔ جو شعر اس میں سے شائع ہوئے ہیں وہ بڑے زور کے
ہیں۔

رگِ موج سے خون جاری کریں

اس مصرع پر تو فردوسی اور نظامی بھی رشک کرتے۔
ہاشم طال[1] عمرہٗ کو میری طرف سے بہت بہت پیار کیجیے۔ میری روح
کو اس نام سے ایک خاص تعلق[2] ہے اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز
کرے اور دین و دنیا میں اسے بامراد کرے۔ سکول کی خواندگی
میں اُس کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہو گا۔ مگر باوجود اس کے کس قدر
خوش نصیب لڑکا ہے کہ پیرانِ مشرق سے فیض کی نظر لے رہا ہے
یہی نظر صبغۃ اللہ ہے و احسن فی صبغۃ اللہ[3]

---

[1] ہاشم اکبرالہ آبادی کے صاحبزادہ کا نام ہے۔

[2] ہاشم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ امجد ہیں اور آپ ہاشمی کہلاتے ہیں
یہی سبب روحانی تعلق کا ہو سکتا ہے۔

[3] یہاں اقبال سے سہوِ قلم ہوا ہے صحیح یوں ہو گا وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ
صِبْغَةِ اللّٰہِ " اللہ کا رنگ، اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے چوکھا ہے؟"
قرآن (۲ : ۱۳۸)

(مؤلف)

اب کوئی دن جاتا ہے کہ پیرانِ مشرق دنیا میں نہ رہیں گے اور آیندہ زمانے کے مسلمان بچے نہایت بدنصیب ہوں گے۔
میاں ہاشم! اب وقت ہے اس کی قدر کرنا اور جو کچھ پیرِ مشرق سے لے سکتے ہو لے لینا۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اس تربیت کے فیض سے زندگی بھر تمھاری روح لذت اٹھائے گی۔

خادم
محمد اقبال
لاہور
(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی۔
السلام علیکم۔ آپ کا خط اسی روز پہنچا جس روز میں دہلی جا رہا تھا۔ اشعار نے خوب مزا دیا۔ کیا خوب کہا ہے۔
ذوقِ وارفتگیِ کج کلہانِ دہلی[1]

نوٹ۔ اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک اور خط مؤرخہ ۹ نومبر ۱۹۱۱ء مشمولہ "اقبال نامہ" دوم ص ۳۷ میں دربارِ دلّی کے بارے میں پوچھا ہے اس خط میں ہاشم کا ذکر ہوا ہے۔ جب کہ زیرِ بحث خط میں ہاشم کے بارے میں اکبر الٰہ آبادی کا شعر بھی درج ہے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط نومبر ۱۹۱۱ء میں لکھا گیا ہوگا۔ واضح ہو کہ دربارِ دلّی ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو منعقد ہوا تھا۔
[صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق
شائع شدہ "صحیفہ لاہور" ۱۹۸۳ء]

[1] (ترجمہ) دلّی کے بانکوں کا مذاقِ عاشقی

ہر شعر تر اور ہر مصرع لاجواب ۔ کاش آپ بھی دہلی تشریف لاتے تو دو چار روز جو میں وہاں رہا خوب کٹ جاتے ۔

مہاراجہ صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی ۔ میں نے انہیں کے دولت خانے میں قیام کیا اور دل کو ان کے شکریوں سے مملو واپس لایا ۔ ملازمت کے متعلق انہوں نے مجھ سے گفتگو کی تھی مگر کوئی خاص بات نہ تھی ، عام گفتگو تھی جس سے میں اُن کا عندیہ معلوم نہ کر سکا بہر حال مجھے بے تابی نہیں ۔ مقدر کا قائل جو شخص ہو اس کی طبیعت مطمئن رہتی ہے ۔ مجھ کو جہاں ہوں اپنے فرائضِ مُفوّضہ کی ادائیگی سے کام ہے ۔ خواہ لاہور میں ہوں خواہ لندن میں ہوں ، کسی خاص جگہ ملازمت کرنے کی خواہش بھی دل میں پیدا نہیں کرتا کیونکہ سراپا تن بہ تقدیر رہتا ہوں ۔ والسلام

خیریت سے مطلع کریں

آپ کا مخلص محمد اقبال

مولانا اکبرالہ آبادی کا کیا خوب شعر ہے ،

گفت ہاشم بے سبب زانگلش مرا کراہ نیست[1]
ہر کتابے راکہ بکشادیم بسم اللہ نیست

ہاشم اُن کے لڑکے کا نام ہے ۔

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

عکس

---

[1] (ترجمہ) ہاشم نے کہا کہ انگریزی زبان سے مجھے بے سبب نفرت نہیں ہے ، جس کتاب کو بھی کھول کر دیکھا اس میں بسم اللہ ندارد ۔

عطیہ فیضی کے نام

لاہور
۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء

ڈیر مس فیضی!
ابھی ابھی آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا جس کے لیے انتہائی سپاس گذار ہوں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ مس نائیڈو اردو شاعری سے لطف اندوز ہونے سے قاصر ہیں تو انہیں میری نظم نہ دکھایئے یہ میری تازہ غیر مطبوعہ نظم ہے۔ چند مزید اشعار جو برسوں قبل صبح چار بجے موزوں ہو گئے تھے، درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس بحر میں پہلے کبھی نہیں لکھا۔ اس نظم میں موسیقیت کی فراوانی ہے۔ کاش میں وہاں ہوتا تو خود آپ کو اور بیگم صاحبہ کو ترنّم سے سُنا سکتا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ ربابِ خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
بر ربطِ کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار

محشرستانِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منّت کشِ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت
آہ اُمّیدِ محبّت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ اس ساز نے مضراب کی کھائی نہ کبھی
مگر آتی ہے نسیمِ چمن طور کبھی
سمتِ گردوں سے ہوائے نفسِ حور کبھی
چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مِرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے رِہا رُوحِ گرفتارِ حیات

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اُٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اٹھتی ہے
جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رَم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے
محمد اقبال

مسٹر[1] نیڈو صاحبہ کی خدمت میں سلام کہیے اور اُن کو یہ اشعار دکھائیے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ مس عطیہ آپ کو دکھائیں گی۔

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال: عطیہ بیگم)

---

[1] یہ جملے اقبال نے اُردو میں لکھے ہیں۔

عطیہ فیضی کے نام

لاہور
۱۴ر دسمبر

بنگالے[1] کی تقسیم ـــــــ مسلم بنگال کی ہندو بنگال سے علیحدگی۔ بنگالی ہندو کے خیال میں ایک کاری زخم تھا جو حکومت نے بنگالی قومیت کے قلب پر لگایا ــــ لیکن حکومت نے دہلی کو دارالسلطنت قرار دے کر اپنے فیصلہ کی خود ہی کمال ہوشیاری سے تنسیخ بھی کر دی ہے۔ بنگالی سمجھتا ہے جیت اس کی رہی لیکن اسے نظر نہیں آتا کہ اس کی اہمیت گھٹا کر صفر کر دی گئی ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق دو شعر ہو گئے ہیں:

مندمل زخمِ دلِ بنگال آخر ہو گیا
وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاجِ شاہی آج کلکتے سے دہلی آ گیا
مل گئی بابو کو جوتی اور پگڑی چھن گئی

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال: عطیہ بیگم)

---

[1] اس پر القاب کوئی نہیں "اقبال نامہ حصہ دوم میں عطاءاللہ صاحب نے "مائی ڈیرمس عطیہ" کا اضافہ کر دیا ہے اس خط پر سنہ نہیں لکھا گیا۔

مولانا شبلی نعمانی کے نام

لاہور
۱۲ر جنوری ۱۹۱۲ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ انجمن کا جلسہ ایسٹر کی تعطیلوں میں ہوگا، اگر وہاں کی شمولیت کے بعد میں لکھنؤ حاضر ہو سکا تو ضرور حاضرِ خدمت ہوں گا۔
افسوس کہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے سے قاصر ہوں، اگر آپ کا ارشاد ہو تو چودھری شہاب الدین صاحب بی اے وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں۔ وہ نہایت قابل آدمی ہیں۔ اور اس کام کے لیے اہل، اگر یہ پسند نہ ہو تو نواب ذوالفقار علی خاں اس وقت کلکتہ میں ہیں۔ آپ اُن کو پنجاب کی طرف سے انتخاب کریں اور اُن کو لکھ دیں کہ وہ ۲۹ر جنوری تک کلکتہ میں ہی ٹھہریں مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور بھی اس وقت کلکتہ میں ہیں۔ غالباً وہ بھی آپ کے لکھنے پر ۲۹ جنوری تک وہاں قیام کر سکیں، جو تجویز پسند خاطر ہو اُس کو عمل میں لائیے
باقی خیریت ہے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور
(اقبالنامہ)

۱؎ وقف علی الاولاد کمیٹی کی طرف سے وائسرائے کی خدمت میں وفد جانا تجویز ہوا تھا

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور

۲۴ جون ۱۹۱۲ء

مکرمی! ۱۲ روپیہ جس طرح آپ کے خیال میں آئے خرچ کر دیجیے۔ حلوا پکا دیجیے، یا خانقاہ کے متعلقین میں تقسیم کر دیجیے۔
آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے مگر کیا کروں، علائق نہیں چھوٹتے۔ روٹی کا دھندہ لاہور سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ کیا کروں۔ عجب طرح کا قفس ہے۔ والسّلام

آپ کا مخلص

اقبال

(اقبالنامہ)

اور

(اتالیقِ خطوط نویسی)

ویگیناسٹ کے نام

آپ کے خط کے لیے بہت شکریہ۔ براہِ کرم مجھے لکھیے کہ آپ کیسی ہیں؟ ان دنوں لاہور میں بے حد گرمی ہے۔ ہم ایک دوزخ میں رہ رہے ہیں۔ میں جرمنی کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔

اقبال

چہارم جولائی ۱۹۱۲ء

محترمہ پروفیسر صاحبہ کا کیا حال ہے؟ میرے خیال میں

گھر بھرا ہوا ہو گا[1] یہ دلی کی جامع مسجد ہے[2]۔

(جرمن سے) (اقبال یورپ میں)

سیّد عبد الغنی کے نام

مخدومی جناب قبلہ شاہ صاحب السلام علیکم۔ انجمن کی طرف سے مجھے کوئی خط نہیں ملا۔ آپ کا فرماں سر آنکھوں پر، مگر افسوس ہے کہ حاضری سے معذور رہوں۔ جولائی کے آخر میں مجھے اور ضروری کام ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے تو پبلک لائف بوجوہات قریباً ترک کر دی ہے۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

ار لاہور

۲۰ جولائی ۱۲ء (مکتوبات اقبال)

عکس

---

[1] گھر سے غالباً اقبال کی مراد ہائیڈل برگ کے ہوسٹل PENSION SCHERER سے ہے۔

[2] اس خط پر اقبال کا پتا درج نہیں ہے۔ غالباً یہ تحریر ایک پوسٹ کارڈ پر ہے۔ جامع مسجد دہلی کا ایک ایسا ہی (غیر مطبوعہ مخطوطہ) پوسٹ کارڈ میرے پاس موجود ہے، جو اقبال نے ۱۹۰۹ء میں اپنے استاد پروفیسر طامس آرنلڈ کی صاحبزادی نینسی آرنلڈ (NANCY) کے نام لندن بھیجا تھا۔

(سعید اختر درانی)

TUCK'S POST CARD
CARTE POSTALE
Printed in England

مولانا گرامی کے نام

لاہور

۲ر ستمبر ۱۲ء
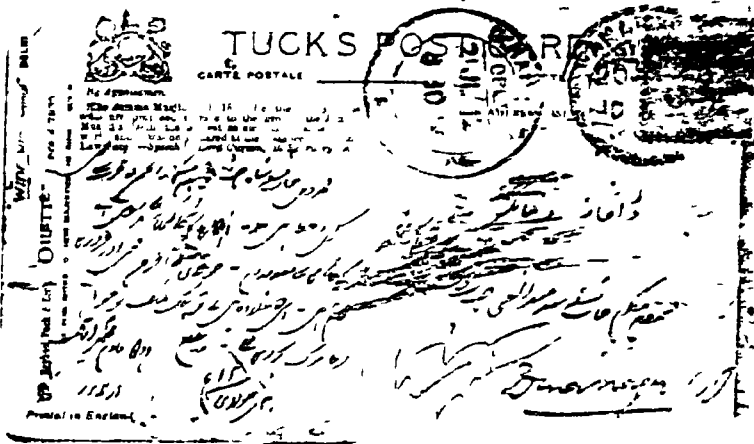
مخدومی جناب مولانا مولوی گرامی صاحب

آپ کا تخلص گرامی کی جگہ "نومی" ہونا چاہیئے تھا کیونکہ آپ سوتے بہت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راون لنکا کے باشاہ کی طرح آپ چھ ماہ سوتے ہیں اور چھ ماہ جاگتے ہیں۔

حیدر آباد کی شاہی میں تبدیلی ہوئی[1]، وزارت بدل گئی مگر آپ ابھی اونگھ رہے ہیں۔ برائے خدا کبھی اپنی خیریت سے مطلع کیا کرو۔ آپ کے بہت سے لاہوری دوست استفسار حال کرتے ہیں تو مجھے بھی یہی جواب دینا پڑتا ہے کہ مولانا گرامی آرام میں ہیں۔ اکثر تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو خط لکھ کے جگائیے مگر اس کے لیے شورِ محشر کی ضرورت ہے۔ خطوں سے کیا ہوتا ہے کب تک لاہور آنے کا قصد ہے؟ ہم نام اقبال[2] سلام قبول کریں نیز ان سے یہ درخواست ہے کہ مولوی گرامی یعنی "شیخ نامی" سے جس طرح بن پڑے خط لکھوائیں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال از لاہور

عکس (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] میر محبوب علی خاں کی وفات کے بعد میر عثماں علی خاں کے مسند نشیں ہونے کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ وزارت کی تبدیلی اہم چیز تھی۔

[2] "ہم نام اقبال" سے مراد گرامی کی بیوی اقبال بیگم ہے جو شاعرہ تھی اور ترک تخلص کرتی تھی۔

شاکر صدیقی کے نام

مکرمی!

اردو زبان میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا کہ آپ کے کلام کو اصلاح دوں۔ باقی رہے شاعرانہ خیالات و سوز و گداز، یہ سیکھنے سکھلانے کی شے نہیں، قدرتی بات ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ مجھ کو اپنے مشاغلِ ضروری سے فرصت کہاں کہ کوئی ذمہ داری کا کام اپنے سر پر لُوں۔ میں نے آپ کے اشعار پڑھے ہیں میری رائے میں آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں تو اچھا ہے

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۷، ستمبر ۱۹۱۲ء[1]) (انوارِ اقبال)

مولانا اسمٰعیل میرٹھی کے نام

سیالکوٹ ۲، نومبر ۱۹۱۲ء

مخدومی، قواعد اردو مرسلہ آنجناب مل گیا تھا مگر والدہ ماجدہ کی علالت کی وجہ سے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔ کئی روز سے سیالکوٹ

---

[1] اس خط کی تاریخ ۷، ستمبر ۱۹۱۲ء لفافے پر ڈاکخانے کی مہر سے ماخوذ ہے۔

میں مقیم ہوں اور ابھی ان کو کوئی افاقہ نہیں طبیعت نہایت متفکر اور پریشان ہے۔ خط و کتابت سے بھی معذور رہوں بلکہ ضروری مشاغل بھی بوجہ ان کی علالت چھٹ گئے ہیں۔

لاہور جاؤں گا تو آپ کے سوالات کا جواب لکھنے کی کوشش کروں گا مگر میں تو اردو زبان کا ماہر نہیں، اور بالخصوص گرامر سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے خیال میں آپ مولوی فتح محمد صاحب جالندھری سے خط و کتابت کریں جنھوں نے حال میں ایک کتاب اردو گرامر پر تصنیف کی ہے اور وہ کتاب اچھی ہے۔

آپ کا نیاز مند مخلص
محمدؐ اقبال از سیالکوٹ
۲/ نومبر ۱۹۱۲ء
(انوارِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۴/ دسمبر ۱۲ء

جنابِ گرامی السلام علیکم
فارسی ادب کی چند نہایت عمدہ نظم و نثر اخلاق و تاریخ وغیرہ

دکی) کتابوں کے نام تحریر[1] فرمائیے جو آپ کے نزدیک نہایت عمدہ ہیں۔
قدیم و حال کی تصانیف دونوں کے نام مطلوب ہیں۔
اس خط کو نہایت ضروری تصور کیجیے۔
آپ تو کبھی خط ہی نہیں لکھتے خدا جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ والسلام
جواب جلد دیں تاکید ہے۔

محمد اقبال لاہور
(مکاتیبِ اقبال)

خواجہ حسن نظامی کے نام[2]

مکرمی السلام علیکم
خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے ہندوستان کے پرانے بتکدے میں توحید کی مشعل روشن کی۔ مجھے یقین ہے کہ دل اس کی حرارت سے گرمائیں گے، اور آنکھیں اس کے نور سے منور ہوں گی میں بھی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ حاضر کروں گا۔

---

[1] بظاہر معاملہ کتب نصاب کی ترتیب کا تھا، خود اقبال کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ نیز انھیں نصابی کتابوں کے لیے بہ اعتبار درجات اخذ مطالب و انتخاب کا اندازہ بھی پورا تھا۔ گرامی سے کتابوں کے نام طلب کرنے کا ایک پہلو تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح فہرست زیادہ مکمل ہو جائے گی اور کوئی ضروری کتاب نظر انداز نہ ہونے پائے گی۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گرامی اقبال کے نزدیک فارسی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

[2] یہ خط اتالیقِ خطوط نویسی، مرتبہ خواجہ حسن نظامی میں اقبال کے دو خطوط کے درمیان ص ۷۰-۷۱ پر شائع ہوا ہے۔ پہلا خط ۲۴ جون ۱۹۱۲ء کا ص ۷۰ پر ہے اور دوسرا ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۷۱ پر ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ خط غالباً ۱۹۱۲ء میں لکھا گیا۔

مسلمانانِ ہندوستان کی بیداری کے پانچ اسباب جو آپ نے اس ہفتہ کے توحید میں ارقام فرمائے ہیں بالکل بجا ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اقبال جس نے اسلامی قومیت کی حقیقت کا راز اس وقت منکشف کیا۔ جب ہندوستان والے اس سے غافل تھے۔ اور جس کے اشعار کی تاریخ زمیندار، کامریڈ، بلقان، طرابلس اور نواب وقار الملک کی حق گوئی کی تاریخ سے پہلے کی ہے۔ کس کا خوشہ چین ہے؟ شاعروں کی بدنصیبی ہے کہ اُن کا کام برا بھلا جو کچھ بھی ہو غیر محسوس ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں آنکھیں مرئیات کی طرف قدرۃً زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

اس خط کا مقصد شکایت نہیں اور نہ یہ کہ اقبال کے کام کا اشتہار ہو۔ حسن نظامی کو خوب معلوم ہے کہ اس کا دوست اشتہار پسند مزاج لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ مگر یہ مقصد اس خط کا ضرور ہے کہ ایک واقفِ حال دوست کی غلط فہمی دور ہو۔ تاکہ اقبال کی وقعت اپنے دوست کی نگاہ میں محض اس خیال سے کم نہ ہو کہ اس نے مسلمانانِ ہند کی بیداری میں حصہ نہیں لیا۔

بکلامِ بیدل اگر رسی مگزر ز جادہ منصفی[1]
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

خاکسار اقبال
(اتالیق خطوط نویسی)

---

[1] کلام بیدل اگر تمہیں ملے تو انصاف کے راستے سے نہ ہٹنا۔ کیونکہ کوئی تم سے آفریں (واہ وا) کے سوا اور کچھ صلہ طلب نہیں کرتا۔

حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی
ضلع علی گڑھ کے نام

عالی جناب نواب صاحب قبلہ

السلام علیکم۔ آپ کی کتابیں اور خط کئی دنوں سے میری میز پر رکھا ہے۔ میں بوجہ علالت جواب نہ لکھ سکا۔ اس تاخیر کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ حالاتِ زمین یعنی جغرافیہ جو آپ نے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لیے تالیف فرمایا ہے نہایت عمدہ رسالہ ہے اور میری رائے ناقص میں ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ میں نے بار بار دیکھا ہے کہ مسلمان مستورات بوجہ جغرافیہ نہ جاننے کے اخبار اچھی طرح سمجھ نہیں سکتیں۔ آپ کا رسالہ اُن کے لیے از بس مفید ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اُن کو موجودہ دنیا کے واقعات سمجھنے میں سہولت ہوگی، اس رسالہ کے مطالعہ سے اُن کے دائرۂ نظر میں وسعت بھی پیدا ہوگی۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے جو اسلامیہ سکول اس وقت موجود ہیں یا جو آیندہ بنائے جائیں اُن میں اس جغرافیہ کی ترویج نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ اپنا بیش قیمت وقت ایسے ایسے رسائل کی تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے ہیں۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

۱۱/اپریل ۱۹۱۳ء

(اقبال نامہ)

خواجہ حسن نظامی کے نام

ڈیر خواجہ صاحب! السّلام علیکم

خواجہ نمبر[1] میں نواب علی صاحب پروفیسر بڑودہ کالج کا مضمون مجھے سب سے زیادہ پسند آیا کہ معنی خیز ہے اس سے دوسرے نمبر پر زلفِ خواجہ[2] کا اسیر اور "شہنشاہوں کی پیشانیاں اجمیری چوکھٹ[3] پر"۔ مؤخرالذکر مضمون کچھ نتیجہ خیز نہیں ہے۔

نظموں میں گرامی صاحب کی غزل سب سے اعلیٰ، اس کے بعد شفق صاحب کا ترانہ یا یوں کہیے کہ فارسی نظموں میں گرامی صاحب کی غزل اوّل نمبر ا در اردو[4] نظموں میں شفق کا ترانہ۔

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

---

[1] ہفت روزہ "توحید" میرٹھ نے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی یاد میں ایک مخصوص نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ خواجہ حسن نظامی نے اعلان کیا کہ "خواجہ نمبر" میں شائع ہونے والی بہترین نظم، غزل اور مضمون پر تمغوں کی صورت میں اوّل، دوم اور سوم انعامات دیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالحلیم شرر، اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کو منصف مقرر کیا گیا۔ "خواجہ نمبر" ۸ جون ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد منصفین نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل مکتوب ۲۴ جولائی کے "توحید" میں شائع ہوا۔ (بحوالہ اوراقِ گم گشتہ ص ۱۲۔ ۱۳) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ جون یا جولائی ۱۹۱۳ء میں لکھا گیا۔

[2] از: احسن الدین خاموش سب پوسٹ ماسٹر کھارچی راجپوتانہ۔

[3] از۔ مولانا سید احمد مارہروی

[4] از مولانا سید حسن مرتضیٰ شفق عماد پوری۔ ولادت ۱۸۸۶ء وفات ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء

خطوطِ اقبال

اوراقِ گم گشتہ

ویگیناسٹ کے نام

لاہور

۳۰ جولائی ۱۹۱۲ء

ڈیر مس ویگے ناسٹ[1]

مجھے آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے انتہا صدمہ ہوا ہے۔ اور اگرچہ میرا خط اس افسوس ناک سانحے کے بہت دنوں بعد آپ تک پہنچے گا تاہم اس اندوہناک نقصان میں آپ کے ساتھ مجھے جو ہمدردی ہے۔ اس کی شدت کو نہ وقت کم کر سکتا ہے، نہ فاصلہ۔ اس خبر سے مجھے حقیقتاً بے حد دکھ ہوا ہے، اور میں خدا تعالٰی سے دعا کرتا ہوں کہ اس بزرگ اور قابلِ احترام ہستی پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[2]، یہ وہ آیت مقدسہ ہے، جو ہم کسی کی وفات کی خبر سن کر پڑھتے ہیں۔ اور آپ کا غم اندوز خط پڑھ کر میں نے یہ آیت بار بار دہرائی۔ ایسے سانحات ہر شخص کی زندگی میں ضرور رونما ہوتے ہیں۔ اور یہ لازم ہے کہ ہم اپنے مصائب کا مقابلہ اسی پامردی سے کریں، جیسا کہ ان لوگوں نے کیا جن کی زندگیاں ہمارے لیے شمعِ ہدایت ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ گوئٹے نے اپنے لمحۂ موت میں کیا کہا تھا: "مزید روشنی"، موت مزید روشنی کی طرف ایک نئی راہ وا کرتی ہے

---

[1] یہاں پہلی مرتبہ MISS لکھا ہے (یعنی DEAR MISS WEGENAST)

[2] اقبال نے یہ آیت انگریزی ترجمے میں لکھی ہے
VERILY WE ARE FOR GOD AND TO GOD WE RETURN

اور ہمیں ان مقامات تک لے جاتی ہے، جہاں ہم ابدی حسن و صداقت کے روبرو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے وہ وقت بخوبی یاد ہے، جب میں نے گوئٹے کی شاعری آپ کے ساتھ پڑھی۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی وہ پُرمسرت ایام یاد ہوں گے، جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اب بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ یہاں تک کہ میں روحانی لحاظ سے آپ کا شریکِ غم ہوں۔

جب آپ کا خط لکھنے کو جی چاہے، تو براہِ کرم مجھے ضرور لکھیے کاش کہ میں جرمنی میں ہوتا، تاکہ اپنی ہمدردی میں ذاتی طور سے آپ تک پہنچا سکتا۔

فی امان اللہ
ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال ایڈووکیٹ
لاہور

(انگریزی سے)[1] (اقبال یورپ میں)

---

[1] غالباً اسی شدتِ جذبات کے اظہار کے لیے اقبال نے یہ خط انگریزی میں لکھا ہے۔ اور ایک دفعہ انگریزی شروع کی تو پھر بعد کے سارے خطوط اسی زبان میں تحریر کیے ہیں۔

(سعید اختر درانی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور یکم اکتوبر ۱۳ء

سرکارِ والا۔ تسلیم

میں ستمبر کا قریباً کل مہینہ لاہور سے باہر رہا۔ پہلے کانپور[1] کے

---

[1] انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں سڑک سیدھی کرتے ہوئے کانپور کی ایک مسجد کا کچھ حصہ مسمار کر دیا تھا۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے جن میں چند معصوم بچے بھی تھے۔ اُن کے متعلق حکومت کے کارندے عجیب عجیب توجیہیں پیش کرتے تھے۔ مولانا شبلی اور دوسرے حساس شاعروں نے اس موقع پر نہایت پُرجوش نظمیں لکھیں۔ مولانا کا یہ شعر تو آج تک لوگوں کے حافظے میں محفوظ ہے۔

عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
یہ بچے ہیں اِنھیں تو جلد سو جانے کی عادت ہے

حکومت نے اس آگ کو دبانے کے لیے بعض علما سے اپنے حق میں فتوے حاصل کیے کہ جو حصہ گرایا گیا ہے وہ وضو خانہ ہے۔ اسے مسجد کہنا غلط ہے۔ علما کے اس اختلاف پر بھی مولانا نے لطیف چوٹ کی۔

یہیں سے پھیرے کھو یا وہ تفریق و تحرمی تھی
یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا
وضو خانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

جب یہ فتنہ یوں بھی فرو نہ ہوا تو حکومت نے احتجاج کرنے والوں کو گرفتار کر کے ان پر طرح طرح کے مقدمات قائم کر دیے۔ اقبال اس سلسلے میں کانپور گئے تھے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

مقدمے کے لیے گیا، وہاں سے دہلی آیا اور حاذق الملک صاحب کے ہاں بغرض علاج مقیم رہا۔ الہ آباد بھی گیا، وہاں دو روز مولانا اکبر کی خدمت رہا۔ آپ کا ذکر خیر آتا رہا۔ لاہور آکر ابھی دم ہی لیا تھا کہ ایک مقدمے کیلیے فیروز پور جانا پڑا۔ غرض کہ یہ تمام دن سفر میں گذرے اور اس وجہ سے آپ کی خدمت میں عریضۂ نیاز نہ لکھ سکا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے لاہور میں ہوں اور شکر ہے کہ ہر طرح سے خیریت ہے۔

مہاراجہ بہادر الور کی طرزِ گفتار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنی ملازمت میں لینے کے خواہش مند ہیں مگر پرائیویٹ سیکرٹری کی جگہ کی تنخواہ اتنی تھی کہ میں اُسے قبول نہ کر سکتا تھا اس کے علاوہ غالباً ان پر زور ڈالا گیا کہ اس جگہ کے لیے کسی ہندو کی تقرّری مناسب ہے اور شاید یہ درست بھی ہو۔ یہ وجہ تھی میرے الور نہ جانے کی۔

راقم الدّولہ ظہیر مرحوم کو آپ خوب جانتے ہیں۔ دہلی میں اُن کا نواسہ مجھ سے ملا تھا اور کہتا تھا کہ مہاراجہ بہادر نے از راہِ مرحمت کریمانہ ظہیر مرحوم[1] کے سوانح اور قصائد کے طبع و اشاعت کے لیے دو سو روپے کی رقم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شرفا پروری کا اجر عظیم ارزانی فرمائے ظہیر مرحوم کے سوانح دلچسپ ہیں۔ خصوصاً غدر کے ایام کے واقعات جو انہوں نے لکھے ہیں، تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ عبرتناک ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اُن کے قصائد کا دیوان بھی نہایت عمدہ ہے۔ میں نے ان کے نواسے کو ہدایت کی ہے کہ وہ سوانح عمری ظہیر خواجہ حسن نظامی کے

---

[1] راقم الدولہ ظہیر دہلوی کے نواسے اشتیاق حسین دہلوی آخری رسالے میں ہمدرد دواخانہ سے متعلق رہے۔ ظہیر دہلوی کی کتاب "داستانِ غدر" طبع ہو چکی ہے۔ تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ کیجیے۔

سپرد کریں تاکہ خواجہ صاحب موصوف اسے کانٹ چھانٹ کرا شاعت کے لئے تیار کریں۔ ان کے نواسے کی یہ خواہش ہے کہ رقمِ معہودہ مبلغ دو صد روپیہ آپ براہِ راست خواجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ کیونکہ اب اس کتاب کی اشاعت کے لیے وہی ذمہ دار ہیں۔ مجھ سے اُس نے کہا کہ میں بھی جناب کی خدمت میں سفارش کروں کہ وہ رقم خواجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کریں۔ سو از راہِ کرم خواجہ نظامی صاحب کی خدمت میں وہ رقم ارسال فرمائیے غالباً ظہیر مرحوم کے نواسے اشتیاق حسین نے بھی آپ کی خدمت میں عریضۂ نیاز اِس مطلب کا تحریر کیا ہو گا۔

سنا ہے حیدر آباد میں پھر تغیرات ہونے والے ہیں۔ سالار جنگ بغرضِ تعلیم ولایت جاتے ہیں اور اُن کی جگہ مسٹر علی امام وزارت پر مامور ہوں گے۔ کیا اِس خبر میں صداقت ہے؟

میں نے پہلے عریضے میں ایک شعر آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ اُس زمین میں دو شعر اور ہو گئے عرض کر رہا ہوں

گم گشتۂ کنعاں ہے اے خوگرِ زنداں تو — بستی کے خیاباں میں ہر پھول زلیخا ہے

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی — تو ہستیِ بینا ہے، دانا ہے' توانا ہے

ؔ اس خط سے پہلے اقبال نے جو خط مہاراجہ کی خدمت میں لکھا تھا۔ افسوس کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اُس میں کون سا شعر درج تھا البتہ ان دو شعروں میں سے آخری شعر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ "بانگِ درا" کی نظم "انسان" میں موجود ہے اور اب اُس کی صورت یہ ہے۔

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستان کی
تو ہستی دانا ہے، بینا ہے توانا ہے

پہلا شعر ترک کر دیا گیا ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

مرزا جلال الدین صاحب[1] آداب عرض کرتے ہیں۔ بچوں کو میری طرف سے پیار۔
سرکار کی عزت افزائی کی خبر سے دل شاد ہوا۔ اللھم زِد فزد[2]
خادم دیرینہ محمد اقبال لاہور

عکس (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۶ اکتوبر ۱۳ء

سرکار والا مہاراجہ۔ تسلیم۔
آپ کا نوازش نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے۔ لیکن میں بوجہ عارضۂ دردِ گردہ ایک ہفتہ تک صاحب فراش رہا۔ دو تین روز سے افاقہ ہوا ہے۔ خدا نے فضل کیا، مرض جاتا رہا میں باقی رہ گیا۔
دونوں اشعار خوب ہیں۔ واللہ قبائے وزارت کے پیچھے شاعری درویشی سپہ گری اور خدا جانے کیا کیا کمالات آپ نے چھپائے رکھے

---

[1] مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا لاہور اقبال کے عزیز دوست تھے۔
[2] یا اللہ اور زیادہ کر۔ اور بڑھا۔

اللّٰہم زد فزد۔

جو عنایت آپ اقبال کے حال پر فرماتے ہیں اُس کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو۔ دوست پروری اور غریب نوازی آپ کے گھرانے کا خاصہ ہے۔ کیوں نہ ہو جس درخت کی شاخ ہو اس کے سایے سے ہندوستان بھر مستفیض ہو چکا ہے۔ الور کی ملازمت نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی۔ سات آٹھ سو روپے ماہوار تو لاہور میں بھی مل جاتے ہیں اگرچہ میری ذاتی ضروریات کے لیے تو اس قدر رقم کافی بلکہ اس سے زیادہ ہے تاہم چونکہ میرے ذمّے اوروں کی ضروریات کا پورا کرنا بھی ہے اس واسطے اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے گھر بھر کا خرچ میرے ذمّہ ہے بڑے بھائی جان جنہوں نے اپنی ملازمت کا اندوختہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا اب پنشن پا گئے۔ اُن کے اور اُن کی اولاد کے اخراجات بھی میرے ذمّے ہیں اور ہونے بھی چاہیئے۔ خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں۔ تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد کی۔ ضرورت نہ تھی مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ اقبال نے گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے حیرتناک ثابت قدمی کے ساتھ تین سال تک اس کے لیے طرح طرح کے مصائب اٹھائے ہوں، اُسے اپنی بیوی نہ بنائے۔ کاش! دوسری بیوی کرنے سے پیشتر یہ حال معلوم ہوتا۔ غرض کہ مختصر طور پر یہ حالات ہیں جو مجھے بسا اوقات مزید دوڑ دھوپ کرنے پر مائل کر دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں رہنا میرے لیے باعثِ افتخار ہے۔ آہ! اس وقت ہندوستان میں ہنر کا قدردان سوائے آپ کے کون ہے؟ میں تو بسا اوقات قحطِ خریدار سے تنگ آجاتا ہوں۔

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

میں تو اپنا سامان یعنی قماش ہائے دلِ صد پارہ ایسے وقت بازار میں لے کر آیا جب سوداگروں کا قافلہ رخصت ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ آپ کی جانب سے "بوئے کسے" آتی ہے متاعِ گراں مایہ اپنے دامن میں چھپائے رکھتا ہوں۔ حالات مساعد پاؤں تو دنیا کو دکھاؤں اور اگر حالات مساعد نہ ملے تو اقبال کو خیالاتِ ناگفتہ کا ایک متحرک مزار سمجھ لیجئے گا (۱)

آپ کی فیاضی کہ زمان و مکان کی قیود سے آشنا نہیں ہے مجھ کو ہر شئے سے مستغنی کر سکتی ہے۔ مگر یہ بات مروّت اور دیانت سے دور ہے کہ اقبال آپ سے ایک بیش قرار تنخواہ پائے اور اس کے عوض میں کوئی ایسی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اس مشاہرے کے ہو۔ خدا کو منظور ہوا تو کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ اقبال جو ہمیشہ سے معنوی طور پر آپ کے ساتھ رہا ہے صوری طور پر بھی آپ کے ہمراہ ہو گا۔ آپ نے جس وسعتِ قلب سے

لہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار اقبال نے قیامِ انگلستان کے زمانے (۵-۱۹۰۸ء) کی ایک غزل میں یوں کیا تھا

زمانہ دیکھے گا، جب مرے دل سے محشر اُٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا

(بانگِ درا)

لاہور ۲۶ اکتوبر [illegible]

سرکار والاتبار ۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے لیکن میں بوجہ عارضہ درد گردہ ایک ہفتہ تک صاحب فراش رہا ۔ دو تین روز سے افاقہ ہوا ہے خدا نے فضل کیا مرض جاتا رہا ضعف باقی رہ گیا

دیوان اشعار خوب ہیں واللہ تعالیٰ وزارت کے نیچے شاعری درویشی سپہگری اور خدا جانے کیا کیا کمالات آپ نے چھپا رکھے ہیں اللہم زد فزد ۔

جو عنایات آپ اقبال کے حال پر فرماتے ہیں اس کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو ، دوست پروری اور غریب نوازی آپ کے گھرانے کا خاصہ ہے کیوں نہ ہو جس درخت کی شاخ ہو اس کے سائے سے ہندوستان بھر مستفیض ہو رہا ہے ،

اور کی ملازمت کرنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی
سات آٹھ سو روپیہ ماہوار تو لاہور ہی میں مل جاتا ہے۔ اگرچہ میری
ذاتی ضروریات کے لئے تو اس قدر رقم کافی بلکہ اس سے زیادہ ہے
تاہم چونکہ میرے ذمہ اوروں کی ضروریات کا پورا کرنا بھی ہے
اس واسطے اوپر اور روپیہ پیدا کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی
ہے۔ مگر بھائی کا خرچ تو ذمہ ہی نہیں رہا۔ بھائی صاحب جنہوں نے
اپنی ملازمت کا زیادہ حصہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا اب پنشن پا گئے
ہیں اور ان کی اولاد کے اخراجات میرے ذمہ ہی ادا ہوتے
جاتے ہیں۔ خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں
تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد کی۔ ضرورت نہ تھی
مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ اقبال نے
گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے محبت پاک کی ثابت قدمی کے ساتھ تین سال
تک اس کے لئے طرح طرح کی مصائب اٹھائے ہوں، آج اپنی بیوی بنانے
کا شرف دوسری بیوی کرنے سے پیشتر یہ حال معلوم ہوتا۔ غرض کہ مختصر

طور پر یہ حالت ہے کہ مجھ کو اوقات مزید دور و دھوپ کرنے پر
مائل کر دیتی ہے۔ آپ کی صورت میں یہ امر کے لئے باعث افتخار ہے
آہ! اس وقت ہندوستان میں ہنر کا قدر دان سوائے آپ کے کون ہے؟
میں تو بس اوقات تجھ سا خریدار سے تنگ آتا ہوں

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

میں تو اپنا سامان لیے تھا تنہا ہے دل صد پارہ ایسے وقت بازار میں لے کر
آیا جب سوداگروں کا قافلہ رخصت ہو چکا تھا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ آپ کو
سلامت رکھے جو آپ جیسا ہے "یوسف کے لیے" آئی ہے
متاع گرانمایہ اپنے دامن میں چھپائے رکھتا ہوں۔ حالات مساعد پاؤں
تو دنیا کو دکھاؤں اور اگر حالات مساعد نہ ملے تو اقبال کو
خیالات نا گفتہ کا ایک متحرک مزار سمجھ لیجئے گا۔
آپ کی فیاضی کو زمان و مکان کی قیود سے آشنا نہیں ہے مجھ کو ہر کسی
سے مستغنی کر سکتی ہے مگر یہ بات مروت اور دیانت سے دور ہے

کہ اقبال آپ سے ایک پنشن وار تنخواہ پاتا ہے اور اس کے عوض میں
کوئی ایسی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اس مشاہرے کے ہو
خدا کو منظور ہوا تو کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی
کہ اقبال جو آج تک معنوی طور پر آپ کے ساتھ رہا ہے صوری طور
پر بھی آپ کے ہمراہ ہوگا ۔ آپ نے جس وقت قلب سے اقبال
کو یاد فرمایا وہ وقت تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے
اور بندہ اقبال جسکو آپ از راہ کرم گستری لفظ دوست سے معزز فرماتے
ہیں ہمارے سپاس گزار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ
مہاراجہ بہادر کے دلی مقاصد بر لائے اور ان کے اعدا کو ذلیل و خوار
کرے ۔ آمین

[illegible] محمد اقبال

کہ سرکار نے اپنا اردو دیوان مرتب کر لیا ہے اسے ضرور شائع
ہونا چاہئے ۔

اقبال کو یاد فرمایا (۱) مروت کی تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے اور بندہ اقبال جس کو آپ از راہ کرم گستری لفظ دوست سے مفتخر فرماتے ہیں نہایت سپاس گذار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاراجہ بہادر کے دلی مقاصد بر لائے اور اُن کے اعدا کو ذلیل و خوار کرے ۔ آمین ۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال

کیا سرکار نے اپنا اُردو دیوان مرتب کر لیا؟ اسے ضرور شائع ہونا چاہیئے۔

(اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۰ دسمبر ۱۳ء

سرکار والا تسلیم

سرکار کا والا نامہ جس پر دستخطِ گرامی ثبت نہ تھے، چند روز ہوئے موصول ہوا ۔ ساتھ ایک خط جناب کے کسی اہل کار کا تھا جس سے نہایت وحشت ناک خبر موصول ہوئی یعنی یہ کہ راجہ عثمان پرشاد سرکار کو داغِ فرقت دے گئے ۔ کیا کہوں کس قدر تکلیف روحانی اِس خبر کو سن کر ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ اس بچّے کو جنّت نصیب کرے اور اس کے پیار کرنے والوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے ۔ آپ کی نگاہ نظامِ عالم کی حقیقت پر ہے اور آپ کا قلب ان تمام کیفیات

ؔ مہاراجہ نے اقبال کو فکرِ معاش سے بے نیاز کرنے کی خاطر مستقل وظیفے کی پیشکش کی تھی ، مگر یہ شاہین زیرِ دام نہ آیا ۔ یہ خط اسی پیشکش کے جواب میں ہے (محمد عبداللہ قریشی)

سے لذّت اندوز ہو چکا ہے جس کو رضا و تسلیم کہتے ہیں۔ پھر میں کیسے تلقین صبر کروں زندگی اور موت ایک عجیب راز ہے خصوصاً بچوں کی موت تو ایک ایسا سربستہ راز ہے کہ اس کا انکشاف حضرت انسان سے ممکن نہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مرحوم بچے کی والدہ کو صبر جمیل و اطمینان قلب عطا کرے اور نعم البدل ارزانی فرمائے مایوس نہ ہو جائیے

"اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے"

جب مصیبت اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور انسان کے کیرکٹر کو اچھی طرح پرکھ چکتی ہے تو رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے۔ سو وہ وقت دور نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم آپ کے شامل حال ہو میں خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ صرف دردِ گُردہ کا دورہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے، جس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ کاش میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا اور آپ کے دکھ درد میں شریک ہو سکتا۔ والسلام

آپ کا نیاز مند قدیم محمد اقبال لاہور

عکس (اقبال بنام شاد)

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور
۲۷ر دسمبر ۱۹۱۳ء

خواجہ صاحب مکرّم، اجمیر سے کوئی خط نہیں لکھا۔ اس بارے میں

شاید آپ کی ہدایت پر عمل نہ ہو "زلفِ خواجہ کا اسیر"[1] دامِ اقبال میں کیوں کر آ سکتا ہے۔ شیخ احسان الحق[2] سے درخواست کیجیے کہ وہ اقبال کا اشتہار نہ دیں میں اُن کا اور آپ کا ممنون ہوں گا، اگر آپ مجھے اس زحمت سے بچائیں گے آخر شاعری کی وجہ سے میں مشاہیر میں شامل ہوں گا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصوّر نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صفِ شعرا میں میں بیٹھوں اور کوئی وجہ شہرت نہیں ہے۔

دُردانہ بے چاری موتیوں کا ہار دے سکتی ہے۔ مگر گردن دینے کی وہ بساط نہیں رکھتی۔

بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ "دردانہ" دے سکتی ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو گردن کہاں باقی رہ جائے گی وہ تو دردانہ کی ایک جزو ہے۔

والسّلام

محمد اقبال از لاہور

(اقبال نامہ)

اور

(انا لینی خطوط نویسی)

---

[1] توحید (میرٹھ) کے خواجہ نمبر میں جس کا حوالہ پہلے آچکا ہے اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا، اقبال نے اسی کو بطور کنایہ استعمال کیا ہے۔

[2] شیخ احسان الحق، خان بہادر شیخ عبدالکریم لال کرتی میرٹھ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے خواجہ حسن نظامی کے دوست تھے اور اخبار توحید انہیں کی شرکت سے نکلا تھا۔

مہاراجہ کرشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۳ جنوری ۱۴ء

سرکار والا آداب عرض۔

جناب کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ نوحہ (۱) پڑھ کر قلب سخت متاثر ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو سکونِ قلب نصیب کرے اور آلام و افکار سے نجات دے ماشاء اللہ آپ کی تصانیف تو بہت سی ہوں گی جو شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے ناموں کی ایک فہرست ارسال فرمائیے۔ سر تھیوڈور ماریسن ممبر کونسل سیکریٹری آف اسٹیٹ کی درخواست ہے کہ میں ایک مضمون اردو لٹریچر کی تاریخ پر لکھوں۔ یہ مضمون کیمبرج ماڈرن ہسٹری آف انڈیا کا جو لکھی جا رہی ہے ایک باب ہوگا۔ سر تھیوڈور نے مجھے بڑے اصرار سے لکھا ہے اور میں بہ سبب اُن کی عنایات کے انکار نہیں کر سکتا۔ بنگالی لٹریچر پر مسٹر رابندر ناتھ ٹیگور لکھیں گے

میں اس مضمون میں آپ کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یقین فرمائیے یہ "یار دوستی" نہیں بلکہ عین انصاف ہے کہ جو کچھ آپ نے اس میدان کیا ہے، اس کا اعتراف کیا جائے۔ اور زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور جس چیز کے لیے نوحے میں آپ نے دعا فرمائی ہے وہ عطا کرے۔ چند روز تک نوحہ ارسالِ خدمت کروں گا۔

ہاں ایک اور بات یاد آئی۔ میرے بڑے بھائی شیخ عطا محمد جو ۳۲ سال ملازمت کے بعد حال میں پنشن یاب ہوئے ہیں۔ فنِ تعمیر (انجینئرنگ) میں کمال رکھتے ہیں۔

---

[1] یہ نوحہ مہاراجہ نے اپنے فرزند راجہ عثمان پرشاد کی دائمی مفارقت پر لکھا تھا اور اقبال کے پاس نظر ثانی کے لیے بھیجا تھا

انھوں نے چیف انجینیر صاحب حیدر آباد اور میر کرامت اللہ خاں صاحب سپرنٹنڈنگ انجینئر کی خدمت میں درخواستِ ملازمت بھیجی ہے۔ میں نے ان کی فرمایش پر ہر قسم کی سعی کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر اس بارے میں آپ اپنا اثر ان کے لیے استعمال کریں تو میں نہایت ممنون و مشکور ہوں گا۔ مسٹر حیدری کو بھی میں نے ایک عریضہ اسی غرض سے لکھا ہے۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ پھر ان شاء اللہ حاضر ہوں گا۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

سردار احمد خاں کے نام[1]

لاہور

۱۰ فروری ۱۹۱۴ء

ڈیر میر صاحب[2]

اگر آپ کے دوست مارچ میں انگلستان روانہ ہونا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ سکریٹری مسنا ورتی کمیٹی سے ذاتی طور پر خط کتابت کریں۔ انھیں کمیٹی کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور وہاں اُن کے داخلے کا انحصار کمیٹی ہی کی سفارشات پر ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی درخواست بھیج دیں اور درخواست کے ہمراہ دو ایسے معزز افراد کی تصدیقی اسناد بھی جو انھیں (آپ کے دوست کو) ایک سال سے زائد مدّت سے جانتے ہوں اور تصدیق کریں کہ ان کا چال چلن بہت اعلیٰ ہے۔

جب یہ درخواست کمیٹی کے سامنے پیش ہوگی تو میں اس کا خیال رکھوں گا۔

میں نے ابھی سکریٹری صاحب کو خط لکھا ہے کہ اگر ان کے پاس قواعد وضوابط کی کچھ

---

[1] ان کے بارے میں یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ البتہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا یہ خیال ہے کہ 'میر صاحب' سے مراد میر سردار احمد خاں ہیں جو ڈیرہ اسماعیل خاں کے رہنے والے تھے۔ ان کی تصویر جدّوجہد آزادی کے البم (بہ عنوان STRUGGLE FOR INDEPENDENCE) میں شامل ہے یہ البم ادارہ "قومی تعمیر نو" (B N R) نے شائع کیا تھا۔ (صحیفہ۔ اقبال نمبر ۳ ۱۹۷۳ء جلد اوّل۔ ص۔ ۱۹۰) رحیم بخش شاہین نے مکتوب الیہ کا نام سردار احمد خاں پی سی۔ ایس۔ لکھا ہے (اوراقِ گم گشتہ ص ۱۶۱)۔ پی۔ سی۔ ایس کا مطلب غالباً PROVINCIAL CIVIL SERVICE ہے

[2] اوراق پیارے میاں صاحب، اوراقِ گم گشتہ میں اس خط کا ترجمہ چھپا ہے جس کا مفہوم یہی ہے الفاظ کچھ مختلف ہیں

کاپیاں ہوں تو ایک کاپی آپ کو بھیج دیں۔

آپ کا
محمد اقبال

پس نوشت
سفر کے کوائف وغیرہ کے سلسلے میں میری معلومات بہت پرانی ہو چکی ہیں۔
محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوطِ اقبال)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور
۲۱ر فروری ۱۹۱۴ء

ڈیر عبدالعزیز
مجھے آپ کی علالت کا حال جان کر بہت رنج ہوا اور امید ہے کہ اب آپ تندرست ہوں گے۔ میں نے ڈاکٹر عظیم الدین سے کہا تھا کہ آپ کی کتاب کے بارے میں آپ کو لکھیں کچھ دن پہلے میں نے اُن سے گفتگو کی اور شاید اسی دن آپ مجھ سے ملے۔ ڈاکٹر عظیم الدین کو شرمندگی ہے کہ اُن کی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔
مجھے ہوشیار پور کے (زنانہ) جوتوں کی ایک جوڑی چاہیئے۔ اگر خوب صورت مل جائے تو براہ کرم لکھیے کہ اُس کی قیمت کیا ہوگی؟

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۔ مارچ ۱۴ء

سرکارِ والا تبار تسلیم۔

شاد کا نقش اقبال کے دل سے محو ہو یہ کیوں کر ممکن ہے۔ ایام میں ایک وصف دیرینہ سازی کا ہے یعنی زمانہ ابتدا و انتہا کی قیود سے آزاد ہے اشیا کو اپنے ہاتھ کے لمس سے پرانا کر دیتا ہے بحمد اللہ کہ "دل" اس اثر سے متاثر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پھر شاد کی یاد ہمیشہ تازہ کیوں نہ رہے اگرچہ خدا کے فضل و کرم سے ایسا بے نیاز دل رکھتا ہوں کہ خود اللہ میاں بھی اس پر رشک کریں مگر کبھی کبھی یہ دل بھی افکار دنیا سے عاجز آ ہی جاتا ہے اور علائق کی زنجیروں کی جھنکار بیرونی اشیا کی طرف سے اسے عارضی طور پر غافل کر دیتی ہے کیا عرض کروں عرفی کا ایک مصرع میرے دل اور مجھ ایسے تمام دلوں کی کیفیت کا آئینہ ہے

ع در ماتم از شکنجۂ طبعِ سلیمِ خویش[۱]

آنکھ نادیدنی نظارے دیکھتی ہے۔ طبعِ سلیم ان کی بھونڈگی سے گھبراتی ہے لیکن ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں کہ ان نظاروں سے اپنے آپ کو اور اہلِ دنیا کو نجات دے سکے۔ سچ فرمایا مولانا اکبر نے

"بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے"

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ آج آپ کا خط آیا تو مسرت کے ساتھ ندامت کا پیغام بھی لایا۔ ہاتھوں میں عمل کی قوت پیدا ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ چند سطور ہیں۔ سنا تھا کہ آپ لاہور تشریف لاتے ہیں۔ اپنے دوست نواب ذوالفقار علی خاں کے محل میں آپ کو ٹھہرانے کا فیصلہ بھی ان کے مشورے سے کر چکا تھا۔ مگر جب

---

[۱] عرفی کا مصرع ہے، پورا شعر ۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء کے خط میں گزر چکا ہے

ارا کینِ کھتری کانفرنس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تشریف نہ لاویں گے ع
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ[1]

گزشتہ ایّام میں جب آپ لاہور تشریف لائے تھے تو میرے وردِ زبان غالب مرحوم کا یہ شعر رہا کرتا تھا

تھی خبر گرم ان کے آنے کی — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس دفعہ توقع تھی کہ کچھ نہ کچھ ارمان نکلیں گے۔ مگر آسمان شعرا کا پرانا دشمن ہے اس کا کیا علاج۔ خیر آپ تشریف نہ لائے تو عشاق کی پرانی رسم یعنی "بخون وخاک غلطیدن" تو ادا ہو جائے گی[2] اور یہ تسلی مزید کہ پنجاب میں آپ کی یاد اقبال کے دل تک ہی محدود نہیں بلکہ سیکڑوں دل اس یاد سے سرمایہ اندوز ہیں۔ یہیں صاحب، ہمارے عشق میں رشک کو دخل نہیں ہم رقیبوں سے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔ اقبال آپ سے دور ہو یا نزدیک خط لکھے یا نہ لکھے، مگر اس کا دل آپ کی یاد سے ہمیشہ لبریز ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فراغِ خاطر اور اطمینانِ قلب نصیب کرے۔ میسر تو یہ چیزیں آسمان والوں کو بھی نہیں

---

[1] کسی قدیم شاعر کا قطعہ ہے جس کا حوالہ حضرت نظام الدینؒ کے ملفوظات میں بھی ملتا ہے

گر بمانیم زندہ بردوزیم — دامنے کز فراق چاک شدہ
ور نمانیم عذرِ ما بپذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یعنی اگر زندہ رہے تو فراق سے چاک ہوا دامن سی لیں گے، اور نہ رہے تو ہماری معذرت قبول کر لو کتنی ہی آرزوئیں ایسی ہیں جو مٹی میں مل گئیں۔

[2] یہ فارسی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔

خوش رسمے بخاک وخون غلتیدن — ساکردند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ شعر مرزا مظہر جان جاناںؒ (ف ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) کا ہے۔
خدا ان پاک طینت عاشقوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے کہ انھوں نے خاک و خون میں لوٹنے کی اچھی رسم ایجاد کر دی ہے۔

مگر دعا نہ کرنا سوءِ ادب میں داخل ہے

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا تھا وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا (۱)

آج کل شعر و شاعری کا شغل بھی کم ہے۔ "بھائی گدھا" یعنی پیٹ دم بھر کے لیے مہلت نہیں دیتا۔ "لاؤ چارا لاؤ چارا"، خدا اسے غارت کرے۔ مولانا اکبر کا خط کل آیا تھا، خیریت سے ہیں اُن کا دم بھی غنیمت ہے۔ خدا انھیں خوش رکھے۔ میں نے ان کے رنگ میں چند اشعار لکھے تھے مگر وہ بات کہاں دو شعر عرض کرتا ہوں:

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے اُن سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے" (۲)

فارسی مثنوی کے اشعار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔ اس مثنوی کو میں اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں۔ میں مرجاؤں گا یہ زندہ رہنے والی چیز ہے۔ ہنود کو مخاطب کر کے چند اشعار لکھے ہیں، عرض کرتا ہوں۔

تا شدی آوارۂ صحرا و دشت — فکرِ بے باکِ تو از گردوں گذشت
اے نگاہت طائفِ چرخِ بلند — اندکے عہدِ وفا با خاک بند

۱؎ بانگِ درا، ص ۱۴۶
۲؎ بانگِ درا، ص ۳۲۶
۳؎ (ترجمہ) جب تو دشت و صحرا میں آوارہ ہوا اور تیرا فکر بے باک آسمان سے بھی گزر گیا۔
۴؎ اے وہ کہ تیری نگاہِ بلند آسمان کا طواف کرتی ہے کچھ زمین سے بھی اپنا رشتہ جوڑ۔

با زمیں در ساز اے گردوں نورد   در تلاشِ گوہرِ انجم مگرد
مُرد چوں شمعِ خودی اندر وجود   از خیالِ آسماں پیما چہ سود
من نگویم از بتان بیزار شو   کافری، شایستۂ زنّار شو
گر ز جمعیّت حیاتِ ملّت است   کفر ہم سرمایۂ جمعیت است
تو کہ ہم در کافری کامل نہ ای   در خورِ طوفِ حریمِ دل نہ ای
ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور   تو ز آزر من ز ابراہیم دور
قیس ما سودائیٔ محمل نہ شد   در جنونِ عاشقی کامل نہ شد
وائے بر قیسے کہ سودائے نجست   سر بصحرا داد و لیلائے نجست
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن   پشت پا بر مسلکِ آبا مزن

(ترجمہ)

۱؎ اے آسمان کی سیر کرنے والے زمین کی سوچ اور ستاروں کے موتی کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو۔
۲؎ جب تیرے وجود میں خودی کی شمع بجھ گئی تو آسمانوں کو ناپنے والے خیالات کا کیا فائدہ ؟
۳؎ میں نہیں کہتا کہ تو بتوں سے بیزار ہو جا۔ کافر بھی ہے تو شایستۂ زنار بن
۴؎ اگر اتحاد سے ملّت کی زندگی ہے تو کفر بھی سرمایۂ اتحاد ہو سکتا ہے۔
۵؎ تو کہ کافری میں بھی کامل نہیں ہے۔ اپنے حریم دل کا طواف کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔
۶؎ ہم تسلیم کے راستے سے دور جا پڑے ہیں، تو آزر سے دور ہے، میں ابراہیم سے دور ہوں۔
۷؎ ہمارا قیس محمل کا سودائی نہ بنا اور جنونِ عاشقی میں کامل نہ ہوا،
۸؎ افسوس ہے اس مجنوں پر جس نے سودائے محبت کی تلاش نہ کی صحرا میں بھٹکتا رہا اور لیلیٰ کو نہ ڈھونڈا۔
۹؎ اے قدیم تہذیب کے امین ! اپنے آبا کے ورثہ پر ٹھوکر نہ لگا۔

از گِلِ خود آدمے تعمیر کن
بہرِ آدم عالمے تعمیر کن (۱)

اس کے بعد گنگا اور ہمالہ کی آپس میں گفتگو ہے۔ جو ہنوز ناتمام ہے پھر عرض کروں گا۔
بہت سا وقت آپ کا ضائع کیا' معاف فرمائیے۔

آپ کا مخلص نیازمند محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

(ترجمہ)
اپنی خاکستر سے انسان کی تعمیر کر اور اس آدم کے لیے ایک جہان کو پیدا کر۔

(۱) یہ اشعار مثنوی ' اسرار خودی' کے سب سے پہلے ایڈیشن میں صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ پر شائع ہوئے تھے۔ موجودہ اڈیشن میں صفحہ ۶۶ - ۶۷ پر ملیں گے۔ ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں " اے نگاہت " کی جگہ "گفت شیخ" کر کے یوں ترمیم کی گئی ہے:

گفت شیخ اے طائفِ چرخِ بلند
اندکے عہدِ وفا با خاک بند

ترجمہ (شیخ نے کہا اے بلند آسمانوں کا طواف کرنے والے
ذرا مٹی سے بھی اپنا عہد وفا استوار کر)

دسواں شعر قلم زد کردیا گیا ہے' لیکن بارھواں شعر "شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰ" میں استعمال کیا گیا ہے۔ (اسرارِ خودی' طبع اول' ص ۱۱۔ موجودہ اڈیشن' ص ۴۵)۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۲ ر اپریل ۱۴ء

سرکارِ والا۔ تسلیم۔

والا نامہ مل گیا ہے، جس کو پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ سیرِ پنجاب خوب لکھی ہے۔ مگر ہم تو آپ کی سیرِ پنجاب کے متعلق یہی کہتے ہیں

دلبرے بود کہ مارا بکمار آمد و رفت[1]

ہاں روحانی قوت اگر کچھ ہے تو آپ کے لیے حاضر ہے اقبال کو دریغ نہیں۔ باقی رہے نکات سو میں گزشتہ نیاز نامے میں عمداً خاموش رہا۔ عمل کے طریق موجود ہیں اور ذہن میں بھی آچکے ہیں۔ مگر خط و کتابت سے نکات حل نہیں ہو سکتے۔ کاش آپ امسال پنجاب آتے تو اس معاملے پر زبانی گفتگو ہوتی۔ میں بغیر آپ کی تحریک کے ایک عرصے سے اس فکر میں ہوں اور ہر خدمت کے لیے حاضر۔ میں خود حاضر ہوتا مگر دکان داری ہے اور حیدرآباد کا سفر دراز۔ چار روز کی غیر حاضری کا بھی اثر ہوتا ہے۔ کیا کروں؟ ارادے بلند رکھتا ہوں مگر تکمیل کے اسباب مفقود ہیں۔ جو عمل میرے ذہن میں ہے وہ سفر کا مقتضی ہے اور علاوہ اِس کے صبر و استقلال کا۔ ہندوستان کی آب و ہوا اس کے ناموافق ہے، آیندہ جو ارشاد ہو۔

مرزا جلال الدین ہر وقت آپ کو یاد کرتے ہیں اور نہایت ادب سے سلام پہنچانے کو کہتے ہیں۔ وہ آپ کو خود مفصل خط لکھیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مخلص اقبال

(اقبال بنام شاد)

(عکس)

---

[1] ذکرِ اقبال، ص ۱۸۵۔ ۱۸۶، ملفوظاتِ اقبال، ص ۸۳۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

سرکار والا تبار،

نووارد(۱) کی عمر میں برکت!

ایک دور افتادہ مبارکباد عرض کرتا ہے۔ تاریخی نام

عالم پناہ مہاراجہ عالمگیر پرشاد

۱۳۳۴ھ

ماشاء اللہ خوب غزل لکھی ہے۔

اقبال

لاہور۶ جون ۱۴ء

(اقبال بنام شاد)

۱؎ مہاراجہ نے اپنے فرزند کی ولادت کی خبر دے کر تاریخی نام کی فرمایش کی تھی، یہ خط اسی کی تعمیل ہے۔

ویگناسٹ کے نام

لاہور، ۷ جون ۱۹۱۴ء

عزیزہ مس[1] فرائیلائین، ویگے ناسٹ

کچھ عرصہ ہوا مجھے آپ کا خط ملا تھا۔ جسے پاکر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ بد قسمتی سے علالت کی وجہ سے میں اس سے پہلے، اس کے جواب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں آپ کی خوب صورت جرمن زبان میں خط نہیں لکھ سکتا ہوں! جو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب میں بالکل بھول چکا ہوں۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے جرمن احباب کے خطوط پڑھ سکتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں۔ چند روز ہوئے میں ہائنے[2] کا مطالعہ کر رہا تھا، اور مجھے وہ پُرمسرت دن یاد آگئے جب ہائیڈل برگ میں محترمہ پروفیسر صاحبہ کے یہاں ہم دونوں اس کو ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ وہ کیا اچھی بزرگ خاتون تھیں! امید ہے کہ وہ بخیریت ہوں گی۔ اگر ان سے کہیں ملاقات ہو تو میرا سلام ان تک پہنچا دیجئے گا۔

مجھے یہ جاننے کا بڑا اشتیاق ہے کہ آپ ان دنوں کیا کر رہی ہیں اور آپ کے کیا ارادے ہیں (اگر کچھ ہیں تو)۔ ہو سکتا ہے کہ میں اگلے سال یورپ آؤں لیکن یہ سب حالات پر منحصر ہے[3]

---

[1] اگرچہ یہ اور اس کے بعد کے سب خطوط انگریزی میں ہیں، تاہم اقبال نے عموماً طرزِ تخاطب جرمن زبان ہی کا برقرار رکھا ہے یعنی MY DEAR FRL WEGENAST فرائیلائین جرمن زبان میں "مِس" یا "آنسہ" کے لیے مستعمل ہے۔

[2] HEINE (۱۷۹۷ - ۱۸۵۶ء) جرمن شاعر جو اپنی غنائیہ اور طربیہ شاعری کے لیے مشہور ہے۔

[3] اس خط کے چند مہینوں بعد ہی (یعنی آغاز اگست ۱۹۱۴ء میں) جنگِ عظیم چھڑ گئی اور نہ صرف علامہ اقبال کے منصوبے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکے بلکہ ان کی خط و کتابت مس ویگے ناسٹ کے ساتھ پانچ سال کے لیے منقطع ہو گئی

یقینی طور پر ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔ اگر میں واقعی یورپ آیا، تو یقیناً اُس دیارِ قدیم جرمنی کا بھی پھر سفر کروں گا، اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائل برون HEILBRONN میں ملاقات کو آؤں گا، جہاں سے ہم دونوں ایک ساتھ اس عظیم فن کار گوئٹے کے مزارِ مقدس کی زیارت کو جائیں گے۔

اگرچہ آپ کے بھائی اور بہنوں سے ملاقات کا کبھی شرف حاصل نہ ہوا تاہم میرا سلام ان سے ضرور کہئے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال یورپ میں) (انگریزی سے)

اعجاز احمد کے نام

لاہور ۲۴، جون ۱۴ء

عزیز از جان اعجاز طال عمرہٗ

تمھارا نتیجہ کل نکلا تھا مگر مجھے علم نہ تھا کہ نتیجہ نکل گیا ہے۔ آج پتہ چلا تو میں یونیورسٹی گیا اور تمھارا نام کامیاب طلبار میں دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ گھر آیا کہ تم کو تار دوں مگر میز پر تمھارا کارڈ پڑا پایا۔ الحمد للہ تم نے پہلی منزل طے کر لی۔ تمھارے نمبر ۲۰۴ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئے ہو۔ ایف اے کے لیے اس سے زیادہ محنت و توجّہ کی ضرورت ہوگی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تمھیں ہمیشہ اسی طرح کامیاب کرتا رہے۔ ایف اے کورس کی فہرست بنا کر مجھے ارسال کرنا ممکن ہے بعض کتابیں گھر میں موجود ہوں۔ ان کے خریدنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ میری رائے میں

یہ بہتر ہے کہ تم ابھی دو سال اور سیالکوٹ میں رہو اور وہاں کے سکاچ مشن کالج میں داخل ہو جاؤ اور نیز یہ بھی لکھو کہ کون کون سے مضمون امتحان ایف اے کے لیے لینا چاہتے ہو۔ یہ یاد رکھو کہ تم اب کالج میں داخل ہوا چاہتے ہو تمھارا بچپن کا زمانہ گزر گیا ہے کالج کے لڑکے جنٹل مین سمجھے جاتے ہیں نہ لڑکے۔ یہ مرحلہ ایف اے کا مشکل ہے شروع سے ہی توجہ اور بلاناغہ کام کرنا چاہیے۔ تین گھنٹے ہر روز پڑھائی کافی ہے بشرطیکہ باقاعدہ ہو۔ ایف اے میں کم از کم تم کو سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہونا چاہیے۔ بی اے کے واسطے تم کو گورنمنٹ کالج میں داخل کر دیا جائے گا۔ اپنے ابا سے میرا سلام کہنا اور ان کو میری طرف سے بہت بہت مبارکباد دینا۔ علیٰ ہذا القیاس والد مکرم اور والدہ کی خدمت میں بھی مبارکباد کہنا۔

والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۳ر جولائی ۱۴ء

جناب مولانا گرامی آپ کہاں ہیں؟ حیدرآباد میں ہیں یا عدم آباد میں؟ اگر عدم آباد میں ہیں تو مجھے مطلع کیجیے کہ میں آپ کو تعزیت نامہ لکھوں۔ صدیاں گزر گئیں کہیں آپ کا کلام دیکھنے میں نہیں آیا۔ کبھی کبھی چند اشعار بھیج دیا کرو تو کون سی بڑی بات ہے۔ میں تو اب بوجہ مشاغل منصبہ کے تارک الشعر ہوں۔ ہاں کبھی فرصت ملتی ہے تو فارسی اساتذہ کے اشعار پڑھ کر مزا اٹھا لیتا ہوں میری شاعری گھٹ کر اب اسی قدر رہ گئی ہے کہ اوروں کے

اشعار پڑھ لوں گزشتہ سال ایک مثنوی[1] فارسی لکھنی شروع کی تھی۔ ہنوز ختم نہیں ہوئی۔ اور اس کے اختتام کی امید بھی نہیں۔ خیالات کے اعتبار سے مشرقی اور مغربی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہے لیکن آپ سے ملاقات ہو تو آپ کو اس کے اشعار سناؤں۔ مجھے یقین ہے آپ اسے سن کر خوش ہوں گے۔ کہیے ادھر آنے کا کب تک قصد ہے؟ میں ایک عرصہ سے آپ کا منتظر ہوں۔ خدا را جلد آیئے سب سے بڑا کام تو یہ ہے کہ آ کر میری مثنوی سنیے اور اس میں مشورہ دیجیے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے

امید ہے کہ بابا گرامی اچھا ہوگا اور نئے نکاح[2] کی فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاتا ہوگا۔

گھر میں میری طرف سے سلام کہہ دیجیے۔

خط کا جواب جلد لکھیے اور نیز یہ کہ اپنے اشعار بھی بھیجیے۔ میری مراد تازہ افکار سے ہے۔

آپ کا خادم محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور

۱۶ر جولائی ۱۴ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا۔ السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا جس کو پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی حضرت! میں آپ کو

---

[1] یہ مثنوی "اسرارِ خودی" کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اقبال بیگم سے گرامی کے بچّہ کوئی نہ ہوا۔ بعض دوستوں اور عزیزوں کے اصرار پر ایک مرتبہ اولاد ہی کی خاطر دوسری شادی کرلی تھی۔ اقبال ہی نے گرامی کو اس مخمصے سے نجات دلائی تھی۔ یہاں اقبال نے مزاحاً کہا کہ اب غالباً گرامی نئے نکاح کی فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاتا ہوگا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

اپنا پیر و مرشد تصوّر کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میری مذمّت کرے جس کا مقصد آپ کی مدح سرائی ہو تو مجھے اس کا مطلق رنج نہیں بلکہ خوشی ہے۔ جب آپ سے ملاقات اور خط و کتابت نہ تھی اس وقت بھی میری ارادت و عقیدت ایسی ہی تھی جیسی اب ہے اور ان شاء اللہ جب تک زندہ ہوں ایسی ہی رہے گی۔ اگر ساری دنیا متفق اللسان ہو کر یہ کہے کہ اقبال پوچ گو ہے تو مجھے اِس کا مطلق اثر نہ ہوگا کیوں کہ شاعری سے میرا مقصد بقول آپ کے حصولِ دولت و جاہ نہیں محض اظہارِ عقیدت ہے۔

عام لوگ شاعرانہ انداز سے بے خبر ہوتے ہیں اُن کو کیا معلوم کہ کسی شاعر کی داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اگر داد دینے والا شاعر ہو تو جس کو داد دینا مقصود ہو، اُس کے رنگ میں شعر لکھے۔ یا بالفاظِ دیگر اُس کا تتبّع کر کے اُس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔ میں نے بھی اس خیال سے چند اشعار آپ کے رنگ میں لکھے ہیں، مگر عوام کے رجحان اور بدمذاقی نے اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیا اور میرے اِس فعل سے عجیب و غریب نتائج پیدا کر لیے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ عطا کرے۔ نقاد کو جو خط آپ نے لکھا ہے میں اُسے شوق سے پڑھوں گا۔ اگر وہ شائع ہو جائے تو رسالہ کی کاپی بھیج دیجیے گا۔ میرے پاس نقاد نہیں آتا۔

سبحان اللہ "غم بڑا مدرکِ حقائق ہے" زندگی کا سارا فلسفہ اِس ذرا سے مصرع میں مخفی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور میں اب کے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ ابر روز آتا ہے مگر لاہور کی چار دیواری کے اندر اُسے برسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگست کے ابتدا میں چند روز کے لیے شملہ جانے کا قصد ہے کچہری تین اگست سے بند ہو جائے گی۔

والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۸؍ اگست ۱۴ء

سرکار والا تبار دام ظلکم

ایک عرصے کے بعد حضور کی خیریت اُس تار سے معلوم ہوئی جو عید کے موقع پر از راہِ کمالِ مرحمت اس خاکسار کے نام لکھا گیا تھا۔

میں اگست کا زیادہ حصہ شملہ میں مقیم رہا۔ وہاں سے عید کی خاطر سیالکوٹ میں آیا اور آپ کا تار لاہور سے واپس ہو کر مجھے سیالکوٹ ہی میں ملا اس سے پیشتر ایک عریضہ میں نے ارسالِ خدمت کیا تھا، معلوم نہیں سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ خدا کے فضل و کرم سے میں بہمہ نوع خیریت سے ہوں اور آپ کے لیے دست بدعا ہوں۔

مفصل خط لکھنے کی فرصت ہو تو ارقام فرمائیے تاکہ اطمینان ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

یورپ میں ایک خوفناک جنگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور کیا عجب کہ یہ وہی جنگ ہو جس کا ذکر پرانی کتبِ مقدسہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو امن نصیب کرے اور اہلِ دنیا کو توفیق نصیب کرے کہ وہ مادیات سے مغلوب ہو کر روحانیت سے غافل نہ ہو جائیں۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمد اقبال
لاہور

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ مع رسالہ ترکِ عثمانیہ ابھی ملا جس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ چند

روز ہوئے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ تک نہ پہنچا۔ بلکہ اس عریضے سے پیشتر بھی ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا جب میں نے اخباروں میں آپ کے جدِ بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی تھی۔

الحمد للہ آپ کا مزاج بخیر ہے۔ اقبال ہر حالت میں خواہ مصروف ہو خواہ فارغ، ہو آپ کا دعاگو ہے۔ اگست شملہ میں کٹا۔ وہاں والدۂ مکرمہ کی ناگہانی علالت کی خبر گئی تو واپس ہوا۔ الحمد للہ کہ اب ان کو افاقہ ہے۔ مگر ان کو آرام ہوا تو بیویاں یکے بعد دیگرے بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ پرسوں سے ان کو بھی آرام ہوا۔ اب مع الخیر سیالکوٹ سے لاہور آیا ہوں۔ کل ایک مقدمے میں پٹیالہ جاتا ہوں۔ وہاں سے حضرت امیر خسروؒ[1] کے عرس پر دہلی بھی جاؤں گا اور وہاں سے[2] چند دنوں کے لیے گوالیار جاؤں گا، کیوں کہ مہاراجہ بہادر اقبال کی قدر دانی پر مائل ہیں۔ اُن کا خیال یہی ہے کہ اس قدر دانی... کا عملی ثبوت دیں۔

رسالہ ترکِ عثمانیہ نظر سے گزرا۔ نہایت اچھا رسالہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو آخر کس کی سرپرستی میں نکلے گا وہ جس کی ہنرپروری سارے ہندوستان پر روشن ہے اور جس کا مذاقِ سخن و سخن گوئی علمی دنیا میں تسلیم کی جا چکی ہے۔ اس رسالے کی اٹھان اچھی ہے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ بہت ترقی کرے گا۔ مگر حجم زیادہ ہونا چاہیئے اور یہ کوشش ہو کہ حیدر آباد کے علمی حلقوں میں اس رسالے کی وساطت سے جدید مذاق پیدا ہو اور نئی پود کے ہونہار لکھنے والے وہاں کی پبلک سے اور علی العموم ہندوستان کی پبلک سے روشناس ہو جائیں۔ پالیٹکس سے اسے مطلق سروکار نہ ہو۔ محض ادبی رسالہ ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جی رہا ہوں۔ دو شعر حاضر ہیں۔ مولانا اکبر کا رنگ ہے

"دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
شیشۂ دیں کے عوض جام و سبو لیتا ہے

---

[1] یہ خط ۱۵ر شوال ۱۳۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، اقبال ۱۶ر شوال کو پٹیالہ پہنچے ہوں گے، ۱۷ر شوال کو دہلی میں حضرت امیر خسرو کے عرس میں شرکت کی ہوگی (برنی)

[2] عکسی خط پر روشنائی گری ہونے کی وجہ سے کئی الفاظ صاف نہیں پڑھے گئے۔ (مؤلف)

ہے مداوائے جنوں نشترِ تعلیمِ جدید
میرا سرجن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے[1]"
مخلص محمد اقبال بیرسٹر
۵ ستمبر ۱۴ء

(عکس) اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۴ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

آپ کا والا نامہ مع مسودہ اردو و انگریزی ابھی موصول ہوا۔ مہاراجہ بہادر تو واقعی یورپ کی تیاریوں میں مصروف ہیں لیکن اگر سردار گورنام صاحب سے آپ کا تعارف نہیں ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی طرف سے میرا یہ خط لے جانا غیر موزوں اور بعید از مصلحت ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں جن کا مفصل ذکر اس خط میں کرنا مناسب نہیں ہے۔ علاوہ اور باتوں کے یہ طریق آپ کی شان و عظمت کے خلاف ہے۔ موجودہ حالات میں انسب و اولیٰ یہی ہے کہ آپ اپنا مضمون شائع کر دیں اور شائع شدہ مضمون کی چند کاپیاں سردار گورنام سنگھ صاحب و لالہ چمن لال صاحب جوڈیشل سیکرٹری ریاست اور مہاراجہ بہادر کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ علاوہ اس کے عام طور پر اخبارات میں بھی اس مضمون کی اشاعت ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس سے سکھ پبلک اور امرائے ریاست پٹیالہ کو آپ کے خیالات کا علم ہو جائے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ جورِ گلچیں اٹھا رہا ہوں اس واسطے کہ قدرت نے مجھے رنگ و بو سے ممتاز کیا ہے

---

[1] بانگِ درا

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی بلبل
مذاق جور گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے[1]

اللہ اکبر[2] کئی دن سے نظر نہیں آئے مرزا صاحب[3] بخیر ہیں اور آداب عرض کرتے ہیں

آپ کا مخلص محمد اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۴ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ میری روحانی قوت کی بھی آپ نے خوب کہی۔ جو شخص امارت میں درویشی کر سکتا ہے وہی روحانی قوت کا حقیقی سزاوار ہے اور اس اعتبار سے روحانی قوت کا سرچشمہ آپ ہیں نہ میں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو لاہور کھینچوں۔ حیدری صاحب مجھے حیدرآباد کھینچتے ہیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ سفر کروں مگر عدالت دو ماہ کے بعد کھلی ہے۔ کام کا نقصان اور خرچ سفر مزید۔ اس قدر بار کا میں متحمل نہیں ہو سکتا ورنہ بجائے اس کے کہ میں آپ کو لاہور میں کھینچوں میں خود حیدرآباد کھنچ آتا۔ باقی رہے آپ تو آپ کے متعلق کئی صدیاں ہوئیں بابا سعدی فرما گئے ہیں۔ ع

---

[1] بانگ درا

[2] یہ غالباً کوئی مجذوب ہیں جنھیں اقبال نے "اللہ اکبر" لکھا ہے۔

[3] مرزا جلال الدین مراد ہیں

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت[۵]

آپ لاہور میں تشریف لائے مگر لاہور سے آشنا نہ ہوئے۔ کئی حالات و خیالات اس آشنائی کے مانع رہے۔ طلائی زنجیروں کا کیا ہے اسیرانِ ازلی تو ان کے ساتھ بھی پا بجولاں رہتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو بر لائے۔ ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ وہاں کیا کمی ہے۔ اس کی یاد شرط ہے۔ مگر گھبرائیے نہیں۔ "وقت" کی نسبت امام شافعی لکھتے ہیں تلوار ہے[۶]

والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال بیرسٹر، لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

---

۵ پورا شعر اس طرح ہے:

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

(یعنی اہل دولت پہاڑ، جنگل، بیاباں کہیں بھی پردیسی نہیں ہوتے جہاں جاتے ہیں خیمہ گاڑ کر اپنی بارگاہ بنا لیتے ہیں۔)

عبدالرحیم خان خاناں کا لقب منعم خاں تھا۔ ایک بار وہ آگرہ سے برہان پور جا رہا تھا۔ راستے میں خیمہ لگا کر بیٹھا اور دربار کیا تو ایک فقیر اُدھر سے یہ شعر گاتا ہوا گزرا، اس میں موقع و محل کی رعایت کے علاوہ یہ خوبی بھی تھی کہ منعم اُس کا نام بھی آ گیا ہے۔ خان خاناں نے اسی وقت فقیر کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اسے کوئی بڑا انعام (شاید ایک ہزار روپے) دیا۔ دوسرے دن شام کو اس نے پھر کہیں دربار لگایا تو فقیر پھر یہ شعر گاتا ہوا گزرا۔ خان خاناں نے پھر اُسے انعام دیا۔ تیسری بار فقیر نے سوچا کہ اہل دولت کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے اب کی جاؤں گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دیا ہے وہ بھی چھن جائے اس لیے وہ نہیں آیا خان خاناں اس رات کو دیر تک دربار لگائے بیٹھا رہا۔ آخر مایوس ہو کر اٹھا اور کہنے لگا کہ "فقیر کم ظرف تھا۔ خدا جانے اپنے دل میں کیا سوچا ہوگا جو آج نہیں آیا، ہم نے تو اس کے لیے برہان پور تک کا انتظام کر رکھا تھا۔"

(مزید تفصیل "دربار اکبری" میں ملے گی)

۶ عربی مقولہ: اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

سیالکوٹ ۱۱ر نومبر ۱۴ء

سرکارِ والا۔ تسلیم۔

سرکار کا برقی پیام مبارک باد عید اور اس کے بعد منظوم عید کارڈ دونوں چیزیں مل گئی تھیں۔ مگر امسال میرے لیے عید محرّم کا حکم رکھتی تھی۔ والدہ مکرمہ چھ سات ماہ سے بیمار تھیں، ۹ر نومبر کی صبح کو اُن کا انتقال ہو گیا(۱) ان کی علالت کی پریشانی اور بے اطمینانی کی وجہ سے اس سے پیشتر آپ کی خدمت میں خط نہ لکھ سکا۔ کئی دنوں سے سیالکوٹ میں مقیم ہوں۔ آج اُن کا سوم ہے۔ کل یا پرسوں لاہور واپس جاؤں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں پریشان ہوں اور بس دعا کیجیے۔ والسلام

آپ کا اقبال زیادہ ہو۔

---

(۱) اقبال نے 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' جو پُرسوز نظم لکھی تھی وہ 'بانگ درا' میں موجود ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا تھا جو مرحومہ کے لوحِ مزار پر ثبت ہے۔

مادرِ مخدومۂ اقبال رفت   سوئے جنت زیں جہانِ بے ثبات
گفت اکبر بادلِ پُر دردِ و غم   رحلتِ مخدومہ تاریخِ وفات

۱۳۳۲ھ

یعنی اقبال کی مادر مخدومہ اس بے ثبات دنیا سے جنت کی طرف انتقال کر گئیں تو اکبر نے درد و غم سے بھرے ہوئے دل سے تاریخ کا مادّہ " رحلتِ مخدومہ " برآمد کیا۔

سائیں رب کو آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ "لا تقنطوا"[1] فرماتے تھے۔

محمد اقبال

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۳ر نومبر ۱۴ء

سرکارِ والا۔ تسلیم۔

آپ کا تسلی نامہ ابھی ملا جس کے لیے میں آپ کا نہایت سپاس گزار ہوں۔

آہ! انسان اپنی کمزوری کو چھپانے میں کس قدر طاق ہے۔ بے بسی کا نام صبر رکھتا ہے اور پھر اس صبر کو اپنی ہمت اور استقلال کی طرف منسوب کرتا ہے مگر اس حادثے نے میرے دل و دماغ میں ایک شدید تغیّر پیدا کر دیا ہے۔ میرے لیے دنیا کے معاملات میں دلچسپی لینا اور دنیا میں بڑھنے کی خواہش کرنا صرف مرحومہ کے دم سے وابستہ تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ "موت کا انتظار ہے دنیا" موت سب انسانوں تک پہنچتی ہے اور کبھی کبھی انسان بھی موت تک جا پہنچتا ہے۔ میرے قلب کی موجودہ کیفیت یہ ہے کہ وہ تو مجھ تک پہنچتی نہیں کسی طرح میں اس تک پہنچ جاؤں۔ کیا خوب کہا ہے کسی استاد نے

---

[1] لا تقنطوا (مایوس نہ ہو) قرآن کی آیت ۳۹/۵۳ کی طرف اشارہ ہے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اے پیغمبر کہہ دیجیے: اے میرے بندو جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

ہلاکِ شیشۂ در خوں نشستۂ خویشم
کہ آخرین نفسش عذر خواہیٔ سنگ است[1]

آپ کو بھی گزشتہ ایام میں اسی قسم کے صدمات کا سامنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔

گزشتہ چھ ماہ سے دل کی حالت نہایت بے اطمینانی کی ہے۔ کوئی شعر نہیں لکھ سکا ورنہ ضرور آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ ہاں فارسی مثنوی ختم ہو گئی ہے۔ مطمئن ہو جاؤں تو اس کے چھپوانے کی فکر کروں۔ آپ کی دونوں نظمیں ماشاء اللہ نہایت اچھی ہیں۔ ان کو ضرور شائع کیجیے۔ یہاں کے اخبار نیر پنجاب نے آپ کی پریم بچیسی پر ایک لیڈر لکھا تھا۔ امید ہے کہ ملاحظے سے گزرا ہوگا۔

خواجہ سلیم اللہ کی آمد مبارک ہو۔ لَا تَقْنَطُوا کہنے والے اپنے مواعید کے سچے ہیں۔ یقین ہے کہ آپ کے ساتھ بھی وعدہ پورا کریں گے۔ نظر فرمائیے کہ دنیا میں حالات و واقعات کتنی جلدی بدل رہے ہیں۔ اس زمانے کے دس سال گزشتہ زمانے کی ایک صدی کے برابر ہیں۔ گویا عصرِ حاضر کی رفتار عصرِ قدیم سے دس گنا بڑھ گئی ہے۔

راکبش را می شناسد پختہ کار
تیز تر گردد سمندِ روزگار[2]

پنجاب کی سیر کا قصد ہو تو اس کے لیے موسمِ سرما ہی مناسب و موزوں ہے۔ پچھلے سال آپ موسمِ گرما میں تشریف لائے تھے۔ وہ موسم موزوں نہ تھا۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعا کے۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

---

[1] اس شعر کا ترجمہ ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ء کے خط میں آچکا ہے

[2] تجربہ کار (آدمی) اس کے سوار کو پہچانتا ہے، زمانے کا گھوڑا اور تیز دوڑتا جاتا ہے

لاہور ۲۳ نومبر ۱۴ء

سردار ... تسلیم۔

آپ کا نسخہ ابھی ملا جس کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں

[illegible]

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۵ر دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا۔ تسلیم۔

چند روز ہوئے عریضہ لکھ چکا ہوں مگر جواب نہیں ملا۔ خدا کرے مزاج بخیر ہوں۔ اپنی خیریت اور دیگر حالات سے آگاہ فرمائیے۔

اقبال دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرّم رکھے اور مقاصد میں کامیاب فرمائیے۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۷ر دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا۔ خط لکھ چکنے کے بعد آپ کا خط مل گیا تھا۔ اس واسطے نئی اردو کی اصطلاح میں حرفِ شکایت واپس لیتا ہوں۔ آج آپ کا دوسرا خط ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ مولانا اکبر کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ خواجہ نظامی سیرِ دکن میں مصروف ہیں۔ اورنگ آباد سے خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی۔

انقلابِ وزارت کی خبر بھی اخباروں میں پڑھی تھی۔

لاہور ۱۴ دسمبر ۲۶ء

سردار والا - تسلیم

چند روز ہوئے عریضہ لکھ چکا ہوں مگر جواب

نہیں ملا - خدا کرے مزاج بخیر ہو -

اپنی خیریت اور دیگر حالات سے آگاہ فرمائیے

آجکل وقت بدعا سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے

اور مقاصد میں کامیاب فرمائے -

مخلص محمد اقبال لاہور

تغیرِ روز کا کچھ دید کے قابل نہ تھا نرگس!
بتا پھر کس کے نظارے کو تو نے آنکھ کھولی ہے؟ (۱)

بہر حال اگر تغیر قابلِ دید بھی ہو تو امیر مرحوم کا اصول عمل کے قابل ہے

"دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منھ سے کچھ نہ بول
آنکھ آیئنے کی پیدا کر دہن تصویر کا"

خادمِ مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۱۷ر دسمبر ۱۴ء

مخدومی! السّلام علیکم
کل خط لکھ چکا ہوں۔ مگر آپ کے اس شعر کی داد دینا بھول گیا

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے، عقل، عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

سبحان اللہ! کس قدر باریک اور گہرا شعر ہے۔ ہیگل جس کو جرمنی والے افلاطون سے بڑا فلسفی تصوّر کرتے ہیں اور تخیّل کے اعتبار سے حقیقت میں ہے بھی افلاطون سے بڑا۔ اس کا تمام فلسفہ اسی اُصول پر مبنی ہے۔ آپ نے ہیگل کے سمندر کو ایک قطرہ میں بند کر دیا

---

(۱) یہ شعر اقبال کی اس غزل کا ہے جس کا مطلع یہ ہے

لڑکپن کے ہیں دن، صورت کسی کی بھولی بھولی ہے
زباں میٹھی ہے، لب ہنستے ہیں، پیاری پیاری بولی ہے

مگر یہ انھوں نے اپنے کلام میں شامل نہیں کی۔ پوری غزل "باقیاتِ اقبال" میں دیکھی جا سکتی ہے، (ص ۲۰۴۔ ۲۰۶)

(عبداللہ قریشی)

بہر حال اگر آپ کی طبیعت میں دیر ہی ہو تو آتش مرحوم کا اصول حیات قابل ہے

"دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا"

خادم مخلص محمد اقبال لاہور

یا یوں کہیے کہ ہیگل کا سمندر اس قطرے کی تفسیر ہے۔

ہیگل لکھتا ہے کہ اصولِ تناقض ہستیٔ محدود کی زندگی کا راز ہے اور ہستیٔ مطلق کی زندگی میں تمام قسم کے تناقض جو ہستیٔ محدود کا خاصہ ہیں، گداختہ ہو کر آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔

کیمبرج کی تاریخ ہندوستان کے لیے جو مضمون اُردو لٹریچر پر مجھے لکھنا ہے، اُس میں اس شعر کا ضرور ذکر کروں گا۔ اسی رنگ کے فلسفیانہ اشعار اور بھی لکھیے کہ خود بھی لذّت اٹھاؤں اور اوروں کو بھی اس لذّت میں شریک کروں۔ آج مہاراجہ کشن پرشاد کا خط آیا تھا۔ معلوم ہوا کہ خواجہ نظامی حیدر آباد سے اورنگ آباد چلے گئے، خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی۔ میں بھی وہاں گیا تھا اور عالمگیر علیہ الرحمتہ کے مزارِ پاک پر حاضر ہوا تھا۔ میرے بڑے بھائی بھی ساتھ تھے۔ کہنے لگے، میں قنات کے اندر نہ جاؤں گا (مزار کے گرد قنات تھی) کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۸ دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا تسلیم، آپ کا نوازش نامہ عین اُس وقت ملا جب کہ میں سیالکوٹ سے لاہور کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ والدۂ مرحومہ کا چہلم تھا جو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ ابھی لاہور پہنچا ہوں نظم ست بچن نہایت عمدہ ہے مگر مجھے اس کی اشاعت میں صرف اس وجہ سے تامّل ہے کہ اس خیال کی اشاعت آپ کی طرف سے کئی دفعہ ہو چکی ہے نظم میں بھی اور نثر میں بھی۔ اعادہ بسا اوقات ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا ممکن ہے

کہ تکرار کو کسی اور وجہ پر محمول کرے۔ لیکن اگر اشاعت مطلوب ہو تو اس میں "خوشخطی عنصر" ہے اُسے نکال ڈالیے اور باقی اشعار پر نظر ثانی فرمالیجیے کیونکہ بعض جگہ کچھ الفاظ کھٹکتے ہیں۔

ہاں واقعی باوجود گردشِ "آسمان"[1] وہیں ہے۔ مگر مطمئن رہیے، "عثمان"[2] بھی وہیں ہے۔ پہلے عریضے میں حضرت امیر[3] مرحوم کا ایک شعر لکھ چکا ہوں نظر باز اس پر عمل پیرا ہوا کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ تزکِ عثمانیہ کے لیے کچھ نہیں لکھ سکا مگر قانونی مشاغل میں اشعار کے لیے کہاں سے وقت نکلے "دل اور دماغ" دونوں کام کرنا چاہتے ہیں مگر "پیٹ" کا حکم ہے کہ ہماری رضا کے بغیر ایک خیال یا ایک تاثر اپنے اندر داخل نہ ہونے دو۔ عجب کشمکش کی حالت ہے مگر شکایت نہیں کہ ہمارے مذہب میں شکایت کفر ہے۔ بہرحال ان تعطیلوں میں چند فارسی اشعار نظم ہو گئے تھے اگر پسند ہوں تو تزکِ عثمانیہ میں طبع فرمائیے (۴)۔ دوسرا صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں بجز اس کے کہ زندہ ہوں۔

آپ کا خادم محمدؐ اقبال، لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

۱؎ غالباً سر آسمان جاہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲؎ میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع نظام دکن

۳؎ امیر مینائی کا شعر ۱۰/۱۴ دسمبر ۱۹۱۴ء کے خط میں آیا ہے

(۴) یہی غزل حضرت علامہ نے ۲۸ جنوری ۱۹۱۵ء کو مولانا گرامی کی خدمت میں بھی بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ "میں نے یہ اشعار سرکشن پرشاد صاحب کو لکھے تھے کہ وہ رسالہ 'تزکِ عثمانیہ' میں انھیں شائع کرنا چاہتے تھے۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۹- خوشا کسی که حریمِ خود را ز شعله می افروخت
مثالِ لاله تمامی ز آتشی اندوخت

قدح بزن ز ساغرِ می چهره را گلستان کن
بیا ز خرقه فروشی بصوفیان آموخت

دلم طپید ز محرومیِ فقیهِ بزرگ
که پیرِ میکده جامی بمفتئی نفروخت

جدا جدا ز سرِ مستیم چه بیمِ ملال
تبارِ زهدیِ حافظ تمام شعله سوخت

مسیح شد سرود از نوای بی اثرم
ز برقِ نغمه توان حاصلِ سکندر سوخت

صبا به مولوی حافظ سلامِ ما برسان
که چشمِ نکته وران خاکِ آن دیار افروخت

خوش آں کہ رختِ خرد را ز شعلۂ می سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستان کن
بہار خرقہ فروشی بصوفیاں آموخت

دلم تپید ز محرومیٔ فقیہ بزرگ
کہ پیر میکدہ جامے بفتویٔ نفروخت

عجب مدار ز سرمستیم کہ پیرِ مغاں
قبائے رندیِ حافظ بقامتِ من دوخت

مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

لہ وہ اچھا ہے جس نے متاعِ عقل و خرد کو شراب کے شعلے سے جلا دیا اور آگ سے گلِ لالہ کی طرح اپنا سرو سامان پیدا کیا

ٹہ تو بھی شراب کے پیالے سے اپنے چہرے کو گلستاں بنا لے موسمِ بہار نے صوفیوں کو بھی خرقہ فروشی سکھا دی ہے۔

سلہ میرا دل اس بزرگ فقیہ کی محرومی پر ترس کھاتا ہے جس کے فتوی کی قیمت میں پیرِ میکدہ نے ایک جام بھی نہ دیا۔

سمہ میری بدمستی پر تعجب نہ کرو کہ پیرِ مغاں نے حافظِ شیراز کی قبائے رندی کو میرے بدن پر سجا دیا ہے

ھہ نغمہ کی قدر کو میری نوائے بے اثر سے مت جانچو، نغمہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کی برق سے سکندر کے عظیم ملک و متاع کو بھی پھونکا جا سکتا ہے۔

(بقیہ) یہ غزل 'پیامِ مشرق' میں بعض تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ مثلاً پہلے شعر کے مصرعِ اولیٰ میں " ز شعلۂ می سوخت " کی جگہ " بشعلۂ می سوخت " ہے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں " فقیہِ بزرگ " کی جگہ " فقیہِ حرم " ہے چوتھا شعر غزل سے خارج کر دیا گیا ہے۔ آخری شعر میں " مولدِ حافظ " کو " گلشن ویمر " بنا دیا گیا ہے۔
(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، صفحہ ۱۰۱ - ۱۰۲)

(محمد عبداللہ قریشی)

صبا بہ مولد حافظ سلام ما برساں
کہ چشمِ نکتہ وراں خاکِ آں دیار افروخت
(اقبال بنام شاد)

مولانا شوکت علی کے نام

۱۹۱۴ء میں اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ایم' اے' او کالج علی گڑھ
کے سالانہ اجلاس میں دعوتِ شمولیت کے جواب میں

بھائی شوکت[1]! اقبال عزلت نشین ہے اور اس طوفانِ بے تمیزی کے زمانہ میں گھر کی چار دیواری کو کشتیِ نوح سمجھتا ہے۔ دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ضرور ہے مگر محض اس وجہ سے کہ روٹی کمانے کی مجبوری ہے۔ تم مجھے علی گڑھ بلاتے ہو میں ایک عرصہ سے خدا گڑھ میں رہتا ہوں اور اس مقام کی سیر کئی عمروں میں ختم نہیں ہو سکتی۔ علی گڑھ والوں سے میرا سلام کہیئے۔ مجھے اُن سے غائبانہ محبت ہے۔ اور اس قدر کہ ملاقاتِ ظاہری سے اس میں کچھ اضافہ ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ یہ چند اشعار میری طرف سے ان کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔ والسلام

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدن آفریں خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

(ترجمہ) اے صبا حافظ کے وطن کو میرا سلام پہنچا دے کہ اس شہر کی خاک نے نکتہ وروں کی آنکھوں کو روشن کیا ہے۔

[1] اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا سالانہ جلسہ ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا۔ لہٰذا یہ خط بھی ۱۹۱۴ء ہی میں لکھا گیا ہوگا۔

سماں "الفقر فخری" کا رہا شانِ امارت میں[1]
"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را"
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی

---

[1] مصرع اولیٰ میں حدیث نبوی "الفقر فخری" (فقر میں مجھے فخر ہے) نظم ہوا ہے اور دوسرا مصرع حافظ کے اس شعر کا ہے:
زعشق ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت حسنِ زیبا را

(ترجمہ) ہمارے ناقص عشق سے، یار کا حسن بے نیاز ہے۔ حسین چہرے کو آب و رنگ
اور تل اور خط کی کیا ضرورت ہے؟

کلیاتِ مکاتیب اقبال۔۱

جو دیکھو اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا
غنیؔ روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را[1]

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور۔ ۱۸ر جنوری ۱۵ء

جناب بابائے گرامی سلّمٗ آپ کا خط ابھی ملا جس کو پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی اور غزل[2]
سُبحان اللہ آپ تو اِس وِلایت کے تاجدار ہیں۔
"ز دیدہ تا درِ دل ذرّہ ذرّہ" الخ

---

[1] یہ غنی کاشمیری کا شعر ہے
اے غنی پیر کنعاں (حضرت یعقوب پیغمبرؑ) کے روز سیاہ کو تو دیکھو
کہ ان کا نور چشم (حضرت یوسفؑ) زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر رہا ہے
(یعنی یعقوب ہجر میں ہیں اور زلیخا کو دیدار میسر ہے)

[2] گرامی کی اس غزل کی طرف اشارہ ہے جس کے دو شعر حسب ذیل ہیں۔

اسیر گوشۂ چشم تو شہسوار انند — شہید نیم نگاہ تو شہریار انند
ز دیدہ تا درِ دل ذرّہ ذرّہ غمازست — گمان مبر کہ دل و دیدہ رازدار انند

(دیوان گرامی صفحہ ۹۴)

(ترجمہ) تیرے گوشۂ چشم کے اسیر شہسوار ہیں اور تیری نیم نگاہ کے قتیل شہریار ہیں۔
آنکھوں سے دل کے دروازے تک ذرّہ ذرّہ چغلی کھانے والا ہے۔
یہ نہ سمجھ کہ دیدہ و دل ایک دوسرے کے رازدار ہیں۔

سبحان اللہ کیا بات پیدا کی ہے۔ حافظ کی روح گرامی کو دُعا دیتی ہوگی! تمام غزل مرصع ہے جزاک اللہ
مثنوی ختم ہو گئی ہے[1] آپ تشریف لائیں تو آپ کو دکھا کر اس کی اشاعت کا اہتمام کروں مگر فروری مارچ تو محض وعدۂ معشوقانہ معلوم ہوتا ہے گرامی سے حیدر آباد نہیں چھوٹ سکتا۔ کاش میں خود حیدر آباد پہنچ سکوں مگر یہ بات اپنے بس کی نہیں نہ یہاں کے حالات و مشاغل سفر کی اجازت دیتے ہیں نہ حیدر آباد کافی زور کے ساتھ کشش کرتا ہے آپ کی دُعائے نیم شبی کو بھی معلوم ہوتا ہے آسماں تک رسائی نہیں
حیدری صاحب خواہش مند ہیں کہ میں وہاں آؤں مگر اس کی خواہش کو دائرہ عمل میں لانے کے اسباب نہیں۔ میں خود قدرت کے ہاتھوں میں ایک بے حس ہستی کی طرح ہوں جدھر لے جائے گی چلا جاؤں گا سعی و کوشش میرے مذہب میں کفر نہیں تو گناہ ضرور ہے[2] بہر حال کچھ وہاں کے حالات لکھیے حیدری صاحب سے کبھی کبھی ضرور ملا کیجیے۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں اور ماسٹر غلام محی الدین صاحب[3] بھی نہایت ہوشیار اور اپنے فرائض کے ادا کرنے میں چست ہیں میرا ان سے سلام کہیے

---

[1] مثنوی "اسرار خودی" کی تکمیل کی اطلاع دے کر چاہتے تھے کہ اشاعت سے پیشتر کسی ماہر ادب فارسی کو سنالیں۔ ان میں سے اقبال کے سر دیک ایک گرامی تھے۔ علاوہ بریں خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی بھی بہت بلند پایہ فارسی شاعر و ادیب سمجھے جاتے تھے جیسا کہ بعد کے ایک خط میں فرمایا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[2] مطلق سعی و کوشش مراد نہیں، جس کے لیے پرتا ثیر دعوت اقبال کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین رہا۔ یہاں صرف حصول ملازمت کے لیے سعی و کوشش مراد ہے، جیسا کہ سیاقِ عبارت سے واضح ہے۔ اور اقبال کی فطرت و طبیعت کو اس سعی سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی

[3] ماسٹر غلام محی الدین صاحب غالباً گرامی کے کوئی ملنے والے تھے جو حیدر آباد میں ملازم تھے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہوں۔ فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ کہ دل کا بخار اردو میں نکال نہیں سکتا۔ چند اشعار عرض کرتا ہوں[۱]

(دوسرا صفحہ ملاحظہ کیجیے)

بسیار بادہ کہ گردوں بکام ما گردید — مثالِ غنچہ نوا ہا ز شاخسار دمید

خورم بیادِ تنک نوشی امامِ حرم — کہ جز بصحبتِ یارانِ رازدان نہ چشید

چناں ز نقشِ دوئی شست لوحِ خاطرِ خویش — کہ وحشی توہم از آہوے خیال رمید

فروں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت — چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید

۱؎ اقبال نے جو غزل گرامی کو ارسال کی وہ "پیامِ مشرق" میں شامل ہو چکی ہے۔ اس میں تیسرا شعر حذف کر کے مقطع سے پہلے اس شعر کا اضافہ کیا گیا ہے۔

عیارِ معرفتِ مشتری است جنسِ سخن — خوشم از اں کہ متاع مرا کسے نخرید

اور مقطع کا پہلا مصرع یوں تبدیل کیا گیا ہے۔

رشعرِ دلکشِ اقبال می تواں دریافت

(پیامِ مشرق) (محمد عبداللہ قریشی)

ترجمہ

میری جنس شاعری خریدار کو پہچاننے کی کسوٹی ہے

میری متاعِ سخن کسی نے نہ خریدی تو مجھے اس سے خوشی ہے۔

(ترجمہ) ۱۔ شراب لاؤ کہ آسماں کی گردش ہمارے موافق ہوگئی — غنچوں کی طرح شاخوں سے نغمے پھوٹنے لگے

۲۔ امامِ حرم کی تنک نوشی کو یاد کر کے پی رہا ہوں جس نے یاراں رازداں کی صحبت کے سوا کہیں اور نہیں پی

۳۔ اس نے نقشِ دوئی سے اپنی لوحِ خاطر کو ایسا دھو دیا کہ تیرا وحشی آہوئے خیال سے بھی رم کرنے لگا

۴۔ اس پختہ کار کا قبیلہ زیادہ ہو جس نے کہا تھا کہ امید کی کرن راہِ زندگی کا چراغ ہے

کلیاتِ مکاتیب اقبال۔ ۱

نواز حوصلۂ دوستاں بلند تر است | غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید
تو ہم ز آتشِ اقبال شعلۂ بر دار | کہ درسِ فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

محمد اقبال

اور کیا لکھوں خط کا جواب جلد لکھیے اور مفصل حالات سے آگاہ کیجیے اس غزل کو بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے۔

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

عکس

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۹ جنوری ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

دونوں والا نامے یکے بعد دیگرے موصول ہوتے۔ الحمدللہ کہ جنابِ والا بخیر و عافیت ہیں۔ "پریم پچیسی" کی کاپی جو جناب نے ارسال فرمائی تھی اب میز پر نہیں ملتی۔ بعد از تلاش یہ عریضہ لکھتا ہوں اور ملتجی ہوں کہ ایک کاپی اُس کی اور ارسال فرما کر ممنون فرمائیے تاکہ اسے دوبارہ پڑھوں اور تعمیلِ ارشاد کروں۔

"شخصی عنصر" سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں مصنّف کے ذاتی حالات و اکتسابِ فیوض کا اشارہ ہے۔ یاد کرتے ہیں نے یہ لفظ خود وضع کیا تھا۔ اردو زبان میں مروّج نہیں ہے انگریزی میں اس مطلب کو اصطلاح PERSONAL ELFMENT سے واضح کرتے ہیں۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دست بدعا ہوں والسلام

اخباروں میں تبدیلی امام صاحب کے متعلق متضاد خبریں پڑھنے میں آتی ہیں۔

آپ کا نیازمند

محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(اقبال بنام شاد)

(عکس)

(ترجمہ) - میرا عمر دوستوں کے حوصلے سے بلند تر ہے، میں نے وہاں غزل سرائی کی جہاں کوئی سننے والا نہ تھا۔ تُو بھی آتشِ اقبال سے ایک شعلہ حاصل کرے، دیکھ وہ فلسفہ پڑھاتا تھا اور عشق کرتا تھا۔

اسماعیل میرٹھی کے نام

۲۵ر جنوری ۱۹۱۵ء

لاہور

مخدوم مکرّم۔ السلام علیکم

"قواعدِ اردو" حصہ اوّل و دوئم نہایت عمدہ ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے اور مجھے یقین ہے کہ بچوں کے لیے اس سے بہتر کتاب شاید آج تک نہیں لکھی گئی انگریزی گرامر سے اُردو کی مماثلت جو خود بخود پیدا ہو گئی ہے وہ انگریزی پڑھنے والے طلباء کے لیے اور بھی آسانی پیدا کر دے گی۔ تنقیحات جو آپ نے قائم کی ہیں اور مجھ سے رائے دریافت کی ہے اس کی نسبت عرض ہے کہ مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ ان کے متعلق کچھ لکھ سکوں اور نہ میں اس پر خامہ فرسائی کرنے کا اہل ہوں۔

اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو طریق آپ نے اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال
(انوارِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۸ جنوری ۱۵ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم آپ کا خط مِلا، غزل پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی

"بہ دستِ عقل دہند از شکستِ تو ۂ کلید"[1]

---

[1] از مرحلۂ شکست تو ہ سے عقل کے ہاتھوں میں کنجی دیتے ہیں

نے پہروں بے قرار رکھا اور "تمام خندہ بگرید" سُبحان اللہ! آج ہندوستان میں کون ہے جو یہ تبرک لکھ سکتا ہے۔

"ز دیدہ تا دلِ دل درّہ ذرّہ غمّار است" میں نے یہ شعر مولانا اکبر کو الٰہ آباد لکھ کر بھیجا تھا کل اُن کا خط آیا۔ اس شعر نے انہیں بھی تڑپا دیا غرض کہ گرامی معجز نگار ہندوستان کے لیے سرمایۂ ناز ہے اور آج ایران میں بھی ایسا سحر طراز نہ ہوگا زندہ باش اے پیر کہن ہاں چند شعر[۱] اور لکھتا ہوں۔ اس خیال سے نہیں کہ اپنے اشعار سناؤں بلکہ اس خیال سے کہ شاید آپ کو تحریک ہو اور آپ سے نئے اشعار سنوں

خوش آنکہ رخت خرد را بہ شعلۂ می سوخت[۲]	مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
دلم تپید ز محرومیِ فقیہہ بزرگ	کہ پیرمے کدہ جامے بہ فتوی نفروخت

---

[۱] "تمام خندہ بگرید" کا استعمال گرامی نے اس شعر میں کیا ہے:

تمام خندہ بگرید و گریہ می خندند — بر آسمانِ تصرّف چو برق و باراند

(دیوانِ گرامی، صفحہ ۴۹)

[۲] اقبال نے جو غزل اس خط میں مولانا گرامی کو ملاحظہ کے لیے بھیجی تھی، وہ "پیامِ مشرق" میں مندرجہ ذیل تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

مطلع کے پہلے مصرع میں صرف ایک لفظ بدلا گیا یعنی "رشعلۂ می سوخت" کی جگہ "بہ شعلۂ می سوخت" کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "فقیہہ بزرگ" کو "فقیہہ حرم" بنا دیا گیا ہے چوتھے شعر کو دوسرے شعر کی جگہ دی گئی ہے اور پانچواں شعر بالکل حذف کر کے آخری مصرع میں "مولد حافظ" کو "گلشن ویمر" سے تبدیل کیا گیا ہے۔

صبا بہ گلشنِ ویمر سلامِ ما برساں

ویمر جرمنی کا ایک شہر ہے جہاں گوئٹے نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ بسر کیا اور بعد انتقال وہیں دفن ہوا۔ (پیامِ مشرق)

[۳] یہ اشعار ۲۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کے خط میں بھی آئے ہیں اور وہاں ان کا ترجمہ دے دیا گیا ہے

مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم | ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت
تو ہم ز ساغر مے چہرہ را گلستاں کن | بہار خرقہ فروشی بہ صوفیان آموخت
عجب مدار ز سر مستیم کہ پیرِ مغان | قبای رندی حافظ بہ قامت من دوخت
صبا بہ مولدِ حافظ سلام ما برسان | کہ چشم نکتہ وراں خاکِ آن دیار فروخت

میں نے یہ اشعار مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب کو لکھے تھے کہ وہ رسالہ تزک عثمانیہ میں انہیں شائع کرنا چاہتے تھے۔

ہاں آپ نے یہ فرمایا کہ قدرت کیا سامان پیدا کر رہی ہے مجھے تو بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی خدائی کارخانے کا حال معلوم نہیں۔

حیدری صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں اور نہایت با مذاق آپ ان سے ضرور ملا کریں۔
شیخ غلام محی الدین صاحب ملیں تو مرا سلام اُن سے کہئے اخباروں میں کبھی کبھی یہ خبر شائع ہو جایا کرتی ہے کہ سید علی امام وزیر حیدر آباد ہوں گے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نظام نے جو حال میں ملاقات وائسرائے سے کی ہے اُس کا مقصد وزارت کے متعلق گفتگو کرنا تھا۔
کیا آپ کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد پھر مدار المہام ہو جائیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے اپنی خیریت سے آگاہ فرمایئے اور خط کا جواب مع اشعار جلد مرحمت فرمایئے۔ آپ کب تک پنجاب آنے کا قصد کرتے ہیں آپ کے مشتاق منتظر ہیں۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی) (عکس)

مُلّا واحدی کے نام

ڈیر واحدی صاحب[۱]

مولانا جامیؔ کے ایک شعر کی تضمین عرض ہے جو فارسی مثنوی کا ایک جزو ہے عنقریب یہ مثنوی بھی ان شاءاللہ تعالیٰ شائع ہوگی۔

گشتہ اندازِ مُلّا جامیم — نظم و نثر اُو علاجِ خامیم

شعر لبریز معانی گفتہ است — در ثنائے خواجہ گوہر سُفتہ است

"نسخہ کونین را دیباچہ اوست

جُملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"

(خطوطِ اقبال)

---

[۱] خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن اس کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ "اسرارِ خودی" کی اولین اشاعت ۱۹۱۵ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی۔ خطوطِ اقبال) یہ "خطیب" دہلی کے شمارہ میں، فروری ۱۹۱۵ء کو چھپا تھا لہٰذا اس کی تاریخ فروری ۱۹۱۵ء ہوئی۔
[صابر کلوروی: "مکاتیبِ اقبال کے مآخذ پر ایک نظر"]

[۲] یہ اشعار بعد میں کسی قدر ترمیم کے ساتھ "اسرارِ خودی" میں شائع ہوئے (اسرار و رموز ص ۲۱)
[رفیع الدین ہاشمی۔ خطوطِ اقبال]

(ترجمہ) میں ملا جامی کے انداز کا قتیل ہوں۔ اس کی نظم و نثر میری خامیوں کا علاج ہے۔
اس نے معنیٰ سے بھرپور شعر کہے ہیں اور خواجہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں موتی پروئے ہیں وہ کہتا ہے۔

ان کی ذات گرامی کتابِ کائنات کا دیباچہ ہے

سارا عالم ان کا غلام اور وہ سب کے خواجہ ہیں

خواجہ حسن نظامی کے نام

ڈیر خواجہ صاحب! آپ کی سرکار سے جو خطاب [1] مجھے عطا ہوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت و استحکام پر بحث کی ہے، اب قریباً تیار ہے۔ اور پریس جانے کو ہے۔ اس کے لیے بھی کوئی عمدہ نام یا خطاب تجویز فرمائیے۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے اس کے نام اسرارِ حیات، پیامِ سروش، پیامِ نو۔ آئینِ نو تجویز کیے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمائیے اور نتائج سے مجھے مطلع کیجیے۔ تا کہ میں انتخاب کر سکوں۔

آپ کا خادم دیرینہ

اقبال۔ لاہور

۶۔ فروری ۱۹۱۵ء

(اقبال نامہ)

(اتالیق خطوط نویسی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ فروری ۱۵ء

سرکار والا تسلیم نوازش نامہ ابھی ملا جس کے لیے سراپا تشکر ہوں۔ دردِ گردہ کا دورہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کئی دن تک صاحبِ فراش رہا اسی وجہ سے عریضہ نیاز نہ لکھ سکا۔ اس سے پہلے ایک عریضہ لکھا تھا جو ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ اس خط سے سرکار کی خیریت معلوم ہوئی۔ الحمد للہ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اب اچھا ہوں دورہ جاتا رہا میں باقی رہ گیا!

---

[1] خواجہ حسن نظامی اپنی طرف سے ہم عصر دوستوں کو خطاب دیا کرتے تھے اقبال کو انھوں نے "سِرّ الوصال" خطاب سے نوازا تھا سِرّ الوصال کا لفظی مفہوم ہے " وصال کا بھید" ۔۔۔ (مرتب)

مبارکباد کی آوازیں تو آنے لگیں اصلی مبارک باد میں بھی دیر نہیں سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے جس کے آستانے پر آپ کا قدم محکم ہے پھر کس بات کی کمی ہے اپنے اپنے وقت پر سب کچھ ہو رہے گا۔ میں آپ کے لیے دست بدعا ہوں۔ حیدری صاحب کا کوئی خط ایک عرصے سے نہیں آیا کچھ عرصہ ہوا اس نے ان کے متعلق ایک نہایت افسوسناک خبر سنی تھی جو خدا کرے کہ غلط ہو۔ بوجہ اُس تعلق کے جو مجھ کو اُن سے ہے یہ خبر سن کر مجھے سخت تردد ہوا تھا۔ مگر بعد میں کچھ معلوم نہ ہوا کہ حیدری صاحب کہاں ہیں اور کس اشتغال میں زیادہ کیا عرض کروں

آپ کا خادم دیرینہ

محمد اقبال، لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۱ مارچ ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ بندۂ کمترین اقبال نیازمندِ دیرینہ آداب عرض کرتا ہے سرکار کا والا نامہ ابھی چند منٹ ہوئے ملا استفسارِ حالات کے لیے ازبس سپاس گزار و مرہونِ منت ہوں۔ مجھے دردِ گُردہ کوئی دو سال سے ہوتا ہے پانچ چھ ماہ کے بعد دورہ ہو جاتا ہے۔ اب کے خلاف توقع زیادہ عرصے کے بعد ہوا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ دورہ رخصت ہو گیا

میں باقی ہوں۔ آپ نے از راہ ذرّہ نوازی و بندہ پروری جس انداز کریمانہ سے میری خیر و عافیت دریافت کی اس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں خدا کے فضل و کرم سے اب بالکل اچھا ہوں اور آپ کے لیے دست بدعا ہوں وہاں سے اقبال آج تک تو کبھی مایوس نہیں پھرا دیکھیں اب اس کا نخلِ دعا بارآور ہوتا ہے یا نہیں۔ عقیدہ تو یہی ہے کہ مایوس نہ پھرے گا کیونکہ جنابِ[1] احدیت کو ایک دفعہ اس کی ایک شاعرانہ بات پسند آگئی تھی۔ استفسار فرماتے تھے کہ تو تو گناہ

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کو۔

اور ہر قسم کے فسق و فجور کا دل دادہ تھا پھر تو نے اسے ترک کیوں کر دیا حالانکہ تو لاکھ بھی ابھی اچھے خاصے تھے ؟ بندۂ قدیم نے عرض کیا کہ ستبطاس کی نجات کی خاطر اب اوروں کو بھی یہی پیام دیتا ہوں کہ گناہ چھوڑ دو اس واسطے کہ بیچارے ابلیس کی نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ کوئی انسان گناہ نہ کرے اور اس طرح وہ راندۂ درگاہ اپنے بہکانے کے کام میں ناکام ہو کر آخر کار کامیاب ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ بے تکلفی اُمید دلاتی ہے۔ یقین ہے کہ اپنے بندے کی بے نیازی کا پاس کر کے اپنی بے نیازی سے کام لیں گے

حیدری صاحب کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا اس کو پڑھ کر اطمینان ہوا۔ اگر آپ نے کچھ نہیں سُنا تو یقیناً وہ خبر جھوٹ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل و کرم کرے۔

مسٹر محمد علی ایڈیٹر ہمدرد و کامریڈ سے سنا تھا کہ حیدر آباد کی وزارت پر مسٹر گلینسی[۱] متاثر ہوں گے۔ سید علی امام صاحب کو اس کی نیابت آفر کی گئی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا معلوم نہیں یہ خبر کہاں تک صحیح ہے سیّد علی امام سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ورنہ اُن سے دریافت کرتا اب چند روز میں دہلی جاؤں گا تو اُن سے دریافت کروں گا بظاہر یہ خبر غلط معلوم ہوتی ہے زیادہ کیا عرض کروں کل میر رضی دانش کا ایک شعر پڑھا تھا تنہا لطف نہیں آتا آپ کو بھی سناتا ہوں۔ اس پر غزل لکھیے

---

[۱] مسٹر گلینسی انڈین سول سروس کے ایک قابل انگریز افسر تھے۔ یہ وہی مسٹر گلینسی ہیں جنھیں تحریک کشمیر کے دنوں میں کشمیریوں کے حقوق و مطالبات معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن کا نگراں مقرر کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنی رپورٹ میں کئی سفارشات پیش کیں جنھیں عملی جامہ پہنایا گیا۔

"ز ساقی بادہ می گیرم بپائے تاک می ریزم[1]
ندارم فکرِ خود، میخانہ را آباد می سازم"

للہ درّ من قال[2]

لاہور کا سفر ضرور کیجئے مگر سرما میں۔

مدۂ درگاہ محمد اقبال، لاہور
(اقبال سلام شاد)

عکس

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۸ مارچ ۱۵ ۱۹ء

سرکار والا تسلیمات عرض کرتا ہوں والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ یہ آپ کی نوازش ہے کہ اقبال کو یاد فرماتے ہیں ورنہ کہاں اقبال اور کہاں شاد۔

ہر دوار کا سفر مبارک ہو۔ پنجاب کی طرف تشریف لانے کا قصد ہو تو مطلع فرمایئے۔ یہاں ہر آنکھ آپ کی منتظر ہوگی۔

حق آزادی اور پابندی دونوں کی طرف ہے اور یہی حق کا خاصہ ہے کہ ہر طرف ہو

"صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے"

پریم پچیسی کی کاپیوں کے لیے شکر گزار ہوں۔ تزکِ عثمانیہ غلطی سے منشی نے واپس کر دیا مگر اس کا بھی قصور نہیں کیونکہ میں نے اسے یہی حکم دے رکھا تھا کہ قانونی رسالوں کے علاوہ جو

---

[1] ترجمہ: میں ساقی سے شراب لیتا ہوں اور تاک کی جڑ میں ڈال دیتا ہوں
مجھے اپنی فکر نہیں، میخانہ کو آباد کر رہا ہوں
(محمد عبداللہ قریشی)

[2] ماشاء اللہ

رسائل وی پی آئیں، اُن کو واپس کر دیا کرو۔ اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ رسالہ آپ کی طرف سے آیا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے درویش

بندۂ درگاہ محمد اقبال

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۲ر اپریل ۱۵ء

سرکار والا تسلیم

فسحِ عزمِ سفر مبارک

خواجہ نصر اللہ[1] کی تسمیہ خوانی مبارک!

"نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ"[2]

آپ آزادی کی تلاش میں حیدر آباد سے باہر جاتے ہیں مگر آپ کو کوئی چھوڑے بھی۔ ہم تو اسی خیال سے ایسے حدبِ دل سے بھی کام نہیں لیتے کہ ایسا نہ ہو حدبِ دل کو شرمسار ہونا پڑے۔

پھول کانٹوں کے علائق سے گریزاں ہے مگر میں تو پھول سے ہمکنار ہوں

"اگر منظور ہو تجھ کو خزاں ناآشنا رہنا

تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے"[3]

---

[1] خواجہ نصر اللہ مہاراجہ کے ایک فرزند کا نام تھا جو کسی مسلمان بیگم کے بطن سے تھا اس کی تسمیہ خوانی اسلامی طریقے پر ہوئی تھی

[2] مدد اللہ کی طرف سے ہے اور فتح قریب ہے

[3] 'بانگ درا' میں ایک نظم "پھول" کے عنوان سے ہے خط میں دیئے گئے دونوں مصرعے اس میں موجود تو ہیں مگر دو الگ الگ شعروں میں، جو حسب ذیل ہیں

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں — تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں ناآشنا رہنا — جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطعِ آرزو کر لے

(محمد عبداللہ قریشی)

مرزا صاحب[1] آداب عرض کرتے ہیں وہ گوالیار کی ریاست میں ملازم ہو گئے۔ امروز و فردا میں وہاں جانے والے ہیں۔ شاہ صاحب بھی آج کل لاہور سے باہر ہیں۔ کوئی مرید اُنہیں بھگا لے گیا

یار مند دیرینہ (محمد اقبال لاہور)

(اقبال بنام شاد) (عکس)

ضیاء الدین برنی کے نام[2]

مکرم بندہ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں اس عزّت کا نہایت مشکور ہوں جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں اور اس وجہ سے کہ مجھے اس قسم کے نام و نمود سے قطعی اجتناب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے معاف فرما دیں گے[3]

تعجب ہے کہ اس واقعہ کو آپ کشیدگی تعلقات سے تعبیر فرماتے ہیں اس واقعہ سے پہلے میرے آپ کے کوئی تعلقات نہیں تھے اور میں نے اس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اس میں میں اخلاقی اعتبار سے بالکل حق بجانب تھا اس کو آپ بخوبی سمجھتے تھے اور یقیناً اب بھی سمجھتے

---

[1] مرزا جلال الدین بیرسٹر، ایٹ لا

[2] اصل نام ضیاء الدین تھا۔ برنی خواجہ صاحب نے اضافہ کر دیا تھا۔ بی اے کا امتحان دینے کے بعد خواجہ حسن نظامی کا سفارشی خط لے کر لاہور گئے اور علامہ اقبال سے ملے تھے

[3] برنی صاحب چاہتے تھے کہ 'کلید اصار بینی' کو اقبال کے نام معنون کریں اس کے لیے انہوں نے اقبال سے اجازت طلب کی تھی۔

ہیں[1]۔ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا یا اب ہو تو میں ہر طرح آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

۱۷ اپریل ۱۵ء

(انوارِ اقبال)

(عکس)

ضیاء الدین برنی کے نام

لاہور ۲۰ اپریل ۱۵ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اگر کتاب کو میرے نام سے معنون کرنے سے اس کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ ہو سکتا جو آپ کی مالی منفعت یا کسی اور فائدہ کا باعث ہوتا تو ضرور اجازت دے دیتا مگر جہاں تک میں سوچتا ہوں اس کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ مجھے اخباری دنیا یا اخبار نویسی سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر چونکہ آپ مصر ہیں اس واسطے میں اپنا پہلا خط واپس کرتا ہوں اور یہ عرض کرتا ہوں کہ میں کتاب دیکھ کر اس امر کا فیصلہ کروں گا۔ لیکن آپ مجھ سے یہ عہد کریں کہ اگر کتاب دیکھ کر میں نے اجازت نہ دی تو آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اُس واقعہ کا کوئی اثر میرے دل پر نہ تھا اور نہ اب ہے۔ آپ بلا تکلف جب چاہیں میرے غریب خانے پر تشریف لاویں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

(عکس)

(انوارِ اقبال)

---

[1] لاہور میں جب ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں برنی صاحب کو معلوم ہوا کہ اقبال بی اے کے طلبہ کے مضمون کے ممتحن ہیں۔ انہوں نے جسارت کر کے اپنا رول نمبر پیش کر دیا جس پر اقبال خفا ہو گئے اور ملاقات منقطع ہو گئی کشیدگی تعلقات سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۵ مئی ۱۵ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

عرصہ ہوا میں نے دو چار خطوط آپ کی خدمت میں لکھے مگر آپ کے تساہل نے ایک کا جواب نہ دیا۔ عصائے پیر تو مدت ہوئی محو خواب تھا۔ اب معلوم ہوتا ہے خود پیر بھی خواب میں ہیں۔

بندۂ خدا کبھی کبھی اپنی خیریت سے تو مطلع کر دیا کرو۔ بوڑھے ہو کر جوانانِ رعنا کی ناز فرمائیاں چہ معنی دارد۔

مثنوی ختم ہوگئی۔ اب اس کی اشاعت کا اہتمام درپیش ہے۔ چھپ جانے پر انشاءاللہ ارسالِ خدمت کروں گا۔ کاش آپ یہاں ہوتے یا میں حیدرآباد میں ہوتا تو پریس میں جانے سے پہلے آپ کے ملاحظہ سے گذر جاتی میں نے ارادہ کیا تھا کہ حیدرآباد تو دور ہے لکھنؤ جا کر خواجہ عزیز کو سنا آؤں لیکن

لہ یلطیف اشارہ گلستانِ سعدی کے مصرع کی طرف ہے: "ولے بہ حملۂ اوّل عصائے پیر بحفت" عصا حفتن کی ترکیب پر غالب اور ان کے حریفوں میں بھی بحث چلی تھی جب انہوں نے غالب کے اس مطلع پر اعتراض کیا تھا۔

بوادیے کہ دراں خضر را عصا خفتست
بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست

لاہور کے علائق نہیں چھوڑتے۔ دیباچہ کے چند اشعار عرض کرتا ہوں[1]

صورتِ خورشید نو زائیدہ ام | رسم و آئینِ فلک نا دیدہ ام[2]
رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز | ہست نا آشفتہ سیمابم ہنوز
بحر از رقصِ ضیایم بے نصیب | کوہ از رنگِ حنایم بے نصیب
خو گر من نیست چشم است و بود | لرزہ بر تن خیزم از خوفِ نمود
بامم از خاور رسید و شب شکست | شبنم نو بر گلِ عالم نشست

---

[1] مثنوی کے جو اشعار اس خط میں درج ہیں وہ معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ "اسرار خودی" میں چھپ چکے ہیں مثلاً پہلے شعر کے مصرع اوّل کو یوں تبدیل کیا گیا ہے۔

در جہاں خورشید نو زائیدہ ام

چوتھے شعر کے مصرع ثانی کو یوں بدلا گیا ہے۔

لرزہ بر تن خیزم از بیم نمود

(اسرار و رموز)

(ترجمہ[2]) ۱۔ میں سورج کی طرح ابھرا ہوں، آسمان کے رسم و آئین سے ناواقف ہوں۔

۲۔ ابھی میری روشنی سے ستارے بھاگے نہیں، میرا سیماب ہنوز بے قرار نہیں۔

۳۔ میری ضیا کے رقص سے سمندر بے نصیب ہے اور میرے رنگِ حنا سے کوہستان کو حصّہ نہیں ملا ہے۔

۴۔ ہستی و نیستی کی آنکھ میری عادت نہیں ہوتی ہے میں خوفِ نمود سے جسم میں لرزہ پیدا کر رہا ہوں۔

۵۔ میرے بام پر سورج آگیا رات گئی، نئی شبنم کائنات کے پھولوں پر اُتر آئی۔

انتظار صبح خیزان می کشم
اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے اور مفصل خط لکھیے جواب کا انتظار رہے گا۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۵ رمئی ۱۵ء

سرکار عالی تسلیم۔

نوازش نامہ مل گیا تھا مگر یہ نیازمندِ قدیم عارضۂ بخار میں مبتلا ہو گیا اس وجہ سے تحریرِ عریضہ سے محروم رہا اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں امید کہ سرکار والا کا مزاج بخیر ہو گا۔ سرکار کا ارشاد ہے خدا کے لیے جلد بلوائیے۔ میری عرض ہے خدا کے لیے وہیں قیام فرمائیے اور لیل و نہار کا رنگ چشمِ عبرت سے ملاحظہ فرمائیے۔ واقعی سرکار عالم ملکوت میں عالی کے ہم سبق تھے اسی واسطے تو میری عرض ہے کہ شاد عالی ہے ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ یہی اقبال کی دعا ہے۔ اور خدا جانے اور کتنے نفوس ہوں گے جن کے دم کی آمد و شد اسی دعائے بابرکت سے وابستہ ہے۔ آپ حیدر آباد کی گرمی سے گھبراتے

لہ اب میں صبح اٹھنے والوں کا انتظار کر رہا ہوں، مبارک ہیں وہ جو میری اس آگ کے پجاری ہیں۔

لاہور ۵ مئی ۱۵ء

ڈیر مولوی گرامی السلام علیکم

عرصہ ہوا آپ نے دو چار خطوط اس عرصہ میں لکھے مگر
اس تساہل نے ایک کا جواب نہ دیا۔ معاف کیجیے
تو مدت سے ہوں خود جواب تھا اب مسلول ہوتا جاتا ہے
خود بیمار بھی خواب میں ہیں۔
بندہ خدا کبھی کبھی اپنی خیریت تو مطلع کر دیا کرو

ہیں۔ غنیمت ہے کہ حیدر آباد کرۂ نار کی سرحد پر ہے۔ یہاں کرۂ نار کے اندر بیٹھے ہیں۔ اس موسم میں خدا لاہور کی تپش سے بچائے۔ امسال کشمیر کا قصد ہے۔ بشرطیکہ حالات نے مساعدت کی۔

والبستہ دولت۔ خاکسار محمد اقبال

بیرسٹر ایٹ لا، لاہور

(اقبال بنام شاد)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ مئی ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم۔

سرکار کا نوازش نامہ مل گیا تھا جس کی ظریفانہ ٹون نے بڑا لطف دیا۔ چوکڑہ ہانکنے سے تو بخار دفع ہوتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے درد دکھ سے نجات ملتی ہے۔ اگر یہ امر باعثِ امراض ہوتا تو قائلینِ پنج تن کو صاحبانِ تثلیث سے زیادہ موقع شکایت کا ہوتا۔ مگر الحمد للہ کہ پنجتنی تندرست و توانا ہیں اور ان شاءاللہ ایسے ہی رہیں گے۔ آمین۔

بخار معمولی ملیریا تھا۔ دو چار روز رہ کر اتر گیا تھا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں۔ البتہ لاہور کی گرمی سے

لہ اس پیراگراف میں ضلع جگت کا استعمال ہوا ہے۔ "چوکڑہ ہانکنے" سے کسی لڑکے کی طرف اشارہ ہے، مہاراجہ کشن پرشاد کی پانچ بیویاں تھیں اور اقبال کی تین بیویاں تھیں "پنج تنی" اور "اصحابِ تثلیث" سے اسی طرف کنایہ ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں ہے کہ شاد نے اپنے ظریفانہ ٹون میں کیا لکھا ہوگا۔ (مولف)

سخت گھبرا رہا ہوں ۔ جون کے مہینے میں اگر فرصت کے دو ہفتے مل گئے تو کشمیر چلا جاؤں گا ۔ آج کل وہاں کا موسم نہایت دل فریب ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی بی اے اور ایم اے کے کاغذات میرے پاس ہیں ۔ آج کل امتحانوں کے دن ہیں ۔ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر لاہور سے باہر نہیں نکل سکتا ۔ مئی کے آخر تک اس کام سے فرصت ہو جائے گی ۔

معلوم نہیں آپ نے کبھی کشمیر کی سیر کی یا نہیں ۔ میں نے محض اس کے نزدیک کے مناظر دیکھے ہیں ۔ ہر قدم پر قدرت کی دلفریبیاں نظر آتی ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر سرکار وہاں کی سیر کریں تو ہختنی مذہب کو چھوڑ کر ضرور زرتشت امامی ہو جائیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں دست بدعا اور گوش برآواز ہوں ۔

آپ کے اہلکاروں میں سے ایک صاحب مصطفیٰ تخلص دو چار روز ہوئے لاہور میں ملے تھے ۔ دکن جا رہے تھے ۔ دیر تک آپ کا ذکر خیر اُن سے رہا ۔ والسلام

نیاز مندِ کہن محمد اقبال

(عکس) (اقبال بنام شاد)

ضیاءالدین برنی کے نام

مکرّم بندہ

آپ کی کتاب[۱] مفید ثابت ہوگی اردو خوانوں کے لیے بالخصوص اس قسم کی کتاب کی ضرورت تھی اگر آپ اس کتاب کے ڈیڈیکیشن سے مجھے معزز کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتا شوق سے ڈیڈیکیٹ کیجیے۔ والسلام

آپ کا خادم محمدؐ اقبال لاہور

۲۲ مئی ۱۹۱۵ء

(انوارِ اقبال)

(عکس)

---

[۱] بشیر احمد ڈار نے ضیاءالدین برنی کی کتاب کا نام "کلید اخبار بینی" لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا چونکہ علامہ نے ان کے نام ایک خط محررہ ۲۲ مئی ۱۹۱۵ء کے لفافے پر مندرجہ ذیل پتہ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف "اخباری لغات" تھے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کا نام "اخباری لغات" تھا نہ کہ "کلید اخبار بینی"۔ عکس ملاحظہ ہو۔

دہلی چھتہ لال میاں

مخدومی جناب ضیاءالدین برنی صاحب بی۔ اے مصنف اخباری لغات ملاحظہ کریں

(مؤلف)

عطا محمد کے نام

لاہور ۱۲ر جون ۱۹۱۵ء

برادرِ مکرّم۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا الحمد للہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے پروفیسر طوؔ یہاں بھی آئے تھے میں نے ان سے اعجاز کے متعلق دریافت کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس کا مذاق لٹریری ہے۔ عام طور پر وہ اُس کی ذہانت کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا دماغ نہایت صاف و روشن ہے مگر جو نقص انھوں نے بیان کیے وہ بھی لکھتا ہوں۔

۱۔ طرزِ تحریر انگریزی میں اچھا ہے مگر الفاظ بہت نہیں جانتا اور ہجا عموماً غلط لکھتا ہے۔

۲۔ ریاضی میں کمزور ہے یہاں تک کہ ایف اے میں اس مضمون میں پاس ہو جائے تو غنیمت ہے۔

۳۔ پھرتا بہت ہے۔ بیٹھنے سے اسے نفرت معلوم ہوتی ہے۔

میرے خیال میں نقص نمبر ۳ پہلے دو نقصوں کا ذمہ دار ہے اگر بیٹھنے کی عادت ہو گی۔ تو پڑھنے کی عادت بھی پیدا ہو گی اور اگر پڑھنے کی عادت ہو گئی تو الفاظ بھی بہت سے آجائیں گے اور ہجے بھی صحیح ہو جائیں گے۔ ہجا درست کرنے کا ایک ہی طریق ہے، اور وہ یہ کہ کثرت سے مطالعہ ہو اور ہر لفظ جو نہ آتا ہو اس کے معانی ڈکشنری میں دیکھے جائیں۔

ملہ پیر دبیر غلام محمد جو شاعر تھے اور جن کا تخلص طوؔر تھا وہ مرے کالج (اس کا پہلے نام سکاچ کالج تھا) سیالکوٹ میں انگریزی پڑھاتے تھے۔

اور اس کا ہجا ذہن نشین کیا جائے۔ جو شخص ایک اجنبی زبان سیکھتا ہے اور ڈکشنری دیکھنے میں سستی کرتا ہے وہ کبھی اس زبان کو سیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کو کم از کم چار گھنٹہ روز علاوہ کالج کے اوقات کے پڑھنا چاہیے۔ انگریزی ناول پڑھنا مفید ہے کہ دلچسپی کی دلچسپی ہے اور زبان بھی سیکھی جاتی ہے۔ ریاضی کی طرف ابھی سے خاص توجہ چاہیے ورنہ امتحان میں کامیابی موہوم ہے۔

والسلام
محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۹ جون ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم۔
نوازش نامہ کل مل گیا تھا۔ پنجتنی راسخ الاعتقاد ہوں تو ایسے کہ مقام گرما حیدر آباد ہے اور سرما کوہِ مولا علیؓ۔ پنجتنی نسبت کو اس حد تک نبھانا آپ کا حصہ ہے۔ مشکل کشا مہماتِ امور میں سرکار کے ساتھ ہوں۔ آمین۔

یونیورسٹی کا کام تو ختم ہو گیا تھا اور شہزادی دلیپ سنگھ کا تار بھی چند روز ہوئے آیا تھا کہ جلد کشمیر آؤ مگر سردار جوگندر سنگھ جن کی معیت میں سفرِ کشمیر کرنے کا قصد تھا شملے میں بیمار ہو گئے اس واسطے

مولا علی حیدر آباد سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت علی کا نقش قدم بتایا جاتا ہے اور عقیدت مند اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

خطۂ جنت نظیر کشمیر کو خیرباد کہنا پڑا۔ اب لاہور کی حرارت ہے اور میں یہ تجویز
یہاں سے نکلنا ہو تو ہو۔ آپ آزادی چاہتے[۱]

"وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی
سنی ضرور ہے، دیکھی کہیں نہیں میں نے"

لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ پابندی قیود یا یوں کہئے کہ قید
افضل ہے۔

"ہر کہ تسخیر مہ و پروین کند | خویش را زنجیری آئین کند
باد را زندانِ گُل خوشبو کند | قید بُو را نافۂ آہو کند[۲]"

---

[۱] نظم "سرگزشت آدم" جب پہلی مرتبہ رسالہ "مخزن" ستمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ تو یہ شعر اس میں موجود تھا۔ "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت بعض دوسرے اشعار کے ساتھ یہ بھی حذف کر دیا گیا (بانگِ درا، ص ۸۰-۸۱ باقیات، مرتبہ عبدالواحد معینی/محمد عبداللہ قریشی، ص ۲۳۸-۲۳۹)

[۲] یہ اشعار مثنوی "اسرار خودی" میں تربیتِ خودی کی تین منزلیں اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی۔ بیان کرتے ہوئے اطاعت کے ذیل میں کہے گئے ہیں کہ یہی آزادی پابندی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں مظاہر قدرت سے مختلف چیزیں بطور مثال پیش کر کے بتایا ہے کہ جو شخص چاند تاروں کو تسخیر کرتا ہے، وہ بھی اپنے آپ کو ایک ضابطے کا پابند بنا لیتا ہے ــــ ہوا پھول میں قید ہو کر خوشبو بن جاتی ہے بو ہرن کی ناف میں بند ہو کر نافے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یوں مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے

ترجمہ
جو چاند تاروں کو تسخیر کرتا ہے
وہ خود کو پابند آئین بناتا ہے
ہوا کو خوشبو والا پھول زندان بنا دیتا ہے
اور بُو کو نافۂ آہو قید کر لیتا ہے

یہ صورت ہو تو میں آپ کی آزادی کے لیے کیوں کوشش کروں؟
سنا ہے حضورِ نظام شملہ تشریف لانے والے ہیں۔ کل اخبار میں بھی دیکھا تھا

"رموزِ مملکت خویش خسروان دانند"[1]

خواجہ حسن نظامی نے آپ کا نام خماری شاہ رکھا۔ آپ کے مناسب حال ہے۔ مگر میں آپ کو "حلالِ بخاری"[2] کہتا ہوں کہ "کشن پرشاد" کا ہم عدد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ

اقبال آپ کے ساتھ
لاہور ۱۹ ؍ جون ۱۹۱۵ء

(اقبال بنام شاد) (عکس)

---

[1] یہ حافظ شیرازی کا مصرع ہے، پورا شعر یوں ہے

رموزِ مملکت خویش خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

[2] ابجد کے حساب سے "حلال بخاری" اور "کشن پرشاد" کے اعداد واقعی برابر یعنی ۷۸۷ ہیں لیکن یہ محض تفنن کے طور پر کہا گیا ہے۔ ورنہ اس میں کوئی خاص بات نہیں، کیونکہ مہاراجہ کشن پرشاد کا تاریخی نام "فرزند فرخندہ" تھا جو ۱۲۸۰ ہجری کے برابر ہے۔

آپ آزادی چاہتے ہیں؟ آہ!

"وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی
سنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں میں نے"

لیکن اس کا مرادف ہی کیا ہے بلکہ پابندی قیود یا لوازم قیود
اضطرار ہے۔

"ہر کہ تسخیر مہ و پروین کند — خویش را زنجیری آئین کند
باد را زندانی گل می کند — قید بو را نافۂ آہو کند"

یہ صورت ہو تو میں آپ کی آزادی کے لئے کیوں کوشش کروں؟
سنا ہے حضور نظام شملہ تشریف لائے ہوئے ہیں کاش ایک بار ہم بھی دیکھتے
"رموز مملکت خویش خسروان دانند"

شاکر صدیقی کے نام

لاہور

۲۲ جون ۱۹۱۵ء

مخدومی

آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا آپ نے جس حُسنِ ظن کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا سپاس گزار ہوں۔ افسوس ہے کہ دیوان ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ کچھ میری عدیم الفرصتی اور کچھ یہ کہ فارسی مثنوی موسوم بہ اسرارِ خودی مکمل ہو کر پریس کے لیے لکھی جا چکی ہے۔ چند دنوں میں شائع ہو جائے گی۔ اس کی اشاعت کے بعد دیوان کی طرف توجہ کروں گا۔ یہ مثنوی ایک نہایت مشکل کام تھا۔ الحمد للہ کہ باوجود مشاغل دیگر کے میں اس کام کو انجام تک پہنچا سکا۔ ماسٹر نذر محمد صاحب کی خدمت میں آداب عرض کر دیں[1]۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

[انوارِ اقبال]

---

[1] ماسٹر نذر محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر گوجرانوالہ میں رہائش پذیر رہتے تھے شاکر صاحب ان دنوں گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی میں اوورسیر تھے۔

(انوارِ اقبال)

شاکر صدیقی کے نام

مکرم بندہ

مثنوی کا دیباچہ کسی قدر پیامات کے سمجھنے میں ممد ہوگا۔ وہاں لفظ "خودی" کی بھی تشریح ہے۔ آپ کی نظم اچھی ہے مگر اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ میں نے اُن پر نشان کر دیے ہیں۔ اصلاح کی فرصت نہیں رکھتا۔ ماسٹر نذر محمد صاحب کو دکھائیے وہ درست کریں گے۔ الفاظِ حشو سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ آپ کی نظم میں بہت سے الفاظ حشو ہیں۔ محاورہ کی درستی کا بھی خیال ضروری ہے۔ "سودا" سر میں ہوتا ہے نہ دل میں۔ علیٰ ہٰذا القیاس عہد کو یا وعدہ کو بالائے طاق رکھتے ہیں نہ بالائے بام وغیرہ۔ اسی طرح مرکب کی عنان ہوتی ہے نہ زمام۔ بہت سے الفاظ مثلاً "چونکہ" "تعاقب" وغیرہ اشعار کے لیے موزوں نہیں ہیں، ان سے احتراز اولیٰ ہے۔

ہے خوشی تجھ کو کمال ....! کے دوسرے مصرعے میں ہر "کی" ہ تقطیع میں گرتی ہے سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ نظم طویل ہے۔

محمد اقبال لاہور

۶ر جولائی ۱۹۱۵ء

(انوارِ اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۴ر جولائی ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم مع التکریم

نوازش نامہ مل گیا تھا جس کے لیے سپاس گذار ہوں۔ الحمدللہ سرکار پنجتن کی محبّت میں پختہ ہیں اور اس کو کمال تک پہنچانے کے متمنّی۔ مگر افسوس ہے کہ میں تثلیث پر قائم رہنے کے لیے مجبور ہوں الناس علیٰ دینِ ملوکہم۔[1]

آزادی کی تشریح آپ نے خوب فرمائی۔ میں بھی آپ کے لئے اسی آزادی کا آرزومند ہوں۔ یعنی صنوبر کی آزادی کہ پابند باغ بھی ہے۔ اور آزاد بھی۔ گرمی کی شدت سے لاہور والے تنگ آ گئے۔ بارش نہیں ہوتی۔ سنا ہے اِدھر اُدھر اور شہروں میں کچھ پانی برسا ہے مگر لاہور کا خطہ ابھی تک محروم ہے۔ گرمی کے موسم میں کشمیر کی سیر ہو اور آپ کے ہمرکاب تو اس سے بڑھ کر اور کیا مسرّت ہو سکتی ہے۔ خدا نے چاہا تو کبھی یہ موقع بھی آ جائے گا۔ آپ خماری شاہ[2] ہیں۔ دعا کیجیے۔ گذشتہ ہفتہ گھر والوں کی علالت کی وجہ سے بہت پریشانی میں گذرا۔ اب خدا کا فضل ہے۔

نورچشموں کی تسمیہ خوانی کے لیے مبارکباد کہتا ہوں اور تہِ دل سے

---

[1] ترجمہ: جیسا راجہ ویسی پرجا۔

[2] خواجہ حسن نظامی دہلوی کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر سال بعض خاص شخصیتوں کو خطابات عطا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۵ء میں اقبال کو "سرّالوصال"، کا ملتی الحمدین توق کو "وعدتی"، کا اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کو "خماری شاہ"، کا خطاب دیا، جو اُن کے رجحان طبع کی نشاندہی کرتا ہے۔ اقبال کو "ترجمانِ حقیقت" کا خطاب بھی خواجہ حسن نظامی نے دیا تھا جسے قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی تھی۔ (محمد عبداللہ قریشی)

آپ کی خوشی میں شریک ہوں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ کل سے مومن استرآبادی کا یہ شعر پڑھتا ہوں یقین جانیے کہ سینکڑوں دفعہ پڑھ چکا ہوں:

اے کہ گوئی عشق را درمانِ ہجران کردہ اند[1]

کاش می گفتی کہ ہجران راچہ درمان کردہ اند؟

خادم خماری شاہ محمدؐ اقبال

(اقبال بنام شاد) (عکس)

محمدؐ دین فوق کے نام

ڈیر فوق۔

السّلام علیکم۔ کیا آپ آج کل لاہور میں ہیں یا میرا کدل میں[2] ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کیے تھے اگر اُس نمبر کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو ارسال فرمائیے پھر واپس کر دی جائے گی۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجیے[3]۔ زیادہ کیا عرض کروں آپ کبھی ملتے ہی نہیں۔ اب تو آپ پیرِ طریقت بھی[4] بن گئے

---

[1] (ترجمہ) اے وہ جو کہتا ہے کہ عشق کو ہجراں کا درماں بنایا گیا ہے۔ کاش یہ بتا دے کہ ہجراں کا کیا علاج تجویز کیا ہے؟

[2] دریائے جہلم سرینگر کے وسط میں گذرتا ہے اور اس پر کئی پل ہیں میراکدل ان پلوں میں ایک مشہور پل ہے [بسر احمد ڈار] اور اسی نام سے وہ محلّہ ہے۔ فوق کا مکان وہاں رہا ہوگا۔ (مؤلف)

[3] کشمیری میگزین بابت اپریل ۱۹۰۹ء میں اقبال کی اُس زمانے کی تصویر اور حالات شائع ہوئے تھے۔

[4] فوق صاحب نے ۱۹۱۴ء تصوّف کے موضوع پر ایک رسالہ "طریقت" جاری کیا جو تقریباً ایک سال تک شائع ہوتا رہا۔

خدا کرے کہ جلد حافظ جماعت علی شاہ صاحب[1] کی طرح آپ کے ورودِ کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں۔ والسلام

اس کارڈ کا جواب جلد ملے۔

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

۲۳ر جولائی ۱۹۱۵ء

(انوارِ اقبال)

شاکر صدیقی کے نام

مکرمی!

الفاظ کے اعتبار سے اس نظم میں کوئی غلطی نہیں ہے معانی کے اعتبار سے البتہ بعض شعر قابلِ اعتراض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو فارسی ترکیبیں آپ استعمال کرتے ہیں اُن کا مطلب اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔

والسلام

آپ کو بھی عید مبارک ہو[2]

محمد اقبال

۱۳ر اگست ۱۹۱۵ء

(انوارِ اقبال)

---

[1] حافظ جماعت علی شاہ اُس زمانے کے مشہور پیر تھے جن کا حلقہ مریدین بہت وسیع تھا۔

[2] شاکر صدیقی نے اپنی ایک نظم "ہلالِ عید" برائے اصلاح بھیجی تھی۔ خط میں تو کوئی تاریخ درج نہیں لیکن لفافے پر ڈاک خانہ کی مہر ۱۳ اگست کی ہے۔ شاکر صاحب کا خط یکم شوال ۱۳۳۳ھ کا ہے
[انوارِ اقبال]

شاکر صدیقی کے نام

لاہور
۱۴ر اگست ۱۵ء
مخدومی۔ السّلام علیکم۔

آپ کے اشعار پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ یہ آنسو خوشی کے نہ تھے بلکہ تأسف کے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ظنّ کو جو میری نسبت ہے صحیح ثابت کرے اور مجھ کو ان باتوں کی توفیق عنایت کرے جن کا آپ ذکر کرتے ہیں اور اس حُسنِ ظن کے عوض میں جو آپ ایک مسلمان کی نسبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اجرِ جزیل عطا کرے اور حبیب کریمؐ کے عشق و محبّت کی نعمت سے مالا مال کرے۔ آمین۔

"یعنی مدہوشوں کو تو آمادۂ پیکار کر"

اس مصرعے میں پیکار کا لفظ ٹھیک نہیں ہے یوں کہہ سکتے ہیں:

یعنی اپنی محفلِ بے ہوش (یا مدہوش) کو ہشیار کر۔

اور بھی خامیاں اس نظم میں ہیں جو یقیناً دو چار بار پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیں گی مگر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس نظم کو شائع نہ کریں۔ میرے لیے پرائیویٹ شرمندگی کافی ہے اس کے علاوہ یہ آپ کے پرائیویٹ تاثرات ہیں، پبلک کا ان سے آگاہ ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔

گذشتہ خط میں جو آپ نے نظم لکھی تھی اُس میں ایک لفظ "زمام" تھا جس پر میں نے اعتراض کیا تھا۔ غالباً میں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ زمام کا لفظ ناقہ یا شتر کے لیے خاص ہے، مرکب کے لیے عنان چاہیئے

اس کے بعد میرے دل میں خود بخود شبہ سا پیدا ہو گیا۔ میں نے فارسی کی لغات میں جستجو کی۔ معلوم ہوا کہ زمام کا لفظ مرکّب کے لیے بھی آسکتا ہے گو ناقے کے لیے یہ لفظ خصوصیّت سے مستعمل ہوتا ہے صاحب بہارِ عجم[1] نے کوئی سند ایسے استعمال کی نہیں لکھی مگر چونکہ انھوں نے فارسی الفاظ و محاورات کی تحقیق و تدقیق میں بڑی محنت و جانفشانی کی ہے اس واسطے اُن کے بیانِ بلاسند کو بھی قابلِ اعتبار سمجھنا چاہیئے۔ یہ اس واسطے لکھتا ہوں کہ آپ اس غلطی میں مبتلا نہ رہیں جو میری لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

---

[1] صاحب بہارِ عجم سے مراد لالہ ٹیک چند بہار مؤلف بہارِ عجم شاگردِ سراج الدین علی خاں آرزو ہیں۔ اُنھوں نے فارسی الفاظ کے معنوں کی تحقیق اہلِ زباں سے کی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ کے سپاہی دہلی میں دندناتے پھر رہے تھے، لالہ ٹیک چند اپنی لغت بہارِ عجم کا مسودہ لیے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے اور الفاظ کا صحیح استعمال جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ اقبال نے اسی 'محنت و جانفشانی' کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مؤلف)

نواب محمد اسحاق خاںؒ کے نام

لاہور

۱۹ر اگست ۱۵ء

مخدومی جناب نواب صاحب قبلہ السّلام علیکم

ٹرسٹی شپ علی گڑھ کالج سے میرا استعفا قبول فرمائیے۔ میں بوجہ علالت کبھی اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا اور نہ دیگر فرائض کو ادا کر سکا ہوں جو ٹرسٹی شپ سے متعلق ہیں۔ ان حالات میں پنجاب سے کسی مفید آدمی کا انتخاب کرنا اچھا ہوگا۔

آپ کا خادم محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور

(غیر مطبوعہ)

شاکر صدیقی کے نام

یہ نظم ویسی ہے جیسی پہلے تھی۔

مضمون یعنی موضوع انتخاب کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ بعض اشعار ایسے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ہنسی آتی ہے اور مصنّف کی نسبت اچھا خیال دل میں نہیں بیٹھتا۔ والسّلام۔ مجھے فرصت کم ہوتی

---

[1] یہ غیر مطبوعہ خط بنام نواب محمد اسحاق خاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ریکارڈ سے دستیاب ہوا ہے موصوف ۱۳ ۱۹ء سے ۱۹۱۸ء تک ایم اے او کالج میں سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے (مؤلف)

ہے۔ اس واسطے پے درپے خطوط کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔

محمد اقبال

۲۲ / اگست ۱۹۱۵ء[1] (انوارِ اقبال)

منشی پریم چند[2] کے نام

آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے اردو لٹریچر میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز افسانے جدید لٹریچر کی اختراع ہیں۔ میرے خیال میں آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس دقیق راز کو سمجھا ہے اور سمجھ کر اس سے اہلِ ملک کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ان کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی فطرت کے اسرار سے خوب واقف ہے اور اپنے مشاہدات کو ایک دلکش زبان میں ادا کر سکتا ہے۔

(انوارِ اقبال)

---

[1] یہ خط اقبال نے ٹھاکر صدیق صاحب کے خط کی پشت پر ہی لکھ دیا۔ خط کے لفافے پر ۲۲ اگست (۱۹۱۵ء) انارکلی کے ڈاک خانے کی مہر ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

[2] منشی پریم چند کی کتاب "پریم پچیسی" ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اشتہار الناظر لکھنو کے ستمبر ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اس میں اقبال کی رائے درج ہے (بشیر احمد ڈار)

یہ خط جولائی یا اگست ۱۹۱۵ء میں لکھا گیا ہوگا (صابر کلوری۔ روح مکاتیب اقبال — ایک تنقیدی جائزہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳۰ اگست ۱۵ء

سرکار والا، تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے اور یہ بات معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ مگر بیوی تین ماہ سے بیمار ہیں اور انہی تفکرات کی وجہ سے میں سرکار کے والا نامے کا جواب جلد تر نہیں لکھ سکا۔

حضور نظام کے شملہ تشریف لانے کی خبر میں نے اخبارات میں پڑھی تھی۔ بعد میں وہاں سے احباب کے خطوط بھی آئے، جن سے معلوم ہوا کہ سرکار نظام شملہ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ عجیب عجیب افواہیں اڑ رہی ہیں۔ سنا ہے کہ حضور کو انگریزی وزیر اعظم رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ جس کو حضور نے منظور نہیں فرمایا اور یہ کہا ہے کہ موجودہ انتظام درست ہے مگر اصل معاملات اہلِ دل ہی کو معلوم ہو سکتے ہیں، اور اس زمرے میں میں اور آپ دونوں شامل ہیں۔ ممکن ہوتا تو عرض کرتا کہ کس طرح لاہور میں بیٹھا شملہ کی باتیں سنتا ہوں میرے کان وحدت الوجود کا مراقبہ رکھتے ہیں۔ اس واسطے جہاں کہیں کوئی آواز ہو، میرے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ غرض یہ کہ اسباب نہایت عمدگی سے جمع ہو رہے ہیں اور ان کے مجموعی اثر کے ظہور کا وقت بھی قریب ہے میں تو وہ آدمی ہوں کہ وقت سے پہلے کسی چیز کی خواہش و آرزو نہیں کرتا۔ معلوم نہیں اس بارے میں آپ کا خیال یا طرزِ عمل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ آپ کو شاد کام رکھے کہ ناشاد اقبال کو کبھی کبھی یاد فرما لیتے ہیں۔ ان دنوں تفکرات کا ہجوم ہے۔ میرے لیے دعا فرمائیے

سیّد علی بلگرامی کی لڑکی کی شادی ہے مسز بلگرامی نے بہ سبب تعلقات قریبہ کے، جو سیّد مرحوم سے میرے تھے، شریکِ شادی ہونے کے لیے مجھے طلب فرمایا تھا۔ مگر کیا کروں دُور افتادہ ہوں اور علائق میں گرفتار۔ حاضر ہوسکتا تو آپ کی زیارت کا موقع خوب تھا۔ خیر پھر سہی مثنوی فارسی عنقریب شائع ہوگی۔ اس کا اردو دیباچہ دیکھنے کے قابل ہوگا[1]۔ ان شاء اللہ ایک کاپی ارسالِ خدمت کروں گا۔ والسلام

آپ کا نیازمند دیرینہ محمد اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۹ ستمبر ۱۵ء

سرکار والا تسلیم

والانامہ آج صبح صادر ہوا۔ الحمدللہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ مگر گھر کی علالت کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔

میرے عریضے کا کچھ حصہ پولیٹیکل رنگ میں رنگین تھا تو اس میں تردّد کی کوئی بات نہیں۔ آپ مطمئن رہیں اقبال کبھی پولیٹیشن نہیں بنے گا وہ تو ایک راز کی بات تھی جس کا کھل جانا شاید یقینی ہے۔ بہرحال آپ کا اُصول بہتر ہے یعنی سکوت۔ میں اسی پر کاربند ہوجاؤں گا۔ جس زمانے میں میں زندہ تھا یوں کہیئے کہ زندہ دل تھا۔ تو تجربے نے یہ اصول سکھایا کہ جس مخلوق

[1] مثنوی "اسرارِ خودی" کا اردو دیباچہ جسے اقبال نے قابلِ دید قرار دیا ہے، صرف طبع اوّل میں شائع ہوا تھا مگر اس پر سخت لے دے ہوئی۔ آخر اقبال نے اُسے واپس لے لیا اور بعد کے اڈیشنوں میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

اللہ تعالیٰ آپ کو شاد کام رکھے ہمارے احباب کو
کبھی کبھی یاد فرما لیتے ہیں۔ انھی دنوں اتفاقات کا ہجوم سے
میرے لیے دعا فرمائیے۔ سید علی بلگرامی کی لڑکی کی شادی ہے
مسٹر بلگرامی سے تعلقات زمانہ دیرینہ ہونے سے میری بھی شرکت شادی
ہونے کا بھی مطلب دیا تھا مگر حرج کی کارن دور افتادہ
ہوں اور علائق میں گرفتار۔ حاضر ہو سکتا تو آپ کی زیارت کا
موقع خوب تھا خیر پھر سہی۔ مثنوی فارسی عنقریب شائع ہو گی
آپ کا اردو دیباچہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ان شاء اللہ ایک کاپی ارسال خدمت
کروں گا۔ والسلام

آپ کا نیاز مند محمد اقبال

لاہور

سے زیادہ محبت ہو اُس سے اصولاً زیادہ بے اعتنائی کرنی چاہیئے یار لوگوں نے فرمایش کی ہے کہ ہر اصول پر ایک مفصّل رسالہ لکھنا چاہیئے کہ تماش بینوں کے لیے رہنمائی کا کام دے۔ سو بندہ نے ایک رسالہ موسوم بہ اجرالسکوت تحریر کیا ہے جس میں سکوت کے ایسے ایسے دلائل پیش کیے ہیں کہ فریدالدّین عطار بھی اگر اس رسالے کو پڑھتے تو اپنے فضائلِ خاموشی کو فراموش کر جاتے۔ وہ سینہ بہ سینہ شائع ہوتا تھا

مگر اب اُس کا نشان باقی نہیں کہ وہ محرکات نہیں جو اس کی تصنیف کا باعث ہوئے۔ غرض کہ سکوت بڑی اچھی چیز ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں کام دیتی ہے

"بناوٹ کی بے اعتنائی کے صدقے
بڑے کام آیا مجھے دور رہنا"(۱)

گرمی سخت ہو رہی ہے سردی کی آمد آمد ہے۔ اکتوبر میں موسم خوب ہو جائے گا۔ آپ کو کس بات کا انتظار ہے۔ اس موسم میں سیاحی لطف دے گی۔ حضور نظام سے چند ماہ کی رخصت لیجیے پنجاب ہندوستان کی سیر فرمائیے کچھ دیکھیے کچھ دکھائیے پھر دیکھیے۔ کل کسی ایرانی کا ایک شعر(۲) سرخوش کے "کلمات الشعرا" میں

---

(۱) یہ شعر اقبال کی اس غزل کا ہے جس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں:

عبادت میں زاہد کو مسرور رہنا — مجھے پی کے تھوڑی سی مخمور رہنا
وہ سو ناز اقبال پر کر رہے ہیں — زمانے میں ہے اُن کو مشہور رہنا

مگر اقبال نے اس غزل کو رد کر دیا۔ اب "باقیاتِ اقبال" میں دیکھی جا سکتی ہے (ص ۴۲۱-۴۲۲)

(۲) یہ شعر ملا محمد سعید اعجاز کا ہے: میں نے جنون کے ہاتھوں ایسا جام پیا ہے کہ ہوش نہیں رہا، اب بے ہوشی سے بھی کوئی معاملہ نہیں رہا۔ (یعنی مکمل بے خودی) (محمد عبداللہ قریشی)

نظر سے گذرا مولانا اکبر کو ابھی خط لکھا ہے اور ان کو بھی اس شعر کی لذت یا دکھ میں شریک کیا ہے۔ آپ بھی شریک ہو جائیں۔

"کشیدہ ام ز جنونِ ساغرے کہ ہوش نماند
دگر معاملہ با پیرِ مے فروش نماند"

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دعا کرتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۲ر ستمبر ۱۵ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

ایک عریضہ پہلے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ امید ہے پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گذرے گا۔ مثنوی "اسرارِ خودی" کی ایک کاپی ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ مجھے اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس وجہ سے کہ اس کی چھپائی وغیرہ کچھ دلکش نہیں۔ مگر اس خیال سے کہ میں زیادہ روپیہ اس کی اشاعت پر خرچ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا امید کرتا ہوں کہ آپ میری مجبوری کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اس جرأت کو معاف کریں گے۔ اگر آپ کو اس کا مضمون پسند آجائے تو میرے لیے یہ بہترین قدر افزائی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے مسلسل کے۔

آپ کا خادم دیرینہ محمد اقبال

(عکس) (اقبال بنام شاد)

لاہور ۹ ستمبر ۱۰ء

سرکار والا ۔ تسلیم

والا نامہ ابھی صادر ہوا الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے

میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں مگر مقدمات کا سلسلہ

برابر جاری ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے

مرے عریضے کا کچھ حصہ جو ایک خاص رنگ میں رنگا تھا تو بجز شعر کے کوئی

بات نہیں۔ آپ مطمئن رہیں آداب کبھی فراموش نہیں ہوں گے۔ وہ

تو ایک راز کی بات تھی جسے کہہ جانا شاید نفع ہے۔ بہرحال آپ کا احترام

بہتر ہے یعنی سکوت۔ میں بھی اس کا بہر حال بہرہ ور ہو جاؤں گا۔ جس زمانہ میں ہوا رہنما

تھا یوں کہیے کہ زندہ دل تھا تو تجربے نے اصول سکھایا کہ حسن بے معشوقی رائیگاں بحث

لاہور ۱۲ ستمبر ۱۵ء

سردار والا تبار ۔ تسلیم

ایک عریضہ پہلے ارسال خدمت کر چکا ہوں امید ہے کہ ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا

مثنوی اسرار خودی کی ایک کاپی ارسال خدمت کرتا ہوں

مجھے اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے

اس وجہ سے ہے کہ اس کی چھپائی وغیرہ کچھ دلکش نہیں مگر اس کے مطالب سے

میں زیادہ مطمئن ہوں اس کی ضخامت پر ترجیح کرتے ہوئے آپ لطف سے ملاحظہ

امید کرتا ہوں کہ آپ میری مجبوری کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس کی جرأت کو

معاف کریں گے ۔ اگر آپ کو اس کا مضمون پسند آیا تو میرے لئے یہ بہترین

قدر افزائی ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں سوا دعائے سلامتی

آپ کا خادم دیرینہ محمد اقبال

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳۰ر ستمبر ۱۵ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ موصول ہوا۔ مثنوی کی رسید ملی[1] اور سرکار کی مصروفیت کا حال معلوم ہوا۔ مجھے اسی سے بڑی مسرت ہوئی کہ سرکار نے اس نظم کو پسند فرمایا۔ دوسرا حصہ ان شاء اللہ باعتبار معانی کے اس سے لطیف تر ہوگا۔ خدا فرصت دے تو اسے بھی پورا کر دوں۔ گو ہجومِ مشاغلِ سفلی میں امید کی کمر شکستہ ہے۔ تاہم جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔ خیالات عجیب و غریب دل میں دورہ کرتے رہتے ہیں اگر لٹریری مشاغل اس ملک میں بطور ایک پیشے کے اختیار کیے جا سکتے تو میں اپنے موجودہ کاروبار کو بمع اس کی تمام دلچسپیوں اور امیدوں کے خیر باد کہہ دیتا۔ بہرحال جو کچھ اللہ کو منظور۔ مرزا سلطان احمد خان بہادر، جو پنجاب کے مشہور مبصر اور اہلِ قلم ہیں۔ اس پر ریویو کر رہے ہیں۔ آپ کا ریویو مثنوی کو چار چاند لگا دے گا۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر عزت اور کیا ہوگی۔ آپ نے اور مولانا اکبر نے اسے پسند فرمایا بس یہی داد میرے لیے کافی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی۔ سرکار کی فرمایش کے مطابق بیس نسخے آج ارسالِ خدمت ہوں گے مگر آپ جنسِ سخن کے جوہری ہیں اگر آپ اپنی بلندی سے نیچے اتر کر مشتری کی حیثیت اختیار کریں تو آپ کا اختیار ہے۔ میں آپ کو مشتری

---

[1] مثنوی اسرار خودی کے مطبوعہ نسخہ کی طرف اشارہ ہے۔

نہیں تصور کر سکتا اور اس واسطے وی پی پارسل کر کے بھیجنا گناہِ کبیرہ سمجھتا ہوں۔ اگر ضرورت ہو تو مزید نسخے بھی حاضرِ خدمت ہوں گے
بہت سی باتیں کہنے کی ہیں مگر کیا کروں آپ کو دکن نہیں چھوڑتا تو مجھے پنجاب کی زنجیر سے آزادی نہیں ملتی۔ بہرحال جس حال میں ہوں۔ خوش ہوں۔ مقدر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہیں مانگتا۔ وقت خود بخود مساعدت کرے گا اور مشیمۂ تقدیر میں جو جو کچھ پوشیدہ ہے اُسے آشکارا کر دے گا۔ انتظار میں بھی ایک لطف ہے۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

منشی سراج الدین کے نام

لاہور
۴ راکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی۔ السلام علیکم
آپ کا نوازش نامہ ملا جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ کو مثنوی پسند آئی۔ آپ ہندوستان کے ان چند لوگوں میں ہیں جن کو شاعری سے طبعی مناسبت ہے اور اگر نیچر ذرا فیاضی سے کام لیتی تو آپ کو زمرۂ شعرا میں پیدا کرتی۔ بہرحال شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں بلکہ کم از کم ایک اعتبار سے اس سے بہتر ہے۔ محض ذوقِ شعر رکھنے والا شعر کا ویسا ہی لطف اٹھا سکتا ہے جیسا کہ خود شاعر اور تصنیف کی شدید تکلیف اُسے اٹھانی نہیں پڑتی۔

یہ مثنوی گذشتہ دو سال کے عرصے میں لکھی گئی۔ مگر اس طرح کہ
لئی کئی ماہ کے وقفوں کے بعد طبیعت مائل ہوتی رہی۔ چند اتوار کے
دنوں اور بعض بے خواب راتوں کا نتیجہ ہے۔ موجودہ مشاغل وقت نہیں
چھوڑتے اور جوں جوں اس پروفیشن میں زمانہ زیادہ ہوتا جاتا ہے
کام بڑھ ہی جاتا ہے۔ لٹریری مشاغل کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔
اگر مجھے پوری فرصت ہوتی تو غالباً اس موجودہ صورت سے یہ مثنوی بہتر ہوتی
اس کا دوسرا حصّہ بھی ہوگا جس کے مضامین میرے ذہن میں ہیں۔
مجھے یقین ہے کہ وہ حصّہ اس حصّہ سے زیادہ لطیف ہوگا۔ کم از کم
مطالب کے اعتبار سے گو زبان اور تخیل کے اعتبار سے میں
نہیں کہہ سکتا کہ کیسا ہوگا۔ یہ بات طبیعت کے رنگ پر منحصر ہے جو
اپنے اختیار کی بات نہیں۔

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں
ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض وغایت سے
آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین
بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب
کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے
اسے تصوف پر ایک حملہ تصوّر کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی
ہے۔ ان شاء اللہ دوسرے حصے میں دکھاؤں گا کہ تصوّف کیا ہے اور
کہاں سے آیا اور صحابہ کرام کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق
ہوتی ہے جس کا تصوّف حامی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

(اقبال نامہ)

منشی سراج الدین کے نام

لاہور
۱۴؍ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی، السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ زمیندار میں آپ کا خط چھپ جانے کی غلطی کا ذمّہ دار کسی حد تک میں خود اور زیادہ تر دفتر زمیندار ہے۔ میں نے تو وہ خط مولوی عمادی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا کہ وہ اپنے ریویو میں اس تحریر سے مدد لیں۔ مولوی عمادی ایڈیٹر زمیندار خود ایک ریویو لکھ رہے ہیں جو ہنوز ناتمام ہے۔ مقصد اشاعت نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے وہ تحریر ہی چھاپ دی گئی۔

مجھے اس غلطی کے لیے سخت افسوس ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اُن کو یہی لکھا تھا یہ ریویو ایک پرائیویٹ خط ہے اس میں بعض باتیں پتے کی تھیں اور میرا خیال تھا کہ مولوی صاحب کو ان کے پڑھنے سے مدد ملے گی۔ مگر اس تحریر کی اشاعت کا ذمّہ دار غالباً اسسٹنٹ ایڈیٹر ہے۔ جسے معلوم نہ تھا کہ یہ پرائیویٹ خط دفتر میں کیوں بھیجا گیا۔ بہر حال اس ندامت کا سب بوجھ مجھ پر ہے مَیں مولوی صاحب سے ضرور استفسار کرتا مگر اس وجہ سے کہ محض لٹریری تنقید ہے اور چھپ چکی ہے جس کا علاج اب محال ہے میں نے اُن سے استفسار نہ کیا۔ اگر کوئی چارۂ کار ہو تحریر فرمائیے کہ اس کا علاج کیا جائے والسلام۔

آپکا محمّد اقبال

(اقبال نامہ)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور
۱۸ر اکتوبر ۱۵ء

مخدومی! تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ مجھے اس بات سے تردد ہے کہ آپ کی علالت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتِ کامل عطا فرمائے۔ آپ کے خطوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے۔ اسی واسطے میں ان خطوط کو محفوظ رکھتا ہوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت لوگوں کو اُن سے فائدہ پہنچنے کی توقّع ہے۔ واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینان (خاطر) روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ گو عملی حالت کے اعتبار سے بہت سست عنصر واقع ہوا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔

شیعوں کے متعلق آپ نے خوب لکھا۔ میرا مدّت سے یہی خیال ہے۔ امامت کا مسئلہ سوسائٹی کو انتشار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ مذہبی حقائق کا معیار عقل ہو۔ میں نے کئی دفعہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صوفی بننے کی نسبت شیعہ ہو جانا ضروری ہے۔ اگر تقلید ضروری ہے تو اولادِ علی مرتضٰے سے بڑھ کر اور کون امام ہوگا۔ البتہ امامت کے اصول میں ایک نقص ہے اور وہ یہ کہ عوام کو مجتہدین سے تعلق رہتا ہے اور قرآن سے تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل کوئی تعلق نہیں رہتا۔ "مذہب بغیر نوّت کے محض ایک فلسفہ ہے" یہ نہایت صحیح مسئلہ ہے اور حقیقت میں

مثنوی لکھنے کے لیے یہی خیال محرک ہوا۔ میں گزشتہ دس سال سے اسی پیچ و تاب میں ہوں۔

انیس احمد کو میں جانتا ہوں۔ انہوں نے ایک رسالہ تعلیم قرآن پر بھی لکھا تھا۔ اچھا رسالہ تھا۔ مگر بعض لوگ اُن پر بدظن ہیں۔ چند روز ہوئے لاہور میں بھی آئے تھے۔ مجھ سے نہیں ملے۔ معراج الدین کہاں سے دستیاب ہوتی ہے؟

قرآن کے متعلق عربی میں بعض نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر افسوس ہے کہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوتیں۔ جرمنی کے علما نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر جنگ کی وجہ سے وہاں سے نہیں آسکتیں ان شاء اللہ بعد از جنگ بہت سی کتابیں علوم قرآنی کے متعلق وہاں سے منگواؤں گا۔ مدت ہوئی چند شعر فارسی کے لکھے تھے عرض کرتا ہوں:-

خوش آنکہ رختِ خرد را ز شعلۂ مے سوخت[1]
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستاں کن
بہار خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت
دلم تپید ز محرومئ فقیہِ حرم
کہ پیرِ میکدہ جامے بہ فتوئی نہ فروخت
مسنج قدرِ سرود از نواے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کے خط کے ساتھ آچکا ہے۔

فزون قبیلۂ آن پختہ کار باد[1] کہ گفت
چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید
بیار بادہ کہ گردوں بکامِ ما گردید
مثالِ غنچہ نواہا ز شاخسار دمید
خورم بہ یادِ تنک نوشی امامِ حرم
کہ جز بصحبتِ یارانِ رازدان نہ چشید
چناں ز نقشِ دوئی شست لوحِ خاطرِ خویش
کہ وحشی تو ہم از آہوے خیال رمید

---

[1] یہ اشعار پیامِ مشرق میں ہیں اور یہ شعر اس میں زائد ہے

صبا بہ گلشنِ ویمر پیامِ ما برساں
کہ چشم نکتہ وراں خاکِ آں دیار افروخت

(اے صبا گلستانِ ویمر تک ہمارا پیام پہنچا دے کہ اس شہر کی خاک نے نکتہ وروں کی آنکھوں کو روشن کیا ہے) (جرمنی کا شہر ویمر گوئٹے کا مدفن ہے۔م)

۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کے خط میں اس شعر کا مصرعہ اولیٰ اس طرح ہے

صبا بہ مولدِ حافظ سلامِ ما برساں (مؤلف)

(ترجمہ) اس پختہ کار کا قبیلہ بڑھتا رہے جس نے کہا کہ امید کی کرن راہِ حیات کا چراغ ہے۔

شراب لاؤ کہ آسمان کی گردش ہماری مراد کے موافق ہوگئی ہے، شاخوں سے نغمے غنچوں کی طرح پھوٹ رہے ہیں۔

میں امامِ حرم کی کم نوشی کے نام پر پیتا ہوں جس نے کبھی یارانِ رازداں کے سوا اور کسی کے ساتھ شغلِ جام نہیں کیا۔

اس نے اپنی لوحِ خاطر سے نقشِ دوئی ایسے مٹا دیا کہ تیرا وحشی آہوئے خیال سے بھی رم کرنے لگا۔ (یعنی خیال کی دوئی بھی باقی نہ رہی)

نوازِ حوصلۂ دوستاں بلند تراست
غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید

غالباً یہ اشعار آپ کے لیے نئے نہ ہوں گے کیونکہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید کچھ عرصہ ہوا میں نے یہ اشعار آپ کی خدمت میں تحریر کیے تھے خیریتِ مزاج سے مطلع فرمائیے۔

آپ کا خادم
محمدؐ اقبال
(اقبال نامہ)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور
۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء

ڈیر عزیز
آپ کے خط کا بہت شکریہ۔ کاش میں وہاں آسکتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں۔ میری بیوی کی طبیعت ناساز ہے اور اُن کی مسلسل تیمارداری کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عذر آپ کے نزدیک خاصا وزنی ہوگا اور آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ مزید براں آپ کو معلوم ہے کہ انجمن کے معاملات سے اب میرا تعلق نہیں ہے۔ میں نے اسے ان لوگوں پر چھوڑ دیا ہے جو اسے زیادہ اچھی طرح چلا سکتے ہیں

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال
(فوادر)

(انگریزی سے)

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ دونوں اشعار لاجواب ہیں:

فطرت کی زبان جس کو سمجھو

سبحان اللہ! یہ طرز اور معنی آفرینی خاص آپ کے لیے ہے کوئی دوسرا یہاں مجالِ دم زدن نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شعر

غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے[1]

کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ اس کا لطف کم ہونے میں نہیں آیا۔

کبھی موقع ہوتا ہے تو دل کا دکھڑا آپ کے پاس روتا ہوں۔ یہاں لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکرِ مناصب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آیندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرتِ اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ

---

[1] پورا شعر یوں ہے: وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو
عضب یہ ہے کہ کبھی محتسب کی ہوتی ہے
(خطوطِ مشاہیر ص ۸۴ - معاصرین اقبال کی نظر میں ۱۶۴)

رہی۔ جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہر دلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی۔ عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوّت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو مل جائے۔ جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپکا خادم
محمد اقبال
(اقبال نامہ)

ضیاء الدّین برنی کے نام

لاہور، ۳۰ راکتوبر ۱۵ء

مکرمی السلام علیکم آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ تصوّف کی کتاب پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے میں کسی طرح اہل نہیں کیونکہ مجھے تصوّف سے معمولی واقفیت ہے اور وہ بھی سطحی

اس کام کے لیے موزوں تر آدمی خواجہ حسن نظامی ہیں۔ میری رائے
میں تصوف پر بہت سی کتابیں تمام اسلامی زبانوں میں موجود ہیں جن کا
مطالعہ عام اسلامی پبلک کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہوا۔ البتہ
اگر آپ تصوف کی تاریخ لکھیں اور بتائیں کہ تاریخی اعتبار سے تصوف
کا تعلق اسلام سے ہے یا نہیں تو یہ رسالہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔
والسّلام

آپکا خادم محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (انوارِ اقبال م)

شاکر صدیقی کے نام

مکرم بندہ

میں نے آپ کے اشعار کی خامیوں پر نشان لگا دیے
ہیں ان پر مفصل لکھنے کی فرصت نہیں۔ تراکیب و الفاظ کی
ساخت و انتخاب محض ذوق پر منحصر ہے اور ایک حد تک زبان
فارسی کے علم پر۔ آپ فارسی زبان کی کتابیں خصوصاً اشعار پڑھا
کریں۔

مثلاً دیوانِ بیدلؔ، نظیریؔ نیشاپوری، صائبؔ، جلالؔ اسیر، عرفیؔ

۱؎ برنی صاحب جب تھیوسوفیکل سکول کا ہور میں ٹیچر تھے تو ان سے تصوف پر ایک مضمون لکھنے
کے لیے کہا گیا تھا۔ انہوں نے خواہش کی کہ اقبال ان کے مضمون پر نظر ثانی کر دیں۔

غزالی مشہدی، طالب آملی وغیرہ۔ ان کی مزاولت سے مذاقِ صحیح خودبخود پیدا ہوگا اور زبان کے محاورات سے بھی واقفیت پیدا ہوگی۔ عروض کی طرف خیال لازم ہے اس نظم کا پہلا مصرع ہی بہ اعتبارِ عروض غلط ہے زنجیر، فقیر، وزیر عسکری، روکشی، تفسیر، خوانِ مسلم کا خوشہ چین وغیرہ (دو لفظ پڑھے نہیں گئے) پست اور خلاف محاورہ ہیں۔ خوان کا خوشہ چیں نہیں کہتے، خرمن کا خوشہ چیں ہوتا ہے۔ خوان کا زلہ رُبا کہتے ہیں "ہے" "کے" "ی" کو طول دینا بُرا معلوم ہوتا ہے موسیقیت (؟) کے اعتبار سے، علیٰ ہذا القیاس۔

"آہ" میں "ہ" کی آواز کو چھوٹا کرنا یوں بھی بُرا ہے۔ ایک ہی مصرع اردو میں چار اضافتیں بری معلوم ہوتی ہیں اس سے فارسی والے بھی محترز ہیں[1]۔

محمد اقبال
اکتوبر ۱۹۱۵ء
(انوارِ اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲ر نومبر ۱۵ء

سرکارِ والاتبار تسلیم

ایک عرصے سے خبر خیریت معلوم نہیں ہوئی متردّد ہوں امید کہ سرکار

---

[1] حباب تنا کر صدیقی نے اپنے خط (۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۵ء) کے ساتھ ایک نظم "ہرن مسارہ" بغرض اصلاح بھیجی تھی یہ خط اسی خط کے جواب میں ہے۔

کا مزاج بخیر ہوگا۔ از راہِ عنایت مطلع فرمائیے کہ اطمینانِ خاطر ہو
اسرارِ خودی کے دو پیکٹ، کل بیس جلدیں حسب ارشاد عرصہ
ہوا ارسال کردی گئی تھیں مگر رسید نہیں آئی۔ مجھے اس واسطے
فکر ہے کہ بعض پارسل اس کتاب کے گم ہو گئے ہیں۔
زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دست بدعا ہوں
آپ کا خادم دیرینہ محمدؐ اقبال، لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۳ر نومبر ۱۵ء

سرکار والا تبار تسلیم
دونوں والا نامے مل گئے ہیں۔ دوسرے کو پڑھ کر تردد
ہے۔ مفصل کیفیت سے آگاہی چاہتا ہوں۔ اگر نامناسب
نہ ہو تو مطلع فرمائیے، اس عرضے میں ہمہ تن دعا ہوں۔
اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہے۔

خادم دیرینہ محمدؐ اقبال، لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

لاہور ۱۰ نومبر ۱۵ء

سرکار والاتبار تسلیم

دونوں والا نامے مل گئے۔ دورے کو پڑھ کر تردد ہے

مفصل کیفیت سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں اگر امکان ہو تو

مطلع فرمائیے۔ آپ کے حق میں ہمہ تن دعا ہوں

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہے

خادمِ دیرینہ محمد اقبال

ایڈیٹر "پیغامِ صلحؒ" کے نام

لاہور، ۱۳؍نومبر ۱۹۱۵ء

مخدومی ایڈیٹر صاحب پیغام صلحؒ، السلام علیکم!

۹؍اکتوبر ۱۹۱۵ء کے "الفضل" میں سید انعام اللہ شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک تحریر بعنوان "جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی رائے اختلاف جماعتِ احمدیہ کے بارے میںؒ شائع کرائی ہے۔ اس تحریر کے متعلق میرے اکثر احباب نے بذریعہ خطوط وغیرہ مجھ سے دریافت کیا ہے۔ فرداً فرداً جواب دینے سے قاصر ہوں لہٰذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل سطور کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر مجھے ممنون فرمایئے

لہ پیغام صلح، جماعت احمدیہ لاہور کے ہفت روزہ اخبار کا نام ہے جواب بھی شائع ہوتا ہے۔

لہ قادیانیت کے متعلق علامہ اقبال کا موقف بہت واضح ہے۔ وہ انھیں غیر مسلم سمجھتے تھے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے متعدد مواقع پر قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ پنڈت نہرو کے نام ایک خط میں انھوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

مگر ابتدائی دور میں قادیانیوں کے بارے میں ان کی رائے ایسی دو ٹوک اور واضح نہیں تھی۔ علامہ اقبال کے اپنے بقول "ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی۔ وہ قادیانیوں کے ساتھ بعض جلسوں میں بھی شریک ہوتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر بعض ملی مسائل پر بیانات بھی دیتے رہے (قادیانی غالباً اسی کو اقبال کا "احمدیت" کے ساتھ گہرا تعلق قرار دیتے ہیں) مگر جب قادیانیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آگئے تو انھوں نے قادیانیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔

ابتدائی دور کا یہ خط بھی قادیانیت کے بارے میں اقبال کی پوزیشن کو مزید واضح کرتا ہے۔ کسی قادیانی نے جب قادیانیوں کی حمایت میں بعض کلمات ان سے منسوب کیے تو انھوں نے اس خط کے ذریعے اس کی تردید کی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میرے بہت سے احباب سلسلۂ احمدیہ کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور جب کبھی مجھے سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر موقعے گفتگو کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ستمبر گذشتہ میں بھی جب میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک سے زیادہ موقعے گفتگو کے پیدا ہوئے لیکن مجھے یہ یاد نہ آتا تھا کہ سید انعام اللہ صاحب کون سے موقع گفتگو کا ذکر اپنی تحریر میں فرماتے ہیں چونکہ ان کی تحریروں میں سید بشیر احمد صاحب کی طرف اشارہ ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ سید صاحب موصوف کے سوال پر میں نے کہا کہ قادیانی جماعت حق پر ہے اور مجھے ہمدردی لاہور والوں سے ہے۔ اس واسطے اپنے حافظہ پر اعتبار نہ کر کے میں نے سید بشیر احمد صاحب موصوف کو خط لکھا جواب کا وہ حصہ جو اس بحث سے متعلق ہے ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرے احباب کو اصل کیفیت سے آگاہی ہو جائے۔

ہوشیار پور، ۲۹ر اکتوبر

برادر مکرم و معظم سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ

"ابھی آپ کا خط ملا۔ ستمبر کے آخری ہفتہ میں جب آپ سیالکوٹ تشریف فرما تھے اور میں بھی وہیں تھا۔ آپ کے دولت کدے پر انعام اللہ میرے ہمراہ گیا تھا۔ اور وہ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں حسبِ عادت کرتا رہا تھا۔ کئی اس نے سوال و جواب کیے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ قادیان پارٹی اور لاہور پارٹی کا وہ ذکر کرتا رہا۔ گفتگو البتہ مجھے یاد نہیں کہ کیا تھی۔ ہاں میں یہ یقین سے کہہ

(بقیہ) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

(۱) اقبال اور قادیانی، الیعم آسی مسلم اکادمی سیالکوٹ، ۱۹۷۴ء

(۲) اقبال اور قادیانیت، شورش کاشمیری مطبوعات چٹان لاہور ۱۹۷۴ء

[رفیع الدین ہاشمی خطوطِ اقبال

اعجاز احمد، مظلوم اقبال]

سکتا ہوں کہ میں نے کوئی سوال آپ سے نہیں کیا تھا میر انعام اللہ صاحب سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ عادۃً مبالغہ آمیز باتیں کرنے کا عادی ہے پوری گفتگو نہ کبھی اس کی کسی نے سمجھی ہے اور نہ ہی وہ خود بے چارا سمجھ سکتا ہے۔ ایک فقرہ سے کئی کئی نتائج اخذ کیا کرتے ہیں۔ انہیں معذور سمجھنا چاہئیے۔"

افسوس ہے کہ میر انعام اللہ صاحب نے میرے الفاظ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں غلط فہمی ہوئی ہو ایک شخص جو کسی خاص فریق سے تعلق رکھتا ہو، وہ قدرتی طور پر اوروں کی گفتگو سے وہی الفاظ و مطالب یاد رکھتا ہے جو اس کے مفیدِ مطلب ہوں اور سیاقِ الفاظ فراموش کر جاتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کتاب "حقیقت النبوۃ" کی بہ لحاظ اس کی ترتیب کے تعریف کی تھی مگر اس کے دلائل پر رائے دینے کا مجھے حق حاصل نہیں، کیونکہ اختلافِ سلسلۂ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہو، اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک غیر احمدی مسلمان جو رسول اللہ صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہ ہو، وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں۔

محمد اقبال۔ لاہور

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۵ دسمبر ۱۵ء

سرکار والا تسلیم

سرکار کا والا نامہ مل گیا تھا مگر طبیعت علیل تھی۔ بخار اور نزلہ سے

آج افاقہ ہے۔ اس واسطے خط لکھنے کا حوصلہ ہوا۔ پرسوں پیغامِ صلح میں سرکار کی ایک نظم ملاحظے سے گزری۔ میں نے اسی کو نیم ملاقات تصوّر کر لیا۔ آپ کے قلم برداشتہ نظم و نثر لکھنے پر کون ہے جو رشک نہ کرتا ہوگا؟ سائیں رب سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے عرضِ حال بھی کیا تھا۔ کہتے تھے رب ہمیشہ شاد کے ساتھ ہے مطمئن رہیں۔ مگر آپ کے خط کا مضمون پڑھ کر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ اس کی وجہ کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا۔ ارادۂ سفرشن کر بڑی مسرت ہوئی۔ پچھلی دفعہ جس موسم میں سرکار تشریف لائے وہ اچھا نہ تھا۔ پنجاب کے لیے سردیوں کا موسم سفر کے لیے خوب ہے۔ فروری کا مہینہ خاص کر اچھا ہے۔

بندۂ اقبال ہمیشہ آپ کے دولت و اقبال کے لیے دست بدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ حوادثِ روزگار سے مامون و مصئون رکھے۔ آمین

آپ کا مخلص محمد اقبالؔ لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ر دسمبر۱۵ء

سرکار والا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پیشتر ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا تھا۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔ کل شام خواجہ کمال الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ دیر تک آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا ذکر ایک پرائیویٹ مجمع میں کرتے رہے۔ میرے لیے یہ ذکر باعثِ مسرت تھا۔

آپ نے مومن مرحوم کا یہ شعر تم مرے پاس ہوتے ہو گویا الخ
خوب یاد دلایا۔ مگر مومن مرحوم نے یہ شرط لگا دی ہے۔ "جب کوئی
دوسرا نہیں ہوتا۔" اقبال انجمن و خلوت سفر و حضر ہر حال میں آپ
کے ساتھ ہے۔ سنا ہے کہ مسٹر الماطیفی برٹش انڈیا میں اپنے عہدے
پر واپس آتے ہیں۔ کیا یہ خبر صحیح ہے؟
آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر کوئی سبیل نہیں نکلتی۔
تاہم منتظر رہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی رستہ پیدا کرے گا۔ آپ کی
غزل "دل چہ فروشم" ذخیرے میں نظر سے گذری خوب تھی۔ آپ،
بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ پتے کی بات کہہ جاتے ہیں۔ ساکنانِ
ملاءِ اعلیٰ میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ مگر وہاں کی ایک پارٹی آپ کی مؤید ہے
اور آپ کے الفاظ کی مختلف تعبیر کرتی ہے۔
زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے تم سلامت رہو ہزار برس
خادمِ کہن محمد اقبال

(اقبال بنام شاد) (عکس)

۱؎ مسٹر الماطیفی انڈین سول سروس کے ایک قابل فرد اور اقبال کے دوست تھے ترقی کر کے
کمشنر ہو گئے تھے۔ اور بھی کئی ممتاز عہدوں پر رہے۔

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو کیونکر آنے کی ممانعت ہو سکتی ہے میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ مصروف آدمی ہیں آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انارکلی شیراں والے دروازے سے دور ہے۔

کتاب جب آ جائے تو ضرور ہمراہ لایئے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لائیں۔

۲۱ دسمبر کا کشمیری[1]، اور وجدانِ نشتر[2] میری نظر سے نہیں گذرے

والسلام۔

آپ کا خادم محمد اقبال

لاہور ۲۱ دسمبر ۱۵

(انوارِ اقبال) (عکس)

---

[1] ۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ کے کشمیری (ہفتہ وار) میں فوق صاحب نے ایک واقعہ کا ذکر کیا تھا جس کا عنوان تھا "ڈاکٹر اقبال کی ایک نظم کا اثر۔ واقعہ یہ تھا کہ بیگم صاحبہ بہاول پور نے ایک لوکل روزنامہ اخبار کے ایڈیٹر صاحب سے اثنائے گفتگو میں فرمایا "جب سے میں نے ے

ایسا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ

جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

والی نظم پڑھی ہے میں نے تیتر، بٹیر اور چڑیوں کا کھانا قطعی چھوڑ دیا بلکہ جب میں کسی بلبل یا چڑیا کو اسیر دیکھتی ہوں تو میرے دل پر بہت چوٹ لگتی ہے اور فوراً مجھے یاد آ جاتا ہے

آزاد کر دے مجھ کو او قید کرنے والے

میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

[2] فوق صاحب کی ایک تصنیف جس کا دوسرا نام "سوز و گداز" بھی ہے۔ اس میں عربی، فارسی اردو اور پنجابی کے ایسے اشعار جمع کیے گئے ہیں جن کو بزرگانِ دین نے وجد و حال کے طور پر استعمال کیا ہے۔

والسلام محمد اقبال

محمدؐ دین فوق کے نام

لاہور ۲۳ر دسمبر ۱۵ء

ڈیر فوق۔ السلام علیکم

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی

"وجدانی نشتر" خوب ہے مگر تعجب ہے کہ شیخ ملاّ کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر[1] "من پروائے مصطفےٰ دارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملاّ کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ریویو[2] دوسرے صفحے پر درج ہے۔

(عکس) (انوار اقبال)

---

[1] پورا شعر یہ ہے۔

بچہ در پنجۂ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

(ترجمہ) میرا بچہ خدا کے پنجہ میں ہے اور مجھے مصطفےٰ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیا پروا۔   (حاک درد ہمتا شیخ ملا لاہوری)

[2] اس خط کا عکس جو ہمیں ملا ہے وہ ناتمام ہے، دوسرے صفحہ پر ریویو کا ذکر ہے وہ اس میں موجود نہیں

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳۰ر دسمبر ۱۵ء

سرکار والا تبار تسلیم خادم درگاہِ عالیہ خاکسار اقبال تحریرِ احوال میں ضرور سست ہے۔ مگر اس کا دل عقیدت اور محبت اور اخلاص میں سست نہیں۔ اللہ تعالیٰ سرکار کو جزائے خیر دے کہ اس سراپا قصور کو کبھی کبھی محبت سے یاد فرما لیتے ہیں۔ آج صبح والا نامہ ملا تھا جس کو پڑھ کر ندامت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔ اس والا نامہ کے موصول ہونے سے پیشتر ایک عریضہ لکھ چکا تھا۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ اشرف سے گزر چکا ہو گا۔

میری صحت عام طور پر اچھی نہیں رہتی، کوئی نہ کوئی شکایت دامن گیر رہتی ہے۔ دوا پر مجھے چنداں اعتبار نہیں ورزش سے گریز ہے۔ اس واسطے یہ فیصلہ کر بیٹھا ہوں کہ چلو اگر مقررہ وقت سے کچھ عرصہ پہلے رخصت ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے میرے دوست ڈاکٹر ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ ورزش وغیرہ سے عمر میں اضافہ ہو گا مگر میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ دس سال پہلے کیا اور پیچھے کیا آخر رخصت ہونا ہے تو کیوں دوا اور ورزش کا دردِ سر خریدا جائے۔

سرکار نے جو نسخہ میرے لیے تجویز فرمایا ہے ضرور مفید ہو گا کیونکہ مجرّب ہے اور مجھے اس کے استعمال کی خواہش بھی بہت ہے مگر نری خواہش سے کام نہیں چلتا۔ استعمال کے وسائل ضروری ہیں اور وہ مفقود ورنہ یہ تو وہ چیز ہے کہ:

خمارِ بے حدِ من سحرِ ہاہمی طلبد[1]

لندن میں ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا کہ تم مسلمان ہو میں نے کہا ہاں تیسرا حصہ مسلمان ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے "کس طرح؟ میں نے عرض کی کہ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں نماز خوشبو اور عورت۔ مجھے ان تینوں میں صرف ایک پسند ہے مگر اس تخیل کی داد دینی چاہیئے کہ نبی کریمؐ نے عورت کا ذکر دو لطیف ترین چیزوں کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت نظامِ عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی نماز۔

ایک معصومہ[2] پنجاب میں رہتی ہیں۔ میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں مگر سنا جاتا ہے کہ حسن میں لاجواب ہے اور اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر پردہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے چند روز ہوئے اس کا خط مجھے موصول ہوا کہ مجھ سے نکاح کر لو۔ تمہاری نظم کی وجہ سے تم سے غائبانہ پیار رکھتی ہوں اور میری توبہ کو ٹھکانے لگا دو۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس کارِ خیر میں حصہ لوں مگر کمر میں طاقت ہی نری کافی نہیں اس کے لیے دیگر وسائل بھی ضروری ہیں۔ مجبوراً مہذبانہ انکار کرنا پڑا۔ اب بتائیے کہ آپ کا نسخہ کیسے استعمال میں آئے۔ مگر میں آپ کی ولایت کا قائل ہوں کہ آپ نے ایسے وقت یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ مریض کی طبیعت خود بخود اُدھر مائل تھی۔ نسخہ مجھے دل سے پسند ہے مگر اس کو کسی اور وقت پر استعمال میں لاؤں گا جب

---

[1] میرا خمارِ بے حد سمدر دوستی کا مطالبہ کرتا ہے۔

[2] عکس پر غور کرنے سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہاں لفظ "مطربہ" تھا اس میں تحریف کر کے "معصومہ" بنایا گیا ہے۔ (مؤلف)

حالات زیادہ مساعد ہوں گے۔ فی الحال سرکار کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ قادر و توانا سرکار کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے کہ حمار ی شاہ کے مریدوں میں داخل[1] ہو کر تثلیثی مذہب کو خیر باد کہہ کر پنجتنی ہو جاؤں۔ اُفوّض اَمری اِلیٰ اللہ[2] کیا خوب فرمایا گیا ہے۔ اس سے طبیعت کا سکون اور اطمینان بڑھتا ہے کسی انگریزی حکیم نے کیا خوب لکھا ہے:

"THE BEST WAY OF GETTING A THING IS FORGETTING IT"

اور یہ بات "اُفوّض امری" کے وظیفے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ بہت رات جا چکی، بارہ بج گئے اب سوتا ہوں اگر نیند آگئی۔ پھر حاضر ہو کر باقی حالات عرض کروں گا۔

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست[3]

بندۂ درگاہ محمد اقبال
(اقبال بنام شاد)

(عکس)

---

[1] اقبال کی تین بیویاں تھیں اور مہاراجہ کی پانچ "تثلیثی مذہب کو خیر باد کہہ کر پنجتنی ہو جاؤں" سے اسی طرف لطیف اشارہ ہے۔

[2] (ترجمہ) میں اپنے معاملات خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

[3] (ترجمہ) "جو میدان جنگ کا آدمی نہ ہو وہ ہماری صف سے بھاگ جائے اس لئے کہ جو مارا نہیں گیا وہ ہمارے قبیلہ کا فرد نہیں ہے"

یہ شعر نظیری نیشاپوری کا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور۔ ۳۰ر دسمبر ۱۵ء

مخدومی خواجہ صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مِل گیا[1]۔ آپ کی علالت کا حال معلوم کر کے تردّد ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ صحتِ عاجلہ عطا فرمائے۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کو اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ[2] سے عشق ہے پھر یہ کیونکر

ممکن ہے کہ آپ کو ایک حقیقتِ اسلامی[3] معلوم ہو جائے اور آپ اس سے انکار کریں بلکہ مجھے ابھی سے یقین ہے کہ آپ بالآخر[4] میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے۔ میرا فطری اور آبائی میلان تصوّف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی[5] ہو گیا تھا۔ کیونکہ فلسفۂ یورپ[6] بحیثیتِ مجموعی وحدت الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے، مگر قرآن[7] پر تدبر کرنے اور تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی

---

[1] اوراق گم گشتہ: ملا
[2] اوراق گم گشتہ: (پیغمبر اسلام صلعم)
[3] اوراق اسلامی حقیقت۔
[4] اوراق: بالآخر آپ۔
[5] اوراق: تیز ہو گیا تھا۔
[6] اوراق یورپین فلسفہ۔
[7] اوراق قرآن میں۔

غلطی معلوم[1] ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔

رہبانیت اور اسلام پر مضمون ضرور لکھوں گا مگر آپ[2] کے مضمون کے بعد۔ رہبانیت عیسائی مذہب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ[3] ہر قوم میں پیدا ہوتی ہے اور ہر جگہ اس نے شریعت اور[4] قانون کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے اثر کو کم کرنا چاہا ہے اسلام حقیقت میں[5] اسی کے خلاف ایک[6] صدائے احتجاج ہے

تصوّف جو مسلمانوں میں پیدا ہوا[7] (اور تصوّف سے میری مراد ایرانی تصوّف ہے) اس نے ہر قوم کی رہبانیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر راہبی[8] تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے[9]۔ یہاں تک کہ قرمطی تحریک[9] سے بھی تصوّف نے فائدہ اٹھایا ہے محض اس وجہ سے کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیودِ شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا۔ بعض صوفیا کی نسبت تاریخی شہادت بھی[10]

---

[1] اوراق: بغور مطالعہ کرنے سے مجھے اس غلطی کا احساس ہو گیا۔

[2] اوراق: لیکن آپ کے۔

[3] اوراق: خاص نہیں ہے۔

[4] اوراق: قانون شریعت کا مقابلہ۔

[5] اوراق: درحقیقت۔

[6] اوراق: اسی رہبانیت کے خلاف۔

[7] اوراق: تو میں مراد / اور اس جگہ تصوّف سے مری مراد۔

[8] اوراق: رہبی۔

[9] اوراق: یہاں تک کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیودِ شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا۔

[10] اوراق: شہادت موجود ہے کہ وہ

اس امر کی موجود ہے کہ وہ قرمطی تحریک سے[1] تعلق رکھتے تھے۔

اب تک جو اعتراضات آپ کی طرف سے ہوئے ہیں، وہ مثنوی کے دیباچے[2] پر ہیں نہ کہ خود مثنوی پر جب تک[3] مجھے یہ معلوم[4] نہ ہو کہ مثنوی پر کیا اعتراضات ہیں[5]۔ اس وقت تک میں کیونکر قلم اٹھا سکتا ہوں مثنوی پر جو اعتراض[6] آپ نے کیا ہے، وہ اسی قدر[7] ہے کہ حافظ کی بے حرمتی کی گئی۔ لیکن جب تک اصول بحث نہ ہو، یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ میں حافظ کی تنقید[8] میں کہاں تک حق بجانب ہوں۔

حضرت[9] امام ربّانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث[10] کی ہے کہ، گسستن اچھا ہے یا پیوستن،[11] میرے نزدیک گسستن عینِ اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت

---

[1] قرمطی تحریک: شیعوں کا ایک فرقہ جو "قرمطی" نامی ایک شخص سے منسوب ہے حجاج کے زمانے میں قرمطیوں نے مکے پر حملہ کر کے قتل و غارت گری کی اور حجرِ اسود نکال کر لے گئے مگر پھر واپس کر دیا یمن، بحرین اور عمان میں ان کا زور رہا۔ محمود غزنوی نے ان کی سرکوبی کی۔

[2] اوراق: دیباچہ پر ہوئے ہیں نہ کہ خود مثنوی پر

[3] اوراق: اس لیے جب تک

[4] اوراق: یہ نہ معلوم ہو

[5] اوراق: کہ مثنوی پر آپ کے کیا اعتراضات ہیں

[6] اوراق: اب تک مثنوی پر

[7] اوراق: وہ یہ ہے کہ اس میں حافظ شیرازی کی بے حرمتی کی گئی ہے

[8] اوراق: کہ میں حافظ پر تنقید کرنے میں

[9] اوراق: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔

[10] اوراق: یہ بحث کی ہے۔

[11] اوراق: یا پیوستن یعنی فراق اچھا ہے یا وصال، میرے نزدیک۔

ایرانی تصوف[1] ہے اور اس[2] کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔
گزشتہ علماے اسلام نے ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود
ہے آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ[3] نے مجھے سرالوصال کا خطاب[4] دیا تھا تو میں
نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سر الفراق کہا جائے اس وقت میرے[5] ذہن میں
یہی امتیاز تھا جو مجدد[6] الف ثانی نے کیا ہے۔ آپ کے تصوف کی اصطلاح میں
اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال
روحِ انسانی کا ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں[7] یا محی الدین[8]
ابن عربی کے الفاظ میں "عدم محض" ہے یا بالفاظ دیگر[9] یوں کہیے کہ حالت
سکر، منشاے اسلام[10] اور قوانینِ حیات کے مخالف[11] ہے اور حالت صحو، جس کا
دوسرا نام اسلام ہے، قوانینِ حیات کے عین مطابق ہے اور رسول اکرم[12]

۱؎ اوراق، ایرانی (غیر اسلامی) تصوف۔

۲؎ اوراق؛ اور میں اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف صداے احتجاج

۳؎ اوراق یاد ہوگا جب۔

۴؎ اوراق؛ لقب دیا تھا۔

۵؎ اوراق اس وقت بھی۔

۶؎ اوراق، جو حضرت مجدد الف ثانیؒ

۷؎ اوراق؛ یا مقام ندارد

۸؎ اوراق، محی الدین ندارد

۹؎ اوراق؛ دگر یوں کہہ سکتے ہیں

۱۰؎ اوراق؛ منتہاے اسلام

۱۱؎ اوراق؛ دونوں کے خلاف ہے

۱۲؎ اوراق؛ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا[1] یہ تھا کہ ایسے آدمی[2] پیدا ہوں جن کی مستقل[3] حالت کیفیت (صحو) ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ کے صحابہ[4] میں صدیقؓ و عمرؓ تو بکثرت ملے مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا۔ مضمون[5] بہت طویل ہے اور[6] اس مختصر خط میں سما نہیں سکتا۔[7] میں ان شاء اللہ اس پر مفصل بحث کروں گا جب حالات مساعدت کریں گے۔ مگر شیخ[8] محی الدین ابن عربیؒ کے ذکر سے ایک بات یاد آگئی[9] جو عرض کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ آپ کو غلط فہمی نہ رہے۔ میں شیخ کی عظمت[10] و فضیلت کا قائل ہوں اور ان کو اسلام کے بہت بڑے حکماء[11] میں سمجھتا ہوں۔ مجھ کو ان کے اسلام میں[12] کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جو عقائد[13] (مسئلہ قدم ارواح و مسئلہ وحدت الوجود) ان

---

[1] اوراق، کا منشا بھی یہی تھا۔

[2] اوراق؛ کہ ایسے لوگ

[3] اوراق؛ مستقل ندارد

[4] اوراق؛ کہ آپ کے صحابہ میں ہمیں صدیق اکبر اور فاروق اعظم تو ملتے ہیں لیکن۔

[5] اوراق، یہ مضمون

[6] اوراق؛ اور ندارد

[7] اوراق، سما نہیں سکتا ان شاء اللہ۔

[8] اوراق؛ مگر شیخ ابن عربی

[9] اوراق؛ یاد آئی جس کو اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپ کو

[10] اوراق؛ عظمت و فضیلت دونوں کا

[11] اوراق؛ میں سے

[12] اوراق، میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

[13] اوراق؛ جو عقائد ان کے ہیں (مثلاً قدم ارواح اور وحدت الوجود)

کے ہیں ان کو انھوں نے فلسفہ کی بنا پر نہیں[1] مانا بلکہ نیک نیتی سے قرآن کی آیات[2] سے استنباط کیا ہے۔ پس ان کے عقائد صحیح ہوں یا غلط، قرآن کی تاویل پر مبنی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو تاویل ان کی ہے[3]، وہ منطقی یا منقولی اعتبار سے صحیح ہے یا غلط۔ میرے نزدیک ان کی تعبیر[4] یا تاویل جو کچھ ہے صحیح نہیں ہے، اس واسطے گو میں ان کو ایک مخلص مسلمان سمجھتا ہوں، مگر ان کے عقائد[5] کا پیرو نہیں ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ صوفیا کو توحید[6]، اور وحدت، کا مفہوم سمجھنے میں سخت[7] غلطی ہوئی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں[8] مرادف نہیں بلکہ مقدم الذکر کا مفہوم خالص مذہبی ہے اور مؤخر الذکر کا مفہوم خالص فلسفیانہ ہے۔ توحید کے مقابلہ[9] میں یا اس کی ضد لفظ، کثرت، نہیں جیسا کہ صوفیا نے تصور کیا ہے بلکہ اس کی ضد شرک ہے۔ وحدت الوجود کی ضد، کثرت، ہے اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن

---

[1] اوراق؛ نہیں جانا
[2] اوراق۔ قرآن حکیم سے مستنبط کیا ہے
[3] اوراق؛ جو تاویل انہوں نے پیش کی ہے
[4] اوراق۔ ان کی پیش کردہ تاویل یا تعبیر صحیح نہیں ہے اس لیے
[5] مضمون" اسرار خودی اور تصوف" میں حضرت علامہ نے مسئلہ قدم ارواح اور وحدت الوجود کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مسائل میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ گو میں ان کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ انھوں نے نیک نیتی سے ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے (مقالاتِ اقبال ص ۱۶۱)
[6] اوراق، بڑی غلطی
[7] اوراق؛ مترادف نہیں ہیں مقدم الذکر کا مفہوم مذہبی
[8] اوراق؛ توحید کی ضد کثرت نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیا سمجھتے ہیں بلکہ شرک ہے ہاں وحدت الوجود کی ضد

لوگوں نے وحدت الوجود یا زمانۂ حال کے فلسفۂ یورپ کی اصطلاح میں توحید
کو ثابت کیا۔ وہ مُوحّد تصوّر کیے گئے، حالانکہ ان کے ثابت کردہ مسئلے کا تعلق
مذہب سے[1] نہ تھا بلکہ نظامِ عالم کی حقیقت سے تھا[2]۔ اسلام کی تعلیم نہایت صاف و[3]
روشن ہے۔ یعنی یہ کہ عبادت کے قابل[4] صرف ایک ذات ہے۔ باقی جو کچھ
کثرتِ نظامِ[5] عالم میں نظر آتی ہے، وہ سب کی سب مخلوق ہے۔ گو علمی
اور فلسفیانہ اعتبار سے اس کی کُنہ اور حقیقت ایک[6] ہی ہو، چونکہ صوفیانے
فلسفے اور مذہب کے دو مختلف مسائل یعنی توحید[7] اور وحدت الوجود کو ایک
ہی مسئلہ سمجھ لیا ہے اس واسطے ان کو یہ فکر ہوئی[8] کہ توحید[9] کو ثابت کرنے
کا کوئی اور طریق ہونا چاہیئے، جو عقل[10] و ادراک کے قوانین سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اس
غرض کے لیے حالتِ سکر ممد و معاون ہوئی[11] اور یہ اصل ہے مسئلہ حال و
مقامات کی۔ مجھے حالتِ سکر کی واقعیت سے انکار نہیں۔ صرف اس

---

۱ اوراق: بالکل نہ تھا

۲ (یعنی یہ کہ اس کائنات کا وجود حقیقی نہیں ہے)

۳ اوراق: صاف اور واضح اور روشن

۴ اوراق: لائق صرف

۵ اوراق: نظام مدارد

۶ اوراق: اس کی حقیقت ایک ہی کیوں نہ ہو

۷ اوراق: مسائل (وحدت الوجود اور توحید) کو ایک ہی مسئلہ سمجھ لیا اس واسطے

۸ اوراق: فکر لاحق ہوئی

۹ اوراق: توحید کو ثابت

۱۰ اوراق: عقل اور

۱۱ اوراق: ممد و معاون ہوتی ہے اور یہ ہے اصل مسئلہ حال و مقامات کی۔ انکار صرف اس بات سے

بات سے انکار ہے کہ جس غرض کے لیے یہ حالت پیدا کی جاتی ہے۔ وہ غرض اس سے مطلق پوری نہیں ہوتی۔ اس[1] سے زیادہ سے زیادہ صاحبِ حال کو ایک علمی مسئلے کی تصدیق ہو جاتی ہے نہ مذہبی[2] مسئلے کی صوفیا نے وحدت الوجود کی کیفیت کو محض ایک مقام لکھا[3] ہے (شیخ عربی کے نزدیک یہ انتہائی مقام ہے اور اس کے آگے[4] عام محض ہے) لیکن یہ سوال کسی دل میں[5] پیدا نہیں ہوا کہ آیا یہ مقام کسی حقیقت نفس الامری کو واضح کرتا ہے[6]؟ اگر کثرت حقیقت نفس الامری ہے تو یہ کیفیت وحدت الوجود جو صاحبِ[7] حال پر وارد ہوتی ہے، محض دھوکا ہے اور مذہبی[8] اور فلسفیانہ اعتبار سے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور اگر کیفیت وحدت الوجود محض ایک مقام ہے اور کسی حقیقت نفس الامری کا انکشاف اس[9] سے نہیں ہوتا تو پھر اس کو معقول طور سے ثابت کرنا فضول

---

[1] اوراق: اس سے بلا در

[2] اوراق: نہ کہ مذہبی مسئلے کی (یعنی حالت سکر یا مدہوشی میں سالک کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ واقعی کائنات میں اللہ کے سوا اور کسی کا وجود نہیں ہے) صوفیا نے وحدت الوجود

[3] اوراق: قوسین ندارد، اور شیخ اکبر کے نزدیک [4] اوراق: اور اس سے آگے

[5] اوراق: کسی صوفی کے دل میں

[6] اوراق: آیا یہ مقام حقیقت نفس الامری کو بھی واضح کرتا ہے یا نہیں؟

[7] اوراق: جو سالک پر طاری ہوتی ہے۔

[8] اوراق: مذہبی یا فلسفیانہ اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے پر اگر یہ کیفیت وحدت الوجود

[9] اوراق: کا اس سے انکشاف

[10] اوراق: ثابت کرنا بھی بے سود ہے

ہے۔ جیسا کہ محی الدین[1] ابنِ عربی اور دیگر صوفیا نے کیا ہے۔ نہ اس[2] کے
محض مقام ہونے سے روحانی زندگی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ قرآن
کی تعلیم کی رُو سے[3] وجود فی الخارج کو ذاتِ باری سے نسبتِ اتحاد کی
نہیں بلکہ مخلوقیت کی ہے۔ اگر قرآن کریم[4] کی تعلیم یہ ہوتی کہ ذاتِ باری[5]
کثرتِ نظامِ عالم میں دائر و سائر ہے تو کیفیت وحدت الوجود کو قلب پر
وارد کر سکتا[6] مذہبی زندگی کے لیے نہایت مفید ہوتا بلکہ مذہبی[7] زندگی
کی آخری منزل ہوتی مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں ہے[8] اس کا
نتیجہ ظاہر ہے کہ میرے نزدیک[9] ہر کیفیت قلبی مذہبی اعتبار سے کوئی فائدہ
نہیں رکھتی۔ اور علم الحیات کی رُو سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کا

۱؎ اوراق: جیسا کہ ابنِ عربی اور ان کے متبعین نے

۲؎ اوراق: اور نہ اس کے مقام ہونے کی بنا پر ہمیں روحانی زندگی میں کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

۳؎ اوراق: کیونکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یا اس کی رُو سے وجود فی الخارج (کائنات) کی ذاتِ باری کے ساتھ اتحاد یا عینیت کی نسبت نہیں ہے بلکہ مخلوقیت کی نسبت ہے (یعنی خدا خالق ہے اور کائنات مخلوق ہے اور خالق اور مخلوق کے مابین مغائرت ہوتی ہے)

۴؎ اوراق: کریم ندارد

۵؎ اوراق: باری تعالیٰ

۶؎ اوراق: وارد کرنا

۷؎ اوراق: بلکہ یہ کیفیت مذہبی زندگی

۸؎ اوراق: اضافہ (یعنی قرآن کی رُو سے خالق اور مخلوق یا عابد اور معبود میں مغائرت کلی ثابت ہوتی ہے)

۹؎ اوراق: یہ کیفیت قلبی یا ذہنی اعتبار سے۔

وُرود[۱] حیاتِ انسانی کے لیے فردی اور ملّی اعتبار سے مُضر ہے۔ مگر علم الحیات کی رُو سے اس پر بحث کرنا بہت فرصت چاہتا ہے۔ جس پر پھر کبھی لکھوں گا[۲] فی الحال اس خط کو ختم کرتا ہوں اور اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ فقط

آپ کا خادم
محمد اقبال

ماخذ [خطوط اقبال
اوراق گم گشتہ

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۵/جنوری ۱۶ء

سرکار والاتبار۔ نوازش نامہ برسوں ملا خاص کے لیے میں شکر گزار ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بندۂ درگاہ کے خطوط تعداد میں کم ہیں لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو سرکار کی اقبال پروری کا ظہور کس طرح ہوتا؟

"اقبال سفر حضر انجمن و خلوت میں آپ کے ساتھ ہے۔" یہ فقرہ محتاج تاویل نہیں لفظاً و معناً درست ہے اور ان شاء اللہ العزیز درست ثابت ہوگا۔ آمین آپ شاعرانہ نکتہ آفرینی نہیں کرتے اقبال بھی واقعات کہتا ہے اور تخیل سے کام نہیں لیتا۔ سرکار دکن کے قطبِ جنوبی ہیں اور اقبال قطبِ شمالی تو مطمئن رہئے کہ اقبال آپ کے سر پر ہے۔

اس عریضے میں ایک تکلیف دیتا ہوں غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں سے جو آپ کے تعلقات تھے اُن کو تمام دنیا جانتی ہے۔ آپ کو اُن کے بہت سے حالات معلوم ہوں گے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اُن کے عدل و انصاف کے متعلق کوئی نہایت دلچسپ اور معنی خیز واقعہ، جس کو

۱ـہ اوراق: اس کیفیت کا ورود حیاتِ انسانی کے لیے فردی اور ملّی اعتبار سے بہت مضر ہے۔

۲ـہ اوراق: جس پر پھر کبھی لکھوں گا۔ ندارد

بطور حکایت کے لکھ سکتے ہوں بیان فرمائیے۔ میں اسے ایک خاص غرض کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں جو ایک وقت پر آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

ہاں امیری بھی دعا ہے کہ بالواسطہ مکالمہ ختم ہو، اور در دولت پر پہنچ کر شاد کی حکمتِ بالغہ سے مستفیض ہوں۔ کئی دفعہ ارادہ کرتا ہوں کہ پنجاب سے چند روز کے لیے نکل کر دکن کی سیر کروں مگر دکانداری کی زنجیریں پاؤں میں ہیں۔ دو چار روز کے لیے باہر نکلنے میں بھی اندیشہ ہے، تو کجا پندرہ روز بیس روز یا مہینہ۔ لیکن اُفَوِّضُ أَمرِی إِلَی اللّٰہ[1] اسے منظور ہے تو سب کچھ ہو جائے گا۔ انّی مَعَکُم مِنَ المُنتَظِرِین[2]۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو بامراد کرے" میرے پاس یہی برگِ سبز ہے۔ قبول فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مولانا اکبر کا آج خط آیا تھا۔ خوش و خرم ہیں۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

الحمد للہ کہ آپ نے مثنوی کو پسند فرمایا۔ سید ولی اللہ شاہ[3] صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ یہی افلاطونیت جدید ہے جس کا اشارہ میں نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ فلسفۂ افلاطون کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جس کو ایک پیرو PLOTINUS نے مذہب کی صورت میں

---

[1] (ترجمہ) میں اپنے معاملات خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

[2] (ترجمہ) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

[3] اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مراد ہیں تو وہ سید نہیں فاروقی ہے اور سید ولی اللہ شاہ نام کے کسی دوسرے مصنف کا کوئی رسالہ افلاطونیت پر دستیاب نہیں۔

پیش کیا۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں یہ مذہب نہایت مقبول تھا۔ اس کی آخری حامی ایک عورت تھی HYPATIA نام جس کو عیسائیوں نے مصر میں نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ مذہب حرّان[1] کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعہ سے پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہب اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآن کریم کے فلسفے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ تصوف کی عمارت اسی یونانی بیہودگی پر تعمیر کی گئی۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور

۲۷ جنوری ۱۹۱۱ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے

ان شاء اللہ اختلاف رائے کا اثر پرائیویٹ تعلقات پر نہ ہو گا۔ میں نے تو صرف ایک دو خط شائع کیے تھے اور وہ بھی اس وقت جب خواجہ حسن نظامی[2] نے خود مضامین لکھے اور اپنے احباب سے لکھوائے۔ ان مضامین کی مجھے کوئی شکایت نہیں۔ شکوہ صرف اس امر کا تھا کہ پرائیویٹ خطوں میں تو وہ مجھے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں کہ تمہاری نیت پر کوئی حملہ نہیں۔ لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں میں نے خود خواجہ حسن نظامی سے اس امر کی شکایت کی تھی، اور نہایت صاف باطنی کے ساتھ

---

[1] حرّان ایک جگہ کا نام ہے جہاں ثابت بن قرہ کے زیر ہدایت نجوم و ریاضی کی کتابوں کے تراجم عہد عباسی میں ہوئے تفصیل کے لیے: یاقوت حموی معجم البلدان ۲/۲۳۱ ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۸/ ۶۲ ۔ ۷

لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ ناانصافی نہ کریں علمی بحث ہونی چاہیئے، حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کو قائل کرنا اور راہ راست پر لانا۔

بہرحال وہ معذور ہیں اور صوفی ضرور ہیں مگر تصوف کی تاریخ وادبیات وعلوم القرآن سے مطلق واقفیت نہیں رکھتے۔ اس واسطے مجھے ان کے مضامین کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے جو کچھ تصوّف پر لکھا ہے اس کو شائع کر دینے کا قصد ہے۔ اس کے ساتھ تصوّف کی تاریخ پر ایک مفصّل دیباچہ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ اس کا مصالحہ جمع کر لیا ہے۔ منصور حلاّج کا رسالہ "کتاب الطواسین" فرانس میں مع نہایت مفید حواشی کے شائع ہو گیا ہے۔ دیباچہ میں اس کتاب کو استعمال کروں گا۔ فرانسیسی مستشرقؒ نے نہایت عمدہ حواشی دیے ہیں۔ رہبانیت کے متعلق جو آیہ شریفہ آپ کے خیال میں ہو ضرور لکھیے۔

وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا

نہایت خوب ہے۔ سیدھے آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہے۔ عبدالماجد صاحب نے جو شعر آپ کا پسند کیا نہایت خوب ہے۔ میں نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا تھا۔

گل تبسّم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

خادم محمد اقبال

(اقبال نامہ)

لہ کتاب الطواسین کو فرانسیسی مستشرق لوئی ماسیوں L. MASSEGAON نے ایڈٹ کیا تھا

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور۔۳۰ر جنوری ۱۶ء

سرکار والا تبار۔ آداب عرض۔

خواجہ حسن نظامی کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ سرکار حیدر آباد سے روانہ ہو گئے۔ دو خط حیدر آباد کے پتے پر لکھے تھے۔ اس والا نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آستانہ عالی تک نہیں پہنچے۔ اب بمبئی سے تو سرکار رخصت ہو چکے ہوں گے۔ یہ عریضہ اجمیر شریف کے پتے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔ اس امید میں کہ آپ تک پہنچ جائے گا۔

مگر یہ کیا کہ رخصت صرف پانچ ہفتے کی۔ شاید پانچ کا عدد سرکار کو خصوصیت سے عزیز ہے اس سفر میں پنجاب کا حصہ نہ ہوا تو ہماری یعنی اقبال پنجاب کی بدنصیبی ہے۔ یقین ہے کہ اس عرصے میں سرکار نے اپنے پروگرام پر نظرِ ثانی فرمائی ہو گی۔ شاد کے سوائے ہر باطنی جذب اثر سے خالی ہے۔ میں تو ایک عرصے سے یہی کہہ رہا ہوں۔ الحمد للہ کہ اب شاد میرے ہم نوا ہوئے۔ شر اسی قوت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ واقعی شاد کے سوائے کوئی با اثر نہیں ہے۔ اقبال کا تجربہ تو یہی ہے۔ اور کوئی مانے نہ مانے شاد تو ضرور تسلیم کریں گے

اجمیر میں کتنے روز قیام رہے گا؟

وقت اور حالات مساعدت کریں تو پنجاب کو شرف قدوم سے محروم نہ فرمائیے۔ یہ آپ کا وطن ہے جس کو آپ پر اور آپ کے دودمانِ عالی پر افتخار و ناز رہا ہے

مولانا اکبر کا خط آیا تھا۔ ایک شعر اس خط میں لکھتے ہیں نہایت مزے کا مطلع ہے

”مرنے والا مر چکا اور رونے والا رو چکا
وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا“

خدا کرے یہ عریضہ آپ تک پہنچ جائے۔ خواجہ اجمیری کی درگاہ پر مراقبہ کریں تو اس شرمندۂ عقبیٰ کو فراموش نہ کیجیے۔

خادم درگاہ محمد اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

بہر حال آپ کا تجربہ تو یہی ہے اور کوئی مانے نہ مانے سالک

تو ضرور تسلیم کریں گے۔

اجمیر میں کئی روز قیام رہے گا؟

فرصت اور حالات مساعدت کریں تو یہی باب کو اس قدم سے

محروم نہ فرمائیے۔ یہ زیارتِ وطن ہے جس کو آپ نے اور اب وہ

دوبارہ حاضری پر امتیاز فرمائیں گے۔

میرا اک اضافہ آیا تھا ایک شعر اس خط میں لکھنے میں ہیں فرصت کا

مطلع ہے۔

"مرنے والا مر چکا اور رونے والا رو چکا
واہ رے ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا"

خدا کرے یہ عریضہ آپ کو پہنچ جائے۔ خواجہ اجمیری کی درگاہ پر اگر آپ

جائیں تو اس شرمندۂ عقبیٰ کو فراموش نہ کیجیے۔

خادمِ دعا محمد اقبال لاہور

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۴ر فروری

سرکار و الاتبار۔ آداب عرض
کچھ روز ہوئے سرکار کا والا نامہ آیا تھا جس کے جواب میں میں نے اجمیر شریف کے پتے پر عریضہ لکھا تھا اس خیال سے کہ عریضۂ مذکور کے وہاں پہنچنے تک سرکار بھی مع اسٹاف اجمیر تشریف پہنچ جائیں گے مگر اس کے بعد اطلاع نہیں ہوئی کہ سرکار کعبۂ مقصود تک پہنچے یا ابھی بمبئی میں ہی تشریف فرما ہیں۔ یہ عریضہ پھر اجمیر شریف کے پتے پر ہی ارسال کرتا ہوں امید ہے کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ کیا خوب ہو اگر خواجہ اجمیری[؟] سرکار کو اس بارگاہ[1] میں بھی حاضر ہونے کا ارشاد کریں جہاں وہ خود تشریف لائے تھے۔ خیریتِ مزاج اور پروگرام سے مطلع فرمایئے

خادم درگاہ محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور

۴ر فروری ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت مولانا! السلام علیکم
آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ میں تصوف کی تاریخ پر ایک بسوط مضمون لکھ رہا ہوں جو ممکن ہے ایک کتاب بن جائے۔ چونکہ خواجہ حسن نظامی نے عام طور پر اخباروں میں میری نسبت یہ مشہور کر دیا ہے کہ میں صوفیائے کرام سے بدظن ہوں اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف اور واضح کرنی ضروری ہے۔ ورنہ اس طویل مضمون کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

---

[1] مراد ہے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی درگاہ شریف واقع لاہور، جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ نے بھی ایک چلّہ کیا تھا اور اسی کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ مرتبہ امیر سمیر احمد

چونکہ میں نے خواجہ حافظ پر اعتراض کیا ہے۔ اس واسطے ان کا خیال ہے میں تحریکِ تصوّف کو دنیا سے مٹانا چاہتا ہوں۔ سرّ اسرارِ خودی کے عنوان سے انھوں نے ایک مضمون خطیب میں لکھا ہے جو آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ جو پانچ وجوہ اُنھوں نے مثنوی سے اختلاف کرنے کے لکھے ہیں۔ انھیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ تصوّف[1] سے فارغ ہو لوں تو تقویۃ الایمان[2] کی طرف توجہ کروں فی الحال جو فرصت ملتی ہے وہ اسی مضمون کی نذر ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ ضروری کتب لاہور کے کتب خانوں میں نہیں ملتیں۔ جہاں تک ہو سکا۔ میں نے تلاش کی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ اس مضمون کو پڑھ کر خوش ہوں گے۔ منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین نام فرانس میں شائع ہو گیا ہے۔ وہ بھی منگوایا ہے امید کہ آپ کا مراج بخیر ہوگا۔ فی الحال مثنوی کا دوسرا حصہ بھی ملتوی[3] ہے۔ مگر اس میں عالمگیر اورنگ زیبؒ کے متعلق جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے ایک عرض کرتا ہوں:

در میانِ کارزارِ کفر و دیں[4]
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

آپ کا قطعہ "حضرت اقبال اور خواجہ حسن" بہت خوب رہا صرف ایک بات ہے کہ خواجہ صاحب کو تو کبھی رقص اور سکر نصیب ہوتا ہوگا میں اس نعمت سے محروم ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] یہی نامکمل مسودہ "تاریخ تصوف" جناب صابر کلوروی نے مارچ ۱۹۸۵ میں مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور سے شائع کیا ہے

[2] تقویۃ الایمان شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی کا رسالہ ہے جو بحث و اختلاف کا موضوع ہر دور میں رہا ہے
اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابوالحسن زید فاروقی "مولانا اسمعٰیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" دہلی ۱۹۸۰ء

[3] یعنی "رموزِ بےخودی" جو ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔

[4] معرکۂ کفر و ایماں کے میدان میں وہ ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۰ ارفروری ۱۶ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم۔

سرکار کے دو تار بجواب میرے تاروں کے مل گئے ہیں۔ خیال تھا کہ اجمیر یا آگرہ حاضر خدمت ہو کر نیاز حاصل کروں گا مگر تاروں سے معلوم ہوا کہ اجمیر میں سرکار کا قیام صرف جمعہ تک ہے اور آگرہ میں قیام کا ارادہ نہیں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ متھرا میں کے روز قیام ہے تو مقدمات کا کوئی انتظام کرتا اور حاضر ہو کر ریلوے سٹیشن پر ہی آستاں بوسی کرتا۔ اسی خیال سے میں نے ایک عریضہ بھی اجمیر کے پتے پر ارسال کیا تھا جس میں سرکار کے پروگرام معلوم کرنے کی استدعا تھی مگر معلوم نہیں کہ وہ عریضہ سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا مجھے انتظار تھا کہ پروگرام مفصل معلوم ہو جائے گا مگر عریضے کا جواب نہ ملنے پر میں نے تار دیے لیکن افسوس کہ ان سے مطلب برآری ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ یہ عریضہ متھرا پوسٹ کرتا ہوں اگر وہاں زیادہ روز قیام کا ارادہ ہو تو مطلع کیا جاؤں غالباً یہ عریضہ سرکار کو ہفتے کے روز مل جائے گا۔ ہمارے یہاں چیف کورٹ کی عدالت میں یہ بڑی خرابی ہے کہ سارے ہفتے کی فہرست مجموعی طور پر پہلے شائع ہو جاتی ہے اور جب تک آخری فہرست شائع نہ ہو جائے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سا مقدمہ کون سے دن ہوگا۔ یہی وجہ میرے اتنے استفسارات کی تھی جس سے سرکار کو اس قدر زحمت ہوئی مجھے امید ہے کہ سرکار اسی فراخدلی سے جو آپ کا خاصہ ہے، یہ زحمت دہی معاف فرماویں گے۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کے دولت واقبال کو چشم زخم[1] سے محفوظ رکھے۔ دعا ان حالات میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے جن کے بدلنے کی کسی کو توقع نہیں ہوتی۔ میں بھی دست بدعا ہوں۔

بندۂ درگاہ، محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

---

[1] چشم زخم ترکیب مقلوب، زخم چشم یعنی نظر بد۔

لاہور ۱۰ فروری ۱۶ء

سردارِ والا تبار! تسلیم۔

سردار صاحب دو تار بجواب میرے تاروں کے ملے مگر یہی خیال تھا کہ اجمیر یا آگرہ جا کر حضرت سے مل کر نیاز حاصل کرونگا مگر تاروں سے معلوم ہوا کہ اجمیر میں سرکار کا قیام صرف تیرہ تک ہے اور آگرہ میں قیام کا ارادہ نہیں۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ متھرا میں کے روز قیام ہے تو مستورات کا کوئی انتظام کرتا اور حاضر ہو کر ریلوے سٹیشن پر ہی استقبال کرتا۔ آپکا خیال ہے ایک ہفتہ بعد ہی اجمیر کے پتے پر ارسال کیا تھا جس میں سرکار کے پروگرام معلوم کرنے کی استدعا کی تھی مگر معلوم نہیں کہ وہ عریضہ سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ مجھے انتظار تھا کہ پروگرام صحیح معلوم ہو جائے گا مگر عریضہ کا جواب نہ ملنے پر مجھے تار دینے پڑے۔ افسوس ہے کہ اس سے مطلب برآری ہوتی معلوم نہیں ہوتی

یہ عرایض تحریراً پوسٹ کرتا ہوں اگر وہاں زیادہ قیام کا
ارادہ ہو تو مطلع کیا جاوے غالباً یہ عرایض سرکار کو بھیج دی
جائیں گی - ہمارے یہاں چیف کورٹ کی عدالتوں میں یہ بڑی خرابی ہے
کہ سال پہلے جو فہرست عمومی طور پر پہلے شائع ہو جاتی ہے اور
جب تک آخری فہرست شائع نہ ہو جائے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سا مقدمہ
کون سے دن لگے گا - یہی وجہ ہے آپ کے استفسارات کی تعمیل میں
مجھ کو اس قدر دیر ہوئی - مجھے امید ہے کہ سرکار اس دیر سے
جو بلا ارادہ ہوئی ہے یہ زحمت دہی معاف فرماویں گے
زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے
اور آپ کی دولت اقبال کو چشم زخم سے محفوظ رکھے - دعا ان
حالات میں انقلاب بعد از رسائی ہے جن کے بدلنے کی کسی کو
توقع نہیں ہوتی - ایسے بھی وقت بدلتا ہے

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۳ر فروری ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا مشکور فرمایا۔

میرا تو خیال تھا کہ فرصت کا وقت مثنوی کے دوسرے حصے کو دوں گا جو پہلے سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر خواجہ حسن نظامی نے بحث چھیڑ کر توجہ اور طرف منعطف کر دی ہے۔ تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ دو باب لکھ چکا ہوں یعنی منصور حلاج تک یا پانچ چار باب اور ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی علامہ ابن جوزی کی کتاب کا وہ حصہ بھی شائع کر دوں گا جو انہوں نے تصوف پر لکھا ہے[1]۔ گو ان کی ہر بات میرے نزدیک قابل تسلیم نہیں مگر اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہو گا کہ علمائے محدثین اس کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ ابن جوزی کی کتاب مطبع مجتبائی دہلی سے ملتی ہے مگر آپ اس پر روپیہ نہ خرچ کریں، کیونکہ اس کا ضروری حصہ میری تاریخ تصوف کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔ میں نے مترجم سے چھاپنے کی اجازت لے لی ہے۔

تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے بہت قابل قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفہ کا حصہ محض بے کار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیم قرآن کے مخالف۔ اسی فلسفے نے متاخرین صوفیہ کی توجہ صور و اشکال غیبی کے مشاہدہ (کی) طرف کر دی اور اُن کا نصب العین محض غیبی اشکال کا مشاہدہ بن گیا، حالانکہ اسلامی نقطۂ خیال سے تزکیۂ نفس کا مقصد محض ازدیاد یقین و استقامت ہے۔ اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفین اسلامیہ کی حکایات و ملفوظات کا مطالعہ نہایت مفید ہے لیکن دین کی اصل حقیقت ائمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے، اور آج کل زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے علمی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا

---

[1] علامہ ابن جوزی کی کتاب "تلبیس ابلیس" تصوف کے رد میں ہے

جائے۔ حضرات صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوف باطن لیکن اِس پر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوّف ہے، معرضِ خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ مسلمانوں کی حالت آج بالکل ویسی ہے جیسے کہ اسلامی فتوحات ہندوستان کے وقت ہندوؤں کی تھی، یا ان فتوحات کے اثر سے ہو گئی۔

ہندو قوم کو اس انقلاب کے زمانے میں منو کی شریعت کی کورانہ تقلید[1] نے موت سے بچا لیا۔

اپنی شریعت کی حفاظت کی وجہ سے ہی یہودی قوم اس وقت تک زندہ ہے ورنہ اگر فیلو (پہلا یہودی منصوّف) قوم کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا تو آج یہ قوم دیگر اقوام میں جذب ہو کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتی۔ والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال سام حاں سارالدیں حاں)

---

[1] سوبہاراج کے ساسر ''سوسمرتی'' کی طرف اشارہ ہے

شاہ سلیمان پھلواری[1] کے نام

لاہور، ۲۴ فروری ۱۹۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا صاحب السلام علیکم

آپ کا خط جو "خطیب"[2] میں شائع ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ میری مثنوی اسرارِ خودی آپ تک نہیں پہونچی۔ ایک کاپی ارسالِ خدمت کرتا ہوں تاکہ آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے جو اتہامات مجھ پر لگائے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔

آپ نے جو خط شائع کیا ہے اس کے حرف حرف سے مجھے اتفاق ہے اور میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے خدا لگتی بات کہی۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں، بلکہ مجھے ان سے محبّت ہے میرے والد کو فتوحات[3] اور فصوص[4] سے کمال توغّل رہا ہے، اور چار برس کی عمر سے

---

[1] یہ خط شاہ سلیمان پھلواری کے نام ہے جو برصغیر ہند و پاک کے بلند پایہ عالم و صوفی تھے۔ اسرارِ خودی کی طباعت پر ملک میں جو ہنگامہ ہوا تو خواجہ حسن نظامی نے بھی مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اقبال کے خیالات سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اس سلسلہ میں اقبال اور شاہ صاحب کو خطوط لکھے جن میں اقبال پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار ایک خط میں فرمایا جو خطیب میں شائع ہوا اور اقبال نے خواجہ صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ شاہ صاحب سے رجوع کریں۔ بہرحال خواجہ صاحب اور اقبال کے درمیان اختلافِ رائے شاہ صاحب اور اکبر الہ آبادی کی مداخلت سے رفع ہو گیا۔ (بشیر احمد ڈار : انوارِ اقبال)

[2] رسالہ خطیب جو دہلی سے شائع ہوتا تھا۔

[3/4] شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مشہور کتابیں الفتوحات المکیہ اور فصوص الحکم دونوں عربی میں ہیں۔ ان کی متعدد شرحیں اور تراجم شائع ہو ے ہیں۔

میرے کانوں میں اُن کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفلِ درس میں ہر روز شریک ہوتا۔ بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی۔ اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات تعلیمِ قرآن کے مطابق نہیں ہیں، اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا۔ کئی سالوں تک میرا یہی خیال رہا ہے کہ میں غلطی پر ہوں گو اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے تک پہنچ گیا ہوں، لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں۔ اس واسطے بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ از راہِ عنایت و مکرمت چند اشارات تسطیر فرما دیں۔ میں ان اشارات کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم و رائے میں مناسب ترمیم کر لوں گا۔ اگر آپ ایسا ارشاد فرما دیں تو میں مدت العمر آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

تجلّی ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ اکبر فرماتے ہیں:۔

" وما بعد هذا التجلّی الّا العدم المحض فلا تطمع ولا تتعب فی ان ترقی من هذه الدرجة من التجلّی الذاتی "[1] اس میں شیخ نے تجلّیِ ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدمِ محض۔ حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صحیح مقام کا پتہ دے سکتا۔

میرا یہ ہرگز عقیدہ نہیں کہ جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے انہوں نے قرمطی تحریک سے استفادہ کیا۔ یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا بہتان ہے۔ بعض صوفیہ کی تحریروں اور علمائے قرمطی کی تحریروں میں مماثلت ہونا اور بات ہے۔

---

[1] (ترجمہ) اس تجلّی کے بعد عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تجلّیِ ذاتی کے مرتبہ سے اوپر جانے کی خواہش ہو یا اس کی طمع کی جائے۔

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ میں نے اپنی کسی تحریر میں کوئی سوالات نہیں کیے۔ خواجہ صاحب نے خود یہ تنقیحات قائم کی ہیں، جو ان کے خیال میں میری تحریر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بات دیانت کے خلاف ہے کہ ان سوالوں کو جو خواجہ صاحب نے آپ کی خدمت میں ارسال کیے میری طرف منسوب کیا جائے اور ان کا نام "ڈاکٹر اقبال کے آٹھ سوال" رکھا جائے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس عریضے کے جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۸/مارچ ۱۶ء

سرکار والاتبار آداب عرض

تار موصول ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کہ سرکار مع الخیر حیدر آباد پہنچ گئے اب کے آپ کا سفر شمالی ہند مختصر رہا مگر ہو گا صد رمعنیٔ خیز۔ خدا جانے آپ کی نکتہ رس نگاہ نے حالات مشہودہ سے کیا کیا نتائج پیدا کیے ہوں گے۔

میں نے ایک عریضہ خواجہ حافظ شیرازی اور خواجہ حسن نظامی کے اتہامات (۱) کے متعلق لکھا

۱؎ اقبال نے مثنوی "اسرارِ خودی" کی اشاعتِ اول میں خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری کو ہدفِ تنقید بنا کر چند اشعار لکھے تھے، جنھیں خواجہ حسن نظامی نے قابلِ اعتراض قرار دے کر مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ اقبال نے مثنوی کی اشاعتِ دوم میں وہ اشعار خارج کر کے اور نہ دیباچہ بدل کر اس بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ بعد کے ایڈیشنوں میں یہ دیباچہ بھی موجود نہیں۔

←

کیا معلوم نہیں سرکار نک سچا یا نہ پہنچا۔ اگر نہ پہنچا ہو تو مطلع فرمائیے کہ پھر دہی مضمون لکھوں۔
پنجاب کا حال بدستور ہے گرمی کا آغاز ہے مگر رات کے دن عجیب ہیں۔ کوئی دن میں شگوفے پھوٹیں گے بہار کی تیاری ہے جنوں پھر تازہ ہوں گے

میرا جنوں جو کچھ عرصے سے مجھے فراموش کر چکا ہے کیا عجب کہ اس بہار میں عود کر آئے آپ بھی دعا کریں کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں گو آپ کو اس کی خبر نہیں آج کل سرکار کو فرصت ہے اور مہماتِ اُمورِ سلطنت سے سبکدوشی حاصل ہے اگر طبیعت راغب ہو تو مرزا بیدل

← "اس مثنوی کی پہلی ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی اس دوسری ایڈیشن میں جواب ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جاتی ہے، بعض بعض لفظی ترمیم ہے بعض جگہ اشعار کی ترتیب میں فرق ہے اور ایک آدھ جگہ تشریح مطالب کے لیے اشعار کا اضافہ ہے لیکن سب سے بڑی ترمیم یہ ہے کہ اس ایڈیشن سے وہ اشعار خارج کر دیے گئے ہیں جو خواجہ حافظ پر لکھے گئے تھے اگرچہ ان سے محض ایک ادبی نصب العین کی تنقید مقصود تھی اور خواجہ حافظ کی شخصیت سے کوئی سروکار کار نہ تھا، تاہم اس خیال سے کہ یہ طرز بیان اکثر احباب کو ناگوار ہے، میں نے ان اشعار کو نکال کر ان کی جگہ نئے اشعار لکھ دیے ہیں جن میں اس اصول پر بحث کی ہے جس کی رو سے میرے نزدیک کسی قوم کے لٹریچر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ پہلی ایڈیشن کے اردو دیباچے کی اشاعت بھی ضروری نہیں سمجھی گئی۔" (محمد عبداللہ قریشی)

نله ولی سے پہلے کا دکنی شاعر قلی قطب شاہ تھا سلطان قطب شاہ نہیں۔ اس کا کلیات تو اب سالار جنگ سوم کی سرپرستی میں عبدالقادر سروری نے ایڈٹ کیا تھا اور وہ چھپ چکا ہے۔

کا دیوان ایڈٹ کر ڈالیے۔ حیدر آباد کے کتب خانوں میں اس کے کامل نسخے ضرور موجود ہوں گے فارسی میں آپ کی دسترس قابلِ رشک ہے اگر یہ کام زیادہ توجہ اور محنت چاہتا ہو تو اس سے سہل تر کام بھی ہے۔ وہ یہ کہ ولی سے پہلے کے دکنی شعرا کا کلام شائع ہونا چاہیئے مثلاً سلطان قطب شاہ[1]
مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے دیوان کا ایک نسخہ سر سالار کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اردو لٹریچر پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہوگا اور مولانا آزاد مرحوم[2] کی تحقیق میں اضافہ۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دعا کرتا ہوں

خادم درگاہ محمد اقبال

(اقبال نامہ شاد) (عکس)

شاہ سلیمان پھلواری کے نام

لاہور ۹ر مارچ ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا السلام علیکم

جناب کا والا نامہ مل گیا ہے جس کو پڑھ کر مجھے بہت اطمینان ہوا۔
مجھے اس کا یقین تھا کہ آپ کو مثنوی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال روحانی کے ساتھ علم و فضل سے آراستہ کیا ہے۔ میں نے خواجہ حسن نظامی کو بھی لکھا تھا کہ مثنوی سے اختلاف نہ کیجیے دیباچے میں جو بحث ہے اس پر لکھیے۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے آج تک ایک حرف بھی اس کے متعلق نہیں لکھا۔ آپ کی تحریر سے مجھے یقیناً فائدہ ہوگا مگر میری استدعا ہے کہ مثنوی کے متعلق بھی جو خیال آپ نے خط میں ظاہر فرمایا ہے اس مضمون میں ظاہر فرمائیے کہ جو غلط فہمی خواجہ حسن نظامی کے مضامین سے پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے۔ دیباچے کی بحث ایک

---

[1] ولی سے پہلے کا دکنی شاعر علی قطب شاہ تھا سلطان قطب شاہ نہیں اس کا کلیات نواب سالار جنگ سوم کی سرپرستی میں عبدالقادر سروری نے ایڈٹ کیا تھا اور وہ چھپ چکا ہے۔

[2] مولانا آزاد سے مراد محمد حسین آزاد مصنف آبِ حیات۔

علیحدہ بحث ہے اور وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس میں ضمناً آگیا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جو کچھ میرا خیال ہے وہ میں نے پہلے خط میں عرض کر دیا تھا۔ فارسی شعراء نے جو تعبیر اس مسئلے کی کی ہے اور جو نتائج اس سے پیدا کیے ہیں ان پر مجھے سخت اعتراض ہے۔ یہ تعبیر مجھے نہ صرف عقائدِ اسلامیہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے بلکہ عام اخلاقی اعتبار سے بھی اقوامِ اسلامیہ کے لیے مضر ہے۔ یہی تصوف عوام کا ہے اور شیخ علی حزیں نے بھی اسی کو مدِنظر رکھ کر کہا تھا کہ تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔ لیکن حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلۂ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے تصوف کا لٹریچر کراتاً[1] سے دیکھا ہے بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہو وہ تصوف کا خیرخواہ ہے نہ مخالف۔ انھیں غیر اسلامی عناصر کی وجہ سے ہی مغربی محققین نے تمام تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے اور یہ حملہ انھوں نے حقیقت میں مذہبِ اسلام پر کیا ہے۔ ان حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تصوفِ اسلامیہ کی ایک تاریخ لکھی جائے جس سے معاملہ صاف ہو جائے اور غیر اسلامی عناصر کی تقطیع ہو جائے۔ سلاسلِ تصوف کی تاریخی تنقید بھی ضروری ہے اور زمانہ حال کا علم النفس جو مسالہ تصوف پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہے اس کا پیشتر سے ہی علاج ہونا ضرور ہے۔ میں نے اس پر کچھ لکھنا شروع کیا ہے مگر میری بساط کچھ نہیں۔ یہ کام اصل میں کسی اور کے بس کا ہے۔ میں صرف اس قدر کام کر سکوں گا کہ جدید مذاق کے مطابق تنقید کی راہ دکھلا دوں۔ زیادہ تحقیق و تدقیق مجھ سے زیادہ واقف کار لوگوں کا کام ہے۔

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ میں نے ان کو خود پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لیے دیا ہے۔ یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے کوئی اختلاف نہ رہے کیونکہ مکتوبات میں ایک آدھ جگہ مسئلہ مذکور کی ایک ایسی تعبیر بھی ہے

---

[1] یعنی بار بار، بتکرار

جس سے مجھ کو مطلق اختلاف نہیں اور نہ کسی مسلمان کو ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔

والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

(انوارِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

ڈیر خان صاحب السلام علیکم

خط ابھی ملا ہے آپ کا خط غلطی سے حیدری[1] صاحب کے لفافے میں پڑ گیا جس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ میں اس وقت عجلت میں تھا حافظے پر اعتماد کر کے سب لفافے پہلے بند کر دیے بعد میں ایڈریس لکھنے میں غلطی ہو گئی۔ میں نے حیدری صاحب کی خدمت میں لکھ دیا ہے کہ وہ خط واپس ارسال کر دیں۔ واپس آنے پر ارسال خدمت کروں گا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال
۱۲ مارچ ۱۹۱۶ء

(مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

شاکر صدیقی کے نام

مکرم بندہ

اضافت کی حالت میں اعلان نون غلط ہے کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ طول ہرگز نہ ہونا چاہیے میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا۔

---

[1] سر اکبر حیدری، صدر اعظم ریاست حیدر آباد

اتنے شعروں میں صرف دو شعر جن پر نشان کر دیا ہے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ تلمذ[1] سے مجھے معاف فرمائیے۔

۲۴ مارچ ۱۹۱۶ء

محمد اقبال، لاہور

(انوارِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین کے نام

لاہور ۲۶ مارچ ۱۹۱۶ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے میں عدیم الفرصت تھا اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔

الحمد للہ کہ جالندھر کے کتب خانہ کے لیے اجازت ہو گئی۔ میں فرصت کے دنوں سے جناب کو مطلع کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

---

[1] شاکر صدیقی صاحب نے ایک غزل برائے اصلاح بھیجی تھی اس کے جواب میں یہ خط موصول ہوا۔ لفافے پر مہر انارکلی پوسٹ آفس کی ۲۴ مارچ ۱۹۱۶ء کی ہے۔ جن دو اشعار کے متعلق اقبال نے پسندیدگی کا اظہار کیا وہ درج ذیل ہیں۔

کسی کامل سے رسمِ دلدہی میری جاں پیدا کر — علاجِ خاطرِ ناکام کا ساماں پیدا کر

رفاقت اے دلِ مضطر نہیں اچھی زلیخا سے — ہزاروں حسن میں یوں یوسفِ نو کنعاں پیدا کر

تلمذ سے معاف فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شاکر صاحب اس غزل کے مقطع میں لکھتے ہیں۔

رموزِ شعر کی خاطر تم اقبال سے جلدی — بنا لے جہانِ نظم خود میں شاکر جہاں پیدا کر

(بشیر احمد ڈار)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳؍ اپریل ۱۶ء

سرکار عالی جاہ۔ تسلیم۔

نوازش نامہ مل گیا تھا مگر میں والد مکرم کی علالت کی وجہ سے پریشان رہا اس واسطے عریضہ جلد نہ لکھ سکا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے ان کو آرام آیا اور مجھے اطمینان قلب نصیب ہوا۔

راسخ کی مثنوی[1] شائع کر کے آپ نے ہندوستان کے فارسی لٹریچر پر بڑا احسان کیا ہے راسخ کا ہر شعر نشتر ہے میں ایک عرصے سے اس مثنوی کی تعریف سنتا تھا مگر اب تک نظر سے نہ گزری تھی ناصر علی کی مثنوی[2] بھی مشہور ہے مگر شاید اب تک شائع نہیں ہوئی

ولی دکنی سے پہلے کے اردو شعرا کو اڈٹ کرنا نہایت مفید ہوگا اور اردو لٹریچر ہمیشہ کے لیے آپ کا زیر بار احسان رہے گا۔

خواجہ حافظ کے متعلق جو عریضہ میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا افسوس ہے سرکار تک نہ پہنچ سکا۔ میں نے اس میں یہ عرض کیا تھا کہ سرکار نے جو رائے مثنوی اسرار خودی کے متعلق لکھی ہے وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ کہیں شائع نہیں کی گئی اور نہ کی جائے گی۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ اس سے اختلاف ہوگا اور جن کرم فرماؤں نے سرسری نظر سے دیکھ کر مثنوی کی تعریف لکھ دی تھی میں نے اُن کی آرا کو محفوظ رکھا محض اس خیال سے کہ بغور پڑھنے کے بعد ممکن ہے کہ ان کی رائے تبدیل ہو جائے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے تنقید حافظ کی وجہ سے اس مثنوی کو مخالف تصوّف سمجھا ہے اور اس مفروضے پر ان کے مضامین کا دارومدار ہے جن میں مجھے انہوں نے دشمن تصوّف کہہ کر بدنام کیا ہے۔ ان کو تصوّف کے لٹریچر سے واقفیت نہیں اور جس تصوف پر وہ قائم ہیں اس کا میں مخالف نہیں۔ ہاں اس کے بعض مسائل کو میں صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ اور جس مسئلے میں میں نے اختلاف کیا ہے مجھ سے پہلے ہزاروں صوفی اس سے اختلاف کر چکے ہیں

---

[1] "مثنوی داد و فریاد"

[2] "مثنوی لطف کس ساعر ازلی"

خواجہ حافظ کی شاعری کا میں معترف ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ویسا شاعر ایشیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا اور غالباً پیدا بھی نہ ہوگا لیکن جس کیفیت کو وہ پڑھنے والے کے دل پر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کیفیت قوائے حیات کو کمزور و ناتواں کرنے والی ہے۔ یہ ایک نہایت طویل اور دلچسپ بحث ہے جو اس مختصر خط میں سما نہیں سکتی۔ میں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی گزشتہ دماغی تاریخ اور موجودہ حالت پر بہت غور کیا ہے جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے، کہ ان دونوں قوموں کے اطبّا کو اپنے مریض کا اصلی مرض اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔ میرا عقیدہ ہے کہ ان کا اصلی مرض قوائے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے اور یہ ضعف زیادہ تر ایک خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے جو ایشیا کی بعض قوموں کی بدنصیبی سے ان میں پیدا ہو گیا۔ جس نکتۂ خیال سے یہ قومیں زندگی پر نگاہ ڈالتی ہیں وہ نکتۂ خیال صدیوں سے مصنف مگر حسین و جمیل ادبیات سے محکم ہو چکا ہے اور اب حالاتِ حاضرہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس نکتۂ خیال میں اصلاح کی جائے۔

باقی رہا خواجہ حافظ کا صوفی ہونا سو خواہ وہ صوفی ہوں خواہ محض شاعر ہر دو اعتبار سے ان کے کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ اور صحیح اندازہ علم الحیات کے اعتبار سے ہونا چاہیئے، بلکہ ہر شاعر و صوفی و نبی و مصلح کی قدر و قیمت اسی معیار سے جانچنی چاہیئے، اور جو اس معیار پر پورا اترے اس کو اسی وقت دستور العمل بنانا چاہیئے۔

مولانا جامی نفحات میں[1] لکھتے ہیں کہ خواجہ حافظ کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کہیں اپنی نسبت بھی درست کی تھی یا نہیں۔ آپ نفحات نکال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محقق جامی خواجہ کے صوفی ہونے کے متعلق کیسی محتاط رائے دیتا ہے۔ مگر ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ خواجہ صاحب صوفی تھے یا محض شاعر۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں معیار مقررہ پر ان کا کلام پرکھا جانا چاہیئے۔

---

[1] عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس۔ مگر مولانا جامی کا زمانہ حافظ سے بہت بعد کا ہے حافظ کے بارے میں صرف ایک ہی معاصر شہادت دستیاب ہے، سید اشرف جہانگیر سمنانی جو ان سے ملے ہیں اور لطائف اشرفی میں اس ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔
وہ حافظ کو ایک صدا رسیدہ درویش بتاتے ہیں اور یہ کہ وہ اویسی نسبت پیرانِ جام سے رکھتے تھے۔

زیادہ کیا عرض کروں بات طویل ہے۔ کبھی ملاقات ہو تو مفصل عرض کروں مجھے یقین ہے کہ تفصیل سے سننے کے بعد آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ شاہ صاحب تشریف لائے تھے اور میں نے ان کو آپ کا خط دکھایا تھا کہتے تھے کہ ان کو لکھ دو کہ "میں پیر ہوں۔"

آپ کا خادم مخلص
محمد اقبال لاہور

(اقبال بنام شاد) (نامکمل عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۴/ اپریل ۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

والا نامہ مورخہ ۷/ اپریل ابھی چند منٹ ہوئے موصول ہوا۔ اس سے پہلے ایک عریضہ لکھ کر ارسال کر چکا ہوں جس میں خواجہ حافظ اور خواجہ حسن نظامی کے متعلق عرض کیا تھا۔ امید کہ وہ عریضہ سرکار تک پہنچ گیا ہو گا۔

بات بہت طویل ہے۔ چند روزہ صحبت میسر آئے تو عرض کروں۔ آپ سے ملنے کو دل بھی چاہتا ہے مگر کیا کروں پابہ زنجیر ہوں۔ چند روز کے لیے بھی لاہور چھوڑنا محال ہے۔ کسی وقت اسی قسم کے موانع کی وجہ سے اتنا گھبراتا ہوں کہ بے اختیار موجودہ پیشے کی بیود کو یو ڑتا ڑ کر نکل جانا چاہتا ہوں مگر وہی مثال ہے

چہ خورد بامداد فرزندم[1]

مگر جس حال میں ہوں شکر گزار ہوں۔ شکایت میرے مذہب میں کفر بلکہ شرک ہے۔

یہ مثنوی جس کا نام اسرار خودی ہے ایک مقصد سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے میری فطرت کا طبعی اور قدرتی میلان سکر و مستی و بے خودی کی طرف ہے مگر قسم ہے خدائے واحد کی جس کے قبضے

---

[1] شیخ سعدی کا مصرعہ ہے، پورا شعر یہ ہے شب چو عقدِ نماز می بندم چہ خورد بامداد فرزندم
(رات کو جب نماز کی نیت باندھتا ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ صبح کو بچے کیا کھائیں گے؟)

میں میری جان و مال و آبرو ہے میں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے اور میں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا۔ جب تک اس کا دوسرا حصہ ختم نہ ہولے گا میری روح کو چین نہ آئے گا اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ بس میرا یہی ایک فرض ہے اور شاید میری زندگی کا اصل مقصد ہی یہی ہے مجھے یہ معلوم تھا کہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار ہیں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر و اجزا و اسباب کو اپنے شکار (خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد) کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مربی تصور کرتا ہے۔ مگر

"من صدائے شاعرِ فرداستم"[1]

"ناامیدستم زیارانِ قدیم　　　طورِ من سوزد کہ می آید کلیم"[2]

نہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے اگے گا ضرور اگے گا اور علی الرغم مخالفت بار آور ہوگا مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے الحمدللہ

(خط کا یہ تمام صفحہ پرائیویٹ ہے۔ بہتر ہو کہ اسے تلف کر دیا جائے)

زیادہ کیا عرض کردوں

"نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا"

---

[1] میں آنے والے کل کے شاعر کی آواز ہوں۔
[2] میں پرانے دوستوں سے ناامید ہوں میرا طور جل رہا ہے کہ کلیم آتا ہوگا

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔ بچوں کو میری طرف سے دعا کہیے۔ مثنوی کے حصۂ دویم کے تین ابتدائی اشعار عرض کر کے اس خط کو ختم کرتا ہوں

"چوں مرا صبحِ ازل حق آفرید — نالہ در ابریشمِ عودم تپید
عشق را داغے مثال لالہ بس — در گریبانش گلِ یک لالہ بس
من ہمیں یک گل بدستارت زنم
محشرے برخواب سرشارت زنم"

خادمِ دیرینہ محمد اقبال
(اقبال بنام شاد)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور۔ ۱۰ مئی ۱۶ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم مع التعظیم۔

والانامہ مل گیا تھا۔ سرکار نے جو ارشاد فرمایا ہے بالکل صحیح ہے یعنی اس بات کے ثبوت میں میں نے مثنوی میں کچھ نہیں لکھا کہ جو کیفیت خواجہ حافظ اپنے ریڈر کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ قوتِ حیات کو ضعیف و ناتواں کرنے والی ہے۔ اس دعوے کے ثبوت دو طرح سے دیے جا سکتے ہیں فلسفیانہ اور شاعرانہ۔ مقدم الذکر قسم کا ثبوت اس مثنوی میں کوئی نہیں کیونکہ کتاب نظم ہے اور نظم میں فلسفیانہ ثبوت پیش نہیں کیے جا سکتے اگر یہی مضمون نثر میں لکھا جاتا تو وہ تمام ثبوت لکھے جاتے۔ شاعرانہ ثبوت منطقی اعتبار سے ضرور نہیں کہ صحیح ہوں تاہم اس نکتہ خیال سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ مثنوی

لے جب مجھے صبح ازل میں حق نے پیدا کیا تو میرے ستار کے تاروں میں نالہ تڑپنے لگا
عشق کے لیے لالہ کی طرح ایک داغ بس ہے، اس کے گریباں میں ایک گل لالہ ہی کافی ہے
میں یہی ایک پھول تیری دستار میں لگا رہا ہوں اور تیرے گہرے خواب میں محشر پیدا کر رہا ہوں

زیادہ کیا عرض کروں۔

"نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سرِ رہگذار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا"

امید ہے سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔ بچوں کو اور دوستوں کو دعا کہیے۔
مثنوی کا حصہ دوم کے تین ابتدائی اشعار عرض کر کے اس خط کو ختم کرتا ہوں

"چوں مرا صبحِ ازل حق آفرید — نالہ در ابریشمِ عودم تپید
عشق را داغے مثالِ لالہ بس — در گریبانش گلِ یک نالہ بس
من ہمیں یک گل بہ دستارت زنم
محشرے بر خوابِ سرشارت زنم"

خادم دیرینہ محمد اقبال

بں جابجا موجود ہے آپ مطالعہ فرمائیں گے تو معلوم ہو جائے گا مسئلہ نہایت دقیق اور گہرا ہے اور چونکہ اس کا تعلق انسان کی موجودہ اور مابعد الموت کی زندگی سے ہے اس واسطے ہر ایک آدمی کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری ہے میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ نتیجہ بشتر اور مشرق کے موجودہ مذاق اور میلانِ طبیعت کے خلاف ہے۔ لیکن مشرق قدیم کے حکما اس سے ناآشنا نہیں ہیں اور یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچنے میں فلاسفۂ مغرب سے متاثر ہوا ہوں۔

اگرچہ میں کوئی غیر معمولی ذہانت و فطانت رکھنے والا آدمی نہیں ہوں اور نہ کوئی غیر معمولی علم رکھتا ہوں تاہم عام لوگوں سے علم اور سمجھ کسی قدر زیادہ رکھتا ہوں، جب مجھ کو اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے بیس سال کی ضرورت ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عام لوگ جو دنیا کی دماغی اور علمی تاریخ سے پورے واقف نہیں، تھوڑے غور و فکر سے اس کی حقیقت تک پہنچ جائیں اعتراض کرنا دوسری بات ہے۔

کبھی ملاقات ہوئی تو مفصل عرض کرنے کی جرأت کروں گا ستمبر میں لاہور کی انجمن حمایت الاسلام کی طرف سے ایک ڈپوٹیشن حیدرآباد کا قصد رکھتا ہے اگر یہ ڈپوٹیشن آیا تو ممکن ہے میں بھی ساتھ ہوں لیکن ڈپوٹیشن کا روانہ ہونا ابھی قطعی طور پر فیصلہ نہیں ہوا زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ سرکار کے لیے دست بدعا ہوں اور اطمینان کے ساتھ انقلابات عالم کو دیکھ رہا ہوں۔

آپ کا خادم دیرینہ محمدؐ اقبال

(اقبال بنام شاد) (عکس)

غازی عبدالرحمٰن[1] کے نام

لاہور

۱۲ مئی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ۔ تسلیم

نشان ہلال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ نشان نبی کریمؐ اور صحابہ کے عہد میں مروّج نہ تھا۔ بعض مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ فتح قسطنطنیہ سے شروع ہوا۔ بعض سلطان سلیم کے عہد میں بتاتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ میرے خیال میں ترکوں کو اس کی شروع سے کوئی تعلق نہیں۔ غالباً صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں اس کی تروتیج شروع ہوئی (صلیبی جنگوں کے تذکرے میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے) اور کچھ عجب نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے اس کا آغاز ہوا ہو۔ صلاح الدین ایوبی ترک نہ تھے کُرد تھے۔ سنی دنیا اس نشان کو اپنا قومی نشان تصور کرتی ہے۔ ایران کا نشان اور ہے۔ میرے خیال میں اس کا استعمال محض اتفاقی طور پر شروع ہوا۔ صلیبی سپاہی اپنے سینوں، لباسوں اور علموں پر صلیب کا نشان رکھتے تھے۔ امتیاز کے واسطے مسلمانوں نے یہ نشان شروع کر لیا۔ اس واسطے کہ اس میں ہر روز بڑھنے کا اشارہ تھا۔ ہلال کا لفظ ہی نمو کا اشارہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ تاریخی پہلو سے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے موجد نے اس کے نمو کے خیال سے جاری کیا یا چاند سورج سے اپنا سلسلۂ نسب ملانے کے خیال سے مگر تمام امت کا اس پر صدیوں سے اجماع ہو چکا ہے۔ جن اسلامی قوموں کا نشان اور ہے وہ اس نشان پر کبھی معترض نہیں ہوئیں اور حدیثِ صحیح ہے کہ میری امّت کا اجماع ضلالت پر نہ ہوگا۔[2] اس واسطے اس کو ضلالت تصوّر کرنا ٹھیک نہیں۔ واللہ اعلم

محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] ایڈووکیٹ (امرتسر)

[2] لا یجمع اُمّتی علی الضلالۃ = میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۸ مئی ۱۶ء

سرکار عالی تسلیم

کچھ روز ہوئے عریضہ خدمت والا میں لکھا تھا۔ اس کے بعد سرکار کی خیریت نہیں معلوم ہوئی متردّد ہوں۔ دو سطریں لکھ کر خبر خیریت سے آگاہ فرمائیے۔ لاہور میں گرمی کا زور ہے اور اس پر مس گوہرجان[1] کا نغمہ جگر سوز فضائے لاہور کی حدّت پر مستزاد ہے۔

مولانا اکبر نے خوب ارشاد فرمایا تھا:

نصیب ایسا کرتی ہے زر و سیم و گہر گوہر
میسّر ہے اُسے ہر چیز دنیا میں مگر شوہر

خاکسار محمد اقبال

(اقبال بنام شاد) (عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۴ جون ۱۶ء

سرکار والاتبار تسلیم۔

دو عریضے ارسال کر چکا ہوں سرکار کی خبر خیریت نہیں ملی، تردد ہے۔ خیریت مزاج سے اقبال کو مطلع فرمایئے۔ "اللہ اکبر" اس وقت تشریف رکھتے ہیں اور مجھ سے میرے ایک شعر کا مفہوم دریافت کر رہے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے

---

[1] مس گوہر جان کلکتے کی ایک مشہور گانے والی تھی۔ اس کے متعلق حضرت اکبر ہی کا ایک شعر یوں بھی ہے:

خوش نصیب آج بھلا کون ہے گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

(محمد عبداللہ قریشی)

"نگاہ پائی ازل سے جو نکتہ بیں میں نے[1]
ہر ایک چیز میں دیکھا اُسے مکیں میں نے"

کہتے ہیں مہاراجہ بہادر بھی اس پر غور کریں گے۔

نیز یہ کہتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کو یہ لکھ دو

"جب تینوں ہووے علم اسرار دا[2]
ہر ہر چیز نوں کہیں خدا"

جولائی کا مہینہ قریب آرہا ہے کیا عجب کہ اپنے تغیرات و انقلابات کو ساتھ لے آئے اور اگست و ستمبر پر یہ بوجھ نہ ڈالے۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے کہ اطمینان ہو۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۴ جون ۱۶ء

سرکار دولتمدار۔ تسلیم۔

والانامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں الحمدللہ کہ آپ مع جملہ متعلقین و متوسلین بخیریت ہیں۔

آپ کی تحریر مجھے قطعاً ناگوار نہیں ہو سکتی کیونکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ خلوص آپ کی زندگی کی خصوصیت ہے۔ خیال کا اختلاف اور بات ہے اور مفید ہے۔ مگر تعجب ہے آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ میں نے جرمن فلسفہ اس مثنوی میں لکھا ہے۔ علمائے اسلام ابتدا

---

(۱) ستمبر ۱۹۰۴ء کے 'مخزن' میں جب اقبال کی نظم 'سرگزشتِ آدم' شائع ہوئی تو یہ اس کا پہلا شعر تھا نظرثانی کے بعد 'بانگِ درا' میں جگہ نہ پاسکا۔ اس کے ساتھ نو شعر اور بھی حذف کیے گئے (باقیات اقبال، ص ۳۳۵۔۳۳۶)۔

[2] اگر تجھے اسرار کا علم ہو تو ہر ہر چیز کو خدا کہے گا۔

نیز یہ کہتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کو یہ لکھ دو

"جب تعینوں ہوئے علم اشیا
ہر ہر چیز کیوں کہیں خدا"

مولوی صاحب قریب آیا چاہتے ہیں کیا عجب ہے کہ آپ کے تغیرات
وانقلابات کو کوئی ساتھ لے آئیں اور اگر بستر پر پڑے ہوں تو والے
اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے کہ اطمینان ہو۔

مخلص محمد اقبال لاہور

سے آج تک تصوفِ وجودیہ کے مخالف رہے ہیں۔ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہندوؤں میں کشن کی گیتا (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی پھر اگر کوئی شخص تصوفِ وجودیہ کی مخالفت کرے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تصوف کا مخالف ہے حقیقی اسلامی تصوف اور چیز ہے تصوف وجودیہ مذہب اسلام سے قطعاً تعلق نہیں رکھتا اور مذہب ہندوسے گو تعلق رکھتا ہے تاہم ہندوؤں کے لیے سخت مضر ثابت ہوا ہے۔ ہمارے صوفیا کی کتابوں میں اس امر پر ایک عجیب وغریب بحث موجود ہے کہ "گسنن" اچھا ہے یا "پیوستن"۔ اور صوفیا کا اس میں اختلاف ہے۔ اسلامی تصوف کا دارومدار "گسستن" پر ہے تو تصوفِ وجودیہ کا "پیوستن" یا فنا پر۔ اگر میں نے "گسستن" کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی صوفیا میں سے جن لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا ہے وہ خود اپنے تصوف کے لٹریچر سے آگاہ نہیں معلوم ہوتے تصوف وجودیہ کے متعلق خود نبی کریمؐ کی ایک پیش گوئی موجود ہے جس پر میں نے مفصل بحث کی ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب یہ مضمون شائع ہوگا میرا ذاتی میلان پیوستن کی طرف ہے، مگر وقت کا تقاضا اور ہے اور میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لکھنے پر مجبور تھا۔ حکم کی اطاعت لازم تھی۔ اس سے چارہ نہ تھا۔ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے۔ اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

ہاں جس شعر کا ذکر آپ نے خط میں کیا ہے۔

(غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند۔ الخ)[1]

اس میں لفظ خودی میرے خیال میں تشخصِ ذاتی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور شعر کا مفہوم میرے خیال میں یہ ہے کہ واصل باللہ کو اپنی ذات کا احساس نہیں رہتا وہاں سوائے ہستیِ مطلق کے اور کچھ نہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ خودی بمعنی غرور بھی یہاں سمجھا جا سکتا

---

[1] غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند   بود محال کشیدن میان آب نفس   (محسن تاثیر)

(جو وحدت کے سمندر میں غرق ہے وہ خودی کا دم نہیں بھرتا جیسے کہ پانی کے اندر سانس لینا محال ہوتا ہے)

دیباچہ اسرار خودی، طبع اول۔ اقبال کو لفظ خودی بمعنی ذات کے معنی میں تاثیر کے اس شعر میں ملا تھا اور اس سے انھوں نے استفادہ کیا۔   (اقبال بنام شاد)

ہے اسی واسطے میں نے غالباً کا لفظ لکھ دیا تھا۔ بہر حال جہاں جہاں یہ لفظ میں نے استعمال کیا ہے اس سے مراد تشخصِ ذاتی یا احساسِ نفس ہے۔ انگریزی لفظ INDIVIDUALITY کا یہ ترجمہ ہے۔ ہماری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جہاں تک مجھے علم ہے، کوئی ایسا لفظ نہیں جو شعر میں کام دے سکے "تشخص" یا "تعین" وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ مفہوم ہے مگر یہ دونوں الفاظ شعر کے لیے موزوں نہیں "انا"، یا "انانیت" بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ لفظ خودی میں نے مجبوراً اختیار کیا ہے اگر کوئی اور لفظ شعر میں کام دے سکتا تو میں اس لفظ کو خودی پر یقینی ترجیح دیتا۔ بہر حال میرا مقصود آپ کو اپنے مذہب میں منتقل کرنا نہیں اپنے خیال کا واضح کرنا ہے۔ آپ اپنے خیال پر قائم رہیں۔ میں نے چونکہ اس خیال کو ہندوستان کی آیندہ نسلوں کے لیے مضر سمجھا ہے، اس واسطے مجبوراً اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم سب کے لیے شاید بہترین چیز انتظار ہے

خواجہ حسن نظامی اگر دکن میں ہوں تو میری طرف سے سلام عرض کریں

باقی دعا ہے اور بس اللہ تعالیٰ عنقریب وہ وقت لائے گا جس کا آپ کو اور آپ کے احباب کو انتظار ہے۔

لاہور تو میں آپ کو ضرور کھینچوں مگر میرا جذبِ دل ایک دفعہ فیل ہو چکا ہے اس کے علاوہ اس گرمی میں آپ کو لاہور کھینچنا گناہِ عظیم ہے میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو کوئی لاہور سے باہر کھینچ لے۔ شملہ سے بار بار خطوط آرہے ہیں مگر زنجیروں سے آزادی کی صورت نظر نہیں آتی۔ کاش میں مہاراجہ کشن پرشاد ہوتا کہ جہاں چاہتا چلا جاتا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

خان محمد نیاز الدین خان کے نام

لاہور ۸؍ جولائی ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ سراج الدین صاحب کے دونوں مضامین جو آپ کی نظر سے گزرے بہت اچھے ہیں ان کا تیسرا مضمون "خودی اور رہبانیت" پیر حال میں شائع ہوا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ معلوم ہوتا ہے میرا مضمون "علم ظاہر و علم باطن" جو وکیل میں شائع ہوا ہے آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اسے بھی پڑھیے۔ ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ غالباً آج تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا۔ جن علماء نے تصوف وجودیہ کی مخالفت کی ہے ان کی توجہ بھی اس طرف نہیں ہوئی۔ بہرحال آپ دیکھیں گے تو داد دیں گے۔

ہاں کتابیں نہیں ملتیں، بڑی دقت ہے۔ شیخ روزبہان بقلی کی شرح شطحیات ایک عجیب و غریب کتاب ہے اس میں صوفیاء وجودیہ نے جو خلاف شرع باتیں کہی ہیں، ان کی شرح ہے اگر یہ رسالہ ہاتھ آجائے تو تصوف کے بہت سے مسائل پر اس سے روشنی پڑے گی مگر باوجود تلاش کے نہیں دستیاب ہو سکا۔ سنا ہے کہ لاہرور (اودھ) میں ایک سجادہ ہے، یہاں کوئی بزرگ قلندر صاحب گزرے ہیں جنہوں نے محی الدین ابن عربی کی فتوحات کی تردید میں ایک مبسوط کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے جواب تک ان کے جانشینوں کے پاس محفوظ ہے۔ میں نے موجودہ سجادہ نشین کی خدمت میں خط لکھوایا ہے۔ دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔

کپور تھلے اور جالندھر ان شاء اللہ ضرور آؤں گا۔ عجب نہیں کہ ان تعطیلوں میں موقع مل جائے۔ چند روز کے لیے شملہ جاؤں گا، وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے جالندھر اور کپورتھلہ کی سیر کا موقع مل سکتا ہے۔ بہرحال یہ قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ لاہور میں بارش مطلق نہیں ہوئی۔ لوگ تڑپ رہے ہیں۔ تین روزے رکھے تھے

کہ درد گردہ کے دورے کی ابتدا محسوس ہوئی۔ دو روز سے روزے سے بھی محروم ہوں۔ والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

سراج الدین پال[1] کے نام

لاہور

۱۰ر[2] جولائی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط مجھے مل گیا۔ جس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے مضامین نہایت اچھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائقِ اسلامیہ کی سمجھ عطا کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان مردہ ہیں۔ انحطاطِ ملّی نے ان کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے۔ اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربّی تصوّر کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے میں مثنوی "اسرارِ خودی" کا دوسرا حصّہ لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ اس حصّہ میں بعض باتوں پر مزید روشنی پڑے گی۔

---

[1] ایڈووکیٹ، امرتسر

[2] "یادگار یوم اقبال" مرتبہ یعقوب توفیق کے مطابق یہ خط ۱۵ر جولائی کو لکھا گیا۔ (اشاریۂ مکاتیب اقبال، ص ۱۰۸)

حافظ پر ایک طویل مضمون شائع ہونے کا مجھے بھی احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو باحسنِ وجوہ اتمام کر سکتے ہیں۔ آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان عقلی و اخلاقی ایسا مضمون لکھنے کے لیے ضروری ہے، وہ سب آپ میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت SUBTLE طریق تنسیخ کا ہے۔ اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کر سکتی ہیں، جن کی فطرت گوسفندی ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعراء ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلانِ طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشوونما ہونے دیا، تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا، یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ہے، تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے، تو شعرائے عجم اس شعارِ اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً

غازی ز پئے شہادت اندر تگ و پوست[۱]
غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت این باُو کے ماند
این کشتۂ دشمن است و آن کشتۂ دوست

۱۔ غازی شہادت کے لیے تگ و دو کر رہا ہے مگر اُسے یہ خبر نہیں کہ شہیدِ عشق کا مرتبہ اس سے افضل ہے۔ قیامت کے دن یہ اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے یہ دشمن کے ہاتھوں مارا گیا اور وہ دوست کے ہاتھوں سے۔

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابلِ تعریف، مگر انصاف سے دیکھیے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے، اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے آبِ حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔

اس نکتۂ خیال سے نہ صرف حافظ بلکہ تمام شعرائے ایران پر نگاہ ڈالنی چاہیئے اگر آپ حافظ پر لکھیں تو اس نکتۂ خیال کو ملحوظ رکھیں۔ جب آپ اس نگاہ سے شعرائے معروف پر غور کریں گے تو آپ کو عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ یہ طویل خط میں نے صرف اس واسطے لکھا ہے کہ فارسی شعر کے مطالعے میں آپ کا دماغ ایک خاص رستے پر پڑ جائے۔ ان شاء اللہ "اسرارِ خودی" کے دوسرے حصّے میں بتاؤں گا کہ شعر کا نصب العین کیا ہونا چاہیئے؟

ایک اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں، جو "وکیل" میں شائع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت پیدا کر دے، جو بقول آپ کے اسلام کے نادان دوستوں کی پیدا کی ہوئی آمیزشوں کے خلاف جہاد کرے۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ۔ اول)

سیّد فصیح اللہ کاظمیؒ[1] کے نام

لاہور ۱۰؍جولائی ۱۶ء

مکرّمی تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ حافظ شیرازی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ میری مثنوی اسرارِ خودی کا ایک جزو ہے جو حال میں فارسی میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں خواجہ حافظ کے تصوّف پر اعتراض ہے

میرے نزدیک تصوف وجودی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں بلکہ مذہبِ اسلام کے مخالف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔ صوفی عبداللہ صاحب اس خیال کے اظہار سے قال سے حال میں آ گئے مگر یہ ایک خاص علمی اور تاریخی بحث ہے جس میں تاریخ اور آثار سے مدد لینی چاہیئے گالیوں سے کام نہ چلے گا۔

صوفی عبداللہ صاحب نے گالیوں کی روش اختیار کی ہے۔ اس کا جواب مجھ سے نہیں ہو سکتا تصوّف پر جو میرے خیالات ہیں۔ ان کا اظہار میں متعدد مضامین میں کر چکا ہوں جو وکیل اخبار (امرتسر) میں شائع ہوئے ہیں اگر آپ کو اس بحث میں دلچسپی ہو تو وکیل کے

---

[1] سید فصیح اللہ کاظمی الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے نام علامہ اقبال کے تین خطوط دستیاب ہیں ان خطوں کا موضوع اسرارِ خودی کی بحث سے متعلق ہے۔ جناب نسیر احمد ڈار نے ان کے نام علامہ کے ایک اور خط کی نشاندہی بھی کی ہے مگر اسے بہرطور خط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ایک تو اس میں سرے سے القاب و آداب ہی موجود نہیں دوسرے اس میں خطاب کاظمی صاحب سے نہیں کیا گیا۔ دراصل یہ ایک رائے ہے جو علامہ کی طرف سے "اردوئے فصیح" نامی تصنیف پر دی گئی۔ یہ کتاب کئی سال تک نصاب میں بھی شامل رہی (ملاحظہ ہو اقبال ریویو اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۴۸)

(رفیع الدین ہاشمی)

وہ تمام نمبر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ مضامین کچھ اِنھی لوگوں کے اعتراضات کا جواب ہے اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں۔ والسلام

صوفی صاحب کا رسالہ مدہوشی: بیخودی میں نے نہیں دیکھا اگر آپ کو ضرورت نہ ہو تو ارسال فرما دیجیے۔ میں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

(خطوطِ اقبال) (عکس)

سید فصیح اللہ کاظمی کے نام

لاہور ۱۴ جولائی ۱۷ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ پیام امید ملا۔ یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ واپس ارسال خدمت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ایک اور نمبر ارسال کرتا ہوں۔ میں نے ان دونوں پر حاشیے مختصر لکھ دیے ہیں۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہیں گے تو آپ کو ان نوٹوں سے مدد ملے گی اور تلاش سند کی زحمت نہ اٹھانا پڑے گی۔

تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے اسی واسطے میں نے ان کے خلاف لکھا ہے مجھے امید تھی کہ لوگ مخالفت کریں گے اور گالیاں دیں گے لیکن میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں شاعری میرے لیے ذریعۂ معاش نہیں کہ میں لوگوں کے اعتراضات سے ڈروں آخر میں انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ممکن کیا یقینی ہے۔ نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے نہ زبان دانی کا

افسوس کہ مثنوی کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ پانچ سو کاپیاں شائع ہوئی تھیں

جو زیادہ تر احباب میں تقسیم ہو گئیں۔ اب کوئی کاپی باقی نہیں ورنہ ارسالِ خدمت کرتا۔

والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

(عکس) (خطوطِ اقبال)

سراج الدین پال کے نام

لاہور

۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ السلام علیکم

میں نے پرسوں ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا جو امید ہے آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس میں آپ کو یہ لکھنا بھول گیا کہ اگر آپ کا ارادہ حافظ پر مضمون لکھنے کا ہے تو حال میں ایک کتاب جو خواجہ حافظ شیرازی پر لکھی گئی ہے ملاحظہ فرمایئے۔ اس کتاب کا نام لطائفِ غیبی ہے۔ مصنف مرزا محمد دارابی ہیں۔ طہران میں شائع ہوئی تھی، غالباً ایا ۱۱ سال ہو گئے۔ اس میں جو اعتراضات حافظ پر وقتاً فوقتاً کیے گئے ہیں ان کی تردید ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کیا کیا اعتراضات حافظ کے کلام اور ان کی تعلیم پر کیے گئے ہیں۔ میں نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ انگلستان میں دیکھا تھا۔ اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی۔ ورنہ نوٹ کر لیتا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ بمبئی کے ایرانی کتب فروشوں سے مل جائے گی۔ پروفیسر براؤن نے "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو اس کتاب میں سے کچھ اقتباس بھی کیا ہے۔ کلارک نے جو انگریزی ترجمہ حافظ کا کیا ہے اس کے دیباچہ میں ایک عجیب

ل اسرارِ خودی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کے اہتمام سے یونین اسٹیم پریس لاہور میں چھپا۔ ضخامت ۵۶ صفحات اور تقطیع ۲/۱۶ × ۳ تھی

بات لکھی ہے یعنی حافظ کے چچا سعدی (یہ شیخ سعدی نہیں ہیں) نے اس سے کہا "تمہارے کلام کے پڑھنے والوں پر دیوانگی اور لعنت نازل ہو گی۔" یہ واقعہ لکھ کر حاشیہ میں (مصنف) نوٹ دیتا ہے کہ قسطنطنیہ کے کچھ شیعوں کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ حافظ کا کلام پڑھنے والوں پر بالآخر جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے[1]۔ تذکروں سے اور مصالحہ بھی آپ کو ملے گا۔

تاریخی اعتبار سے اس کے کلام پر نظر ڈالنی ہو تو مولوی شبلی کی شعر العجم ملاحظہ کیجیے، غالباً اس سے آپ واقف ہوں گے۔

دیوانِ[2] حافظ سے فال نکالنے کے دستور کے متعلق بھی عمدہ آگاہی کلارک کے دیباچے سے ملے گی۔

تیمور خاندان کے متعلق جو واقعہ مشہور ہے (اس کا ذکر آتش کدہ کے مصنف نے کیا ہے یعنی بخالِ[3] ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را) وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے، کیونکہ حافظ کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا۔ تیمور نے شیراز ۱۳۹۲ء میں فتح کیا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] یہ غلط محض ہے، ایسی کوئی مثال سامنے نہیں ہے اور دیوانِ حافظ صدیوں تک مطالعہ کا موضوع رہا ہے۔

[2] دیوانِ حافظ سے فال نکالنے کا دستور بہت پرانا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں تزکِ جہانگیری میں ہیں، بادشاہ نے بھی ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے دیوانِ حافظ سے فال دیکھی تھی۔ اس موضوع پر مولانا الطاف حسین حالی کا ایک مضمون، مقالاتِ حالی میں شامل ہے۔ مولانا اسلم جیراجپوری نے بھی ایک مضمون لکھا تھا۔ (مؤلف)

[3] تیرے، چہرہ کے کالے تل پر سمرقند و بخارا کو قربان کر دوں۔

سراج الدین پال کے نام

لاہور

۱۹ر جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی! السلام علیکم

صیام کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق بلکہ آپ کے مضمون کا آخری فقرہ میں نے سب سے پہلے پڑھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ باب اِفعَال کا ایک خاصہ سلبِ ماخذ ہے۔ یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں، یُطیقوُن میں تمام بوڑھے فطری کمزور اور حائضہ عورتیں شامل ہیں۔ ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اُٹھ گیا ہے۔ اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں، جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں۔ کل میں ایک صوفی مفسرِ قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا، لکھتے ہیں "خَلَقَ الارضَ والسّمٰوات فی ستّۃ ایام[1]"، میں ایام سے مراد تنزلات ہیں، یعنی فی ستۃ تنزلات ہیں۔ کم بخت کو معلوم نہیں کہ عربی زبان میں "یوم" کا یہ مفہوم قطعاً نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق بالتنزلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے مخالف ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔ کاش کہ مولانا نظامی[2] کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔

---

[1] اس نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں بنایا (قرآن)

[2] مولانا نظامی گنجوی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے ۔ اے بہ سراپردہ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(ترجمہ) اے سراپردۂ یثرب (مدینہ) میں سونے والے، اب اٹھیے کہ مشرق و مغرب خراب ہو گئے ا

کلارک کے ترجمۂ حافظ کے لیے جو آپ نے تھیکر کو لکھا ہے، ٹھیک نہیں کیا۔ بہت بڑی کتاب ہے۔ اِس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ اگر خریداری کے لیے لکھا ہے، تو فرمایش منسوخ کر دیجیے۔ یہاں اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ آپ وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ پروفیسر براؤن کی کتاب بھی یہاں موجود ہے۔ انسائی کلوپیڈیا آف اسلام جو یورپ میں باقساط شائع ہو رہی ہے، اس میں بھی حافظ پر ضرور آرٹیکل ہوگا۔ وہ بھی آپ کو یہاں مل جائے گی۔

ایک مشکل یہ ہے کہ حافظ کی صحیح غزلوں کا پتہ نہیں چلتا۔ بعض پرانے نسخوں میں بعض ایسی غزلیں ہیں کہ وہی غزلیں خواجو کرمانی کے دیوان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خواجو کرمانی وہ شخص ہے جس کے تتبع کا خود حافظ کو اعتراف ہے۔ لائپزک[1] (جرمنی) میں جو ایڈیشن شائع ہوئی تھی۔ وہ غالباً سودی (ترک شارحِ حافظ) کے ایڈیشن پر مبنی ہے اس کا مقصد زیادہ تر تشریح ہے۔ سودی کا ترجمہ بھی ہوگیا ہے مگر جرمن میں ہے۔ اگر کتاب یہاں مل گئی تو میں آپ کو اس کے سمجھنے میں مدد دے سکوں گا۔ براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران" میں بھی حافظ پر کچھ ہوگا۔ یہ کتاب بھی جرمن میں ہے اور اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ جب آپ مضمون لکھیں گے تو میں اس کا وہ حصہ آپ کے لیے ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ مجلسی[2] کی "مجالس المومنین" بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ اس میں حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرزا محمد دارابی کی کتاب تلاش کر رہا ہوں مل گئی تو آپ کو بھی دکھاؤں گا۔ مولانا جامی کی "نفحات الانس" بھی ملاحظہ کیجیے اور غور سے دیکھیے کہ مولانا نے کس قدر احتیاط سے حافظ کے متعلق لکھا ہے۔ پڑھنے پر آپ کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ خواجہ حافظ کے متعلق ایک معاصرانہ شہادت ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف[3] میں پائی جاتی

---

[1] LEIPZIG ایسٹ جرمنی میں ہے۔ یہاں ہر سال ایک بہت بڑا میلا لگتا ہے۔

[2] یہاں علامہ اقبال نے سہو قلم سے علامہ مجلسی کا نام لکھ دیا ہے، مجالس المومنین نور اللہ شوستری (ملک حواشی) کی مشہور کتاب ہے۔

[3] صحیح نام سید اشرف جہانگیر سمنانی ہے متوفی ۲۷ محرم ۸۰۸ھ (۲۵ جولائی ۱۴۰۵ء)

ہے۔ یہ کتاب کمیاب ہے، مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کیے اور شاہ جہانگیر اشرف کی وفات کے کس قدر عرصہ بعد ۹ شاہ جہانگیر اشرف، حافظ کے ہمعصر تھے اور جامع ملفوظات لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر اشرف حافظ کو ولی کامل تصور کرتے تھے۔ اور وہ حافظ سے ہم صحبت رہے ہیں۔ اس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں۔

مولانا اسلم جیراجپوری نے ایک کتاب "حیات حافظ" نام لکھی ہے۔ آسانی سے مل جائے گی۔ اسے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے، اور نہیں تو مآخذ معلوم ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھیے۔ مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے تھے؟ مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی؟ پھر ان سب باتوں کی روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجیے۔ تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے، جس نے لمعات میں فصوص الحکم محی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں۔ اس پر میں ان شاء اللہ مفصل لکھوں گا) اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اسے صوفی سمجھا جائے) یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیساکہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی، تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے، ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترک دنیا موجبِ تسکین ــــــ اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو ان کو تنازع للبقا میں ہو چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے کہ ان کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ

ؔ لطائف اشرفی ملفوظات سید اشرف جہانگیر سمنانی ان کے مرید عبد الرزاق نے جمع کیے ہیں جو ان کے ساتھ برسوں تک رہے ہیں۔

کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا! والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

محمد مبین عباسی کیفی چریا کوٹی کے نام

لاہور

۱۲؍ اگست ۱۹۱۶ء

جناب مولانا کیفی صاحب ایڈیٹر العلم

مخدومی۔ السلام علیکم۔ رسالہ العلم کے لیے ممنون ہوا۔ نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ اس کے مضامین تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے نہایت مفید ہوں گے۔ مضمون "الحیوانات فی القرآن" نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے، جسے میں نے خصوصیت سے پسند کیا۔ اسی مضموں پر ایک مغربی مستشرق نے بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے "حیوانات کے نام سامی زبانوں میں" مجھے یقین ہے کہ آپ کا رسالہ کامیاب ہوگا اور مسلمانوں کے لیے باعثِ برکت۔

اقبال

(اقبال نامہ)

ضیاء الدین برنی کے نام

مکرّم بندہ۔ السلام علیکم۔

افسوس ہے کہ مجموعۂ اشعار اب تک شائع نہ ہو سکا۔ امید ہے کہ جنگ کے بعد شائع ہوگا۔ "مینارِ دل پہ اپنے ...... الخ" اس غزل کو اس قصے سے کوئی تعلق نہیں جو آپ

نے سنا ہے[1] پیغام محبت کے جواب میں جو نظم میں نے لکھی تھی وہ اور ہے مدت ہوئی 'مخزن' میں شائع ہوئی تھی۔

مہدی و مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں ان پر علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ اُن کی رائے میں یہ تمام احادیث کمزور ہیں۔ جہاں تک اصولِ فنِ تنقیدِ احادیث کا تعلق ہے میں بھی ان کا ہمنوا ہوں، مگر اس بات کا قائل ہوں کہ مسلمانوں میں کسی بڑی شخصیت کا ظہور ہوگا۔ احادیث کی بنا پر نہیں بلکہ اور بنا پر میرا عقیدہ یہی ہے۔

ماجد علی[2] صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری، نہ اس فقرہ کا مطلب پوری طرح ذہن میں آیا ہے کہ کچھ عرض کرسکوں۔ جو سوال آپ نے مجھ سے کیا ہے اس سے پہلے یہ طے ہونا چاہیے کہ CONSISTENCY کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خود نقیضین کی تحلیل اور ہم آغوشی ہو۔ یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے جس کے متعلق اس خط میں لکھنا آسان نہیں اس کا فائدہ کچھ نہ ہوگا آپ میرا مفہوم نہ سمجھ سکیں گے

---

[1] اقبال کی ابتدائی دور کی غزلوں میں سے ایک غزل (بانگ درا صفحہ ۱۱۲) کا مقطع ہے ؎

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اسی غزل کا ایک اور شعر تھا جو بانگ درا کی طباعت کے وقت حذف کر دیا گیا ؎

مسار دل نہ اسے خدا کا سر دل دیکھ
نہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

برنی صاحب نے مسار دل کی ترکیب سے اندازہ لگایا تھا کہ شاید مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف اشارہ ہے (مؤلف)

[2] ماجد علی غلط ہے۔ مکتوب الیہ نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب لیڈر شپ کی نفسیات کے اردو ترجمے (فلسفۂ اجتماع) کا حوالہ دے کر سوال کیا تھا (بشیر احمد ڈار)

محمد علی صاحب[1] کے شعر میں سن چکا ہوں۔ آپ نے ان کو اپنے خط میں نقل کرنے کی زحمت کی اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

۳۱/اگست ۱۶ء

(انوارِ اقبال)   (نامکمل عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲/ستمبر ۱۶ء

سرکارِ والاتبار۔ تسلیم

ایک عریضہ اس سے پیشتر ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ آج پھر عریضہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

مجھے یاد ہے سرکار نے یا مجھے لکھا تھا یا زبانی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک قابل آدمی کی ضرورت ہے جو سرکار کے مشاغلِ تصنیف و تالیف میں مدد و معاون ہو۔ میں تلاش میں تھا۔ آخر ایک آدمی مل گیا ہے یعنی مولانا عبد اللہ العمادی جونپور کے رہنے والے ہیں لاہور میں ایک عرصے سے مقیم ہیں عربی و فارسی میں ان کی لیاقت اعلیٰ درجے کی ہے اور اردو نثر نویسی میں ان کا طرزِ تحریر جدت رکھتا ہے علومِ اسلامیہ میں ان کی مہارت کامل ہے اور ان کی پرائیویٹ زندگی بالکل بے داغ ہے پنجاب کے بعض اخباروں کی ایڈیٹری بھی کر چکے ہیں، مثلاً وکیل، زمیندار و لمعات وغیرہ۔ غرض کہ نہایت قابل آدمی ہیں۔ میرے خیال میں ان سے بہتر آدمی سرکار کو نہ مل سکے گا تنخواہ ان کو دو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ملتی رہی ہے

---

[1] محمد علی سے مراد مولانا محمد علی جوہر ہیں جو ان دنوں چھندوارہ (مدھیہ پردیش بھارت) میں نظر بند تھے (نذیر احمد ڈار)

Oriental Translator's Office
Secretariat
Bombay

اگر سرکار کو ضرورت ہو اور ان کو پسند فرمائیں تو تنخواہ کے متعلق ان سے گفتگو کر لوں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں اس خط کا مقصد صرف یہی اطلاع تھی جو اوپر عرض کر چکا ہوں

آپ کا نیاز مندِ دیرینہ محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ شاد)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میرا ارادہ تو شملہ جانے کا تھا۔ نواب ذوالفقار علی خاں صاحب سے وعدہ تھا اور ان کے خطوط اب تک بھی آ رہے ہیں۔ مگر بھائی صاحب نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ اگست کا سارا مہینہ سیالکوٹ میں قیام کرو۔ سو میں بمع اہل (و) عیال کے ۲۹ اگست تک وہاں رہا۔ وہاں سے ستمبر شروع ہونے سے پہلے اس واسطے آ گیا کہ اگر مولوی احمد دین وکیل ہمراہ ہو گئے تو ستمبر کا مہینہ کشمیر میں بسر کروں گا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے کشمیر چلے گئے ہیں۔ کل منشی سراج الدین مرمنشی ریذیڈنسی کا خط آیا ہے کہ چند روز کے لیے چلے آؤ اور نیز یہ کہ چودھری شہاب الدین کو تار دیا ہے کہ وہ تم کو ہمراہ لے کر جلد آئیں۔ چودھری صاحب غالباً ڈلہوزی میں ہیں۔ ان کے انتظار میں ہوں کہ وہ آئیں تو ان کے ہمراہ چند روز وہیں بسر کر آؤں۔ ان شاء اللہ جالندھر ضرور حاضر ہوں گا۔ میاں مبارک علی صاحب کا منتیٰ میرا توکل رہ چکا ہے، اور اگر کتابیں اس کے پاس باقی ہوئیں تو ان کا دیکھنا کچھ مشکل نہیں اور اگر مشکل بھی ہو تو آپ کی موجودگی میں کون سی مشکل ہے جو حل نہ ہو۔

افسوس ہے کہ اگست کے مہینے میں تصوف کی تاریخ پر کچھ نہیں لکھ سکا۔ البتہ مثنوی کے دوسرے حصّے کے بہت سے اشعار لکھے گئے یعنی آدھی مثنوی لکھی گئی۔ کیا عجب کہ باقی بھی جلد تمام ہو جائے اور یہ دوسرے حصّے کی اشاعت بھی جلد ہو جائے۔ پہلے حصّے کی دوسری ایڈیشن

کا کاغذ کل خریدا کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی ردّ اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا اور یہ کام انہوں نے نہایت خوبی سے کیا ہے۔ ان کی کتاب فضیلت[1] الشیخین بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے آخری حصے میں تصوف پر انہوں نے خوب بحث کی ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کی نسبت یہ فیصلہ کرنا کہ وہ ہمہ اوست یا ہمہ ازوست کے قائل تھے، نہایت مشکل ہے، وہ فلسفی تھے اور دونوں طرفوں کی مشکلات کو خوب سمجھتے تھے، حال کے حکماء میں جرمنی کا مشہور فلسفی لاٹسا بالکل دوسرا غزالی ہے[2]۔ یعنی خدا کے سمیع و بصیر ہستی ہونے کا بھی قائل ہے اور ساتھ اس کے اس بات کا بھی قائل ہے کہ وہ ہستی ہر شے کی عین ہے۔ میرے نزدیک منطقی اعتبار سے کوئی آدمی ایک ہی وقت میں ان دونوں شقوں کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے لاٹسا کا فلسفہ یورپ میں مقبول نہ ہوا گو اس کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ وحدت الشہود اور وحدت الوجود دونوں کی طرف میلان رکھنے والی طبائع کے لیے موزوں تھا۔ مگر میرا مذہب تو یہ ہے کہ یہ سارے مباحث مذہب کا مفہوم غلط سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہب کا مقصود عملی ہے نہ (کہ) انسان کے عقلی اور دماغی تقاضوں کو پورا کرنا۔ اسی واسطے قرآن شریف کہتا ہے۔ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا[3]۔ اگر مذہب کا مقصود عقلی تقاضوں کو پورا کرنا ہو بھی (جیسا کہ ہنود کے رشیوں اور فلسفیوں نے خیال کیا ہے) تو زمانہ حال کی خصوصیات کے اعتبار سے اس کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ اِس وقت وہی قوم معمور رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے گی۔

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کی اس تصنیف کا نام "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" ہے۔ (مؤلف)

[2] HERMANN LOTZE (۱۸۱۷ء-۱۸۸۱ء) نے نظریہ وحدت و کثرت میں تطبیق کی کوشش کی۔ لیپزگ LEIPZIG یونیورسٹی میں فلسفہ اور طبعیات کا استاد تھا (۱۸۳۹ء) پھر گوٹنجن GOTTINGEN میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا (۱۸۴۴ء)
تفصیل کے لیے:
THILLY FRANK A HISTORY OF PHILOSOPHY
ALLAHABAD 1965 Pp 510-12

[3] میں نے تمہیں علم کا بہت ہی تھوڑا سا حصہ دیا ہے (القرآن سورہ بنی اسرائیل آیہ ۸۵)

اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو اپنی راہ پہ قائم ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

خادم

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال خان محمد نیاز الدین خاں کے نام)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء

سرکارِ والا تبار۔ تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گذار ہوں کہ اس دور افتادہ دعاگو کو بالالتزام یاد فرماتے ہیں۔

لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا۔ اگر سیاحت کے مقصد سے گھر سے باہر نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہنچے۔ مقصد محض آرام تھا۔ لاہور کورٹ میں تعطیل تھی۔ کچہری بند تھی۔ اور میں چاہتا تھا کہ کسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں کے لیے آرام کروں۔ پہاڑ جانے کے لیے سامان موجود تھا مگر صرف اسی قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جا کر ایک پُرفضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروّت معلوم ہوا۔ اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں مگر آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی۔

اس تنہائی میں مثنوی "اسرارِ خودی" کے حصۂ دوم کا کچھ حصّہ لکھا گیا اور ایک نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے جس کا نام ہوگا "اقلیم خاموشاں"۔ یہ نظم اردو میں ہوگی اور اس کا مقصود یہ دکھانا ہوگا کہ مردہ قومیں دنیا میں کیا کرتی ہیں؟ ان کے عام حالات و جذبات و خیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں

حیدر آباد کے ارباب حلّ وعقد خوابیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور "حقیقت منتظر" ان کی آنکھ کھولے۔ ایسا ہو تو آپ کی قدر ان کو معلوم ہو گی اور داغ مرحوم کا یہ قول صادق آئے گا۔ "تو مجھ کو چاہے اور مجھے اجتناب ہو"

کیا خواجو کرمانی کا دیوان سرکار کے کتب خانے میں قلمی یا طبع شدہ موجود ہے؟

خادم دیرینہ محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳۱ اکتوبر ۱۶ء

سرکارِ والا تبار تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے میں سرکار کا سپاس گزار ہوں۔ راجہ گوبند پرشاد مرحوم و مغفور کی خبر رحلت معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔ کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دنیا سے ناشاد جائے۔ لیکن گوبند پرشاد باقی ہے اور یہ جدائی محض عارضی ہے۔

پستیِ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں۔ سردی آ رہی ہے۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں۔ پھر اس کے بعد نہیں سوتا۔ سوائے اس کے کہ مصلّی پر کبھی اونگھ جاؤں۔ یہ موسم نہایت خوش گوار ہے۔ اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لیے موزوں۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدم بوسی کا موقع دیجیے۔ یہاں کے دلوں پر آپ کا نقش ابھی تک موجود ہے۔

کبھی اس راہ سے شاید سواری تیری گذری ہے کہ میرے دل میں نقش پا ترے توسن کے نکلے ہیں

"اقلیم خاموشاں" تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں۔ مقصود اقلیم خاموشاں سے محشر ہے نہ کہ دبدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے۔

طالب دیدار محشر کا تمنائی ہوا   وہ سمجھتے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا

زیادہ کیا عرض کروں کہ سرکار سے دور ہوں اور جیتا ہوں!

مخلص محمد اقبال

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصے سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں۔یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی۔معلوم نہیں کبھی حیدر آباد میں بھی ان کا گزر ہوا یا نہیں۔عالم متبحر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں،مگر مطالبِ قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں۔اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو کہ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی السلام علیکم

اورینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لیے پسند فرماتے ہیں اگر ایسا ہو تو آپ کے لیے سعی کی جائے۔آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لیے بے حد مفید ہوگا۔والسلام

آپ کا خادم   محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(اقبال نامہ)   (عکس)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور
۵ر نومبر ۱۹۱۶ء

مائی ڈیر عزیز
میں نے سنا ہے کہ مولانا گرامی آرہے ہیں اور امید ہے وہ جلد ہی ہوشیار پور پہنچ جائیں گے۔ براہ کرم انہیں لاہور آنے پر آمادہ کیجیے۔ ہم سب ان سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ نواب ذوالفقار علی خاں پہلے کبھی ان سے نہیں ملے ہیں۔ اور وہ ایک سے زیادہ بار ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ چند روز کے لیے انہیں اجازت دے دیں گے اور انہیں لاہور آنے پر آمادہ کر لیں گے۔

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال
(نوادر) (انگریزی سے)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۲ر نومبر ۱۶ء

مخدومی السلام علیکم
مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ کوئی ملازمت قبول نہ کریں گے لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیلِ ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا، اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علما و فضلا سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور

جاری رہے مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان امرا میں مذاقِ علمی مفقود ہو چکا ہے میری کوشش بار آور نہ ہوئی اللہ تعالیٰ دارالمصنفین کے کام میں برکت دے آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے مفید ثابت کرے۔

آپ کی غزل لاجواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا ؎

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

للہ درّک

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا اور جو چند نظمیں انہوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہوئیں غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھیے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

شیخ عبدالعزیز کے نام

لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۱۶ء

ڈیر عزیز۔

السلام علیکم

شیخ عمر بخش صاحب سے معلوم ہوا کہ مولانا گرامی آخر کار ہشیار پور پہنچ گئے۔ مگر سفر کی تکان کی وجہ سے ابھی بستر استراحت میں ہیں۔ میری طرف سے مندرجہ ذیل شعر ان کی خدمت میں عرض کریں ؎

"روشن دلوں کے واسطے نزدیک دور کیا
تھکتا نہیں ہے دوریِ منزل سے آفتاب"
زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے
محمدؐ اقبال

بعدِ مردن بتو معلوم شود رنج حیات[1]
رہرو آن لحظہ بنالد کہ بمنزل برسد

(عکس[2]) (نوادر)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار

نوازش نامہ ابھی مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں۔ سرکار علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے پیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سن چکے ہیں۔ فرماتے تھے کہ حیدر آباد کا سفر کروں گا تو مہاراجہ بہادر سے ضرور ملاقات کروں گا۔ دوسری ملاقات کے موقع پر اور باتیں بھی ان سے کروں گا اور جو کچھ وہ فرمائیں گے دوسرے خط میں عرضِ خدمتِ والا کروں گا۔

لاہور میں سردی خوب ہو رہی ہے۔ کرسمس آ رہا ہے۔ علی گڑھ اور لکھنؤ میں کانفرنس اور کانگریس کے اجلاس کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور صاحبانِ تعلیم و سیاست تہیۂ سفر کر رہے ہیں۔ ادھر پنجاب میں گرانی اشیائے خوردنی اور خصوصاً غلے کی گرانی کی وجہ سے لوگ بد دل ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ انگلستان میں جنگ

---

[1] تجھے زندگی کی تکلیف کا احساس مرنے کے بعد ہوگا جیسے راہرو کو منزل پر پہنچ کر تھکن ہوتی ہے۔
[2] (عکس میں یہ شعر کسی دوسرے کے خط میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے)

کی وجہ سے مرغی کی قیمت مہر آنے اور ایک انڈا ۱۲ کو بکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اقوام عالم کو اس مصیبت عظیم سے نجات دے۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلصِ دیرینہ محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

۱۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء

سرکار والاتبار

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اخبار میں حضور نظام کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر نظر سے گذری تھی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بھی ان کی معیت میں ہیں۔ اس واسطے کل جو عریضہ لکھا وہ حیدر آباد کے پتے پر لکھا گیا۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ معلوم نہیں بمبئی میں آپ کا قیام کب تک رہے گا۔ "دیار پیر سنجر" کی زیارت ضرور کیجیے۔ میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا پر اڑتا ہوا وہاں پہونچا تھا فضائے آسمانی سے یہ آواز آ رہی تھی۔

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سنا تھا ۔۔۔ ہم آنکھوں سے وہ زمزمہ بم دیکھتے ہیں

اس شعر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سرکار کو اس دربار فلک آثار میں بہت گزر ہے۔ امید کہ اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی جائے گی۔

بہر حال میں آپ کے سفر پنجاب کے امکان سے فی الحال خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور نہال اور بار آور ہو۔ جس اثر کو سرکار ڈھونڈتے ہیں اس کے متعلق آپ کا خادمِ دیرینہ عرض کرتا ہے۔

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن ۔۔۔ نہ ترے فسانہ سوز میں نہ تری حدیث گداز میں

---

[1] حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ توسیستان کی نسبت سے سجزی (SIJZI) ہیں مگر لوگ غلطی سے سنجری SANJARI پڑھتے ہیں۔ اقبال نے پیرِ سنجر اُن کو کہا ہے۔ داتا گنج بخش کے مزار پر انہوں نے چلہ کیا تھا۔ مرقد او پیرِ سنجر را حرم

مگر امید کیفیت مستقل اور ناامیدی عارضی ہے۔ اس کا ثبوت بھی ان شاء اللہ مل جائے گا۔ مطمئن رہیئے آرزو شرط ہے۔

تاامید از آرزوے پیہم است — ناامیدی زندگانی را سم است[1]

غم و اضمحلال کا آپ کے دربار میں کیا کام ہے۔ ان کو رخصت کا اشارہ فرمائیے۔

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبی تعلیمِ لاتحزن بگیر[2]
ایں سبق صدیق را صدیق کرد
سرخوشش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیالِ بیش و کم آزاد شو

خادمِ دیرینہ محمد اقبال لاہور
(اقبال نامہ)

---

[1] جب تک امید ہے آرزوے پیہم ہے، ناامیدی زندگی کے لیے زہر ہے۔
[2] آیۂ کریمہ "ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللّٰہ معنا" (التوبہ ۹، ۴۰) کی طرف اشارہ ہے (ترجمہ) ان دونوں میں دوسرا جب وہ غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا مت رنجیدہ رہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(ترجمہ) ۱۔ اے کہ تو زندانِ غم میں اسیر ہے، رسولؐ سے "لاتحزن" کی تعلیم حاصل کر۔
اس سبق نے صدیق کو صدیق بنا دیا اور پیمانۂ تحقیق سے سرمست کر دیا۔
اگر خدا پر (یقین) رکھتا ہے تو غم سے آزاد ہو جا، حسابِ بیش و کم سے فارغ ہو جا۔
(مؤلف)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۷، دسمبر ۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ بمبئی کا لکھا ہوا مل گیا۔ جس کے لیے ممنون و مشکور ہوں۔ الحمدللہ کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہے۔ امسال لکھنؤ اور علی گڑھ میں بڑے جلسے ہیں مگر بندۂ درگاہ بوجہ سردی کہیں نہیں گیا۔ سرکار اگر احمیرا ور لاہور تشریف لائیں تو زہے سعادت اقبال کو آستاں بوسی کا موقع مل جائے گا۔ اب تو آپ کی زیارت کو بہت عرصہ ہو گیا۔ دل آرزو مند ہے کہ آستانۂ شاد پر حاضر، شادمانی سے بہرہ اندوز ہو۔ سنا ہے کہ حیدر آباد میں طاعون کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عروس البلاد کو آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ و مصئون رکھے۔ آمین۔ معلوم نہیں کہ سرکار کا قیام بمبئی میں کب تک رہے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ خدائے قادر و قیوم نے "کشن پرشاد" کو ذوالمنن[1] کا ہم عدد کیا ہے۔ اقبال پر بھی عنایت رہے اور اوقات خاص میں اس شرمندۂ عقبیٰ کو یاد رکھا جائے

بندۂ قدیم محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

شاعر خاص حضور نظام جناب مولانا گرامی!

میں بڑے دنوں کی تعطیلوں میں کہیں باہر نہ جاؤں گا علاوہ اس کے شیخ عبدالقادر بھی اسی خیال سے لاہور میں قیام کریں گے کہ شاید مولانا گرامی لاہور آنکلیں مالیر کوٹلے

---

[1] "کشن پرشاد" اور "ذوالمنن" دونوں کے ابجدی اعداد ۱۰۸۷ ہوتے ہیں۔

کے نواب ذوالفقار علی خاں بھی آپ سے ملنے کے بہت شائق ہیں غرض کہ یہ خط صرف اقبال کی طرف سے نہ سمجھیے بلکہ اقبال و ذوالفقار و قادر کی طرف سے تصور کیجیے۔ بھلا جس کو اقبال و ذوالفقار خود دعوت دیں وہ کیوں کر انکار کر سکتا ہے کہ تمام زمانہ ان دو چیزوں کی تلاش میں سرگرداں ہے

اگر اکیلے سفر محال ہو تو میں یہاں سے اپنے ملازم علی بخش کو بھیج دوں، وہ آپ کو ہشیار پور سے ساتھ لے آئے گا کوئی تکلیف نہ ہو گی سردی بھی ایسی شدید نہیں کہ مانع سفر ہو۔ غرض یہ کہ ضرور تشریف لائیے مندرجہ ذیل رنگ[1] میں غزل بھی لکھتے لائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں انکار نہ ہو ورنہ ہمارا آپ کا کوئی یارانہ نہیں۔

خوش آں کہ رختِ خرد را از شعلۂ می سوخت[2]
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغرے چہرہ را گلستاں کن
بہار خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت
مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

محمد اقبال انارکلی لاہور

۱۸ر دسمبر ۱۶ء

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی) (عکس)

---

[1] یہ اشعار پیامِ مشرق کے صفحہ ۱۸۴ پر اسی طرح موجود ہیں۔ صرف پہلے شعر کے مصرعِ اولیٰ میں "از شعلہ" کی بجائے "بہ شعلہ" کر دیا گیا ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[2] ان اشعار کا ترجمہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء کے خط کے ساتھ آچکا ہے۔ (مؤلف)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۵ جنوری ۱۹۱۶ء

سرکارِ والا تبار تسلیم مع التعظیم

محبت نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ الحمد للہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے اور خلوص وہ چیز ہے کہ اُس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ و اسنیٰ ہے۔ دل تو بہت عرصہ سے آرزو مندِ آستاں بوسی ہے مگر کیا کیا جائے ایک محبوں اور سو زنجیریں۔ تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفرِ حیدرآباد کا کر لیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی خاموش رہا۔ اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں گا۔ باتیں ہزار کی آپ سے کرنی ہیں گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدرآباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ رہے

حافظ جماعت علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصہ سے جانتا ہوں وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ میں اُن کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ ایک دفعہ بنگلور میں اُن کی وجہ سے بہت فساد ہوئے گو تھا ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں اُن کے حالات بلا رُو رعایت لکھوں تاکہ فساد رفع ہو، میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا الحمد للہ کہ وہ فساد رفع ہو گیا اور حافظ صاحب مع اپنے مُریدین کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں بے اعتنائی اِن لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں اِس طرزِ عمل کا مفہوم

بخوبی سمجھتا ہوں۔

ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ اُن کی سمجھ اور گرفت سے بالا تر ہیں اعنقائے بلند آشیاں کس کے قابو میں آسکتا ہے! قریب ہے کہ آپ سب سے مستغنی ہو جائیں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خادم کہن محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مولوی الف دین کے نام

لاہور

۹ جنوری ۱۹۰۷ء

مخدومی مولوی صاحب السلام علیکم

خط ملا تکلیف فرمائی کا شکریہ قبول ہو۔ افسوس کہ میجر کمرون سے میری واقفیت نہیں، اور نہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میرے کسی دوست سے اُن کی واقفیت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اس قسم کے رسُوخ سے کوسوں بھاگتا ہوں اور اس کے وجوہ خاص ہیں جن کے بیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود سمجھتے ہوں گے۔ آپ کے اشعار نہایت عمدہ ہیں۔ علم غائب اور نفس غائب الخ پورا شعر کاٹ ڈالیے اور حرزِ جاں لا الٰہ الخ

لہ وکیل، کیمبل پور

ان کے متعلق اکبر الٰہ آبادی کا یہ مزاحیہ شعر مشہور ہے ؎

الف دین نے خوب لکھی کتاب

کہ بے دین نے اس سے پائی نجات

(مؤلف)

کا دوسرا مصرع کاٹ کر اور مصرع پر غور فرمائیے۔ باقی اشعار نہایت عمدہ اور صاف ہیں مثنوی اسرار خودی کے دوسرے حصّہ کا قریب پانچ سو شعر لکھا گیا ہے۔ مگر ہاتف کبھی کبھی دو چار ہوتے ہیں، اور مجھے فرصت کم ہے۔ امید کہ رفتہ رفتہ ہو جائیں گے۔ ہجرت کے مفہوم کے متعلق جو چند اشعار لکھے ہیں عرض کرتا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ یہ کیا چیز ہوگی۔

محمد اقبال لاہور

ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست	۱	رومی و شامی گلِ اندامِ ماست[1]
قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست	۲	مرز بومِ او بجز اسلام نیست
عقدۂ قومیتِ مسلم کشود	۳	از وطن آقائے ما ہجرت نمود
دستِ او یک ملّتِ گیتی نورد	۴	بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد
تا ز بخشش ہائے آں سلطانِ دیں	۵	مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں
آنکہ در قرآں خدا اورا ستود	۶	آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود
دشمناں بے دست و پا از ہیبتش	۷	لرزہ بر تن از شکوہِ فطرتش
پس چرا از مسکنِ آبا گریخت	۸	تو چہ پنداری کہ از اعدا گریخت؟

---

[1] (ترجمہ) ہندی اور چینی ہمارے جام کی مٹی ہیں، رومی و شامی ہمارے جسم کا خمیر ہیں۔

(۲) ہمارا قلب ہند و روم و شام کا نہیں، اِس کا وطن بجز اسلام کچھ نہیں

(۳) مسلمان کی قومیت کا عقدہ اُس وقت حل ہو گیا جب ہمارے آقاؐ نے اپنے وطن سے ہجرت کی۔

(۴) ان کے ہاتھ سے ایک جہاں گرد قوم کلمہ کی بنیاد پر قائم کی

(۵) اس سلطانِ دیں کے کرم سے ساری روئے زمین ہماری سجدہ گاہ ہو گئی۔

(۶) وہ جس کی خدا نے قرآں میں تعریف کی اور جس کی جان کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

(۷) دشمن جس کی ہیبت سے مدحواس اور جس کے جلال سے لرزہ براندام تھے۔

(۸) وہ اپنے وطن سے کیوں نکلا، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ڈر گیا تھا۔

قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند ۹ معنیٔ ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است ۱۰ این ز اسبابِ ثباتِ مسلم است
معنیٔ او از تنک آبی رم است ۱۱ ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است
مہر را آزادہ رفتن آبروست ۱۲ عرصۂ آفاق زیرِ پائے اوست
بگذر از گل گلستان مقصودِ تست ۱۳ این زیان پیرایۂ بندِ سودِ تست
ہمچو جو سرمایہ از باران مخواہ ۱۴ بیکران شو در جہان پایان مخواہ
بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت ۱۵ ساحلے ورزید و از شرم آب گشت
بایدت آہنگِ تسخیرِ ہمہ ۱۶ تا تو می باشی فراگیرِ ہمہ
صورتِ ماہی بہ بحر آباد شو ۱۷ یعنی از قیدِ وطن آزاد شو
ہر کہ از بندِ جہات آزاد شد ۱۸ چون فلک در شش جہات آباد شد
بوئے گل از ترکِ گل جولانگر است ۱۹ در فضاہائے چمن خود گستر است

(ترجمہ) (۹) قصہ گویوں نے سچ بات ہم سے چھپائی ہے اور ہجرت کے مفہوم کو غلط سمجھا ہے۔
(۱۰) ہجرت مسلمان کی زندگی کا قانون ہے۔ یہ مسلمانوں کے ثبات کے اسباب میں سے ایک ہے
(۱۱) اس کے معنی وسائل کی کمی سے رم کرنا ہے شبنم کو اس لیے ترک کیا جاتا ہے کہ سمندر فتح کیا جائے
(۱۲) سورج کے لیے آزاد چلنا آبرو ہے کیونکہ سارا آفاق اس کے قدموں تلے ہے۔
(۱۳) پھول سے اوپر اٹھو تمہارا مقصود تو گلستاں ہے۔ نقصان تمہارے لیے نفع کا ضامن ہے۔
(۱۴) نہر کی طرح بارش سے سرمایہ مت مانگو بے کراں ہو جاؤ اور نہایت کی طلب کرو۔
(۱۵) یہ تلخ رو سمندر ایک دشت تھا اس کو ساحل ملا تو شرم سے پانی ہو گیا
(۱۶) تیرا ارادہ ہر شے کو فتح کرنے کا ہونا چاہیئے تاکہ تو ہر چیز کا حاصل کرنے والا ہے۔
(۱۷) سمندر میں مچھلی کی طرح رہو یعنی قیدِ وطن سے آزاد ہو۔
(۱۸) جو سمتوں کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے وہ فلک کی طرح شش جہات میں آباد ہوتا ہے۔
(۱۹) بوئے گل پھول سے نکل کر پھیلتی ہے اور چمن کی وسعتوں میں خود کو پھیلا دیتی ہے۔

اے کہ یک جا در چمن انداختی ۲۰ مثلِ بلبل با گلے در ساختی
چوں صبا بارِ قبول از دوش گیر ۲۱ گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر

(اقبال نامہ)

استعار کی عکسی نقل

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور

۲۶ر جنوری ۱۹۱۷ء

مخدومی خواجہ صاحب[1]

السّلام علیکم۔ میں آپ کے اندازِ بیان کا عاشق ہوں اور مجھی پر کیا موقوف ہے، ہندوستانی دنیا میں کوئی دل ایسا نہیں جس کو آپ کے اعجازِ قلم نے مسخر نہ کر لیا ہو۔

(ترجمہ) (۲۰) اے وہ کہ تو چمن میں ایک جگہ پڑا ہے اور بلبل کی طرح ایک گل کا ہو رہا ہے
(۲۱) صبا کی طرح اپنے کندھوں سے بار اتار دے اور سارے گلشن کو اپنے آغوش میں لے لے۔

مطبوعہ نسخہ میں اشعار کی ترتیب مختلف ہے اور بعض الفاظ میں بھی تغیر ہے
شعر نمبر ۴ کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخہ میں یوں ہے "حکمتش یک ملتِ گیتی نورد"
شعر نمبر ۸ کا دوسرا مصرع مطبوعہ نسخہ میں "تو گمان داری کہ از اعدا گریخت" ہے
شعر نمبر ۱۷ کے دوسرے مصرع میں 'وطن' کے بجائے لفظ 'مقام' ہے
شعر نمبر ۱۸ کے پہلے مصرع میں 'بند' کے بجائے 'قید' ہے (شیخ عطاء اللہ)

[1] خواجہ حسن نظامی کی کتاب "خانہ داری کا پہلا حصہ یعنی میاں اور بیوی کی تعلیم" پر اقبال نے مولانا کے نام اپنے ایک خط میں تو اظہار خیال فرمایا تھا وہ مذکورہ کتاب کی چوتھی اشاعت ۱۹۲۰ء مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی میں درج ہے۔ (سید اختر اظہر)

بیش پا افتادہ چیزوں میں اخلاقی اور روحانی اسرار دیکھنا اور اس کے ذریعے انسان کے عمیق مگر خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنا آپ کے کمال کا خاص جوہر ہے۔ اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ ایسا اندازِ تحریر کوشش سے حاصل ہو سکتا تو قافیہ پیمائی چھوڑ کر آپ کے مقلدین میں داخل ہوتا۔ اردو لکھنے والوں میں آپ کی روش سب سے نرالی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ نثر اُردو کے آیندہ مورخین آپ کی ادبی خدمات کا خاص طور پر اعتراف کریں گے۔

رسالہ "بیوی کی تعلیم" جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے، نہایت دل چسپ اور مفید ہے خصوصاً دمڑی والے سبق نے تو مجھے ہنسایا بھی اور رلایا بھی۔

باقی سبق بھی نہایت اچھے اور کارآمد ہیں اور عام تمدنی، سیاسی و مذہبی مسائل کو سمجھانے کے لیے خط و کتابت کا طریق بھی نہایت موزوں ہے۔ لڑکیوں کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔

میں نے بھی یہ رسالہ گھر میں پڑھنے کے لیے دے دیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو خواجہ بانو کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اُن کی تحریک سے ایسا مفید رسالہ لکھا گیا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۷ر فروری ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

افسوس کہ مثنوی کا دوسرا حصہ ابھی تیار نہیں ہو سکا۔ کل کچھ فرصت مل گئی تھی۔ فقط کا

وہ مسئلہ نظم کیا، جس کے رو سے مسلمانوں پر اس دشمن پر حملہ کرنا حرام ہے جو صلح کی امید میں اپنے حصار وغیرہ گرا دے۔ اس مسئلے کا ذکر کر کے اس کی حقیقت اور فلسفہ لکھا ہے کہ شرع نے کیوں ایسا حکم دیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں ذہن میں آتی ہیں، مگر قلب کو یکسوئی میسر نہیں۔

آپ نے سفارش ملنوی کی۔ خوب کیا۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔

مولوی اشرف علی جہاں تک مجھے معلوم ہے وحدت الوجود کے مسئلے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے ان کی کتاب عمدہ ہوگی۔

ان شاء اللہ کپورتھلے اور جالندھر جانے کے لیے وقت نکالوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۸ فروری ۱۷ء

ڈیر گرامی السلام علیکم

شریعت اسلامیہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران میں اگر دشمن صلح کے خیال سے اپنے قلعے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی افواج کو پراگندہ کر دے اور بعد میں اس کا خیال صلح غلط ثابت ہو یعنی صلح نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر حملہ نہ کریں حتیٰ کہ وہ بار دیگر اپنی فوجوں کو مرتب نہ کر لے اور اپنے قلعوں کو تعمیر نہ کر لے۔ اس مسئلے اور اس کے مفہوم کو میں نے مندرجہ ذیل اشعار میں نظم کیا ہے بنظر اصلاح

دیکھ کر واپس فرمائیے۔ (دوسرا صفحہ ملاحظہ فرمائیے)

لاہور آنے کا کب تک قصد ہے؟ اب تو سردی گئی لاہور کے سخن فہم آپ کے منتظر ہیں ہر روز کوئی نہ کوئی آدمی آپ کے متعلق دریافت کرتا ہے کہ مولانا گرامی لاہور تشریف لائے یا نہیں افسوس ہے کہ مجھے ہر دفعہ نہیں کہنا پڑتا ہے۔

اشعار

روزِ ہیجا لشکرِ اعدا اگر	از خیالِ صلح گردد بے خطر[1]
گیرد آسان روزگارِ خویش را	بشکند حصن و حصارِ خویش را
تا نہ گیرد باز کار او نظام	ہست یورش بر دیارِ او حرام
سرِ این فرمانِ حق دانی کہ چیست؟	زیستن اندر خطر ہا زندگی ست

---

[1] یہ اشعار اس خط میں بھیجے گئے وہ "اسرار و رموز" کے صفحہ ۱۴۴ پر درج ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں

پہلے شعر کا دوسرا مصرع یوں بنا دیا گیا ہے:

سرگمان صلح گردد بے خطر

تیسرے شعر کا مصرع ثانی یوں ہے:

تا حق ہر کشورش آمد حرام

پانچویں شعر میں یوں ترمیم کی گئی ہے:

شرع می خواہد کہ چون آئی بہ جنگ — شعلہ گردی واشگافی کام سنگ

(ترجمہ) لڑائی کے دن لشکر اعدا اگر صلح کے خیال سے بے خوف ہو جائے اور اپنے وقت کو آسان سمجھنے لگے اور اپنا قلعہ و مورچہ توڑ دے تو

جب تک اس کا نظام دوبارہ مرتب نہ ہو اس کے شہر پر حملہ کرنا حرام ہے۔

اللہ کے اس فرمان میں کیا راز ہے تم جانتے ہو؟

یعنی خطروں میں زندہ رہنا ہی زندگی ہے۔

شرع می خواہد کہ اندر صلح و جنگ	شعلہ باشی و اشگافی کام سنگ
آزماید قوت بازوے تو	می نہد الوند پیش روے تو
باز گوید سرمہ ساز الوند را	از تف خنجر گداز الوند را
از تن آسائی بمیرد زندگی	قوت از پیکار گیرد زندگی ؏

ترجمہ

شریعت چاہتی ہے کہ صلح و جنگ میں تم شعلہ بن کر پتھر کا جگر چیر ڈالو
وہ تمہاری قوت بازو کو آزماتی ہے اور تمہارے آگے پہاڑ لا کھڑا کرتی ہے
کہتی ہے کہ اس پہاڑ کو سرمہ بنا دو اور خنجر کی ضرب سے اسے گداز کر دو
تن آسانی سے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے، جنگ سے زندگی کو قوت ملتی ہے۔

؏ آٹھویں شعر کے مصرع ثانی کی جگہ گرامی نے یہ مصرع تجویز کیا:

درس از سیماب گیرد زندگی

مگر اس مصرع کو اقبال نے اپنے مصرع کی جگہ کے لیے موزوں نہ سمجھا کیونکہ ان کا مضمون دوسرا تھا ان کے نزدیک حقیقی زندگی یہ تھی کہ انسان راستے کی رکاوٹوں پر غالب آئے اس بنا پر انھوں نے پورا شعر ہی بدل دیا مگر بعد میں اسے بھی قلم زد کر دیا:

زندگانی سوختن سوزیدن است	خویش را بر سنگ رہ دوزیدن است[1]

اور آخر میں اس شعر کا اضافہ کیا:

نیست میش ناتوانے لاغرے	در خور سرپنجہ شیر نرے[2]

(محمد عبداللہ قریشی)

(ترجمہ[1]) زندگی جلنے جلانے کا اور خود کو سنگ رہ سے توڑ دینے کا نام ہے
(ترجمہ[2]) ایک کمزور و ناتواں بھیڑ کسی شیر کے پنجہ کے لائق نہیں

تیسرے شعر میں لفظ پورش اور آخری شعر میں لفظ بیکار کھٹکتا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ زندگی مزاحمت پر غالب آنے سے قوی تر ہوتی ہے۔ کوئی لفظ جو بیکار سے بہتر ہو تجویز فرمائیے

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اس خط کا جواب جلد ملے ایسا نہ ہو کہ یہ خط بھی پچھلے کی طرح آپ کی فراموشی کا شکار ہو جائے۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا خط آیا تھا، بمبئی جا رہے ہیں حضور نظام بھی ورنگل سے بمبئی چلے گئے

والسلام

مخلص محمد اقبال

لاہور ۸ فروری ۱۷ء

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

جناب مولانا بابا گرامی السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ملا۔ سبحان اللہ کیا عمدہ غزل لکھی ہے اسی واسطے تو آپ کی جدائی میں آہ نکلتی ہے مگر آپ ہیں کہ جگہ سے نہیں ہلتے۔

"درس از سیماب گرد زندگی" لاجواب مصرع[1] ہے مگر اس مقام کے لیے موزوں

---

[1] اقبال نے ۸ فروری ۱۹۱۷ء کے خط میں پورش تپش کے تو حید اشعار مولانا گرامی کو ملاحظہ کے لیے بھیجے تھے۔ ان میں ایک شعر یہ بھی تھا

ارتش آزادی نہ میرد زندگی قوت از بیکار گیرد زندگی

اس میں "بیکار" کا لفظ اقبال کو کھٹکتا تھا۔ مولانا گرامی نے اسی لیے بدل کر یہ مصرع تجویز کیا تھا۔

درس از سیماب گیرد زندگی محمد عبداللہ قریشی

لاہور ۸ فروری ۱۹۳۸ء

ڈیئر گرامی تسلیم

شریعتِ اسلامیہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران میں اگر دشمن
صلح کی چال سے اپنے قبیلے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی افواج کو
پراگندہ کر دے اور بعد میں اس کی چال صلح غلط ثابت ہو یعنی صلح نہ ہو تو
مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر حملہ نہ کریں جب تک کہ وہ دوبارہ اپنی
فوجوں کو مرتب نہ کر لے اور اپنے قلعوں کو تعمیر نہ کر لے۔ اس مسئلے اور اس
مضمون کو میں نے معہ ترجمہ چند اشعار میں نظم کیا ہے۔ برائے اصلاح بھیج کر
واپس فرمائیے۔ (دو کرم معہ ملاحظہ فرمائیے)

لاہور آئے ایک مدت ہو گئی ہے؟ اب تو سردی گئی
لاہور چلے آئیے ہم آپ کے منتظر ہیں ہر روز کوئی نہ کوئی آدمی آپ کا

نہیں۔ یہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حقیقی زندگی یہ ہے کہ انسان اپنی راہ کی رکاوٹوں پر غالب آئے یعنی بہ الفاظ دیگر زندگی کی کنہ استیلا ہے میں نے اس شعر کی جگہ مندرجہ ذیل شعر لکھا ہے۔ آپ کا مجوزہ مصرع کسی اور جگہ کام دے گا

"زندگانی سوختن سوزیدن است

خویش را بر سنگ رہ دوزیدن است"

اس شعر کو ملاحظہ فرمایئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے۔

حیدرآباد ہائیکورٹ میں ایک ججی خالی ہوئی ہے یعنی سید ہاشم بلگرامی انتقال کر گئے۔ پنجاب کے ایک اخبار[۱] نے میرا نام اس جگہ کے لیے تجویز کیا ہے کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا ہے، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ عرصہ ہوا حیدری صاحب سے خط و کتابت بھی نہیں ہوئی۔ مہاراجہ کشن پرشاد کا خط وارنگل سے آیا تھا غالباً وہ اور حضور نظام اب بمبئی میں ہوں گے۔

۱؎ سید ہاشم بلگرامی کے انتقال سے حیدرآباد ہائیکورٹ میں جو ججی خالی ہوئی تھی اس کے لیے میونسپل گزٹ لاہور کے ایڈیٹر نے علامہ اقبال کا نام تجویز کیا تھا اور اسی مضمون کا ایک خط مہاراجہ کشن پرشاد کی خدمت میں بھی بھیجا تھا۔ مہاراجہ نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا تھا اس کا شکریہ اقبال نے اپنے ۱۶ مارچ ۱۹۱۶ء کے خط میں ادا کیا تھا۔ یہ خط "شاد اقبال" کے صفحہ ۳۷ و ۳۸ پر موجود ہے۔ پنجاب اور دہلی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دور دور سے مبارکباد کے تار بھی اقبال کے پاس آ گئے (شاد اقبال صفحہ ۴۲، ۴۳) اخبار "مخبر دکن" سے جب یہ معلوم ہوا کہ حیدرآباد ہائیکورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایک نام اقبال کا بھی ہے تو اقبال نے اس خیال سے کہ ان کا نام اوروں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے، اپنی تعلیمی فتوحات اور تفصیلی خصوصیات کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ کر ۱۵ اپریل ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد کی خدمت میں ارسال کیا (شاد اقبال، صفحہ ۴۴، ۴۶) مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ اقبال کے لیے کوئی ایسی مشغولیت پیش آ جائے جو ان کے اصل کام پر اثر انداز ہو۔

(محمد عبداللہ قریشی)

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(لاہور ۱۲ فروری ۱۷ء

(مکاتیب اقبال بنام گرامی) (عکس)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۹ فروری ۱۷ء

ڈیر گرامی۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے سردی گئی گرمی شروع ہوگئی اور گزر بھی جائے گی مگر آپ ہشیار پور سے نہ ہلیں گے۔

الحمدللہ کہ آپ کو شعر پسند ہوا۔ آج کل حضرت حسینؓ کے واقعۂ شہادت کا تاریخی مفہوم نظم کر رہا ہوں۔ اس میں ضمناً چند شعر عقل اور عشق پر ہیں جو عرض کرتا ہوں [1]

---

[1] اس خط میں جو اشعار درج ہیں وہ اسرار و رموز کے صفحہ ۱۲۵ پر موجود ہیں البتہ دوسرے اور تیسرے شعر کے درمیان اس شعر کا اضافہ ملتا ہے

عشق صید از زورِ بازو افگند   عقل مکار است و دامے می زند[f]

تیسرے شعر کے دوسرے مصرع کو یوں تبدیل کیا گیا ہے:

عشق را عزم و یقیں لاینفک است

(محمد عبداللہ قریشی)

[f] عشق زورِ بازو سے شکار کرتا ہے، عقل مکار ہے وہ جال بچھاتی ہے

عقل سفاک است (یعنی عشق) سفاک تر   پاک تر چالاک تر بے باک تر[1]
عقل در پیچاکِ اسباب و علل   عشق چوگان باز میدانِ عمل
عقل را سرمایہ از بیم و شک است   عشق از عزم و یقیں لاینفک است
آن کند تعمیر تا ویران کند   این کند ویراں کہ آبادان کند

بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرما کر واپس کیجیے۔

میرے حیدر آباد جانے کی خواہش تو آپ کو ایک عرصہ سے ہے کچھ عجب نہیں کہ آپ کا جذبِ دل رنگ لائے اور کوئی سامان پیدا ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو آپ کی فارسیت سے استفادہ کا موقع ملے۔ اخباروں میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مجھے کوئی علم نہیں اور نہ حیدر آباد کے حالات سے واقفیّت ہے۔ آخر وہاں بھی تو اس عہدہ کے امیدوار ہوں گے اور وہاں کی گورنمنٹ حیدر آبادیوں کو چھوڑ کر ایک غیر ملکی کو کیوں ترجیح دینے لگی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جس اخبار میں میرے متعلّق لکھا گیا تھا اس کی کاپیاں حیدر آباد کے بعض اُمرا کے نام بھیجی گئی ہیں اور اخبار بھی لکھ رہے ہیں۔ مہاراجہ بہادر کو اس واسطے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ ان کو اخبار سے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ حیدری صاحب کمزور آدمی ہیں اگر وہ کوشش کریں تو ممکن ہے مگر اس معاملے میں میرا لکھنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ آپ اگر سمجھتے ہیں کہ ان کو لکھنے سے فائدے کی توقع ہے تو ضرور لکھیے بلکہ جہاں کہیں اور بھی آپ کے خیال میں ضروری ہو لکھ ڈالیے۔ باقی خیریت۔ اس خط کو چاک کر ڈالیے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنامِ گرامی)   (عکس)

(ترجمہ)[1] عقل سفّاک ہے تو عشق سفّاک تر، پاک تر، چالاک تر بے باک تر
عقل اسباب و علل کے پھیر میں ہے اور عشق میدانِ عمل کا کھلاڑی ہے
عقل کا سرمایہ بیم و شک ہے، عشق کو عزم و یقین سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔
عقل اس لیے تعمیر کرتی ہے کہ پھر اُسے ویران کر دے، عشق اس لیے ویران کرتا ہے کہ پھر اُسے آباد کرے

لاہور ۱۹ نومبر ۳۵ء

ڈیر نذیر — السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ سردی کا موسم گرمی کا شروع
ہو گیا ہے امید ہے کہ جلد ہی چلا جائے گا مگر ہسپانیہ سے یورپ کے سفر میں ہو گا۔
اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے بہرحال۔ آج کل حضرت عیسیٰ کی والدہ کا وقت ہے
ایک مثنوی نظم کر رہا ہوں۔ اس کے خاتمہ پر عشق و عقل کی بحث
کے موضوع پر لکھ رہا ہوں۔ پہلا شعر یہ ہے۔ عقل ... وہ ... عشق سے شوخ تر
پاک تر چالاک تر بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است

آن کند تعمیر تا ویران کند
این کند ویران کہ آبادان کند

سطر اصلاح طلب ہو تو واپس بھیجیے۔

سیّد فصیح اللہ کاظمی کے نام

لاہور ۲۳ ,فروری ۱۹۱۷ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ بہت عرصہ ہوا پیام اُمید ایک دفعہ دیکھا تھا اس کے بعد ملاحظہ سے نہیں گزرا۔ اعتراضات کا تعلق جہاں تک زباں سے ہے اُس کا جواب دینا آسانی سے ہو سکتا ہے مگر اُس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور باقی رہے مطالب سو زمانہ خود سمجھا دے گا۔

جس تحریر کی بنا پر وہ آپ پر لائبل کا مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں میری نظر سے کسی رسالے یا اخبار میں نہیں گزری اگر پڑھوں تو قانونی اعتبار سے اس کے متعلق رائے دے سکتا ہوں آپ کے پاس پیام امید کی وہ اشاعت ہو تو بھیج دیجیے میں بڑی خوشی سے اپنے علم اور سمجھ کے مطابق رائے دوں گا۔

افسوس ہے کہ میرے پاس بہت سی نظمیں نہیں ہیں اب مجموعہ مرتّب کرنے کی کوشش میں ہوں کہ اشاعت کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (خطوط اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۳ ,فروری ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار۔ تسلیم۔

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ قاضی بیٹ سے ایک نوازش نامہ ملا تو ضرور تھا مگر اس میں سرکار کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر تھی۔ لہٰذا بمبئی

کا اڈر بس معلوم کرنے کے لیے انتظار ضرور ہوا۔ الحمدللہ کہ آج بمبئی سے سرکار کا والانامہ ملا۔ خودی بے خودی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر خودی کی بھی انتہا ہے کمال یہی ہے کہ دوست کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے۔ ؂

"ترکِ خود کُن سوے حق ہجرت گزین"

کل بمبئی سے ایک جوہری کا خط مجھے ملا۔ یہ شخص میرا ہم جماعت و ہم مدرسہ ہے ذہانتِ خداداد قوتِ ایجاد رکھتا ہے۔ اور زیوروں کی ساخت میں کمال۔ مجھے لکھا ہے کہ مہاراجہ بہادر بمبئی آنے والے ہیں میری معرّفی کرا دیجیے کہ "قدرِ گوہر شہ بداند" میں نے اسے بھی محض اسی خیال سے جواب نہ دیا کہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بمبئی میں جلوہ افروز ہو گئے یا ابھی بمبئی چشم براہ ہے۔ بہرحال یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سرکار بفضلہٖ مع الخیر بمبئی واپس تشریف لے آئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملدے بس جبر دعا ف کرے کہ سرکار مع الخیر وطن نہضت فرما ہوں، اقبال کا ارادہ تو ہے کہ شادؔ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو۔ مگر سب کچھ جذبِ شاد پر منحصر ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اِس حریفِ نوش اہیری کی ہم بزمی میسّر ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اقبال کے لیے بھی ایسے ہی سامان پیدا کر دے۔ فی الحال تو کیفیت قلب کی یہی ہے۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست[1]

چند روز ہوئے حیدر آباد کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے ایک خط آیا تھا ـــ بیتُ العلوم دکن کے امتحان تاریخِ اسلامی کے لیے پرچۂ سوالات تیار کر دوں پچھلے سال پرچہ ساد یا تھا مگر امسال الہ آباد و پنجاب کی دونوں یونیورسٹیوں کے امتحانات

---

[1] فارسی کا مشہور شعر ہے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

(ترجمہ: میری گردن میں ایک دھاگا ڈال کر دوست جہاں چاہتا ہے لیے پھرتا ہے۔)

ام - اے کا کام میرے سپرد تھا۔ فرصت نہ تھی مجبوراً انکار کرنا پڑا۔
کل لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا۔ یعنی ہوائی جہاز اڑائے گئے۔ تمام دن زن و مرد اس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر اور میدانوں میں جمع ہو گئے۔ مگر

ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے
مرا جہاز ہے محروم بادباں پھر کیا ؟

زیادہ کیا عرض کروں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ شاد کو شاد و آباد رکھے۔

مخلص قدیم محمد اقبال
(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲، مارچ ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا، جسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمدللہ کہ آپ کو وہ غزل پسند ہوئی۔ بہت عرصہ ہوا لکھی گئی تھی معلوم نہیں کس نے اسے مخزن میں اشاعت کے لیے بھیج دیا۔

میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیّل میں قرون اولیٰ کی سیر۔ مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے، وہ زمانہ خود کیسا ہوگا!

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اُس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اُس کا

مثنوی کا دوسرا حصہ جس کا نام "رموز بیخودی" ہوگا، ان شاء اللہ اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے گا۔ آج کل لاہور میں ہوں

مولانا گرامی جالندھری تشریف فرما ہیں اور میرے ہاں قیام پذیر ہیں خوب شعر بازی رہتی ہے، کل ہوشیار پور واپس جائیں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام محمد نیاز الدین خاں)

محمد دین فوق کے نام

لاہور ۶ مارچ[1] ۱۷ء

ڈیر فوق السلام علیکم۔ آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔

منشی قمر الدین[2] جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربے سے معلوم ہے ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔ اس سے پیشتر میں اس شخص پر سوٹ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خاں کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو بغیر میری اجازت کے شائع کر لیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر اجازت چھاپے تو اس پر دعویٰ کیا جائے۔

---

[1] نقوش (اقبال نمبر) میں اس خط کی تاریخ ۹ مارچ ۱۹۱۷ء درج ہے۔ عکسی خط میں اس کی تاریخ ۶ مارچ ۱۹۱۷ء نمایاں نظر آتی ہے۔ (مؤلف)

[2] منشی قمر الدین ایک مقامی تاجر کتب جس نے بلا اجازت اقبال کی نظمیں کتابی صورت میں شائع کی تھیں یہ واقعہ بانگ درا کی اشاعت سے قبل کا ہے بانگ درا پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ (بشیر احمد ڈار)

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے مگر سب اخبار میری نظر سے
نہیں گذرے "مخبر دکن" کے لیے شکرگذار ہوں مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں میں نے حیدرآباد
کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے
حیدرآباد میں مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے[1] اودھ پنچ نے جو اعتراضات مجھ پر کیے ہیں ان کا
مجھے علم نہیں وہ پرچہ تلاش کرنا چاہیے ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو لکھنو والے
یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار
یا مضمون آفرینی نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے حقیقت میں فنِ شاعری اس قدر دقیق
اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا
ہوں جسے روزی کے دھندے سے فرصت ہی نہیں ملتی میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے
کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں اُن کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس والسلام
امید ہے کہ آپ اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے غالباً آپ کو پہلے حالات متعلق قمر الدین
کے معلوم نہ تھے جب آپ نے سفارشی خط لکھا۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملیے۔ آپ کی فوقیت اس قدر بلند ہوئی کہ نظر سے غائب ہوگئی۔

(عکس) محمد اقبال

---

[1] اخبار "مخبر دکن" میں یہ خبر چھپی تھی کہ حیدر آباد دکن ہائی کورٹ کی ججی کے سلسلے میں اقبال
کا نام اکثر لیا جا رہا ہے۔ "شاد اقبال" کے مطالعے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے (خط نمبر ۱۳
خط نمبر ۱۳ (صفحہ ۴۴) میں اقبال لکھتے ہیں "یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو
دور دور سے مبارک باد کے تار بھی اڑ گئے" اسی طرح خط نمبر ۱۴ (صفحہ ۴۴) میں اقبال
لکھتے ہیں "مخبر دکن سے معلوم ہوا ہے کہ حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام
کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے . . . ."

[2] "اودھ پنچ" لکھنو کا مشہور مزاحیہ ہفتہ وار اخبار جو ۱۸۷۷ء میں جاری ہوا۔ اس میں
اقبال کی شاعری پر اعتراضات شائع ہوتے رہے۔ (بشیر احمد ڈار)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور
۷ ؍ مارچ ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم مع التعظیم

والا نامہ پرسوں مل گیا تھا۔ جس میں سرکار دولت مدار کے حیدر آباد واپس جانے کی خبر تھی۔ لہٰذا یہ عریضہ حیدر آباد ہی کے پتہ پر لکھتا ہوں کہ سرکار کل بمبئی سے رخصت ہو جائیں گے۔

فارسی غزل کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کا والا نامہ بار رُوم میں ملا تھا۔ یہاں کے وکالت پیشہ احباب میں بعض ذوقِ سخن رکھتے ہیں اہلِ پنجاب کے دلوں پر آپ کا نقش تو پہلے سے ہے۔ فارسی غزل "کیستم من" جب پڑھی گئی تو ارباب ذوق سرمست ہو گئے۔ واقعی لاجواب غزل ہے۔ انھیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔ کیا خوب ہو اگر سرکارِ عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروزِ اہلِ بصیرت ہو۔

مجھے جو خلوص سرکار سے ہے، اُس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے مگر میری نگاہ اُس سے پرے جاتی ہے اور اُس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمد للہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ ان شاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے۔ جو خدمت کا طالب نہیں، اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔

اللہ اکبر سے دو چار روز ہوئے کہ ملاقات ہوئی تھی، آپ کا تذکرہ بھی ہوا تھا۔ ایّاکَ نَستَعِینُ کا دور دورہ پھر ہو جائے گا مطمئن رہیئے۔ آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوبہ نے بہت لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے کسی روز اُن کی خدمت میں بھی جانے کا قصد ہے۔ شادکا پیغام بھی پہنچاؤں گا۔

قید سے گھبرانا کیا! اس کی شدّت لطفِ آزادی کو دوبالا کر دے گی۔ عرصہ ہوا میں نے پھول سے خطاب کیا تھا:

اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کرلے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرلے

تصویریں ابھی کوئی پاس نہیں۔ نئی منواکر سرکار کی خدمت میں حاضر کروں گا لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے[1] ذہین و طبّاع ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آج کل اس فکر میں ہوں کہ اُس کو کہیں مرید کرا دوں یا اُس کی شادی کر دوں کہ اس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے۔

نار تا ناز است کم خیزد نیاز[2]
نازہا سازد بہم خیزد نیاز

اس کی تصویر بھی ان شاء اللہ حاضر ہوگی۔ والسلام

مخلص قدیم
محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] مراد آفتاب اقبال صاحب۔ فرزند علامہ اقبال جو ۲۳ جون ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳ اگست ۱۹۷۹ء کو وفات پائی۔ [محمد عبداللہ قریشی اقبال نام شاد]

[2] نار جب تک نار ہے ستار کم پیدا ہوتا ہے، جب نیار یا ہم پیدا ہوتا ہے تو اس سے بہت سے ناز پیدا ہوتے ہیں۔

پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی کے نام

کتاب المعیشت مل گئی تھی۔ مگر میں دردِ گردہ کے دورے کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا۔ اور اب تک پورے طور پر صحت نہیں ہوئی۔ گو پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ آپ کی عنایت کا شکریہ ادا نہ کر سکا۔ آپ کی تصنیف اردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ اردو زبان میں علم اقتصاد پر یہ پہلی کتاب ہے اور ہر پہلو سے کامل۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال لاہور

۸ر مارچ ۱۹۱۷ء

(اقبال نامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۸ مارچ ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

ایک عریضہ چند روز ہوئے لکھا تھا۔ امید کہ ملاحظۂ عالی سے گزر چکا ہوگا۔ آج منشی محمد دین (یادین محمد[1]؟) اڈیٹر اخبار میونسپل گزٹ لاہور میرے ہاں آئے۔ انھوں نے اپنے اخبار میں میرے متعلق کچھ لکھا تھا جواب تک میری نظر سے نہیں گزرا مگر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ انھوں نے مفصّل بیان بھی کیا اسی مضمون کا ایک عریضہ بھی اڈیٹر مذکور کی طرف سے سرکار والا کی خدمت میں لکھا گیا تھا۔ اس عریضے کا جواب منشی محمد دین صاحب نے مجھے دکھایا ہے۔ جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت

---

[1] یہ بین القوسین اضافہ مرتب کتاب "شادِ اقبال" کی طرف سے ہے۔ اڈیٹر کا نام دین محمد ہے۔ اقبال نے سہو قلم سے محمد دین لکھا ہے۔

ہوئی یہی والا نامہ عریضۂ ہذا کے لکھنے کا محرک ہوا میں نے منشی محمد دین صاحب سے یہی کہا جو سرکار نے اپنے والا نامے میں ارشاد فرمایا ہے۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ سرکار شاد میں اقبال بھی آبرو رکھتا ہے۔ مگر جو کچھ اُنھوں نے بے غرضانہ کیا اُس کا شکریہ ادا کرنا فرض عین تھا۔ اور جو کچھ سرکار نے اُن کے عریضے کے جواب میں لکھا ہے اس کے لیے بھی اقبال سراپا احساس تشکر و امتنان ہے۔ اخباروں میں کئی دن سے یہ بات چکر لگا رہی ہے۔ میں نے سنا ہے پنجاب اور یوپی کے اکثر اخباروں اور "مخبر دکن" نے بھی لکھا ہے۔ مگر سرکار کو میں نے عمداً اس بارے میں کچھ نہ لکھا' زیادہ تر اس وجہ سے کہ اگر کوئی امکان اِس قسم کا نکلے تو سرکار کی مساعی پر مجھے پورا اعتماد تھا۔ اور علاوہ اس اعتماد کے حیدرآباد کے حالات کا مجھے مطلق علم نہ تھا۔ اِنہی وجوہ سے باوجود اس بات کے کہ سرکار کے قریب اور ظلِ عاطفت میں رہنے کا خیال مدت سے دامن گیر ہے۔ میں نے سرکار کی خدمت میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ میں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو' خدا کے فضل و کرم سے نہیں گھبرایا۔ اس وقت بھی قلب کی کیفیت یہی ہے کہ جہاں اُس کی رضا لے جائے گی' جاؤں گا۔ دل میں بہ سرور ہے کہ اگر خدا کی نگاہِ انتخاب نے مجھے حیدرآباد کے لیے چُنا ہے تو اتفاق سے یہ انتخاب میری مرضی کے بھی عین مطابق ہے گویا بالفاظِ دیگر بندہ و آقا کی رضا اس معاملے میں کلّی طور پر ایک ہے' زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

سراپا سپاس مخلص قدیم محمدؐ اقبال

(شادِ اقبال)

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ جو شعر میں نے کسی پہلے خط میں لکھا تھا وہ ایک نظم کا، جو کئی سال ہوئے میں نے عشقِ بلال پر لکھی تھی، آخری شعر ہے۔ باقی اشعار ذہن میں محفوظ نہیں رہے مخزن کے پرانے نمبر اگر آپ کے پاس ہیں تو اُن میں مل جائے گی، میں بھی تلاش کروں گا۔ مل گئی تو حاضرِ خدمت کروں گا۔

گرامی صاحب سنا ہے جالندھر آنے والے ہیں۔ مجھکو بھی طلب کیا ہے۔ مگر میں کئی دنوں سے بوجہ دورہ دردِ گردہ کے مضمحل ہوں، اس واسطے معذور ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آج کل موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ ہر بات میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

۱۲ر مارچ ۱۹۱۷ء

(مکاتیبِ اقبال بنام محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۲ر مارچ ۱۹۱۸ء

مخدومی مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میری طبیعت ابھی تک رو براہ نہیں ہوئی، لیکن پہلے کی نسبت بہت آرام ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ والدِ مکرم اب لاہور نہ آئیں گے کیوں کہ اب ان کا ضعفِ پیری سفر کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ میں اُن کی خبر گیری کے لیے آج سیالکوٹ جاؤں گا، پرسوں واپس آجاؤں گا۔

اپریل میں ضرور تشریف لائیے، خوب رونق ہوگی۔ ایک آدھ شعر ذوالفقار علی خاں کے متعلق بھی لکھ ڈالیے[1]۔ ذوالفقار کے نام میں ایک ذخیرہ مضمون کا ہے۔ میری طبیعت اچھی نہیں اس واسطے کوئی نئی نظم شاید نہ لکھ سکوں ہو سکا تو کوئی پرانی نظم پڑھ دوں گا باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

حضور نظام اور مہاراجہ سرکشن پرشاد ابھی بمبئی میں ہیں، ۲۴ کو حیدر آباد آجائیں گے۔

منشی دین محمد اڈیٹر میونسل گزٹ نے اپنے اخبار میں میرے متعلق بڑے زور سے لکھا تھا اور ساتھ ہی مہاراجہ بہادر کو ایک خط بھی لکھا تھا کہ وہ کوشش کریں۔ اس خط کے جواب میں مہاراجہ بہادر نے منشی دین محمد کو لکھا ہے کہ اقبال سے ان کو بڑی عقیدت ہے اور وہ ہر ممکن کوشش اس معاملہ میں کریں گے اور چند روز تک ان کی کوشش کا عملی ظہور ہوگا۔ غرض کہ یہ لبّ لباب ان کے خط کا ہے، جو میں نے عرض کیا ہے۔ منشی دین محمد نے مہاراجہ صاحب کا خط مجھے دکھایا تھا میں نے بھی انھیں شکریہ کا خط لکھا ہے، زیادہ کیا عرض کروں۔

---

[1] اس خط میں اقبال مولانا گرامی کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں شریک ہونے اور نظم پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ گرامی تشریف لائے اور انھوں نے انجمن کے پلیٹ فارم سے جو مثنوی ارشاد فرمائی تھی اس میں نواب سر محمد ذوالفقار علی کے متعلق یہ اشعار قابل ذکر ہیں۔

معنیِ نکتۂ خفی و جلی جوہر فرد ذوالفقار علی
عقل و دانش ز جوہر ذاتش من و تو سر بخط فرمانش

(دیوان گرامی صفحہ ۱۲)

ترجمہ۔ نکتۂ خفی و جلی کے معنی، وہ ذوالفقار علی جوہر فرد، عقل و دانش ان کی علامت ہے میں اور تم تو اس کے تابع فرمان ہیں۔

مندرجہ ذیل اشعار[1] کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیے۔ مضمون یہ ہے کہ دنیا کی قوّتوں کو سمجھنا اور ان کو قابو میں لانا چاہیئے:

عالمِ ایجاد لوحِ سادہ نیست   ایں کہن سازاز نوا افتادہ نیست[2]
برق آہنگ است ہشیارش زنند   خویش را چون زخمہ برتارش زنند

پہلے شعر کا پہلا مصرع کھٹکتا ہے والسّلام! گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے۔

محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۱۰/اپریل ۷۱ء

سرکار والا تبار تسلیم

یہ سن کر کمال مسرّت ہوئی کہ سرکار والا حیدر آباد تشریف لے آئے۔ اقبال پھر مبارکباد عرض کرتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مبارک اور کئی مبارکبادوں کا پیش خیمہ ہوا!

---

[1] جو اشعار اقبال نے اس خط میں لکھے ہیں، وہ مثنوی اسرار ورموز کے ص ۱۶۷ پر درج ہیں۔ ان میں سے پہلے شعر کا مصرع اولیٰ تبدیل ہو چکا ہے۔ اب وہ یوں ہے۔

صورتِ ہستی زمعنی سادہ نیست   ایں کہن سازاز نوا افتادہ نیست

[2] (ترجمہ) یہ عالم ایجاد سادہ تختی نہیں ہے اور یہ پرانا ساز نغموں سے خالی نہیں ہوا ہے برق آہنگ ہے اس لئے اسے ہوشیاری سے بجاتے ہیں۔ خود کو مضراب کی طرح اس کے تاروں پر مارتے ہیں۔ (محمد عبداللہ قریشی)

سرکار نے بجا ارشاد فرمایا کہ انسان تدبیر کا مجاز اور اُس پر معناً قادر ہے۔ مگر اس معاملے میں جس قدر تدابیر اقبال کے ذہن میں آسکتی ہیں اُن سب کا مرکز ایک وجود ہے جس کا نام گرامی شاد ہے۔ تدبیر اور تقدیر اسی نام میں مخفی ہیں۔ پھر اقبال ان شاء اللہ العزیز ہر حال میں شاد ہے۔ لاہور میں ہوں یا حیدر آباد میں۔ ع

اگر نزدیک و گر دُورم غبارِ آں سرکویم [1]

(بیدل)

یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دُور دُور سے مبارکباد کے تار بھی اُڑ گئے۔ اور اضلاع پنجاب کے اہلِ مقدمات جن کے مقدمات میرے سپرد ہیں۔ اُن کو گونہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال مرضئ مولا از ہمہ اولیٰ۔ کل پنجاب کی مشہور انجمن حمایت اسلام لاہور جو سرکار کی فیاضی سے بھی مستفیض ہو چکی ہے اپنا سالانہ اجلاس کرے گی بھوپال کے پرنس حمید اللہ خاں صدارت کے لیے آئے ہیں ان کا جلوس سُنا بڑی دھوم دھام سے نکلے گا۔ بازاروں کی آرایش ہو رہی ہے۔ کیا دلکش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے:

بزمے کہ دران سُفرہ کشند جلوۂ دیدار　　　کونین غبارے ست کہ از بالِ مگس ریخت [2]

مخلص قدیم محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] (ترجمہ) میں خواہ نزدیک ہوں یا دور رہوں اس کے کوچے کا غبار ہوں

[2] (ترجمہ) وہ محفل جہاں اس کا جلوۂ دیدار اپنا دستر خوان بچھاتا ہے وہاں دونوں جہاں مکھی کے پروں سے جھڑے ہوئے غبار کی مانند بے حقیقت ہیں!

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۵ اپریل ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

ایک عریضہ اس سے پہلے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ "مخبرِ دکن" سے معلوم ہوا ہے کہ حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام خلّد اللہ مُلکہٗ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے۔ اس خیال سے کہ میرا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے، چند امور آپ کے گوش گزار کرنا ضروری ہے، جن کا علم ممکن ہے سرکار کو نہ ہو، ممکن ہے کہ حضور نظام اِن امور سے متعلق سرکار سے استفسار فرمائیں۔

اس جگہ کے لیے فلسفہ دانی کی چنداں ضرورت نہیں، تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ اس فن میں میں نے ہندوستان اور یورپ کے اعلیٰ ترین امتحان انگلستان (کیمرج) جرمنی (میونک) یونیورسٹیوں کے پاس کیے ہیں۔ انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ کالج میں مجھے فلسفے کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ کام میں نے ۱۸ ماہ تک کیا۔ اور یہاں کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی۔ گورنمنٹ نے بعدازاں یہ جگہ مجھے آفر بھی کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی اس کا اندازہ اِس سے ہو جائے گا کہ پروفیسری کے تقرر کی وجہ سے میں صبح کچہری نہ جا سکتا تھا۔ چیف کورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام مقدمات دن کے پچھلے حصّے میں پیش ہوا کریں، چنانچہ ۱۸ ماہ تک اِسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر اس عہدہ کے لیے جو حیدر آباد میں خالی ہوا ہے عربی دانی کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس کے متعلق یہ امر سرکار کے گوش

گزارش کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں میں پنجاب میں اوّل رہا ہوں انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ واپسی پر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کا ممتحن مقرر کیا گیا اور اب بھی ہوں۔ امسال الہ آباد یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے دو پرچے میرے پاس تھے۔ پنجاب میں بی۔ اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم اے فلسفے کے دو پرچے میرے پاس ہیں۔ علاوہ ان مضامین کے میں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علم اقتصاد، تاریخ، اور انگریزی بی۔ اے اور ایم۔ اے کی جماعتوں کی پڑھائی ہے اور حکام بالا سے تحسین حاصل کی ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصے سے جاری ہے علم الاقتصاد پر اُردو میں سب سے پہلی مستند کتاب میں نے لکھی۔ انگریزی میں چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصّل رسالہ فلسفۂ ایران پر بھی لکھا ہے۔ جو انگلستان میں شائع ہوا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود نہیں ورنہ ارسال خدمت کرتا۔

باقی جو کچھ میرے حالات ہیں وہ سرکار پر بخوبی روشن ہیں، اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہِ اسلام میں اس وقت ایک مفصّل کتاب بزبان انگریزی زیرِ تصنیف ہے جس کے لیے میں نے مصر و شام و عرب سے مسالہ جمع کیا ہے، جو اِن شاء اللہ بشرطِ زندگی شائع ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیل مسائل کے اعتبار سے ایسا ہی بناؤں جیسی کہ امام سَرَخسی کی مبسوط ہے جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

بندۂ قدیم مخلص محمدؐ اقبال
(اقبال نامہ)

ٹ علامہ اقبال کے اس بیان کا مقابلہ ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کے خط موسومہ محمد الیاس برنی سے کیجیے

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ آپ کا مزاج بخیر ہے۔ والد مکرّم آپ کو کئی دفعہ یاد کر چکے ہیں، بلکہ قریبًا ہر روز یاد کرتے ہیں۔ امید کہ ابھی وہ چند روز اور قیام کریں گے مگر آپ جلد تشریف لاویں۔ ایسا نہ ہو کہ سیالکوٹ سے اُن کو بلاوا آجائے وہاں پر بال بچے اُن کے بغیر اداس ہوجاتے ہیں علاوہ اس کے وہ ہر روز میری والدہ اور اپنے والدین کی قبر پر جانے کے عادی ہیں اس روز کے فرض کا ترک زیادہ ایّام تک گوارا نہیں کرسکتے۔ امید کہ آپ جلد تشریف لائیں گے۔

اخبار "مخبرِ دکن" سے مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ عہدۂ ججی کے لیے چند امیدواروں کے نام حضور نظام کے سامنے پیش کیے گئے ہیں آپ کو کس طرح اور کس ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہاں تذکرہ ہوا ہے اور مہاراجہ بہادر نے سفارش کی ہے۔ کیا آپ کو وہاں سے کوئی خط آیا ہے یا آپ نے بھی اخبار "مخبر دکن" سے معلوم کیا ہے؟ میں نے بھی مہاراجہ بہادر کے نام پرسوں خط لکھا تھا مگر مجھے بڑی پختہ امید نہیں کیونکہ جو لوگ وہاں کے ہیں ان کو دوڑ دھوپ کا موقع بہت حاصل ہے اور مقامی اثرات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ایک دور افتادہ آدمی اس اعتبار سے کوئی بڑی امید حصول مقصد کی نہیں کرسکتا۔ بہرحال جو خدا کو منظور ہوگا، ہو رہے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے بواپسی ڈاک جواب دیجیے کہ آپ کب تک آئیں گے۔ اگر ذرا اور گرمی ہوگئی تو موجودہ مکان میں گزارہ مشکل ہوگا اور کسی اور مکان کا انتظام کرنا ہوگا جس میں مجھے امید ہے دقت نہ ہوگی۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۷ اراپریل ۱۷ء

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

(عکس)

محمد امین زبیری کے نام

لاہور ۲۹ اپریل ۱۷ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآنِ کریم ہے تدبر شرط ہے اُس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ MODERN EGO FUGENICS کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں زمانہ حال کی سفر بجٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب RIGHTS OF WOMEN میری نظر سے گزری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔ جان سٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

جناب مولانا گرامی

کہیئے مزاج کیسے ہیں آپ نے میرے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ خدا خیر کرے۔ والد مکرم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ۵ مئی کو واپس سیالکوٹ جائیں گے۔ اگر آپ کا مزاج بخیر ہو تو تشریف لایئے کہ وہ آپ سے ملنے کے بڑے متمنی ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے والسلام جواب کا انتظار ہے۔

یکم مئی ۱۷ء

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۳؍مئی ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم
ابھی اخبار 'دیش' میں سرکار کی علالت کی خبر پڑھی ہے۔ گونہ تردد ہے۔ اقبال کو خیریت سے مطلع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شفاے عاجل کرامت فرمائے اور چشم زخمِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔

مخلص قدیم محمد اقبال

(شاد اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۳؍مئی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم
آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے جس کو پڑھ کر بڑا تردد ہوا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے گھر کے لوگوں کو شفاے عاجل کرامت فرمائے۔ گھبرایئے نہیں۔ بیماری بھی آخر انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ میں نے والدِ مکرم کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسی وقت دعا کی اور میں بھی دست بدعا ہوں مہربانی کر کے ان کی خیر خیریت سے بواپسی ڈاک مطلع فرمایئے۔ سید بشیر حیدر صاحب کا خط آیا تھا میں نے ان کو جواب لکھ دیا ہے آپ کی اصلاح سے مجھے اتفاق نہیں مفصل وجوہ ملاقات ہونے پر عرض کروں گا کچھ وجوہ اس خط میں لکھ دیے ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ جن مسلمان نوجوانوں نے اپنا لباس زبان فیشن وغیرہ بدل لیا ہے

ان کو خطاب کر کے لکھا ہے [۱]

فکر تو زنجیری افکار غیر — در گلوے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگو ہا مستعار — در دل تو آرزو ہا مستعار [۲]
قمریانت را نوا ہا خواستہ — سرو ہایت را قبا ہا خواستہ
آں نگاہش سرِ ما زاغ البصر — سوے قوم خویش باز آید اگر
می شناسد شمع او پروانہ را — نک داند خویش و ہم بیگانہ را
"لست منی" گویدت مولائے ما — وائے ما اے وائے ما اے وائے ما!

مخلص محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی) (عکس)

---

[۱] اس خط سے بیگم گرامی کی علالت کا پتہ چلتا ہے اور اقبال انھیں تسلی دینے کے بعد اپنے کچھ اشعار ان کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں یہ اشعار اسرار و رموز کے صفحات ۱۸۶-۱۸۷ پر موجود ہیں۔ فقط پہلے شعر کے پہلے مصرع میں اقبال نے ایک لفظ کی تبدیلی کی ہے۔ اب یہ مصرع یوں ہے

عقل تو زنجیری افکار غیر

[۲] (ترجمہ) (۱) تمہارا فکر افکار غیر کا غلام تمہارے گلے میں دوسروں کے تار سے سانس آرہا ہے۔

(۲) تمہاری زبان پر مستعار گفتگو ہے، تمہارے دلوں میں مانگی ہوئی تمنائیں ہیں۔

(۳) تمہاری قمریوں کی نوا مستعار ہے، تمہارے سرو کی قبا بھی

ما زاغ البصر و ما طغیٰ (قرآن ۵۳: ۱۷) کی تلمیح ہے جس کا مطلب ہے کہ (نہ اس کی نگاہ نے لغزش کی نہ اس نے سرکشی کی)

(۴) وہ نگاہ جو ما زاغ البصر کا راز ہے اگر قوم کو دوبارہ مل جائے

(۵) تو اس کی شمع پروانے کو پہچانتی ہے وہ اپنے بیگانے کو خوب جانتی ہے۔

(۶) "تو مجھ سے نہیں" ہمارے آقا ہم سے کہتے ہیں افسوس ہم پر صد افسوس ہمارے حال پر۔

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۷ مئی ۱۷ء

ڈیر گرامی السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ اقبال بیگم صاحبہ[۱] اچھی ہو گئیں لاہور تشریف لائیے ان شاءاللہ آپ کا علاج نہایت عمدہ طور پر ہو جائے گا میرے ایک ڈاکٹر صاحب دوست ہیں، جو دماغ کی بیماریوں میں خاص طور پر ماہر ہیں وہ کوئی عمدہ نسخہ تجویز کریں گے

اخبار پنجاب[۲] میں غزل غلط شائع ہوئی ہے۔

۱۔ بیگم گرامی۔

۲۔ اخبار پنجاب کے کسی شمارے میں اقبال کی ایک غزل نقل در نقل ہو کر غلط سلط چھپ گئی تھی۔ گرامی نے بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی تو اقبال نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا اور جو الفاظ انھوں نے استعمال کیے تھے ان کی تشریح کی۔ یہ غزل بانگ درا کے صفحہ ۲۱۸ پر درج ہے اس کا مطلع یہ ہے:

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی

اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

جن اشعار کی اقبال نے تفصیلی تشریح کی ہے وہ یہ ہیں:

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات

تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل

عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

میرا شعر یوں تھا: "جلوۂ گل تو ہے اک دام نمایاں بلبل" الخ۔ پہلے مصرع میں "نمایاں" "پوشیدہ" کے مقابل ہے جو دوسرے مصرع میں ہے۔ عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل (خرام نہیں ہے) دوسرے مصرع میں پیغام کا لفظ مقتضی ہے کہ پہلے مصرع میں قاصد کا لفظ ہو۔

نیم اشارہ عمدہ ہے مگر نیم اشارہ کس کا ہوگا؟ قاصد کا یا خود محبوب کا۔ اس کے علاوہ "ہے" لانا پڑے گا۔ عمل سے خرام اچھا ہے مگر معانی مطلوبہ کے اعتبار سے عمل بہتر ہے۔ یہ شعر اسی فارسی شعر کا ترجمہ ہے:

عقل در پیچاک اسباب علل ہے[۲]

عشق چوگاں باز میدان عمل

"رہیں سحر و شام"[۳] سے اگلی تسکین نہیں ہوئی مفصّل لکھیے یا خود آیئے اور بیان کیجیے۔ میرا مقصود اس شعر سے یہ ہے کہ زندگی سحر و شام کی تعداد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا معیار سعیِ پیہم ہے۔ اس کو دنوں کے ترازو میں نہ تولنا چاہیئے جیسا کہ عام طور پر لوگ کرتے ہیں۔ جب کوئی پوچھے فلاں آدمی کی عمر کتنی ہے تو جواب ملتا ہے اتنے سال یا اتنے مہینے یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جواب ایام یعنی سحر و شام کے شمار کا نتیجہ ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[۱] عکسی خط میں "میں" دو مرتبہ تحریر ہے۔

[۲] عقل اسباب و علل کے چکر میں رہتی ہے اور عشق میدان عمل کا کھلاڑی ہے۔

[۳] گرامی نے "شمار سحر و شام" کی جگہ "رہیں سحر و شام"، تحریر کیا مگر اس سے اقبال کی تسکین نہ ہوئی اور انھوں نے اپنا مطلب تفصیل سے بیان کیا۔ اقبال کا مقصود دنوں، اور مہینوں اور برسوں کی گنتی تھی اسی لیے لفظ "شمار" استعمال کیا "رہیں" سے یہ مقصود پورا ہوتا تھا۔ گرامی کے پیش نظر اصل مفہوم نہ تھا صرف بہتر لفظ لانے پر توجہ تھی۔ (محمد عبداللہ قریشی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور
۱۹ مئی ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم۔ مع آداب و تعظیم

سرکار کا والا نامہ ملا جس سے اطمینان ہُوا۔ یہ خط میرے اُس عریضے کے جواب میں ہے جس میں میں نے سرکار کی علالتِ طبع کے متعلق استفسار کیا تھا۔ افسوس کہ ۱۴ر اپریل کا لکھا ہوا خط مجھ تک نہ پہنچا معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا

گم ہو وہ نگین جس پہ کھُدے نام ہمارا[1]

بہر حال یہ معلوم کرکے کمال مسرت ہوئی کہ سرکار کا مزاج اب خدا کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ آج کل لاہور میں بھی موسم عجیب و غریب ہے مئی اور جون کے مہینوں میں لُو کی شدّت و حرارت نا قابلِ برداشت ہوا کرتی ہے مگر آج کل یہ حال ہے کہ قریباً ہر روز آسمان ابر آلود رہتا ہے، اور صبح کے وقت خاصی سردی ہوتی ہے۔ "مغرب سے آفتاب نکلنے" کا یہی مفہوم ہے۔

---

[1] امام بخش ناسخ کا شعر ہے۔

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہو گا
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

"مرزا علی صاحب ۔۔ ایک امیر شرفائے لکھنؤ میں سے تھے اور شیخ صاحب (امام بخش ناسخ) کے بہت دوست تھے۔ انھوں نے ایک عمدہ فیروزہ پر آپ کا نام نامی کھدوا کر انگوٹھی بنوا کر دیا اکثر پہنے رہتے تھے کبھی اتار کر رکھ بھی دیتے تھے وہ کسی نے چرا لی یا کھوئی گئی۔ اس پر فرمایا۔

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہو گا
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

(محمد حسین آزاد: آبِ حیات ص ۳۷۱)

اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و اسقام سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے کہ آپ کی ذات نوعِ انسان کے لیے سرچشمۂ فیوض و برکات ہے کل مولانا اکبر کا خط آیا تھا۔ اس خط میں ایک لطیف مطلع اُنھوں نے لکھا ہے:

زباں سے قلب پر صوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

میں فارسی مثنوی کے دوسرے حصے کی تکمیل میں مصروف ہوں اس کا نام "رموز بے خودی" ہوگا۔ یونیورسٹی امتحانوں کے کاغذات سے فرصت ہوگئی ہے۔ امید کہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ حال میں ایک اُردو غزل لکھی تھی۔ اس کے دو ایک شعر ملاحظہ کے لیے لکھتا ہوں:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زُنّاریٔ بُت خانۂ ایّام ابھی

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج مبارک بخیر و عافیت ہوگا۔

مخلص قدیم
محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

کئی دنوں سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ خیریت تو ہے امید کہ اب آپ کے گھر کے لوگ ہمہ نوع خیریت سے ہوں گے

کل آپ کے ایک عزیز نے مجھ سے ایک عجیب وغریب بات کہی خط میں لکھنے کی نہیں ملاقات ہوگی تو عرض کروں گا اتنا کہہ دیتا ہوں کہ وہ بات آپ سے تعلق رکھتی ہے۔ کہیئے لاہور آنے کا کب قصد ہے کیا حیدر آباد سے کوئی خط آیا۔ اور کچھ حالات وہاں کے معلوم ہوئے؟ مہاراجہ کا خط آیا تھا وہ علیل تھے مگر اس خط میں کوئی اور تذکرہ نہ تھا۔ مثنوی کا دوسرا حصہ[1] قریب الاختتام ہے تقریظ موعودہ لکھیے، وقت پر اطلاع کردی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کی تقریظ کے لیے اس کی اشاعت کو روکنا پڑے کیا اچھا شعر کسی استاد[2] کا ہے۔

"مُغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند[3]"

مخلص محمد اقبال لاہور

۲۱مئی ۱۷ء

(عکس)

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] رموزِ بے خودی

[2] اس خط کے آخر میں اقبال نے جو شعر درج کیا ہے، اس کو اقبال نے اپنی نظم "ارتقا" میں تضمین بھی کیا ہے جو بانگ درا کے صفحہ ۲۹۴ پر یوں شروع ہوتی ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

[3] میکدہ والے جو انگور کے دانے کو شراب بنا دیتے ہیں گویا ستاروں کو جوڑ کر آفتاب پیدا کرتے ہیں

(یہ ملا فرخ اللہ ترشیری (متوفی بعد ۱۰۸۵ھ) کا مطلع ہے یہ دکن میں احمد نگر، گولکنڈہ و بیجاپور کے قطب شاہی و عادل شاہی درباروں سے متعلق رہا۔ حالات کا زیادہ علم نہیں ہے)

محمد دین فوق کے نام

لاہور ۸ر جون ۱۷ء

ڈیر فوق السلام علیکم

السلام علیکم آپ کا خط ابھی ملا ہے کشمیر اور اہل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور اُن کے لٹریچر پر احسان کیا ہے البتہ کشامرہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے

رسالۂ رہنمائے کشمیر جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دل چسپ ہے طرزِ بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے کہ میں نے آج تک کشمیر کی سیر نہیں کی لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی اُدھر کھینچے۔

''اسرارِ خودی'' کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت نہ تھی ختم ہوگئی میں نے ارادتاً کم تعداد میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی قریب الاختتام ہے۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(انوارِ اقبال)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۴ر جون ۱۷ء

سرکارِ والا تبار تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ ملا جس کے لیے مرہونِ منت ہوں۔ کاغذی ملاقات کا خاتمہ اُس کے یدِ قدرت میں ہے۔ اُسے منظور ہو تو اقبال ہوگا اور آستانۂ شاد۔ موقع تو ایک پیدا ہوگیا ہے۔ ممکن ہے کہ سرکار کے جذبات نے اُسے پیدا کیا ہو۔ بہرحال اگر مقدر ہے تو سرکارِ شاد تک اقبال کی ظاہری رسائی بھی ہو جائے گی۔ باطنی اعتبار سے تو بندۂ درگاہ وہاں پہلے سے موجود ہے۔

مولانا لسان العصر[1] کا مطلع نہایت عمدہ لیکن سرکار کا یہ شعر "شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے"[2] اُس مطلع سے کم نہیں۔ ایک جہانِ معنی اِس میں آباد ہے آخر کیوں نہ ہو اِن رُموز کے جاننے والوں میں سرکارِ عالی کا نمبر اوّل ہے۔ حیاتِ ملّیہ کا راز اسی پیغام میں مخفی ہے۔ آپ نے اُسے خوب کہا ہے۔ "للہ درّک"[3]

موسم کی حالت اب کے سال یہاں بھی عجیب و غریب ہے دو چار روز گرمی ہوتی ہے پھر بارش کم و بیش آجاتی ہے اور ہوا میں کسی قدر خنکی پیدا کر جاتی ہے

۱؎ مراد اکبر الٰہ آبادی؛ اُن کا مطلع یہ ہے:

زباں سے قلب میں صوفی خدا کا نام لاتا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

۲؎ پورا شعر یوں ہے:

شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے
یہی اک رازِ مخفی تھا جسے اسلام لایا ہے

۳؎ ترجمہ: خدا آپ نے کیا خوب کہا ہے۔ [لفظی مطلب یہ کہ تمھارا یہ کارنامہ بھی اللہ ہی کی دین ہے]

اور لُو کا تو امسال نشان تک نہیں۔

علمِ موسم کے ماہرین بہت بارش کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اور ہونی بھی چاہیئے کہ خون کی بارش نے جو دھبے چادرِ ہستی پر لگا دیے ہیں وہ دھل جائیں[1]۔ میں سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں ان شاءاللہ تمام آرزوئیں بر آئیں گی۔ ''دَین[2]'' اس فیاضی کا نتیجہ ہے جو آپ بار ہے ... ۔ آپ کو میراث میں پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ضرور سبکدوش کرے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۷ جون ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا، جس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمدللہ کہ آپ بخیریت ہیں اور مولوی گرامی صاحب بھی اب آلام و افکار سے آزاد ہیں۔ عرصہ ہوا میں نے انھیں خط لکھا تھا مگر ان کے لیے خط کا جواب دینا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا روس کا موجودہ حالت میں جرمنی سے لڑ سکنا۔ بہر حال یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ جالندھر آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے زیادہ پُر لطف چیز اور کون سی ہے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو میں یہ ایام بھی ہوشیار پور میں ان کی صحبت میں گزارتا۔ میری نسبت وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں محبت کا مبالغہ شامل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

---

[1] پہلی عالمگیر جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

[2] دَین بروزن عین بمعنی قرض

مگر مولوی گرامی صاحب کا وعدہ وہی ہے جس کی نسبت مرزا غالب مرحوم عرصہ ہوا کہہ گئے ہیں:

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا[1] (الخ)

مجھے یہ اندیشہ (رہے) کہ اگر میں ان سے ملنے کے لیے جالندھر آیا تو پھر وہ لاہور نہ آئیں گے۔ خیر یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جالندھر آتے بھی ہیں یا نہیں۔

واقعی آم درد گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے بہت محبت ہے کھانے کی چیزوں میں صرف یہی ایک چیز ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کے لیے خواہش نہیں ہوتی، یہاں تک کہ روزمرّہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

ہاں آموں پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ گزشتہ سال مولانا اکبر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبر
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا!

رموزِ بےخودی کو میں اپنے خیال میں ختم کر چکا تھا، مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی ترتیب مضامین کرنے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں، یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیات ملّیہ اسلامیہ میں کیا ہے؟ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصّہ مثنوی کو ختم سمجھنا چاہیئے۔ مگر ایسے ایسے مطالب ذہن میں آئے ہیں کہ خود مسلمانوں کے لیے موجبِ حیرت و مسرّت ہوں گے، کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملّت اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا نئے سکول

---

[1] غالب کا دوسرا مصرعہ یہ ہے۔

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے قومیت کے اصولِ حقّہ صرف اسلام نے ہی سائے ہیں، جن کی پختگی اور پایداری مرورِ ایّام و اعصار سے متاثر نہیں ہوسکتی[1]
والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۸ / جون ۱۹۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم

کئی روز ہوئے بشیر حیدر کو خط لکھا تھا کہ آپ کے حالات و خیر خیریت سے آگاہ کرے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دورہ میں ہیں کیونکہ میرے کارڈ کا کوئی جواب ان کی طرف سے نہیں آیا۔ دو چار روز ہوئے تاج محمد صاحب کا اور کل نیاز الدین خاں صاحب[2] کا جالندھر سے خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ گرامی بیگم صاحبہ اب بفضلہٖ اچھی ہیں اور یہ کہ آپ کے افکار و آلام کا خاتمہ ہوا۔ اب یہ بھی امید کی جا سکتی ہے کہ آپ

---

[1] اعصار اقبال نے عصر کی جمع کے طور پر استعمال کیا ہے، مگر اہل عرب عموماً اس کی جمع عُصور لکھتے ہیں (مؤلف)

[2] تاج محمد صاحب اور خاں نیاز الدین خاں صاحب غالباً سب جج تھے۔ موخر الذکر بستی دانش مندان جالندھر کے رہنے والے تھے اور شعر کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ ان کے نام اقبال کے بہت سے خط بزم اقبال لاہور کی معرفت شائع ہو چکے ہیں۔

جالندھر تشریف لے جائیں گے، اور وہاں سے کیا عجب کہ لاہور کا رُخ بھی ہو جائے۔ گرمی لاہور میں خوب ہے مگر بارش کی توقع ہے۔ رمضان شریف بھی شروع ہے۔ کیا آپ امسال کشمیر چلیں گے؟ اگر ارادہ ہو تو لکھیے۔ ممکن ہے کہ میں بھی آپ کا ساتھ دوں۔ کشمیر کی سیر کا آپ کی معیت میں لطف ہے[1]۔ غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی کہ گرامی جالندھری اس کے مزار پر آئے ہیں۔ حیدر آباد والے معاملے میں ہنوز خاموشی ہے۔ مہاراجہ بہادر کا خط آیا تھا۔ اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔ مولوی عبدالحق کا خط اورنگ آباد سے آیا تھا۔ آپ لاہور آئیں گے تو اس خط کے مضمون سے آپ کو آگاہ کروں گا

آج کل فاطمہ زہرؓا کا مضمون زیرِ نظر ہے۔ دو شعر[2] لکھے تھے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں۔ بہ نظرِ اصلاح دیکھیے اور رائے سے آگاہ کیجیے۔

"بہرِ محتاجے دلش آن گونہ سوخت ‌ ‌ ‌ ‌ با یہودے چادرِ خود را فروخت[3]
محنتش پروردۂ صبر و رضا ‌ ‌ ‌ ‌ آس گردان لبش قرآن سرا"

دوسرے شعر کا پہلا مصرع کھٹکتا ہے

ہاں آج کل کے جھوٹے صوفیا پر بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ مقصود ان اشعار کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے عرس کو حج تصور کر لیا ہے اور اس طرح حرمین کے

---

[1] اس سال تو اقبال کشمیر نہ جا سکے البتہ جون ۱۹۲۱ء میں مولوی احمد دین وکیل اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ پہلی مرتبہ کشمیر گئے

[2] حضرت فاطمہ زہرؓا کے متعلق اقبال نے جو دو شعر گرامی کو بھیجے تھے ان میں سے دوسرا شعر اسرار و رموز کے صفحہ ۱۷۸ پر یوں درج ہے:

آں ادب پروردۂ صبر و رضا ‌ ‌ ‌ ‌ آسیا گردان و لب قرآں سرا

[3] ایک محتاج کے لیے اس کا دل اتنا تڑپا کہ اپنی چادر یہودی کے ہاتھ بیچ دی
وہ صبر و رضا کی گود میں پلی ہوئی خاتون جو چکی پیستی تھی اور لبوں پر قرآن جاری رہتا تھا۔
(محمد عبداللہ قریشی)

حقوق کو تلف کرکے چھوٹی چھوٹی جماعتیں حلقۂ اسلام کے اندر بنالی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جمعیت حلقۂ اسلامیہ اپنی اصلی صورت[1] میں قائم نہیں رہی

اے کہ بر بیت الحرم بیداد کرد — اے کہ مسلم را حجے[2] ایجاد کرد
عرس را حج از گراں پائی شمرد — تا حقِ بطحا و یثرب ہم بہ بُرد
حکمت این سادۂ آسان گزار — حلقہ را داد مرکز صد ہزار
از میان حلقۂ صد حلقہ رُست — نقشِ دور ما ہجوم نقطہ شکست[2]

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، جواب جلد ملے اور اشعار پر تنقید بھی ہو۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۰ جون ۱۷ء

سرکار والا تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے فارسی مثنوی یا قصیدہ خوب لکھا گیا۔ میں نے اُسے

---

[1] حجے، بلا تشدید نظم ہوا ہے (مؤلف)

[2] (۱) اے وہ جس نے بیت الحرام پر ظلم کیا اور مسلمان کے لیے ایک نیا حج ایجاد کردیا۔
(۲) اپنی کوتاہی سے عرس کو حج سمجھنے لگا، گویا بطحا و یثرب کا حق بھی مار لیا۔
(۳) اس سادہ سہل پسندی کی حکمت نے ایک دائرے کے لاکھ مرکز بنادیے ہیں
(۴) ایک دائرے سے دوسرا دائرہ نکلا ہے اور نقطوں کی کثرت نے ہمارے اصلی دائرے کے نقش مٹا ڈالے ہیں

شروع سے آخر تک پڑھا ہے۔ چونکہ سرکار نے ترمیم و تنسیخ کے لیے ارشاد فرمایا ہے اس واسطے کسی کسی جگہ ترمیم کی جرأت کی ہے۔ طوالت کے خیال سے وجوہ ترمیم نہیں لکھے۔ سرکار پر خود بخود روشن ہو جائے گا

چند اشعار کے گرد لکیر کھینچ دی ہے ان کی اشاعت میرے خیال میں مناسب نہیں کچھ اس وجہ سے کہ

بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت[1]

اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی شانِ صداقت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ اپنی صفائی کے گواہ پیش کریں۔ اہل نظر کو یہ اشعار کھٹکیں گے۔ آیندہ سرکار کو اختیار ہے کہ ان کی اشاعت ہو یا نہ ہو۔ یہ اشعار صفحہ دس گیارہ پر ہیں۔ سرکار کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے تقریظ کے طور پر چند اشعار اس قصیدے کی پشت پر لکھ دیے ہیں۔ آخر کے شعر میں ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اس جگہ کر دی ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ تو کوچ کر گئے[2] اب تو عرس کے قریب ہوں گے یا وہاں تک پہنچ گئے ہوں گے۔ ایک اور بزرگ لاہور کے قریب ہیں ذرا بارش ہو تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوں گا اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دور کرے وہاں کے حالات سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مگر یہ چند روزہ باتیں ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کب تک آستانۂ شاد پر حاضری

---

[1] فارسی کا شعر یوں ملتا ہے

آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است

بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں است (صائب)

(وہ راز جو ہمارے سینہ میں ہے وعظ نہیں ہے جو منبر پر کہا جائے اُسے دار پر کہا جا سکتا ہے)

[2] یہ لاہور کے کسی مجذوب کی طرف اشارہ ہے جس سے اقبال ملتے رہے ہیں

ہو گی؟ اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ سب کچھ سرکار[1] کے قبضۂ قدرت میں ہے جب اُسے منظور ہوگا حاضر ہوں گا۔ اس وقت کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آئندہ کا علم نہ اقبال کو ہے نہ شاد کو۔

مخلص قدیم محمد اقبال

(شاد اقبال)
اور
(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور یکم جولائی ۱۷ء

مخدومی جناب مولانا گرامی السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ لیکن میرے مکاں میں آسمان نظر نہیں آتا تو کیا مضائقہ ہے۔ آسمانوں کا بنانے والا تو اس مکان سے نظر آجاتا ہے بہرحال آپ کو آسماں کا نظارہ مطلوب ہے تو اس کا انتظام آسانی سے ہو جائے گا۔ لاہور میں آخر ایسے مکان بھی ہیں جہاں سے آسمان دکھائی دیتا ہے۔ آپ تشریف لائیں تو ایک دو روز پہلے مطلع کریں۔ ایسا انتظام ہو جائے گا دن بھر میرے پاس رہیئے سونے کا انتظام وہاں کر دیا جائے گا۔ علی بخش رات کو آپ کی خدمت میں رہا کرے گا مکان بھی قریب ہوگا۔

حیدر آباد والا معاملہ ابھی تک بدستور ہے یعنی اس میں خاموشی ہے مہاراجہ کے

---

[1] سرکار یعنی ذاتِ حق، مدا

خطوط آتے ہیں، مگر اُن میں کوئی اشارہ کنایہ اس بارے میں نہیں ہوتا۔ مجھے زیادہ تر خوشی اس وجہ سے ہے کہ آپ وہاں ہوں گے اور آپ کی صحبت میں مثنوی کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔ دوسرا حصّہ قریب الاختتام ہے۔ مگر اب تیسرا حصّہ ذہن میں آرہا ہے اور مضامین دریا کی طرح امڈے آرہے ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ کس کس کو نوٹ کروں۔ اس حصّہ کا مضمون ہوگا "حیات مستقبلۂ اسلامیہ" یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آیندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے اور جماعت اسلامیہ جس کی تاسیس دعوتِ ابراہیمی سے شروع ہوئی، کیا کیا واقعات و حوادث آیندہ صدیوں میں دیکھنے والی ہے، اور بالآخر ان سب واقعات کا مقصود و غایت کیا ہے؟ میری سمجھ اور علم میں یہ تمام باتیں قرآن شریف میں موجود ہیں اور استدلال ایسا صاف و واضح ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اُس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم مجھ کو عطا کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا ہے اور بعض آیات و سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے اور اتنے طویل عرصہ کے بعد مندرجہ بالا نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ مگر مضمون بڑا نازک ہے اور اس کا لکھنا آسان نہیں۔ بہرحال میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کو ایک دفعہ لکھ ڈالوں گا اور اس کی اشاعت میری زندگی کے بعد ہو جائے گی یا جب اس کا وقت آئے گا اشاعت ہو جائے گی۔[1]

---

[1] اس خط میں سب سے اہم خبر یہ ہے کہ مثنوی رموز بے خودی قریب الاختتام ہے اور اب اس کے تیسرے حصے کے مضامین امڈے چلے آرہے ہیں۔ اس تیسرے حصّے کا نام اقبال نے "حیات مستقبلۂ اسلامیہ" تجویز کیا تھا اور قرآن کریم کی تعلیمات پر اس کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی طرف داغ بیل ڈالی گئی تھی، اس کے لکھنے کا معاملہ قوت سے فعل میں نہیں آیا تھا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں حضرت اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

افسوس ہے فاطمہ زہرا کے مفصل حالات نہیں ملے۔ سیدہ خاتونؓ زمانۂ حال کی مسلمان عورتوں کے لیے ایک اسوۂ کاملہ ہے مثنوی کے دوسرے حصّہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں مگر افسوس ہے کہ کوئی جیتا ہوا شعر اب تک نہیں نکل سکا۔ فکر میں ہوں کہ کوئی شعر ایسا نکلے کہ مضمون کے اشعار سے ایک سو شعر کے برابر ہو۔ ایسا گوہر نایاب ہاتھ آگیا تو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

حضرت حسینؓ کے متعلق جو اشعار لکھے تھے وہ آپ کو سنائے تھے ڈیڑھ شعر اور ہے

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید این دو قوت از حیات آید پدید[1]

زندہ حق از قوّتِ شبیری است

دوسرے مصرع کے لیے بہت فکر کیا نہیں نکل سکا۔[2]

(بقیہ)

مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں، جو درج ذیل ہوئے لکھے تھے عرض کرتا ہوں:

در جہاں مانند جوی کوہسار از نشیب و ہم فراز آگاہ شو[+]

یا مثال سیل بے زنہار خیز فارغ از پست و بلند راہ شو

مگر اس خط کی تحریر کے پانچ سال بعد یہ دونوں شعر بھی "پیام مشرق" کے "خردہ" میں ڈال دیے گئے، اور تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ عزائم ہی کی فہرست میں رہ گیا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[+] دنیا میں جوئے کہسار کے مانند نشیب و فراز سے آگاہ رہو۔

یا سیلاب کی طرح بے تحاشہ اٹھو اور راہ کی پستی و بلندی کی فکر سے آزاد ہو جاؤ۔

[1] موسیٰ و فرعون، حسین اور یزید یہ دو قوتیں ہیں جو زندگی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور حق قوتِ شبیری سے زندہ ہے۔

[2] حضرت امام حسینؓ کے متعلق جو تین مصرعے اقبال نے گرامی کو بھیجے اور لکھا کہ چوتھا مصرع فکر کے باوجود ذہن میں نہیں آیا۔ اس کے بعد میں یہ شکل اختیار کی۔

زندہ حق از قوّتِ شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است[3]

[3] حق قوتِ شبیری سے زندہ ہے۔ باطل کو آخر داغِ حسرت لے کر مرنا ہے۔

البتہ فاطمہ زہراؓ کے متعلق ایک مضمون ذہن میں آیا ہے یعنی یہ کہ احترام وعزّت اگر نسبتوں پر موقوف ہے تو مریمؑ کو صرف ایک نسبت حاصل تھی، یعنی یہ کہ وہ مسیح کی ماں تھی مگر فاطمہ[۱]۔

نورِ چشمِ رحمۃ للعالمینؐ	آں امامِ اوّلین و آخرینؐ[۲]
آنکہ جان در پیکرِ گیتی دمید	روزگارِ تازہ آئین آفرید
روجہ آن تاجدارِ ھل اتیٰ	مرتضیٰؑ مشکل کشا، شیرِ خدا
بادشاہ و کلبۂ ایوانِ او	یک حُسام و یک زرہ سامانِ او
مادرِ آن کاروان سالارِ عشق	رونقِ ہنگامۂ بازارِ عشق
در نوائے زندگی سوز از حسینؓ	اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ

[۱] حضرت فاطمہؓ کے متعلق اقبال نے تو اشعار خط میں لکھے ہیں وہ اسرار و رموز کے صفحہ ۱۰۲ پر موجود ہیں البتہ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں "روجہ" کا لفظ تبدیل کر دیا گیا ہے اور مصرع یوں ہو گیا ہے

بانوے آں تاجدارِ ہل اتیٰ

پانچواں شعر یوں تھا

مادرِ آں کارواں سالارِ عشق　　رونق ہنگامہ بازارِ عشق

اس کا دوسرا مصرع اقبال کو پسند نہیں تھا گرامی کا مشورہ یہ تھا کہ دونوں مصرعوں میں لفظ "مادر" آنا چاہیے جیسا کہ اقبال نے ۱۰ جولائی ۱۹۱۷ء کے خط میں خود لکھا ہے اقبال نے اس شعر کو یوں کر دیا۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق　　مادرِ آں کارواں سالارِ عشق (محمد عبداللہ قریشی)

(ترجمہ) [۲] وہ امام اوّلین و آخرین، رحمۃ للعالمین کی آنکھوں کا نور۔
جس نے کائنات کے جسدِ مردہ میں جان پھونک دی پیار مانہ اور پادستور پیدا کر دیا اس تاجدار ہل اتیٰ (یہ بھی قرآنی تلمیح ہے) کی زوجہ جس کا نام مرتضیٰ مشکل کشا اور شیرِ خدا ہے ـــ
وہ بادشاہ تھا مگر ایک جھونپڑی اس کا محل تھا، ایک تلوار اور ایک ڈھال اس کا سامان تھا
اس کارواں سالارِ عشق کی ماں جس سے بازارِ عشق میں ہنگامہ برپا ہے
زندگی کی نوا میں سوز حسینؓ سے ہے، اہلِ حق آزادی کا سبق حسینؓ سے سیکھتے ہیں۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ آپ نے مثنوی کی تقریظ کی بھی فکر کی ہے یا نہیں؟ حکم گرامی صاحبہ کو آداب۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۳ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

لیجیے آپ بھی کہیں گے کہ اس نے خطوں کا تانتا ہی باندھ دیا میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ اس فکر بس ہوں کہ حضرت سیدہ کے متعلق ایک ایسا شعر لکھا جائے جو معانی کے اعتبار سے ایک سو شعر کے برابر ہو۔ آج صبح آنکھ کھلتے ہی وہ شعر ذہن میں آیا ابھی اسے خراد کی ضرورت ہے عرض کرتا ہوں

"گریہ شب ہائے آں بالانشیں
ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں"

اس شعر کو بہ نظر غور ملاحظہ فرمایئے "بالانشیں" "ریختن" کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے مگر کسی قدر کھٹکتا بھی ہے۔[1]

---

[1] اس شعر پر غور کر کے مولانا گرامی نے جو ترمیم تجویز کی، اس کے متعلق اقبال نے لکھا کہ یہ بہت بلند ہے "داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا"، اس کے بعد اقبال نے خود ہی اس شعر کو یوں بدل دیا

اشکِ اُو بر چید جبریل از زمیں — ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

اس سلسلے میں اقبال کا ۶ جولائی ۱۹۱۷ء کا خط ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ "اسرار و رموز" میں یہ شعر اسی طرح شائع ہوا ہے (محمد عبداللہ قریشی)

جبریل نے اس کے آنسو زمین سے چن لیے اور انھیں شبنم کی طرح آسمان پر بکھیر دیا۔

اب آپ جانیں اور آپ کا کام، میں نے مضمون پیدا کر دیا باقی خیریت ہے
میرے خطوط کا جواب دیجیے اور یہ بھی لکھیے کہ لاہور آنے کا کب تک قصد ہے والسلام

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۶ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

خط ابھی ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ واقعی "مادر" کا لفظ دونوں مصرعوں میں آنا چاہیئے میں اِس نکتے کو خوب سمجھتا ہوں۔ فاطمہ زہراؑ کے متعلق جو شعر میں نے لکھا تھا[1] اُس کو اس طرح عرض کیا ہے

اشک او برچید جبریل از زمین

ہم چو شبنم ریخت بر عرش برین"

"بالانشین" کا لفظ کھٹکتا تھا اور اس کے علاوہ بہت کم لوگ اس کو سمجھ سکتے آپ نے جو ترمیم کی وہ بہت بلند ہے۔ "محوِ سجود" میں وہ نکتہ مخفی ہے۔ بہر حال میں اِسے سمجھتا ہوں اور جو کہ آپ نے پیدا کیا ہے' اِس کی داد دیتا ہوں حضرت فاطمہؓ کے متعلق اشعار نظم کر رہا ہوں۔ کیا آپ کو کوئی عمدہ روایت اُن کی طاعت گزاری یا تربیتِ اولاد کے متعلق یاد ہے جس کو نظم کیا جائے۔ معنی خیز

---

[1] اس شعر کا پہلا مصرع ابتدا میں یوں تھا:

گریۂ شب ہائے آں بالانشیں

"بالانشیں" کا عیب دور کرنے کے لیے اقبال نے اسے بدل دیا۔

اور دل گداز روایت ہو تو نظم کرنے کا لطف آتا ہے عام طور پر جو روایات مشہور ہیں ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ دو شعر اور ملاحظہ کیجیے

پردۂ رنگم شمیمے نیستم — صید بر موج نسیمے نیستم
در شرار آبادِ ہستی اخگرم — خلعتے بخشد مرا خاکسترم[1]

مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا خط آیا تھا۔ کسی نے اُن کو مشرک کہہ دیا تھا اس کے جواب میں اُنھوں نے جو فارسی نظم لکھی ہے اس کا ایک مسوّدہ مجھے ارسال کر کے تقریظ کی خواہش کی تھی۔ میں نے چار اشعار تقریظ کے لکھ کر بھیج دیے تھے جو یہ ہیں۔ (دوسرا صفحہ)

اے شاد دامنِ تو بدانگونہ گل فشاند
صحنِ چمن مثالِ کتابِ مصوّر است

معموریٔ ریاضِ کمالِ تو این قدر
یک برگِ غنچہ ات بہ گلستاں برابر است

تا بر تو حق ز فیضِ نبوّت شد آشکار
کارت ز صاحبانِ سلاسل نکوتر است

---

[1] میں پردہ رنگ ہوں شمیم نہیں، موج نسیم کا قیدی نہیں ہوں۔
اس کائنات کے شرار آباد میں مثلِ اخگر ہوں، مجھے میری خاکستر ہی خلعت بخشتی ہے

(ترجمہ) (۱) اے شاد تیرے دامن نے اس طرح پھول برسائے
کہ صحنِ چمن با تصویر کتاب کی طرح ہو گیا ہے
(۲) تیرا ریاضِ کمال اتنا آباد ہے کہ تیری کلی کے
ایک پتی گلستاں کے برابر ہے
(۳) جب سے تجھ پر فیضِ نبوت سے حق آشکارا ہوا ہے
تیرا کام سلسلہ والوں سے زیادہ اچھا ہے

فرمانِ مصطفیٰؐ است کہ من قالَ لا الٰہ
از اہلِ جنّت است و علی الرّغمِ بُوذراست [1]
اگر لاہور کا قصد حقیقت میں ہے تو آ چلیے۔ یہاں سے جالندھر چلیں گے وہاں
آپ کو لنگڑا بھی مل جائے گا اور کالنگڑا بھی [2]

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

(ترجمہ) رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ جس نے لا الٰہ کہا وہ
اہلِ جنت میں سے ہے چاہے ابوذر غفاری اسے پسند نہ کریں۔

[1] یہ تلمیح ایک حدیثِ نبوی کی طرف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اعلان کردو کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (جو کوئی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا) حضرت ابوہریرہؓ اس حدیثِ مبارک کا اعلان کرنے کے لیے خوشی خوشی چلے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ راستے میں ملے اور جب انھیں بتایا کہ اس حدیث کا اعلان کرنے جارہے ہیں تو اُنھوں نے یہ کہہ کر روکا کہ یہ بات سن کر لوگ اعمالِ حسنہ سے غافل ہوجائیں گے۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ نے اعلان پر اصرار کیا تو روایت یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اُنھیں مارا۔ اقبال نے اِسی کو ایک مصرع میں نظم کردیا ہے کہ "از اہلِ جنّت است و علی الرّغمِ بُوذراست"! [مرتب]

[2] لنگڑا آم کی ایک قسم ہے اور کالنگڑا راگ ہے۔ [عبداللہ قریشی]

۱

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۰ رجولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم

اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں اور آپ کی آمد کے انتظار میں ہوں۔ اب آپ کے جلدی تشریف لانے کی ایک وجہ بھی پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ حیدری صاحب کا ایک خط آیا ہے جس کے مضمون کے متعلق آپ سے مشورہ ضرور ہے۔ اگر آپ کے آنے کی توقع نہ ہوتی تو اس خط میں حیدری صاحب کے خط کا مضمون لکھتا۔ مگر چونکہ توقع آپ کی تشریف آوری کی ہے اس واسطے زبانی مشورہ کروں گا۔ علاوہ اس کے اس قسم کے مضامین کے متعلق زبانی مشورہ بہتر ہوتا ہے لہٰذا مہربانی کر کے جلد تشریف لائیے۔ اگر ارادہ آنے کا نہ ہو تو لکھیے۔ مشورہ اس امر میں آپ سے نہایت ضروری ہے اور بعد مشورہ حیدری صاحب کو جواب بھی لکھنا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

لاہور ۱۰ جولائی ۳۶ء

ڈیئر مسٹر گرامی — السلام علیکم

آپ کا پہلا خط مل گیا ہے اور آپ کی آمد کا انتظار کر رہا ہوں
امید ہے کہ جلدی تشریف لائیں گے۔ ایک وجہ بھی پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ ہے
حیدرآباد سے ایک خط آیا ہے جس کے مضمون کے متعلق آپ سے مشورہ ضروری ہے
اگر آپ کے آنے کی توقع نہ ہوتی تو اس خط میں حیدرآباد کے خط کا مضمون لکھتا
لیکن چونکہ توقع آپ کے تشریف لانے کی ہے اس واسطے زبانی مشورہ کروں گا۔ علاوہ اس کے
اس قسم کے معاملات کے متعلق زبانی مشورہ بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا مہربانی کر کے
جلد تشریف لائیے۔ اگر ارادہ آنے کا نہ ہو تو لکھئے۔ مشورہ اس امر کا
نہایت ضروری ہے اور یہ مشورہ حیدرآباد کو جواب لکھنا ہے۔
باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا

مخلص محمد اقبال لاہور

مولوی فرید احمد نظامی کے نام

مکرم بندہ

السلام علیکم۔

افسوس ہے کہ مجموعہ ابھی تک تیار نہیں ہوا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

بیرسٹر لاہور

۱۲ جولائی ۱۷ء

(انوار اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۶ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ملا آپ کی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے میں نے حیدری صاحب کو[1] ولکھا ہے کہ حیدر آباد حاضر ہوں گا اور سب باتیں زبانی عرض کروں گا۔ مہاراجہ بہادر کو فقط یہ اطلاع دی ہے کہ حیدر آباد آتا ہوں حیدری صاحب کو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کس مہینہ میں مجھے ملانا چاہتے ہیں آیا اگست میں یا ستمبر میں۔ ان کا جواب آنے پر تیاری کروں گا۔ فی الحال میں نے کسی عہدہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور یہ ضروری بھی نہیں کیونکہ جب خود جانے کا ارادہ مصمم ہوگیا ہے تو خطوط میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں سب باتیں زبانی ہو جائیں گی۔

---

[1] یہاں سہو قلم سے "کو" زائد تحریر ہوگیا ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے چونکہ شاید مجھے اگست میں ہی حیدرآباد
جانا پڑ جائے اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ دو چار روز کے لیے لاہور آ جائیں
زبانی باتیں بھی آپ سے ہو جائیں گی۔ علی بخش دو چار روز تک ہشیارپور آنے والا ہے۔
اس کے ہمراہ آ جائیے۔ اس خط کے جواب میں جلد لکھیے کہ کیا آپ آسکیں گے؟
ہاں حضرت فاطمہؓ کے متعلق جو اشعار میں نے لکھے تھے اس کے آخر کے اشعار اس
طرح پر ہیں[1]

مادر آن مرکز پرکار عشق — مادرِ آن کاروان سالارِ عشق[2]
آن یکے شمع شبستانِ حرم — حافظ جمعیّتِ خیر الاُمَم
تا بمیرد آتشِ پیکار و کین — پشت پا زد بر سرِ تاج و نگین
وان دگر مولاے ابرارِ جہاں — قوت بازوے احرارِ جہاں
در نواے زندگی سوز از حسینؓ — اہلِ حق حریّت آموز از حسینؓ

آپ نے لکھا تھا کہ دونوں مصرعوں میں "مادر" کا لفظ ہونا چاہیے معلوم
نہیں آپ کے ذہن میں کیا نکتہ تھا، جس کے بیان کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا

---

[1] یہ اشعار اسرار و رموز کے صفحہ ۱۲۷ پر موجود ہیں۔ البتہ تیسرے شعر کا پہلا مصرع
کسی قدر مختلف ہے اور وہ یوں ہے:
تا نشیند آتشِ پیکار و کین (تاکہ جنگ اور کینے کی آگ بجھ جائے)

(ترجمہ)[2] اس مرکزِ پرکار عشق اور اُس کاروان سالار محبت کی ماں۔
ان میں سے ایک شبستان حرم کی شمع ہے اور جمعیت خیر الامم کا محافظ (حضرت حسنؓ)
اس نے فتنہ و فساد کی آگ بجھانے کے لیے تخت و تاج پر لات مار دی
دوسرا وہ نیکوں کا سردار (حسینؓ) جو دنیا کے آزادوں کی قوت بازو ہے۔
زندگی کے نغموں میں سوز حسینؓ سے ہے اور اہلِ حق اس سے آزادی کا سبق
سیکھتے ہیں۔

میں نے اس اشارہ سے فائدہ اٹھایا ہے کہ بعد کے اشعار میں حضرت حسنؓ و حسینؓ دونوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اب ان اشعار کے بعد کا مضمون یہ ہے کہ "ایسے بیٹوں سے جن کے یہ اوصاف ہیں ماں کی تربیت کا اندازہ کرنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ اس ماں کی آغوش میں کیا تاثیر تھی جس میں ایسے بچوں کی پرورش ہوئی"
اس مضمون کو ایک شعر میں ادا کرنا چاہتا ہوں غور فرما کر کوئی اشارہ دیجیے۔

باقی فضل ہے۔

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۶ر جولائی ۱۷ء

سرکارِ والا تبار تسلیمات

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ امید کہ ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ کیا تقریظ کے اشعار سرکار کو پسند آئے؟

حیدری صاحب قبلہ نے پھر حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ چیف کورٹ لاہور بھی بند ہونے والا ہے۔ اور میرا دل بھی چند روز کی آوارگی چاہتا ہے۔ اس واسطے میں نے اُن کی دعوت قبول کر لی۔ ان شاء اللہ اگست یا ستمبر میں حاضر ہوں گا۔ کیا سرکار بھی ان مہینوں میں حیدر آباد میں قیام فرما ہوں گے۔ یا کہیں اور تشریف لے جانے کا قصد ہے۔

یہ استفسار کرنے کی اِس واسطے جرات کی کہ ایسا نہ ہو اقبال آستانۂ شاد پر

حاضر ہوا اور یہ کہتا ہوا واپس آئے۔

چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد!

مخلص قدیم محمد اقبال

(ارشادِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ علی بخش عید سے ایک دو روز بعد آئے گا اس کے ہمراہ تشریف لایئے مطلوبہ چیزیں بھی اسی کے ہم دست ارسال کی جائیں گی۔ شیخ عمر بخش صاحب[1] کا بھتیجا عید سے دوسرے روز یہاں آنے والا ہے آپ اس کے ہمراہ بھی آسکتے ہیں۔ باقی خیریت امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ میں علی بخش کو آج ہی بھیج دیتا مگر عید کے روز اُس کی یہاں پر ضرورت ہے والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۱۹ جولائی ۱۷ء

(مکاتیبِ اقبال) (عکس)

---

[1] شیخ عمر بخش ہوشیار پوری ہائی کورٹ کے ایک اچھے قانون داں تھے۔ سیاسی رجحانات کے لحاظ سے کانگریسی تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر باقاعدہ حاضری دیتے تھے اکثر وہیں پڑھا کرتے تھے۔ [عبداللہ قریشی]

ڈیر مولانا گرامی

[illegible]

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۶ اپریل ۱۷ء

محمد دین فوق کے نام

مکرم بندہ

کتاب "مشاہیر کشمیر" مل گئی ہے شکریہ قبول کیجیے مولوی محمد دین صاحب کی خدمت میں میرا اسلام لکھیے۔ والسلام

خاکسار محمد اقبال لاہور ۲۶ر جولائی ۱۶ء

(عکس) (انوار اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۰ جولائی ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مع تقاریظ ملفوفہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ان تقاریظ میں سر سطرانہ اشعار سے کوئی نقص نہیں۔ بجنسہٖ واپس ارسال کرتا ہوں۔

ان شاء اللہ اگست کے مہینے میں حاضر ہوں گا۔ حیدری صاحب کے خط کا انتظار ہے۔ ان کا جواب آنے پر کوئی تاریخ مقرر کروں گا اور سرکار کو بھی مطلع کروں گا۔ ان شاء اللہ جس روز وہاں پہنچوں گا اُسی روز آستانہ شاد کا طواف ہو گا۔

---

[۱] خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط محمد دین فوق کے نام نہیں ہے۔

(الف) اس میں مولوی محمد دین کے نام سلام بھیجا گیا ہے

(ب) اس کا القاب "مکرم بندہ" مکتوب الیہ سے اجنبیت ظاہر کرتا ہے جب کہ اقبال فوق کو لوں مخاطب نہیں کرتے تھے۔

[۲] "مشاہیر کشمیر" فوق کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اس کے ادارے کے کسی شخص کو کتاب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ ا ۔ د ۔ ہ

[۳] "انوار اقبال" میں یہ خط ۲۶ جولائی ۱۹۱۶ء کے تحت درج ہے۔ (مولف)

مکرم بندہ

کتاب جو آپ نے بھیجی ہے مل گئی ہے۔ شکریہ قبول کیجیے۔

مولوی محمد الدین صاحب فوق کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور ۲۶ جولائی ۳۶ء

حیدری صاحب نے جس امر کے لیے مجھے دعوت دی ہے اُس کے متعلق بھی سرکار سے وہیں مشورہ ہوگا۔ پہلے خیال تھا کہ عریضے میں سب کچھ عرض کروں مگر بعد غور یہی طے ہوا کہ بالمشافہ عرض کرنا مناسب و موزوں تر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اپنی جبلی فراست و سیاست سے بہت حد تک معلوم کر گئے ہوں گے کہ کیا امر ہے۔ میری ذاتی قوتِ فیصلہ ناتواں ہے اِس واسطے شاد کی رائے صحیح سے استمداد ضروری ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ بارش نہیں ہوئی لاہور آتش کدۂ آذر بن رہا ہے۔ مگر اِس آتش کدہ کا مصنّف لطفُ اللہ نہیں قہرُ اللہ ہے۔

عید کارڈ کا شکریہ۔ گزشتہ عید سرکار کو بھی مبارک ہو۔ میں روزے رکھتا ہوں مگر عید کے احساسِ مسرّت سے محروم۔

بندۂ درگاہ

محمدؐ اقبال لاہور

(شاد اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۷ر اگست ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

حیدری صاحب اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتے کے لیے مدراس جانے ...لے ہیں۔ اگست کے آخری ہفتے میں وہاں سے واپس ہوں گے میں ستمبر کی یکم کو ...اں سے ان شاء اللہ روانہ ہوں گا

علی بخش سے آپ کی خیریت معلوم ہوگئی تھی۔ اشیاء کی قیمت کے لیے جو آپ ...لکھا ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلطی ہے مگر اس غلطی کے ذمہ دار آپ ہیں نہیں ...نکہ آپ نے خط میں لکھا کہ "ان چیزوں کی قیمت دی جائے گی" پس میری غلطی ...گر کوئی ہے) تو وہ آپ کی غلطی سے پیدا ہوئی۔ اتنی یگانگت کے ہوتے ہوئے

ایک دوست کو ایسا لکھا ٹھیک رہا۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔
ہاں کل مولانا جامی کا ایک بہت مزے دار مطلع نظر پڑا یعنی

آں کہ از حلقۂ زر گوش گران است اورا — چہ غم از نالۂ حزینِ جگراں است اورا

بہت فکر کی کہ ایسا مطلع نکل سکے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ دو فرد مل گئے
انھیں ملاحظہ فرمائیے اور اپنے مشورہ سے بھی آگاہ کیجیے

بازگوید صنم ار تابِ مقالش بخشند — گلہ ہائے کہ ز سعدو پیسران است اورا
یارب از عارضِ گل بر دلِ نرگس چہ گزشت — دستِ بے طاقت و چشمِ نگراں است اورا

مخلص محمد اقبال

(عکس) — (مکاتیبِ اقبال بنامِ گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور — ۱۴ اگست ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

والانامہ رجسٹرڈ آج مل گیا ہے جس کے لیے سراپا شکر و سپاس ہے جس خلوص سے سرکار نے مشورہ دیا ہے، اقبال اس کے لیے شکر گزار ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا ان شاء اللہ سرکار کے مشورہ پر عمل درآمد ہوگا کیونکہ سرکار کی معاملہ شناسی کبھی غلطی نہیں کر سکتی خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ تلطف بھی ہو۔

---

[1] (ترجمہ) سونے کے حلقوں (بالیوں) سے جس کے کان بھاری ہیں، اسے حزیں جگر عاشقوں کے نالہ و فریاد کا کیا غم ہو سکتا ہے!

[2] اگر اسے بولنے کی طاقت دیں تو بُت پھر کہے گا کہ اسے سعدی جیسوں سے کیا گلہ ہے۔
اے اللہ پھولوں کے شفتے سے نرگس پر کیا گذری کہ اس کا ہاتھ شل ہے اور آنکھیں نگراں ہیں۔

حیدری صاحب نے جیسا کہ میں نے گزشتہ عریضے میں عرض کیا تھا، مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے، اور یہ پوچھا ہے کہ اگر پرائیوٹ پریکٹس کی بھی ساتھ اجازت ہو تو کیا تنخواہ لوگے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت العالیہ کی خالی ہے۔ نہ اس کے متعلق انھوں نے اپنے خط میں کوئی اشارہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیوٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔ آپ سے حیدری صاحب ملیں تو بر سبیل تذکرہ اُن کی توجہ اس طرف دلائیں یعنی اگر سرکار اُن سے یہ تذکرہ کرنا مناسب خیال کریں، تو ممکن ہے کہ آپ کا ان سے پہلے اس امر کے متعلق تذکرہ آ بھی چکا ہو۔ اگر ایسا اتفاق نہ ہوا ہو اگر سرکار اسے مناسب تصوّر فرمائیں تو نہ اب وقت ہے کہ انھوں نے خود ملازمت کے لیے مجھے لکھا ہے، اس قسم کے تذکرہ کے لیے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے بہر حال یہ سب کچھ سرکار کی رائے پر منحصر ہے۔ اقبال خواہ لاہور میں خواہ حیدر آباد میں۔ خواہ مرّیخ ستارے میں، وہ غیر محسوس روحانی پیوند جو اس کو سرکار سے ہے ان شاء اللہ العزیز قائم رہے گا۔ نہ وقت اسے دبر نہ کر سکتا ہے نہ تعلقات اسے کمزور کر سکتے ہیں۔ مجھے تو حیدر آباد آنے کی سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سرکار سے اکثر ملاقات ہوا کرے گی۔ اور سرکار کے علمی و ادبی مشاغل سے گونہ رابطہ رہے گا۔

باقی رہی اقبال کی بیرسٹری یا اور کوئی ہُنر جو اس بے ہنر میں ہے، وہ سب آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے۔ اگر یہ بندۂ ناچیز وہاں قیام پذیر ہو گیا، اور حالاتِ زمانہ نے مساعدت کی تو ان شاء اللہ اقبال شاد کے کام آئے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال

(شادِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۸/ اگست ۱۷ء

ڈیر مولینا گرامی السّلام علیکم

مجھے ابھی شیخ عمر بخش صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ہوشیارپور میں یہ خبر مشہور کی ہے کہ اقبال حیدرآباد میں ملازم ہوگیا ہے۔ یہ خبر بالکل غلط ہے مہربانی کر کے ایسی غلط اور بے سروپا بات کی تشہیر نہ کیجیے۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس قسم کی خبر مشہور ہوئی تھی اور اس کے بذریعہ اخبار مشہور کرنے والے مولوی ظفر علی خاں تھے مجھے اس خبر کی تشہیر سے بہت نقصان ہوا[1] اور تعجب ہے کہ وہ میرے دوست تھے اور اپنے خیال میں انھوں نے میرے فائدے کے لیے اس امر کی تشہیر کی تھی۔ مہربانی کر کے اس امر کا خیال رکھیے۔ اگر کوئی بات واقع بھی ہو جائے تو اس کی تشہیر میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب کچھ اصلیت نہ ہو تو اس کی تشہیر سے نہ مجھے کوئی فائدہ ہے نہ حیدرآباد کو۔

باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا میں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا تھا جواب کا منتظر ہوں۔ والسّلام

محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] نقصان یوں ہوا کہ جب پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا کہ اقبال حیدرآباد میں جج ہو کر جا رہے ہیں تو اضلاع پنجاب کے اہل مقدمات کو، جن کے مقدمات اقبال کے سپرد تھے، اک گونہ پریشانی ہوئی اور ان کا کام ملنا بند ہوگیا۔ چنانچہ یہی بات اقبال نے اپنے ۱۱/ اپریل ۱۹۱۷ء کے خط میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کو لکھی ہے۔

(شاد اقبال، صفحہ ۴۲۔ ۴۳)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۲ اگست ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

بھلا میں تو آپ کی طبیعت سے واقف ہوں اور آپ کی وعدہ خلافیوں کا عادی ہو چکا ہوں بیچارے تاج محمد نے آپ کا کیا قصور کیا ہے کہ اس کو یہ امید دلادی ہے کہ اکٹھے لاہور چلیں گے؟ وہ بزرگ پہلے بھی آپ کے زخم خوردہ ہیں۔ آپ کا دل غیور ضرور ہے مگر غیوری ایسی چیز ہے کہ عدم ایفاے وعدہ کے لیے بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی کہ ایفاے وعدہ کے لیے۔ خوب مرے حیدرآباد جانے سے دو روز پہلے آنے کا قصد ہے لیکن میں تو اپنے دل میں امید نہیں پیدا کرتا کیوں کہ آپ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ کون تاریخ جاؤں گا۔ بہرحال خود بتا دیتا ہوں۔ میں یہاں سے ۳۰ اگست کی رات کو جاؤں گا۔ خط آپ کا بڑے شوق سے کھولا تھا کہ کچھ اشعار کے متعلق ہوگا مگر دیکھا تو سوائے اس کے کہ رنگ و شمیم محاورہ ہیں اور کچھ نہ نکلا یہ تو مجھے معلوم ہی تھا آپ نے مری معلومات میں کیا اضافہ کیا؟ آپ نے حیدری صاحب کا خط نہیں بھیجا[1]۔ پھر یاد دلاتا ہوں کیونکہ آپ کے آنے کی توقع نہیں ہے۔

---

[1] سر کشن پرشاد کے نام اقبال نے ۲۴ اگست ۱۹۱۷ء کو جو خط لکھا اس سے حیدری صاحب کی تجویز واضح ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"حیدری صاحب نے مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے اور پوچھا ہے کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی بھی اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے؟ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت عالیہ کی خالی ہے نہ اس کے متعلق انھوں نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے، لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ ←

دیکھیں آپ کا ضمیر کیا دکھلاتا ہے۔ مہاراجہ بہادر کا خط آیا ہے لطف یہ ہے کہ ان کو بھی آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے حالانکہ میں نے کسی کو آپ کی رائے سے آگاہ نہ کیا تھا اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نظام کا چیف سکرٹری ہو تو گرامی وزیر اعظم ہونے کے قابل ہے۔ یا کم از کم معزول شدہ وزیر یا پیشکار۔

مسلمانوں کا کعبہ کے طواف سے متحد ہونا اور اس مرکز توحید کا قوم کے قلوب کے کیفیات کو ایک کر دینا ایک مشکل مضمون ہے اس کو اس شعر میں ادا کیا ہے ملاحظہ فرمائیے اور اچھا ہو تو داد دیجیے۔

→ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔" (شادِ اقبال، صفحہ ۱۶۱-۱۶۲)

مہاراجہ صاحب نے جواب میں فرمایا :

"قانون کی پر دفیسری پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔ عملاً دنیا میں ہر پیشہ و فن کی انھیں لوگوں کے حصے میں کامیابی رہتی ہے جو موافقت زمانہ کے قوانین کو پیش نظر رکھ کر مشغول کار رہتے ہیں۔ سنا گیا کہ میر مجلسی کی کرسی پر نظامت جنگ بہادر فی الحال کرسی نشین ہیں لیکن زمانے کی تغیر پذیر اور انقلابی رفتار میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی کل کا عملی انقلاب ہے اگرچہ ناگفتنی ہے۔

کجا مانند آں رازے کہ زو سازند محفلہا (شادِ اقبال، صفحہ ۱۶۲-۱۶۳)

سے اس سلسلے میں گرامی کا مشورہ یہ تھا :

"حیدر آباد سے اگر میر مجلسی کا منصبِ جلیلہ یا حضور بندگان عالی کی سکریٹری کی خدمت ملے، ضرور منظور کر لیجیے گا۔ گرامی کی پیش گوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں الہام غلط نہیں ہوتا۔"

اسی بنا پر اقبال نے مذاق کیا ہے کہ "اقبال نظام کا چیف سکریٹری ہو تو گرامی وزیر اعظم ہونے کے قابل ہے یا کم از کم معزول شدہ وزیر یا پیشکار۔ [محمد عبداللہ قریشی]

کلیات مکاتیب اقبال ۔ ۱

ملت بیضا ز طوف اس ہم نفس ۔ ہم چو صبح آفتاب اندر قفس[1]

متذکرہ بالا مضمون کے علاوہ طواف کعبہ کا نظارہ اور مسلمانوں کا اس کا محافظ ہونا بھی اس میں مخفی ہے۔ لفظ "بیضا" ملاحظہ طلب ہے۔

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال نام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۳ ستمبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

میں نے سنا تھا کہ آپ بابو رحمت اللہ[2] کے مکان سے کسی اور جگہ چلے گئے اس واسطے خان نیاز الدین خان صاحب کو زحمت دی گئی مگر معلوم ہوا کہ آپ ابھی تک اسی مکان میں ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ کوئی مقدمہ دیوانی بھی شروع کر رکھا ہے الحمدللہ کہ فوج داری نہیں

---

[1] ملت بیضا اس کے طواف سے متحد ہے اور صبح کی طرح آفتاب در قفس ہے۔
(ملت بیضا تو طواف کر رہی ہے اس کے حلقے کو قفس سے اور کعبہ کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے)

[2] بابو رحمت اللہ جالندھر میں ایک صاحب تھے جن کے مکان میں گرامی ان دنوں قیام فرما تھے۔ یہ بات اس خط سے واضح ہوتی ہے جو گرامی نے خان نیاز الدین خان کو لکھا تھا۔
"اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہی مکان بابو رحمت اللہ صاحب سے ہم کو مکرر کرایہ پر لے دیجیے بہ نسبت میری تحریر کے آپ کا اثر زیادہ ہو گا۔ دو چار ماہ جالندھر میں رہوں گا اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی جالندھر کی آب و ہوا میرے مزاج کی اداشناس ہے۔ میں اچھا تھا یہاں بیمار رہا ہوں؛

آں آب و ہوا شود علاجم ۔ مادر زادے شود مزاجم

(محمد عبداللہ قریشی)

تقریظ کے اشعار آپ نے خوب لکھے مگر یہ اشعار تو پہلے حصہ کی تقریظ کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ دوسرے حصّہ میں جواب شائع ہوگا حیات ملّی یعنی اجتماعی زندگی کے اصول پر بحث ہے اور خالص اسلامی نکتہ خیال سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ اشعار بہت تھوڑے ہیں۔ میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ غایت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساسِ ملیّہ پیدا ہو جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت ہے نہ شہرت ہے۔ کیا عجب کہ نبی کریمؐ کو میری یہ کوشش پسند آجائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے۔

حیدر آباد سے جو مفصل خط آپ کو آیا ہے اس کے مضمون سے مجھے بھی آگاہ کیجیے آپ لکھتے ہیں "لاہور آن کر عرض کروں گا" مگر اس پیش گوئی کے لیے کہ گرامی لاہور کبھی نہ آئے گا کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں جالندھر اور ہشیارپور کا ہر شیر خوار بچہ بلا تامل ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے۔

یونیورسٹی[1] کی تکمیل کے لیے ابھی عرصہ کی ضرورت ہے اور کچھ عجب نہیں کہ شاید یونیورسٹی کبھی بروے کار بھی نہ آئے۔ ایک گروہ حیدرآباد میں مخالف ہے اور جس طریق پر انھوں نے یہ کام شروع کیا ہے اس سے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ یونیورسٹی کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے اور آدمی وہاں پر موجود نہیں۔ جو آدمی وہاں پر موجود ہیں وہ اپنے ذاتی مفاد کی غرض سے اپنے سے قابل تر اور زیادہ کارکن آدمیوں کو حیدرآباد میں نہ گھسنے دیں گے۔ یونیورسٹی کا معاملہ ان وجوہات سے مشتبہ نظر آتا ہے باقی رہی جبف جمی سو اس کا کوئی امکان نہیں کہ

---

[1] یہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا ذکر ہے جو اس وقت زیرِ تجویز تھی اور بعد میں قائم ہو کر نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ (محمد عبداللہ قریشی)

دہاں پر یہ جگہ خالی نہیں ہے اور اگر خالی بھی ہو تو وہاں کے حق دار لوگ موجود ہیں۔
ایک گمنام خط حیدر آباد سے مجھے آیا تھا جس میں حیدری صاحب کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا تھا راقم خط کے مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ہم لوگ شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ آپ یہاں پر تشریف لائیے مگر بعض آدمی جو بظاہر آپ کے دوست ہیں حقیقت میں آپ کے یہاں پر آنے سے خوش نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا حیدری صاحب کا مخالف ہے۔ بہر حال ایک مدت سے اقبال اپنے سارے معاملات خدا کو سونپ چکا ہے، اور اپنے آپ کو محض ایک لاش جانتا ہے جس کی حس و حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام گرامی) (عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۷ ستمبر ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

بندۂ درگاہ اقبال ۳۰ راگست کی شام کو یہاں سے روانہ حیدر آباد ہونے والا تھا کہ ۲۹ کی شام کو بخار نے آدبایا اور اس کے ایک دو روز بعد پیچش کا اضافہ ہوا ہفتہ بھر سخت تکلیف کا سامنا رہا۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس قابل ہوں کہ سرکار اور حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ سکوں۔ ڈاکٹر صاحب ایک ہفتہ تک اجازت نہیں دیتے اور میں نے بھی صحت کے خیال سے یہ بہتر سمجھا ہے کہ سفر حیدر آباد ملتوی کر دوں یہاں تک کہ معاملۂ معلومہ خط و کتابت سے طے ہو جائے۔ سو آج حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے اور

جو مشورہ سرکار نے بکمالِ عنایت دیا تھا اُسی کے مطابق میرے عریضے کا مضمون ہے۔
اگر اللہ کو منظور ہوا اور معاملہ طے ہوگیا تو اقبال ہوگا اور آستانۂ شاد۔
امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ قدیم محمدؐ اقبال لاہور

(شادِ اقبال)

پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی کے نام

۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ مجھے کیونکر اجازت میں تامل ہو سکتا ہے۔ بڑے شوق سے، میری نظم جو پسندِ خاطر ہو درج فرمائیے مگر آج کا زمانہ ہندوستان میں اور طرح کا ہے۔ اس کی نبض شناسی ضروری ہے اگر آپ میری نظموں کے متعلق مجھ سے مشورہ کریں تو شاید بہتر ہوگا۔ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے خیال میں کون سی نظمیں اس مجموعے میں آنی چاہئیں تو رائے دے سکوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال، لاہور

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲ اکتوبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم
آپ کا خط آج ملا الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں کل پرسوں مجھے معلوم ہوا
تھا کہ آپ جالندھر میں ہیں۔ میں حیدر آباد جانے کو تھا مگر بخار کی وجہ سے رک گیا
اس کے بعد حیدری صاحب کا پھر تار آیا اور میں نے پھر جانے کا قصد کیا اور ان
کو تار بھی دیا کہ اکتوبر کی کسی تاریخ یہاں سے روانہ ہوں گا مگر کل ان کا خط
آیا کہ ممکن ہو سکے تو نومبر میں آؤ نومبر میں مجھے فرصت نہیں اس واسطے اب
بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ وہاں جا سکوں۔ حیدر آباد سے اور خطوط بھی
مجھے آتے ہیں جن سے وہاں کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے مفصل گفتگو آپ
سے اس وقت کروں گا جب آپ لاہور تشریف لادیں گے۔ کب تک آنے کا قصد
ہے میرے والد مکرم آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں وہ یہاں ۹ اکتوبر کو
آئیں گے اور کچھ روز قیام کریں گے اگر آپ ان سے ملنے کے لیے دو چار یوم کے
لیے آجائیں تو بہت اچھا ہو۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے والسلام

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۶ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

عید کارڈ مرسلہ سرکار مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ حیدر آباد کے سفر کے لیے تیار تھا مگر علالت کی وجہ سے رک گیا جیسا کہ ایک عریضے میں پہلے عرض کر چکا ہوں حیدری صاحب کا تار پھر آیا تھا اور میں اکتوبر کی گیارہ کو یہاں سے چلنے کا قصد کر چکا تھا مگر ایک مقدمہ کی وجہ سے پھر رکنا پڑا۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب کا خط بھی آیا کہ نومبر کے مہینے میں آؤ تو بہتر ہے غرض کہ اقبال کی عید ابھی نہیں آئی۔ کیوں کہ یہ تو اس روز آئے گی جب آستانۂ شاد پر اس کا گزر ہوگا۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔

لاہور مخلص قدیم محمد اقبال

(شاد اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار نے جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا اور درست ہے۔ لیکن گرما کی تعطیلوں میں حیدر آباد کا سفر آسان تھا۔ اور اب یہ سفر تقریباً دو ہزار روپیہ کے نقصان کا مترادف ہے۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی امید خاص میرے دل میں پیدا ہوتی تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا۔ لیکن اس وقت تک جو خطوط ان کی طرف سے آئے ہیں ان میں کوئی خاص بات

نہیں۔ سوائے اِس کے کہ انھوں نے مجھ سے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا، جس کا جواب میں نے اُن کو دے دیا تھا۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت بھی نہیں۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اِس واسطے بلاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں، اور نیز ملاقات کے لیے اور کوئی غرض اُن کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونیورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں، یا محض اُن کی ملاقات کے لیے میں اپنے موجودہ حالات میں اس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میں نے نہایت صاف دلی سے اُن کی خدمت میں یہ لکھ بھی دیا ہے۔ گرمی کی تعطیلوں میں آتا تو صرف آمد و رفت کے اخراجات تھے۔ انکم کے فقدان کا اندیشہ نہ تھا۔ اب جب کہ عدالتیں کُھل گئی ہیں تو صورتِ حالات مختلف ہوگئی ہے۔ اس وقت میرا یہ خیال تھا کہ اگر وہاں کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی تو کم از کم سرکار کے آستانے کی حاضری ہی سہی۔ لیکن اس ان حالات میں جب کہ حیدری صاحب کے خطوط کسی قسم کی اُمید پیدا نہیں کرتے بلکہ محض تفننِ طبع کے لیے حیدر آباد کی دعوت دیتے ہیں اس قدر نقصان برداشت کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔

اُن کا تار پھر آیا تھا کہ آؤ اور میں نے اُن کو تار دیا تھا کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں آسکوں گا۔ اس کے بعد اُنھوں نے صحیح تاریخ روانگی بذریعہ تار مانگی اور میں نے جواب دیا کہ گیارہ اکتوبر کو یہاں سے سفر کروں گا، لیکن بعد میں ایک مقدمہ کی وجہ سے رُک گیا۔ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کہ ایک مقدمے کے لیے جس کو میں نے قبول کر لیا ہے ۱۵ اکتوبر کے روز مجھے لاہور میں ہونا چاہیئے اس واسطے گیارہ کو یہاں سے روانہ نہ ہو سکوں گا۔ اِس کے بعد مجھے حیدری صاحب کا خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکتوبر کے بجائے نومبر میں آیئے۔ نومبر میں حیدر آباد کا سفر کرنا مذکورہ بالا وجوہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اگر ممکن ہوا تو میں وہاں پر حاضر

ں گا۔ میں نے یہ طویل داستان لکھ کر ناحق سرکار کی سمع خراشی کی ہے۔
لن اس دل جیبی کے بھروسے پر جو سرکار کو از رو سے اخلاق کریمانہ میرے
ملات سے ہے میں نے یہ داستان لکھنے کی جرات کی ہے۔ مجھے یقین
ہے کہ سرکار کی فیاضی مجھے معاف فرمائے گی۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہمہ
وہ بخیر ہو گا۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

(شادِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۱ راکتوبر ۱۹۰۷ء

جناب مولانا گرامی

السلام علیکم آپ کا خط ابھی ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لاہور ضرور تشریف
یئے۔ حیدر آباد سے حیدری صاحب کا پھر کوئی خط نہیں آیا البتہ مہاراجہ بہادر
بلے خط آیا تھا۔ آپ سے ملاقات ہو گی تو مفصل باتیں ہوں گی
سیّد صاحبؒ نے جو رقعہ لکھا ہے اس سے اُن کا مقصود واضح نہیں ہوتا کہ وہ کیا
تے ہیں۔ رواج ہر ضلع بلکہ ہر گاؤں کا مختلف ہوتا ہے۔ اگر کسی خاص مقام کا رواج معلوم کرنا
ہ وہاں کے واجب العرض وغیرہ کو دیکھنا چاہیئے۔ البتہ بعض بعض جگہوں اور قبائل کے
ج کے متعلق چیف کورٹ نے فیصلہ جات کر دیے ہیں۔ وہ ان کے پڑھنے سے معلوم
بائے گا پنجاب کے عام رواج پر ریٹیگنؒ کی کتاب مستند ہے، جس کی قیمت

سید صفدر علی شاہ صاحب جالندھر کے سادات میں سے تھے اور گرامی کے دوست تھے۔
جسٹس ریٹیگن پنجاب چیف کورٹ (بعد میں ہائی کورٹ) کے چیف جج تھے۔ انھوں نے پنجاب
ام رواج پر ایک کتاب لکھی تھی، جو سند مانی جاتی تھی۔ لاہور کی ریٹیگن روڈ آج بھی ان کے
، یاد دلا رہی ہے۔ یہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے عقب میں واقع ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

سولہ روپیہ ہے اگر شاہ صاحب کو مطلوب ہو تو یہاں سے بھجوائی جا سکتی ہے۔
مگر شاہ صاحب کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اُن کو چاہیئے کہ وہ اپنے معاملے
میں کسی وکیل سے مشورہ کریں۔ ممکن ہے کہ ان کے ضلع یا قصبے کے رواج کے
متعلق چیف کورٹ کا کوئی فیصلہ موجود ہو۔ اگر کوئی فیصلہ موجود نہ ہوا تو پھر
فیصلہ فریقین کی شہادت زبانی و تحریری پر ہوگا والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

کل ایک خط لکھ چکا ہوں امید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔ یہ دریافت
کرنا بھول گیا کہ آپ نے جو گولیاں مجھ کو دی تھیں ان کے استعمال کا کیا
طریقہ ہے؟ کیا ایک روز کھائی جائے گی یا دو صبح و شام۔ اور نیز یہ کہ
کس چیز کے ساتھ کھائی جائے؛ اور پرہیز وغیرہ کس چیز سے ہو، تو اس
سے آگاہ کیجیے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ محرم میں ضرور تشریف لایئے
میں آپ کا منتظر ہوں۔

محمد اقبال لاہور

(عکس)

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۴ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی جناب خاں صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

گرامی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ محرم میں تشریف لائیں گے، مگر الکوفی لایوفی[1] معلوم نہیں کہاں تشریف رکھتے ہیں، عرصہ سے ان کا خط بھی نہیں آیا۔

پنڈت چھجو رام صاحب کی رائے سے کوئی تعجب مجھے نہیں ہوا۔ ہر شخص ہر کتاب کو اپنے خیالات کی روشنی میں پڑھتا ہے، اور اس کے مضامین سے وہی نتائج نکالتا ہے جن کی اس کی دماغی تربیت مقتضی ہوتی ہے۔ سیاسیات مسلمانوں میں کوئی علیحدہ شے نہیں، بلکہ خالص مذہبی نکتۂ خیال سے کچھ شے ہی نہیں، اور اگر کچھ ہے تو مذہب کی لونڈی ہے۔ کعبہ آباد است الخ والا مصرعہ اس وقت لکھا گیا تھا جب موجودہ حالات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

دوسرا حصّہ ان شاءاللہ اس سال سے پہلے ختم ہو جائے گا، صرف چند اشعار کی کسر باقی ہے اگر آج وہ اشعار لکھے جائیں تو ایک ہفتے کے اندر نقل کر کے کتاب مطبع میں دی جا سکتی ہے، مگر میں انتظار میں ہوں کہ وہ اشعار آئیں تو ان کو مثنوی میں داخل کر دوں دوسرے حصّے کے مضامین سے پہلے حصہ پر کافی روشنی پڑے گی اور بہت سی تشریحات جو پہلے حصہ کے اشعار کی جارہی ہے[2] خود بخود غلط ہو جائے گی۔ اسلامی NATIONALISM کی حقیقت اس سے واضح ہوگی اور یہ کہنے میں کوئی مبالغہ یا خود ستائی نہیں کہ اس رنگ کی

---

[1] عربی کہاوت ہے یعنی اہل کوفہ سے وفا نہیں

[2] تشریحات کے ساتھ " کی جارہی ہیں " اور " ہو جائیں گی " ہونا چاہیئے۔

کوئی نظم یا نثر اسلامی لٹریچر میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

گرامی صاحب تو امام غائب ہو گئے، معلوم نہیں اس غیبتِ صغریٰ کا زمانہ کب ختم ہوگا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۳ر نومبر ۱۷ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوتِ رُوح اور اطمینانِ قلب کا باعث ہے۔

میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد انھیں نتائج پر پہنچا ہُوں جو آپ کے والا نامے میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسُول آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون قرنی[1] والی حدیث یاد ہوگی اس میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ

---

[1] حدیث نبوی ہے: خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ ثمّ یظہر الکذب او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (ترجمہ: یعنی سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد جو لوگ آئیں، پھر ان کے بعد جو لوگ آئیں، اور اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔)

دوسری روایت میں "ثم یظہر فیہم السمن" ہے اور اس سے اقبال نے رہبانیت مراد لی ہے۔ [مرتّب]

میری امت میں تین قرنوں کے بعد سمن (ویظہر فیہم السمن) کا ظہور ہوگا۔ میں نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع کیے تھے جن کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے، جو وسط ایشیا کی اقوام میں مسلمانوں سے پہلے عام تھی، ائمۂ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہیں کھلتا افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے میں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلۂ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بُدھ (سمنت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ نقشبند[۱] اور مجدد سرہند[۲] کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگیں ہے، یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں، حالانکہ حضرت محی الدین[۳] کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مؤلف سے میری مراد ایڈیٹر کتابُ الطواسین موسیو مسیگنان[۴] ہے جس نے فرانسیسی زبان میں طواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ ان شاء اللہ "معارف[۵]" کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرار خودی کا

۱؎ خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ

۲؎ شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی سرہندیؒ

۳؎ حضرت محی الدین عبدالقادر گیلانی

۴؎ فرانسیسی مستشرق لوئی ماسینیوں جس نے منصور حلاج کی کتاب الطواسین کو ایڈٹ کرکے شائع کیا تھا۔

۵؎ رسالہ معارف اعظم گڑھ

دوسرا حصہ یعنی رموزِ بیخودی (اسرارِ حیاتِ ملیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے شائع ہونے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی جناب خان صاحب السلام علیکم

مثنوی ختم ہو گئی، اسے نقل کر رہا ہوں چند روز کے بعد پریس میں دے دی جائے گی۔ مولوی گرامی نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کی تقریظ کے بغیر مثنوی شائع نہ ہو، مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ تقریظ کے اشعار ارسال فرمائیں۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں ورنہ آپ کو پیغام بری کی زحمت نہ دیتا اور ان کو براہ راست خط لکھتا۔

پندرہ روز کے اندر اندر تقریظ مل جانی چاہیئے۔ والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی اسلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

تعمیل ارشاد میں میں نے ایک خط لالہ شوچرن داس صاحب[1] کے نام اور ایک خط پنڈت کیول کرشن بیرسٹر ایٹ لاء کے نام لکھا ہے۔ امید کہ وہ آپ کی مدد کریں گے۔ جو واقعات آپ نے لکھے ہیں ان سے تو مقدمہ آپ کے حق میں ہونا چاہیئے۔ کیا جو مکان آپ نے ہبہ کیا تھا وہ آپ نے خود خریدا تھا یا باپ سے ورثہ میں ملا تھا؟ کیا یہ مکان کبھی کرایہ پر دیا گیا اور اگر دیا گیا تو کرایہ نامہ کس کے نام کا تھا؟ ہبہ کیے ہوئے کس قدر عرصہ ہوا؟ اور اتنا عرصہ کون قبضے میں رہا؟

والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ ہمشیرہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

محمد اقبال لاہور

میں نے عرض کیا تھا کہ جو مفصل خط آپ کو حیدر آباد سے آیا ہے اس کے مضمون سے مجھے آگاہ کیجیے آپ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ خط اگر آپ نے تلف نہ کیا ہو تو بھیج دیجیے۔ مقدمہ کا فکر نہ کیجیے ان شاءاللہ آپ کے حق میں ہو گا کاغذات

(نوٹ) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے صابر کلوروی کا خیال ہے کہ یہ خط نومبر ۱۹۱۷ء کے آخری حصہ میں لکھا گیا۔ [مکاتیب اقبال کا ماخذ پر ایک نظر]

[1] (۱) و (۲) لالہ شوچرن داس اور پنڈت کیول کرشن بیرسٹر ایٹ لا جالندھر میں اقبال کے دوست تھے۔ موخرالذکر اقبال کے شاگرد بھی تھے اور شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔

کی ایک نقل مجھے بھجوا دیجیے کہ میں دیکھ کر اپنی رائے مفصل عرض کروں گا والسلام

محمد اقبال

جو سوال میں نے لکھے ہیں ان میں سے پہلے سوال کا جواب نہایت ضروری ہے

عکس (مکاتیب اقبال نام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی

السلام علیکم مجھے ابھی ہڈٹ کول کرتس صاحب بیرسٹر جالندھر کا خط آیا ہے، جس میں لکھتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے عدالت میں پیش ہوئے تھے مقدمہ اب ۹ جنوری ۱۹۱۸ء کو پیش ہوگا، مگر وہ لکھتے ہیں کہ پیشی کے وقت دونوں فریق غیر حاضر تھے۔

بہرحال آپ ان کی خدمت میں جائیں اور مقدمہ کے حالات سے انھیں آگاہ کریں اور جو کچھ وہ مشورہ دیں اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ مساۃ مجاں[1] پر تعمیل سمن نہیں ہوئی۔ اس کا پتہ بہت جلد داخل کرنا چاہیئے ــــ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

۸ر دسمبر ۱۷ء

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] مساۃ مجاں فضل بی بی، زوجہ شیخ نعیم الحق مولانا گرامی کی بہن تھی۔ مولانا نے ان پر جنگی مکان سے بے دخلی کا دعوی کر رکھا تھا جس کا فیصلہ آخر راضی نامہ پر ہوا۔ [محمد عبداللہ قریشی]

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۲ دسمبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جو واقعات مقدمہ آپ نے تحریر کیے ہیں ان سے یقینی امید ہے کہ مقدمہ[1] آپ کے حق میں ہوگا۔ آپ پنڈت کیول کرشن صاحب سے ضرور ملیں۔ وہ میرے دوست بھی ہیں اور شاگرد بھی اور شعر کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور نہایت محنت کرنے والا دل اس پر مستزاد۔ وہ ضرور آپ کے معاون ہوں گے مہربانی کر کے لکھیں کہ آیا آپ ان سے ملے یا نہیں۔

تھوڑے سے حالات تو حیدرآباد کے لکھنے چاہیے جو آپ کو خط سے معلوم ہوئے ہیں۔ ہاں ترک گرامی[2] کے اشعار نہایت عمدہ ہیں زبان خوب بندش چست اور مضامین نفیس اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے میں نے عرصہ سے کوئی شعر نہیں لکھا فارسی کا کوئی نہایت شگفتہ مصرع لکھیے، شدید قبض کی حالت مبدل بہ بسط و انشراح ہو جائے۔

---

[1] یہ مقدمہ مولانا گرامی نے اپنی بہن کے خلاف جدی مکان سے بے دخلی کا کیا تھا جس کا فیصلہ آخر گرامی نامہ پر ہوا تھا۔ باخبر حلقوں کا بیان ہے گرامی کی بہن کا نام فضل بی بی تھا اور ان کی شادی شیخ نصیر الدین سے ہوئی تھی۔

(محمد عبداللہ قریشی)

[2] ترک گرامی سے مراد مولانا گرامی کی اہلیہ اقبال بیگم ترک تھیں، جو اردو میں شعر کہتی تھیں۔ (محمد عبداللہ قریشی)

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۹ دسمبر ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

بندۂ درگاہ کو بہت روز سے سرکار کی خیر خیریت معلوم نہیں ہوئی —
مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں ایک غزل لا جواب نظر سے گزری اسی کو بعض
ملاقات تصور کیا گیا۔

امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔
خیریت سے مطلع فرمایئے۔

مخلص قدیم محمد اقبال، لاہور

(شاد اقبال)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط کئی دن ہوئے ملا تھا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ کل خان نیاز الدین
خاں صاحب کا خط آیا تھا جالندھر بلاتے ہیں، میں ضرور حاضر ہوتا مگر چونکہ والد
مکرم پرسوں تشریف لائے ہیں اس واسطے معذور ہوں۔ کل شیخ عمر بخش صاحب
سے ملاقات ہوئی تھی اُن کی معرفت میں نے اپنا عذر خاں صاحب کی خدمت

میں پہنچا دیا ہے خاں صاحب بڑی خوبی کے آدمی ہیں اور مجھے ان سے اُنس ہے
مگر افسوس کہ جالندھر لاہور سے دور ہے ورنہ ان سے ہر روز ملاقات ہوتی
امید کہ آپ کو اپنے مقدمے سے جلد فرصت ہو جائے گی۔ کنول کرشن صاحب
کام بھی خوب کریں گے۔ آپ کے فارسی اشعار نہایت مزے کے ہیں[1]
کہ با شکستہ دلان ذوق امتحاں بخشد سبحان اللہ کیا خوب مصرع ہے۔
گرامی عمر میں بڑھتا ہے مگر اس کا دل جوان رہتا ہے۔
کہیئے حیدر آباد کا کب تک قصد ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا
ماقی خیر بت۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۷ر دسمبر ۱۷ء

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] گرامی کے ان فارسی اشعار کی داد اقبال نے دی ہے:

نگاہ بخشد و دل بخشد و زبان بخشد چرا گناہ نہ بخشد کسی کہ جان بخشد
ستم ظریفی آن چشم فتنہ مست مپرس کہ با شکستہ دلاں ذوق امتحاں بخشد

(دیوان گرامی، صفحہ ۲۲)

وہ آنکھ بخشتا ہے دل بخشتا ہے زباں بخشتا ہے تو گناہ کیوں نہ بخشے گا جو جاں بخشتا ہے
اُس فتنہ کار آنکھ کی ستم ظریفی نہ پوچھو جو شکستہ دلوں کو امتحان کا ذوق بخشتی ہے

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۷ دسمبر ۱۷ء

مخدومی جناب خاں صاحب!

السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا تھا، کیا کہئے دل کو آپ سے اُنس ہے مگر جالندھر لاہور سے دور ہے تاہم تعطیلوں کی وجہ سے ضرور حاضر ہوتا مگر دقت یہ آپڑی کہ میرے والد مکرم پرسوں لاہور تشریف لاتے ہیں۔ کل شیخ عمر بخش صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ان کی معرفت بھی یہی پیغام ارسال کر چکا ہوں گاؤں کی زندگی واقعی قابل رشک ہے اور اگر جالندھر کے افغانوں میں کچھ اپنے قومی و ملی خصائص ابھی تک محفوظ ہیں تو اسی زندگی کی وجہ سے۔ مگر گئے کی کھیر سے یارانِ ہم دم کی صحبت شیریں تر ہے اور اس میں صرف اس قدر نقص ہے کہ ہر وقت میسر نہیں آتی۔

مثنوی کل سنسر کے محکمے سے واپس آگئی ہے۔ ان شاء اللہ آج کاتب کے حوالے کی جائے گی۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیجیے گا ان کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔ آپ کو تو معلوم ہوگا وہ بڑے مقدمہ باز ہو گئے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی دیوانی مقدمے میں انھوں نے جواب دعویٰ نظم میں دیا ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خاں محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ مثنوی کی داد کا شکر گذار ہوں اور ایک کاپی ڈاک میں ڈالتا ہوں اگر اقبال حکیم سنائی ہے تو گرامی کیا ہوگا؟

تعجب ہے آپ نے میرے عذرات سے یہ سمجھا کہ میں حق گوئی سے پہلو تہی کرتا ہوں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے: جو کچھ مجھے معلوم ہے مجھے اس کے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا اور حق امر کے اخفا کو میں گناہ عظیم جانتا ہوں۔ واقعی میں اور شیخ عبد القادر آپ کے یہاں گئے تھے اور دعوت کھائی تھی لیکن جو عذرات میں نے کیے تھے ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ گواہی لاہور میں ہو جائے اور مجھے جالندھر جانا نہ پڑے۔ مصارف کے متعلق جو عذر کیا گیا تھا اس کا مقصود بھی سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مصارف خواہ پانچ ہوتے خواہ پچاس وہ ہر صورت میں آپ کو واپس ملتے تھے۔

لیکن ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں حق گوئی سے پہلو تہی کرتا ہوں یہ مجھ پر صریح ظلم ہے۔ آپ کے ساتھ تو تعلقات ہیں جس آدمی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ ہو میں اس کے لیے بھی حق گوئی کے لیے تیار ہوں۔ ان شاء اللہ

گذشتہ چند ہفتوں سے میری طبیعت بوجہ درد گردہ خراب تھی اور اب تک ہے۔ اور سفر میں مجھ کو ہمیشہ تکلیف ہو جایا کرتی ہے بہر حال اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں ضرور جالندھر جا کر ہی گواہی دوں تو میں آپ کے لیے یہ تکلیف برداشت کرنے کو ہر وقت تیار ہوں آپ کے لیے

(نوٹ: یہ خط اسی دیوانی مقدمے کے سلسلے میں ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے گرامی، اقبال کی شہادت مکان کے قبضہ کے بارے میں عدالت کے ذریعے دلوانا چاہتے تھے مگر اقبال جالندھر جانے کی بجائے لاہور میں کمیشن کے ذریعے بیان دینے کے حق میں تھے۔ گرامی اس کو پہلو تہی سمجھتے تھے، حالانکہ اس سے اخفائے حق کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا۔

(محمد عبد اللہ قریشی)

میرا جالندھر جا کر گواہی دینا اور لاہور میں بذریعۂ کمیشن گواہی دینا بالکل برابر ہے اس میں قطعاً کوئی فرق نہیں تاہم آپ کی خواہش کے مطابق عمل درآمد کرنے میں مجھے کیونکر دریغ ہو سکتا ہے باقی رہا یہ امر کہ میری گواہی کا فائدہ ہوگا یا نہیں یا اس میں نقصان کا احتمال ہے یا نہیں اس پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے میرا فرض صرف اس قدر ہے کہ حقائق کہوں اور آپ کی خواہش کے مطابق عمل کروں۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور

۱۱ جنوری ۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب خواجہ صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا خط کئی دن سے آیا رکھا ہے۔ مجھے مصروفیت رہی اس وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ معاف کیجیے گا۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میر نیرنگ صاحب نے آپ کو خط لکھا ہے جس نے آپ کو "بدگمانی کے گناہ" سے بچا لیا۔

الحمد للہ علیٰ ذلک

نوٹ: یہ خط خواجہ حسن نظامی کے نام ہے اور اسرارِ خودی کے مباحث کے متعلق ہے۔ جناب شاہ سلیمان پھلواری اور اکبر الٰہ آبادی کی تحریک پر اقبال اور خواجہ حسن نظامی میں جو تلخی پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی لیکن بعد میں ستارۂ صبح لاہور میں کچھ مضمون شائع ہونے شروع ہوئے تو خواجہ حسن نظامی کو مغالطہ ہوا کہ یہ اقبال نے لکھے ہیں اور و بدمزگی پھر تازہ ہو گئی۔ اس پر میر غلام بھیک نیرنگ نے خواجہ حسن نظامی کو وضاحتی خط لکھ کر غلط فہمی کو رفع کیا چنانچہ خواجہ نے اقبال کو معذرت کا خط لکھا۔ (بشیر احمد ڈار)

آپ کو معلوم ہے تقریباً دو سال ہوئے میں نے ان اعتراضات کے جواب میں جو آپ نے مثنوی "اسرارِ خودی" پر کیے تھے چند مضامین[1] مسائل تصوّف پر لکھے تھے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسئلہ "وحدت الوجود" ان معنوں میں کہ ذات باری تعالیٰ ہر شے کی عین ہے قرآن سے ثابت نہیں۔ اور روحانیت میں اسلامی تربیت کا طریق "صحو"[2] ہے نہ "سُکر"۔ آپ ہی کے اخبار "مطلب" میں حضرت صوفی قاری شاہ سلیمان نے ان دونوں مسائل کے متعلق میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ باوجود اس کے کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا تعجب رہا کہ آپ اور آپ کے احباب اس اختلاف کی وجہ سے مجھے کیوں دشمن تصوّف سمجھتے ہیں؟ یہ اختلاف کوئی نئی بات نہیں، بلکہ حضرات صوفیہ میں ایک عرصے سے موجود ہے۔ بہر حال جن خیالات کا اظہار میں نے اخبار "وکیل" میں کیا تھا ان کی صحت و صداقت کا مجھے اب تک یقین ہے گو اس پر بحث کرنا کئی وجوہ سے غیر ضروری جانتا ہوں۔ عوام بلکہ خواص کو بھی ان اصولی امور میں کوئی دلچسپی نہیں، اور نہ اس قسم کے مباحث اخباروں کے لیے موزوں ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ مولانا اکبر (الہ آبادی) نے (جن کا ادب و احترام میں اس طرح کرتا ہوں جس طرح کوئی مرید اپنے پیر کا احترام کرے) مجھے لکھا کہ یہ بحث غیر ضروری ہے۔ اس دن سے آج تک میں نے ایک سطر بھی ان مباحث پر نہیں لکھی۔ گو ذاتی فائدے کے خیال سے مطالعہ جاری رکھتا ہوں۔ اب جو مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اخبار "ستارۂ صبح" میں یہ بحث دوبارہ چھیڑی تو بوجہ ان دیرینہ تعلقات کے جو میرے اور ان کے درمیان ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اس بحث میں مجھے کمال

---

[1] یہ مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع ہوئے تھے۔
[2] صحو ہوشمندی اور بیداری کا عالم۔ سُکر بے خودی وجذب

دل جیسی ہے بعض لوگوں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ "ستارۂ صبح" کے مضامین میں لکھتا ہوں یا لکھواتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرے قلم سے ایک سطر بھی اس بحث پر نہ نکلی اور نہ میں نے مولوی صاحب موصوف (ظفر علی خاں) کو کوئی مضمون لکھنے کی تحریک کی ہے بلکہ پرائیویٹ گفتگو میں کئی امور میں میں نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اس کے علاوہ میں تو اصولی بحث کو جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں اخبارات کے لیے موزوں نہیں سمجھتا، چہ جائیکہ کسی اور کو اس کے جاری رکھنے کی تحریک کروں البتہ موجودہ تاریخ کے حالات پر لکھے اور ہمدردانہ لہجے میں ان کے خیالات و رسوم کی تنقید کرنے سے قوم کو ضرور فائدہ ہوگا اگر مولوی ظفر علی خاں یا آپ اس طرف توجہ کریں تو "چشم ماروشن دلِ ماشاد"۔ غرض کہ آپ کو میری نسبت بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اور اگر کسی وجہ سے بدگمانی ہو بھی گئی، تو آپ مجھ سے براہِ راست دریافت کر سکتے تھے۔ لوگ تو اس قسم کی باتیں اڑایا ہی کرتے ہیں۔ دو چار روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اقبال نے اپنی ٹوپی ہمارے قدموں پر رکھ کر ہم سے معافی مانگی ہے اور آئندہ کے لیے توبہ کی ہے۔ میں نے انھیں یہ جواب دیا کہ جن لوگوں کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب و سنّت ہے۔ اقبال اُن کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور اُن کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے، لیکن جو بات خواجہ حسن نظامی کی طرف سے منسوب کرتے ہو تو اس کے لغو ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو یہ خط شائع کر سکتے ہیں[1] والسلام

محمد اقبال از لاہور

(انوارِ اقبال)

---

[1] اس مراسلت کے بعد خواجہ حسن نظامی نے ایک مضمون جناب اقبال و حسن نظامی مطبوعہ ہفت روزہ "خطیب" میں یہ اعلان کیا۔ گذشتہ ایام میں جناب شیخ اقبال صاحب بیرسٹر پی ایچ۔ ڈی اور حسن نظامی کے درمیان تصوف میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ گفتگو آگے بڑھتی مگر۔۔۔

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام[1]

لاہور

۱۲ر جنوری ۱۸

ڈیر مسٹر محمد اکبر!

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ کی نظم جو ملفوف تھی، میں نے نہایت دل چسپی سے پڑھی۔ آپ نے اپنے عنایت نامہ اور نظم میں جس قدر میری تعریف و توصیف فرمائی ہے اس کے لیے آپ کا نہایت شکرگزار ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس تحسین و ستایش کا سزاوار نہیں۔ آپ کی نظم سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ نے مشق جاری رکھی اور غور و فکر کی عادت ڈالی تو ایک روز آپ کو اس میدان میں بہت بڑی کامیابی نصیب ہوگی۔ شعر کا منبع و ماخذ شاعر کا دماغ نہیں، اس کی روح ہے۔ اگرچہ تخیل کی بے پایاں وسعتوں سے شاعر کو محفوظ رکھنے کے لیے دماغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ) (انگریزی سے)

← ایک طرف تو جناب ڈاکٹر صاحب کو مولانا سید اکبر حسین صاحب الٰہ آبادی نے روکا اور دوسری جانب مجھے بھی مخالفت فرمائی میں حضرت اکبر کی ذات کو اپنا مرشد معنوی تصور کرتا ہوں اس لیے اس گفتگو سے دستبردار ہو گیا اور خلقت کی اس شہرت کو برداشت کرتا رہا کہ حسن نظامی اقبال سے علمی بحث نہ کر سکا کیونکہ بدنامی بہتر تھی اپنے رہنما ے روح کی عدم تعمیل ارشاد سے۔" (بشیر احمد ڈار)

[1] یہ خط اس وقت لکھا گیا جب مکتوب الیہ اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔ اے کے متعلم تھے

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

مخدومی مولوی صاحب السّلام علیکم

آپ کا ملفوف پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کا قیام لاہور میں مستقل طور پر ہوگا۔ کبھی کبھی ضرور تشریف لایا کیجیے۔
محبت و اُلفت رسائل کی محتاج نہیں بلکہ زیارت ظاہری سے بھی آزاد ہے۔ اس کے لیے نگاہوں کا ایک نکتہ پر جمے رہنا کافی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۵ جنوری ۱۸ء

(عکس) (انوارِ اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۰ جنوری ۱۸ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوازش نامہ ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں

یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ کے کلام میں بیجا تصرف کیا۔ کئی روز سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پیغام پہنچا دوں گا تصوّف پر جو مضامین انھوں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں، اُن سے میرا کوئی تعلق نہیں، نہ میں نے آج تک کوئی مضمون اس بحث پر اُن کے اخبار میں لکھا، نہ اُن کو نہ کسی اور کو لکھنے کی تحریک کی۔ مولوی صاحب سے میرے قدیمی تعلقات ہیں، محض اس بنا پر بعض لوگ یہ گمان کر بیٹھے کہ مضامین میری تحریک سے لکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اُن کے مضامین کے

مخدومی مولوی صاحب السلام علیکم

آپ کا محبوب پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ یہ معلوم کر کے
خوشی ہوئی کہ آپ کا قیام لاہور میں مستقل طور پر ہوگا
کبھی کبھی ضرور تشریف لایا کیجیے
محبت و الفت رسل و رسائل کی محتاج نہیں بلکہ زیارت ظاہری کی
بھی آزاد ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ایک نکتہ پر مجھے
رنج کا افسوس ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا

محمد اقبال لاہور
۱۵ جنوری ۱۹۱۸ع

اکثر امور سے مجھے سخت اختلاف ہے اور کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے خواجہ صاحب کو بھی یہی بدظنی تھی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد جب اُن کی بدگمانی رفع ہوگئی تو اُنھوں نے مجھے معذرت کا خط لکھا جس کے جواب میں میں نے انھیں مزید یقین دلایا کہ اس بحث سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے دو سال کا عرصہ ہوا تصوّف کے بعض مسائل سے کسی قدر اختلاف کیا تھا اور وہ اختلاف ایک عرصے سے صوفیائے اسلام میں چلا آتا ہے کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ بعض ناواقف لوگوں نے میرے مضامین کو تصوّف کی دشمنی پر محمول کیا۔ مجھے تو اس اختلاف کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محض اس وجہ سے اپنی پوزیشن کا واضح کرنا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب نے مثنوی اسرارِ خودی پر اعتراض کیے تھے۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اِس ملک کے لوگوں کے لیے مفید ہے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا۔ اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ کسی قسم کے بحث و مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی نہ بحث کرنا میرا شعار ہے بلکہ جہاں کوئی بحث ہو رہی ہو وہاں سے گریز کرتا ہوں۔ غرض کہ سرکار بھی مطمئن رہیں۔ مجھے اس بحث سے جو ہو رہی ہے کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی اکثر باتوں سے بالکل اختلاف ہے۔ مولوی ظفر علی خاں سے میں نے بارہا کہا یہ بحث نتیجہ خیز نہیں اور نہ عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی کوئی دلچسپی نہیں مگر ہر آدمی اپنے خیالات کا بندہ ہے میرے کہنے پر اُنھوں نے عمل نہ کیا اس واسطے میں بھی خاموش ہو رہا۔

حیدری صاحب تو اقبال کو بُلاتے بُلاتے رہ گئے۔ یونیورسٹی کے کاغذات اُن کی طرف سے کبھی کبھی آجاتے ہیں کہ یہیں سے مشورہ لکھوں۔ اُدھر سے مولوی عبدالحق صاحب اصطلاحاتِ علمیہ کی ایک طویل فہرست ارسال کرتے ہیں، کہ ان کے تراجم اُردو پر تنقید کرو — گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں۔ ترجمہ کرنے والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا ہے تو یہ کام بھی انھی سے لینا چاہیئے۔ اصل میں یہی حصّہ اُن کے کام کا مشکل ہے

میرا جذبِ دل تو بوڑھا ہوگیا۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہ ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پھر کیوں اقبال کو وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا؟ کیا حضور نظام کے ساتھ آپ دہلی نہ تشریف لائیں گے؟ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

(عکس) شاد اقبال

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور یکم فروری ۱۸ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

ایک عریضہ بجواب والا نامۂ سرکار ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ پرسوں رات خواب میں دیکھا کہ سرکار کی طرف سے ایک والا نامہ ملا ہے جس کی ہیئت وصورت ایسی ہے جیسے کوئی خریطۂ شاہی ہو۔ تعبیر اس خواب کی تو معلوم نہیں مگر خواب کو امرِ واقعہ سمجھ کر اس خریطہ کا جواب لکھتا ہوں۔ گو مضمون خریطہ اب ذہن سے اتر گیا ہے۔ شاد کی طرف سے اقبال کو شاہی خریطہ آئے یہ بات خالی از معنی نہیں انتظار شرط ہے اور اللہ کی رحمت ہمارے خیالوں سے وسیع تر ہے۔ حضور نظام علی گڑھ تشریف لے گئے تھے وہاں سے نواب اسحاق خاں صاحب[1] سکریٹری کالج کا تار مجھے بھی آیا تھا کہ حضور کے خیر مقدم میں چند اشعار یہاں آکر پڑھو یہ ایک بہت بڑی عزت تھی مگر افسوس کہ علالت نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ امید تھی کہ سرکار بھی ان کے ہمراہ تشریف لائیں گے، مگر یہ امید بھی پوری نہ ہوئی کیا عجب کہ ایک ہی وقت میں بہت سی امیدیں پوری ہو جائیں۔

---

[1] نواب محمد اسحاق خاں سکریٹری اینگلو محمڈن کالج علی گڑھ، نواب محمد علی خاں رشکی کے صاحبزادے اور نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ کے پوتے۔ (دیکھو ناموران علی گڑھ م

"کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری"
انگلستان کے پروفیسر نِکلسن جنھوں نے دیوان شمس تبریزؒ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ (کشف المحجوب حضرت علی ہجویریؒ کا بھی انھیں بزرگ نے انگریزی ترجمہ کیا ہے) مجھ سے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، اگر کوئی نسخہ مثنوی کا اُن کے پاس نہیں۔ جو ہے اُنھوں نے کہیں سے عاریتاً لیا ہے۔ آج اُن کا خط آیا تھا جس میں وہ مثنوی کا نسخہ مانگتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں۔ سوائے ایک نسخے کے جس پر میں نے بہت سی ترمیم کر رکھی ہے جو دوسرے اڈیشن کے لئے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سرکار کی خدمت میں چند نسخے ارسال کیے تھے، غالباً آپ نے اپنے احباب میں تقسیم کر دیا ہوگا اگر کوئی کاپی باقی رہ گئی ہو، اور سرکار کو اُس کی ضرورت نہ ہو تو مرحمت فرمایئے۔ میں نہایت شکر گزار ہوں گا۔ اور پروفیسر صاحب کو لکھ دوں گا کہ نسخہ سرکار سے دستیاب ہوا ہے۔

اس مثنوی کا دوسرا حصّہ "رموز بیخودی" زیرِ طبع ہے۔ فروری یا مارچ میں شائع ہو جائے گا، تو آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال ہوگا۔ تیسرے حصّے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی نئی منطق الطیر ہوگی[1]

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ کل مولانا اکبر کا خط آیا تھا۔ خوب شعر کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ میں بھی مارچ میں ایم۔ اے کا امتحان زبانی لینے کے لیے الہ آباد جاؤں گا۔ اور مولانا کی ملاقات سے شرف اندوز ہوں گا۔

سیّد ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر ذخیرہ کے خط سے کبھی کبھی سرکار کی خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

---

[1] منطق الطیر خواجہ فریدالدین عطار کی مشہور تصنیف۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

۹ر مارچ ۱۹۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

فقیر صاحب کا ذکر شیخ صاحب سے سنا تھا، مجھے بھی ان کے دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ مولوی گرامی صاحب کی بیوی کا خط دوبارہ گواہی مجھے آیا تھا وہ مجھ سے قبضہ مکان کی شہادت دلوانا چاہتے ہیں مگر میری شہادت ان کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتی میں نے ان کو مفصل لکھ دیا ہے معلوم نہیں میرا خط ان کو ملا یا نہ ملا۔

چند روز میں ایم۔ اے کا زبانی امتحان لینے کے لئے الہ آباد جانے والا ہوں اور یہ ممتحنی میں نے محض اس واسطے قبول کرلی کہ مولانا اکبر کی زیارت کا بہانہ ہو جائے گا۔ خواجہ دل محمد صاحب والا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ان کی نظم دیکھنے میں آئی۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مکرمی! السلام علیکم

میں الہ آباد جانے والا تھا مگر مولانا اکبر کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں طپلیگ زوروں پر ہے۔ والد مکرم نے جو چند روز ہوئے یہاں تھے یہ خط دیکھ کر مجھے الہ آباد جانے سے روک دیا۔ دہلی جانے کا قصد تھا مگر وہاں بھی نہ گیا۔ نواب صاحب جاتی دفعہ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ ۲۲ر مارچ کو واپس لاہور آجائیں گے

جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کسی اور جگہ جانے والے نہیں ہیں۔ ۲۸ مارچ کو ان کے ایک مقدمہ کی تاریخ لدھیانہ میں ہے، کمیشن مقرر کردہ عدالت نے خود ان کو بیاں کے لئے طلب کیا ہے ممکن ہے کہ وہ اس تاریخ کو لدھیانے جائیں۔ باقی حالات مجھے معلوم نہیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میں خدا کے فضل وکرم سے بخیریت ہوں۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۱۸ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۰ اپریل ۱۸ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لئے شکر گزار ہوں۔ آپ کی اور بچوں کی علالت کی معلوم کرکے تردد ہوا مگر امید ہے کہ اس وقت خدا کے فضل وکرم سے مع الخیر ہوں گے۔

بمبئی میں قبل از وقت گرمی ہے، تو پنجاب میں بعد از وقت سردی۔ اپریل کا پہلا ہفتہ گزر گیا اور اس وقت تک لوگ کمروں میں لحاف لے کر سوتے ہیں۔ دو چار روز سے بارش بند ہوگئی ورنہ اس سے پیشتر تقریباً ہر روز ابر آتا اور برس جاتا۔ بیماری کا بھی بعض مقامات میں زور رہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میرے مقدر کے دانوں کی آپ کو تلاش بہ ہے تو ممکن ہے مل جائیں۔ اگرچہ بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سرکار مدار المہام ہوتے تو اس قدر جستجو گوارا کرنے

کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ اگر زمانے نے مجھے آپ کے آستانے پر لا ڈالا تو میری عین سعادت مندی ہے۔ اس وقت دوستانہ و نیاز مندانہ مہر و وفا کا ثبوت دے سکوں گا۔

مولوی ظفر علی خاں حیدر آباد طلب کر لئے گئےؔ، آج میں نے اخبار میں دیکھا کہ وہ وہاں پہنچ گئے۔ نہایت قابل آدمی ہیں اور ان کا ذہن مثل برق کے تیز ہے مجھے یقین ہے کہ ان کی علمی قابلیت سے ریاست کو بہت فائدہ ہوگا۔

دو تین روز میں مثنوی رموزِ بے خودی یعنی اسرار خودی کا دوسرا حصہ خدمتِ عالی میں مرسل ہوگا۔ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ آپ کے لئے جلد باندھنے کو دی ہے جس روز جلدگر کے پاس سے آئے، اُسی روز ارسال خدمت ہوگی۔ خواجہ حسن نظامی ایک روز کے لئے لاہور تشریف لائے تھے۔ اُن سے ملاقات ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکتے تھے اس واسطے زیادہ باتیں نہ ہو سکیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(شاد اقبال)

ؔ اصل میں غالبا اسی طرح ہوگا، مرتب شاد اقبال نے سوالیہ نشان لگا دیا ہے (مولف)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۸ر اپریل ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ رموزِ بیخودی میں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی ریویو کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آج مولانا ابو الکلام کا خط آیا ہے۔ انھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذُ الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔ اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

رسالہ "صوفی" میں مَیں نے کوئی نظم شائع نہیں کی۔ کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھوں نے شائع کردی ہوگی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں "صوفی" کو "معارف" پر ترجیح دوں "معارف" ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارتِ ایمانی میں ترقی ہوتی ہے میں ان شاء اللہ ضرور آپ کے لئے کچھ لکھوں گا یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اِس وقت تک پُورا نہیں کرسکا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ) (عکس)

لاہور ۲۸ اپریل ۳۶ء

مخدومی السلام علیکم

[illegible]

مخلص محمد اقبال لاہور

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور۔ ۱۰ر مئی ۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب السلام علیکم

"معارف" میں ابھی آپ کا ریویو (مثنوی رموزِ بیخودی پر) نظر سے گزرا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہو گا لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کرکے مجھے ان سے آگاہ کیجیے کہ دوسرے ایڈیشن میں اُن کی اصلاح ہو جائے

غالبؔ آپ نے "رموزِ بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجئے میں دُوسری کاپی اس کے عوض میں آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔

اِس تکلیف کو میں ایک احسان تصوّر کروں گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(اقبال نامہ)　　　　(عکس)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی مولانا السلام علیکم

چند اشعار "معارف" کے لئے ارسال خدمت ہیں ان میں سے جو پسند آئے اُسے شائع کیجیے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

(مخلص محمد اقبال لاہور)

۲۳ مئی ۱۸ء

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری
میں نوائے سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بُو
میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری
مرا عیش غم مرا شہد سم مری بُود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری
تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوّتِ حیدری
کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری[۱]
گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

---

[۱] سمندر بروزن قلندر ایک فرضی کیڑا جو آگ میں رہتا ہے۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری[1]
(اقبال نامہ)

(عکس)

کیپٹن[2] منظور حسین کے نام

لاہور ۸ ر جون ۱۸ ۱۹ء

مخدومی السلام علیکم!

آپ کا خط مع نسخہ "پیام غربت" مل گیا ہے۔ آپ کی نظمیں بہت اچھی ہیں مجھے یقین ہے کہ لوگ انھیں پسند کریں گے اور یہ چھوٹا سا مجموعہ مقبول عام ہوگا۔ آج کل وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو اپنی کوئی قوت اپنے نفس کی خاطر صرف نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت جنیدؒ نے ایک دفعہ بیماری میں قرآن شریف کی ایک سورۃ اپنے اوپر پڑھ کے دم کی تھی، بارگاہ ایزدی سے انھیں ملامت ہوئی کہ تو ہمارا کلام اپنے نفس کی خاطر صرف کرتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ خدا کا کلام تو ایک طرف اپنا کلام بھی اپنے نفس کی خاطر صرف نہیں ہونا چاہیئے۔ سرعنوان شعر "اوروں کا ہے پیام۔۔۔الخ"

---

[1] یہ اشعار بانگ درا (ص ۲۸۴-۲۸۵) میں بہ عنوان "؟" میں اور تو ۹ شامل ہیں وہاں دو اشعار زائد ہیں اور باقی اشعار میں ایک آدھ لفظ کا اختلاف ہے (مولف)

[2] کیپٹن منظور حسین نے اپنی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ "پیام غربت" کے نام سے چھپایا جس کے سرورق پر اقبال کا یہ شعر لکھوایا گیا:

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
غربت کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

اس مجموعہ کا ایک نسخہ انھوں نے علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا۔ مندرجہ بالا خط اس کے جواب میں لکھا گیا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میرا ہے۔ اس نظم میں بہت سے اغلاط چھپ گئے تھے۔ دوسرے مصرع میں "غربت" کی جگہ لفظ "عشق" ہے۔ غربت سے بحر شعر کا درست نہیں رہتا۔ نظر ثانی میں مَیں نے اسے درست کر دیا ہے، آپ بھی دوسری ایڈیشن میں تصحیح کر لیں۔ خط میں جو حسنِ ظن آپ نے میری نسبت اظہار فرمایا ہے۔ اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں، بلکہ یہ کہ اوروں کے دلوں میں بھی وہی خیالات موج زن ہو جائیں جو میرے دل میں ہیں اور بس۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(انوار اقبال)

شیخ نور محمد کے نام[1]

لاہور ۹ جون ۱۹۱۸ء

قبلہ و کعبہ من السلام علیکم آپ کا خط جو اختار کی بچی کے نام آیا ہے میں نے دیکھا ہے اور اس نے اس خط کا مضمون بھی مجھے سنایا ہے جو اس نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ یہ اس کے دل کی وسعت اور فراخ حوصلگی کی دلیل ہے مگر یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ میں اس کا زیور لے کر ایک لڑکے کی تعلیم پر صرف کر دوں جس سے نہ اسے کچھ توقع ہو سکتی ہے نہ مجھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایسا بطور اس خیال سے نہیں دیتی کہ کل کو اسے اس کا معاوضہ ملے گا بلکہ وہ محض اس غرض سے دیتی ہے کہ مجھ پر کوئی شخص حرف گیری نہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص مجھ پر حرف گیری کرے تو اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ وہ شخص مجھ سے ناخوش ہے۔ برخلاف اس کے ناانصافی میں خدا و رسول کی ناخوشی ہے جس کا برداشت کرنا میری طاقت سے باہر ہے میں اور لوگوں کی حرف گیری آسانی سے برداشت کر سکتا ہوں خدا و رسول کی ناراضگی سے میرا دل کانپتا ہے۔

---

[1] "مظلوم اقبال" از اعجاز احمد (ص ۲۴۱۔۲۴۴) میں شامل متن سے خط کے کئی حصے حذف کئے گئے ہیں۔ ہم یہاں خط کا پورا متن پیش کر رہے ہیں۔ (مؤلف)

آپ کو معلوم ہے کہ گزشتہ دس سال کے عرصے میں بیس پچیس ہزار میرے ہاتھوں میں آیا ہے مگر یہ سب اپنے اپنے موقع پر مناسب طور پر خرچ ہوا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ تاہم اس وقت تک میں ایک عمدہ مکان کرائے پر نہیں لے سکا نہ مکان کے لئے فرنیچر اور سارو سامان خرید سکا ہوں۔

نہ عمدہ گاڑی گھوڑا خرید سکا ہوں یہ سب لوازمات اس پیشے کے ہیں اب میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ جس طرح ہوسکے یہ لوازمات بہم پہنچائے جائیں اب حالات اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کا بہم پہونچانا لازم اور ضرور ہے میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر فضل کرے تو اپنی نظم و نثر سے کوئی مالی فائدہ نہ اٹھاؤں گا کہ یہ ایک خداداد قوت ہے جس میں میری محنت کو دخل نہیں۔ خلق اللہ کی خدمت میں اسے صرف ہونا چاہئے۔ مگر ضروریات سے مجبور ہوکر مجھے اس عہد کے خلاف کرنا پڑا۔

باقی رہے وہ لوگ جو مجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ اسے احسان نہیں جانتے بلکہ قرض تصور کرتے ہیں۔ میں نے ۳۵ روپیہ ماہوار اس کم بخت لڑکے کو دیئے تھے۔ اور کالج کے اور لڑکوں سے اخراجات کے متعلق دریافت کرکے یہ رقم مقرر کی تھی مگر آج تک ہر شخص کے پاس یہی رونا رویا جاتا ہے کہ خرچ ناکافی ملتا ہے ان کو مدد دینا نہ دینا برابر ہے شیخ گلاب دین[1] صاحب کو بھی اس نے خط لکھا تھا مگر انھوں نے اسے یہ جواب دیا ہے کہ حالات مجھے معلوم ہیں اس واسطے میں ڈاکٹر صاحب سے اس بارے میں گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ گذشتہ سالوں میں بھی وہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ اگر آپ کے پاس ان کا بیان کروں تو آپ کو سخت تکلیف ہوگی لہٰذا اس تکلیف دہ داستان کو نظر انداز کرتا ہوں۔

---

[1] شیخ گلاب دین سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ وہ لاہور کی ڈسٹرکٹ عدالتوں میں وکالت کرتے تھے۔ علامہ سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ جب اعجاز احمد صاحب نے ایل ایل بی کا امتحان پاس کرلیا تو علامہ نے انھیں دو چار مہینے کے لئے شیخ صاحب کے ساتھ لگا دیا تاکہ وہ یہ سیکھ لیں کہ ضلع کی عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کس طرح کی جاتی ہے۔
(مظلوم اقبال)

مگر باوجود ان تمام باتوں کے میں اسے مدد دیتا مگر اس وقت مشکلات کا سامنا ہے جنگ کی وجہ سے آمدنیاں قلیل ہوگئی ہیں اور یہ شکایت کچھ مجھی کو نہیں اوروں کو بھی ہے اور وہ پچاس روپیہ ماہوار اس طرح مانگتے ہیں جیسے میں مقروض ہوں اور وہ قرض خواہ۔

میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ کہیں ملازمت کرے اور کچھ کمانے کے قابل ہوجائے کہ بی اے کے امتحان کی اب وہ وقعت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ میں نے تجربے سے دیکھا ہے کہ جو لڑکے انٹرنس یا ایف اے پاس کرکے ملازمت کرتے ہیں وہ بی اے ایم اے پاس کرنے والوں سے بہتر رہتے ہیں۔ مگر اس نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا اور کالج میں داخل ہونے کے لئے دہلی چلا گیا پھر بھی مجھے کچھ اعتراض نہیں۔

آپ نے جو کچھ اسے خط میں لکھا ہے بالکل ٹھیک ہے یہی بات میرے دل میں بھی تھی۔ اور یہ اس کے خط کا بہترین جواب ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی والدہ اپنے نقرئی و طلائی سرمائے اس کی تعلیم پر خرچ کرے کم از کم اس کا وہ حصہ خرچ کر دے جو اس نے میرے ماں باپ سے لیا ہے اپنے ماں باپ کا خرچ نہ کرے اور اگر کچھ عرصے بعد میرے ہاتھ میں روپیہ آگیا تو میں اسے ایکمشت بارہ سو روپیہ دیدوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اپنی خیریت سے اطلاع دیں۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء

۱؎ "مظلوم اقبال" کے مصنف اعجاز احمد صاحب کے مطابق جب آفتاب اقبال نے سینٹ سٹیفنز کالج ST. STEPHEN'S COLLEGE دہلی میں داخلہ لیا تو علامہ ان کو ۳۰ روپیہ ماہوار بھیجتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۸ء میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ یہ رقم بڑھا کر پچاس روپیہ ماہوار کر دی جائے اور اس حساب سے دو سال کے بارہ سو روپیہ ایکمشت بھجوا دئے جائیں۔ علامہ کی دوسری زوجہ سردار بیگم (والدہ جاوید اقبال) بڑی فراخ دل تھیں۔ جب انھیں اس مطالبے کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے خسر صاحب کو لکھا کہ ان کا زیور فروخت کرکے اس مطالبے کو پورا کر دیا جائے۔ جب علامہ کو اس پیشکش کا علم ہوا تو انھوں نے یہ خط اپنے قبلہ والد صاحب کو لکھا۔ (مؤلف)

مولانا گرامی کے نام

لاہور۔ ۱۰ر جون ۱۸ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم
بہت عرصے کے بعد آپ کا والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں الحمدللہ
کہ آپ بخیریت ہیں۔ مقدمہ کا راضی نامہ ہوگیا اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی
اب شکوہ شکایت کیا ہوگی آپ نے کام تو وہی کیا جس کے لیے میں ابتدا سے
مصر تھا۔ اور یہ اصرار فریق ثانی کی ہمدردی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی عزت
وآبرو کے احساس کی وجہ سے مجھ سے صدہا لوگوں نے پوچھا اور اس مقدمہ بازی
پر استعجاب کیا۔ گرامی سے پنجاب کے لوگوں کو محبت ہے بلکہ بعض لوگ جن میں
میں خود بھی شامل ہوں، اس کو ولی مانتے ہیں پھر اس قسم کی مقدمہ بازی کو خلاف
توقع جان کر ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ میری دلی کیفیت
تو یہ ہے کہ ایسے معاملے میں روپیہ کا نقصان بھی برداشت کر جاؤں اور پروا نہ کروں
اسی معیار کی عینک سے آپ کو بھی دیکھتا ہوں۔ باقی رہا میرا گواہی دینے کے
لیے نہ آنا سو اس کے لئے میں حاضر تھا جیسا کہ میں نے آپ کو لکھا بھی تھا۔ جب کہ
آپ مقدمہ کے خوف سے بھاگ کر دہلی میں نواب سراج الدین خاں سائل کے
یہاں پناہ گزیں تھے۔ اگر آپ مجھے لکھتے تو اس سے محفوظ تر جگہ آپ کے لیے تجویز
کر دیتا۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔
لاہور تشریف لانے کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا اس پر لاہور کی تمام آبادی
میں کسی کو بھی اعتبار نہیں حتیٰ کہ سادہ لوح بچے بھی اس پر اعتبار نہیں کر سکتے اشعار

آپ نے خوب لکھے[۱] میرا دل تو آپ کے ہر ہر لفظ پر پھڑک جاتا ہے

شورِ شیریں را زبانِ تیشۂ فرہاد دہ ۔ اے سبحان اللہ للہ درّک

پنجاب یونیورسٹی میں اب فارسی کے ایم۔ اے کا امتحان بھی ہوا کرے گا میں اس کے لئے کورس تجویز کر رہا ہوں۔ آپ کا مطبوعہ کلام کچھ ہو تو اس میں درج کروں۔ وہ مثنوی جو آپ نے شائع کی تھی کیا اب بھی کہیں سے مل سکتی ہے میرا ارادہ ہے کہ اس امتحان میں ایک پرچہ ہندوستان کے فارسی شعرا کا ہو اس زمرے میں آپ بھی آجائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کی لاپروائی نے کلام جمع نہ ہونے دیا۔ بہر حال مثنوی کا وہ حصہ جو آپ نے شائع کیا تھا اگر مل سکتا ہو تو اس کا پتا دیجیے یا اس کو پھر شائع کیجیے۔

نواب ذوالفقار علی خاں آپ کو بہت یاد کرتے رہے۔ دو چار روز ہوئے شملہ چلے گئے۔ طبائع کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ مولوی ظفر علی خاں بھی حیدر آباد پہنچ گئے آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا مقدمہ

---

[۱] جن اشعار نے اقبال کو متاثر کیا وہ دیوان گرامی کے صفحہ ۸۲ پر موجود ہیں ۔ دو شعر یہ ہیں۔

عشق می ورزی ملامت را مبارکباد دہ
ننگ را آتش زن و ناموس را بر باد دہ
کوہ کن خود جاں شیریں داد اے عشقِ غیور
شورِ شیریں را زبان تیشۂ فرہاد دہ

(ترجمہ: عشق کر رہے ہو تو ملامت کو مبارک باد دو، ننگ و ناموس کو پھونک ڈالو، اے غیرت مند عشق، فرہاد نے خود اپنی جانِ شیریں دے دی اب شور شرابہ کو تیشۂ فرہاد کی زبان دیدے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

میں راضی نامہ ہوگیا ہے تو بہن کے ساتھ صلح (یعنی حقیقی معنوں میں) بھی رکھیئے اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ ہمشیر دنیا میں ماں کی قائم مقام ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

(عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۱۱ر جون ۱۹۱۸ء

سرکار والا تبار

آداب عرض کرتا ہوں۔

والا نامہ ایک عرصہ کے بعد ملا۔ کئی دن گزر گئے ہیں نے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ایک نسخہ مثنوی رموزِ بیخودی کا بھی ڈاک میں ڈالا تھا۔ مگر نہ خط کا جواب ملا نہ مثنوی کی رسید۔ آج بعد از انتظارِ شدید سرکار کا والا نامہ ملا۔ مگر مثنوی کی رسید اس میں بھی نہیں۔ اقبال کے دل سے شاد کی یاد کیونکر فراموش ہو سکتی ہے۔ کاش، آپ سے ملاقات ہوتی اور کچھ عرصہ کے لئے آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ لیکن کوئی بات اپنے بس کی نہیں۔

سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرما دے۔

ان شاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کروں گا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندۂ رُو سیاہ کبھی کبھی تہجد کے لئے اٹھتا ہے

اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کروں گا کہ اُس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذّت حاصل ہوتی ہے کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ گرمی کا زور ہے۔ بارش امید ہے جلد شروع ہوگی طالع کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اطمنان نصیب کرے اور عزت و آبرو محفوظ رکھے ع

اس دَور میں آبرو بہت[1] ....(امیرؔ)

زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے بلندیِ مراتب کے۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

[شاد اقبال)

(اقبال نامہ)]

مولانا اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور

۱۱ر جون ۱۸ء ۱۹ء

مخدومی! تسلیمات

کل ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ آج اور کل دو اور خط آپ کے موصول ہوئے۔ میں نے خواجہ حافظؒ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ اُن کے دیوان سے میکشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظؒ پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا

---

[1] اقبالؔ نے یہ مصرعہ ادھورا ہی لکھا ہے، یوں ہونا چاہیئے:

اس دور میں آبرو بہت ہے

شاعر کا نام انھوں نے خود ہی ظاہر کر دیا ہے امیرؔ مینائی کا مصرعہ ہے۔

گیا، وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی۔ جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر ہے۔ ایسے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا اِس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔ خواجہ حافظؒ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا نہ ان کی شخصیت سے نہ اُن اشعار میں 'مے' سے مراد وہ 'مے' ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں۔ بلکہ اُس سے وہ حالتِ سُکر (NARCOTIC) مراد ہے جو حافظؒ کے کلام سے بحیثیت مجموعی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ حافظؒ ولی اور عارف تصوّر کیے گئے ہیں اس واسطے ان کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل ہی نظر انداز کر دی ہے اور میرے ریمارک تصوّف اور ولایت پر حملہ کرنے کے مرادف سمجھے گئے۔

خواجہ حسن نظامی نے ایسا سمجھ کر اخباروں میں لکھا۔ اس واسطے مجھے مجبوراً تصوّف پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا۔

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کون تصوّف میرے نزدیک قابلِ اعتراض ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت علاؤالدّولہ سمنانیؒ[1] لکھ چکے ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ لکھ چکے ہیں میں نے تو محی الدین اور منصور حلّاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانی اور جنید نے ان دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں ہاں ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔ اگر اسی کا نام مادیّت ہے تو قسم بخدائے لایزال، مجھ سے بڑھ کر مادہ پرست دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ معاف کیجیے گا، مجھے آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا ہے (ممکن ہے غلطی پر ہوں) کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں

---

[1] اقبال نے نام صحیح لکھا ہوگا مگر اقبال نامہ ۲/۵۵ میں سنجانی چھپا ہے، صحیح سمانی ہے یہ نسبت سمنان کی طرف ہے جو خراسان کا ایک شہر ہے۔

جو حافظؒ کے متعلق لکھے گئے تھے۔ باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش آپ کو اُن کے پڑھنے کی فرصت مل جاتی تاکہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔

عجمی تصوّف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تصوّف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اُس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔

میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالک اسلامیہ میں قابل اصلاح ہے (PESSIMISTIC LITERATURE)[1] کبھی زندہ نہیں رہ سکا قوم کی زندگی کے لئے اس کا اور اس کے لٹریچر کا (OPTIMISTIC)[2] ہونا ضروری ہے اسرارِ خودی میں حافظؒ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں۔ جن کا عنوان یہ ہے:

"درحقیقتِ شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ"

ان اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائے گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

پنڈت کشوری لعل سے بہت عرصہ ہوا ملاقات ہوئی تھی۔ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہیں۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہو گا مگر خدارا آج کل صرف کعبہ ہی بنائیے۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں (جیسا کہ بعض لوگ نادانی سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کی پوزیشن سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے) مگر اس کا دشمن یورپ کا

---

[1] شرح۔ قنوطی لٹریچر کبھی دنیا میں

[2] شرح: رجائی ہونا (شرح اسرار خودی ص ۳۲)

TERRITORIAL NATIONALISM ہے۔ جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسایا، مصر میں، مصر مصریوں کے لئے، کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو PAN-INDIAN DEMOCRACY کا بے معنی خواب دکھایا۔ آپ تو گروہ بندی پر بڑا زور دیتے ہیں بلکہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے "مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط" گو مجھے اس مصرع سے اتفاق نہیں تاہم مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مذہب کا مقصد صرف گروہ بندی ہے اور کچھ نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا مصرع سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کے قلم و زبان سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہے۔ آپ کے نزدیک تو کعبہ کے سوا کوئی اور مقام نہ ہونا چاہیئے یہی میرا بھی مذہب ہے۔

خیریت مزاج سے آگاہ کیجئے۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

میاں محمد شاہنواز خاں کے نام

۴ جولائی ۱۹۱۸ء

یقیناً وہ اسے پسند کریں گے۔

دوش بر خاک ہمایوں بلبلے نالید و گفت

اندریں ویرانہ ما ہم آشنائے داشتیم

ہمیشہ آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوط اقبال)

(ترجمہ) کل ہمایوں کی تربت پر بلبل روتی تھی اور کہتی تھی کہ اس ویرانے میں ہم بھی ایک آشنا رکھتے تھے۔

حضرت ہمایوں کے مزار کے سے

[illegible]

دوش بر خاکِ ہمایوں تکیہ بالیدہ گفت
اندریں ویرانہ باہم آشنائے داشتیم

Yours ever
Muhammad Iqbal

مکتوب بنام میاں محمد شاہ لاہور ۴ جولائی ۱۹۱۸ء

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۱ر جولائی ۱۸ء

سرکار والا تبار تسلیم۔

آج سیّد ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر رسالہ ' ذخیرہ ' کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادۂ بلند اقبال کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے اور آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ آپ کا دل بڑا زخم خوردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ مگر شاد کو تسلیم کی تلقین کون کر سکتا ہے۔

اقبال محض ایک دل رکھتا ہے، جس کو آپ سے اخلاص ہے۔ اس دل کی ہمدردی پیش کرتا ہے اور آپ کے لئے دست بدعا ہے۔

مخلص

محمدؐ اقبال لاہور

[شادِ اقبال:]

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور

۲۰ر جولائی ۱۸ء

مخدومی! نوازش نامہ کل ملا تھا۔ اس سے پیشتر ایک پوسٹ کارڈ بھی ملا تھا۔ آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست ہے مگر میری نہیں بلکہ میری بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔ میں نے کسی گزشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے

لئے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجئے اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔

آں چناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو![1]

اور اسرار خودی میں کوئی تناقض نہیں۔

یہ بات تو میں نے پہلے حصہ میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر بیان کی ہے۔

اندکے اندر حرائے دل نشیں[2]
ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزّائے ہوس را سر شکن
ہر کہ در اقلیمِ لا آباد شد
فارغ از بندِ زن و اولاد شد

(اسرارِ خودی)

میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بیخودی سے پیدا ہوتی ہے یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔

بندۂ حق پیشِ مولا لاستے[3]
پیشِ باطل از نعم بر جاستے

---

[1] ایسے کھو جاؤ کہ سراسر سجدہ بن جاؤ

[2] ذرا اپنے دل کی سرا میں بیٹھو، خود کو ترک کرکے حق کی طرف ہجرت اختیار کرو۔ حق کی قوت سے مضبوط ہو کر اپنی طرف قدم بڑھاؤ اور ہوس کے لات و عزّیٰ (بتوں) کا سر توڑ دو جو لا (نفی) کی اقلیم میں آباد ہو گیا وہ بیوی بچوں کے بندھن سے بھی فارغ ہو جاتا ہے۔

[3] حق کا بندہ مولا کے سامنے (لام) ہیچ ہے مگر باطل کے آگے وہ (نعم) یعنی و پیوست ہو جاتا ہے۔

دوسرے حصے میں عالمگیر کی ایک حکایت ہے۔ اس میں یہ شعر ہے:

این جنس دل خود نما و خود شکن[1]
دارد اندر سینۂ مومن وطن

مگر ایک اور بیخودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو DYRIC POETRY کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔

(۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔

پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف اور[2] جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوّف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتہ عجمی تصوّف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظؒ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیاتِ قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں زیرِ نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیاتِ دنیا بیشک لہو و لعب ہے میں نے بھی پہلے حصہ میں (اسرارِ خودی) یہی لکھا ہے۔

---

[1] ایسا خود نما خود شکن دل مومن کے سینہ میں گھر رکھتا ہے۔

[2] اقبال نے اسی طرح لکھا ہے (اور، کا ہم نے اضافہ کیا ہے۔

در قبائے خسروی درویش زی[1]
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

پھر دوسرے حصّے میں ہے جس میں حضرت عمرؓ کا ایک قول منظوم کیا ہے:

راہ دشوار است سامان کم بگیر[2]
در جہان آزادزی، آزاد میر
سبحۂ اقلل من الدّنیا شمار
از تعشْ حُرّاً شوی سرمایہ دار

غرض یہ ہے کہ سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع ہیں اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے وہ رَضُوا بالحیوٰۃِ الدُّنیا[3] میں داخل ہے۔ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیئے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔ مسلمان کی تعریف پہلے حصّے میں یوں کی گئی ہے (اسرار خودی):

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ[4]
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نباشد کافر است

---

[1] بادشاہی کے لباس میں درویش بن کر جیو، ایسے جیو کہ آنکھیں بیدار ہوں اور اندیشہ میں خدا ہو۔

[2] راہ دشوار ہے، کم سامان ساتھ لو، دنیا میں آزاد جیو اور آزاد مرو "دنیا کم رکھو آزاد جیو گے" (قول عمر فاروقؓ) کی تسبیح پڑھو تو غنی رہو گے۔

[3] "اور وہ دنیا کی زندگی ہی میں مگن ہو گئے۔"

[4] دل کو اللہ کے رنگ میں رنگ لو، عشق کو ناموس اور ننگ و نام دو مسلمان کی طبع محبت سے غالب ہوتی ہے۔ اور مسلمان اگر عاشق نہیں تو کافر ہے۔

تابع حق دیدنش، نا دیدنش [1]
خوردنش نوشیدنش خوابیدنش
در خیال اس مرضی حق گم شود
این سخن کے باورِ مردم شود

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے، عنایت کیا رحم کیجئے اور اسرارِ خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اُس نے آہ و فریاد کی [2] اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] (ترجمہ) اس کا دیکھنا نہ دیکھنا حق کے تابع ہوتا ہے اس کا کھانا پینا سونا بھی۔ اس کے خیال میں مرضی حق گم ہوتی ہے لوگوں کو اس بات کا یقین کب آ سکتا ہے!

[2] روایت یہ ہے کہ جب منصور حلاج کو دار پر چڑھانے کے لئے لے جا رہے تھے تو حاکم وقت کے حکم سے علماء و شیوخ نے بھی ان پر سنگ باری کی۔ اس پر منصور نے صبر کیا، مگر ایک پتھر حضرت شبلیؒ کی طرف سے آیا تو وہ تڑپ اٹھے، وہ ایک واقفِ حال کی طرف سے تھا اس لئے "جفا" تھی۔

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۲۵ر جولائی ۱۸ء

مخدومی ! السّلام علیکم

والا نامہ کل ملا تھا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ گرمی کی یہاں بھی شدت ہے۔ برسات اب کے خالی جاتی معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا اور میرا قصد بھی فاتحہ جناب امیر[1] میں شریک ہونے کا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ میری بیوی کچھ عرصہ سے بیمار ہے، اور ابھی تک رو بصحت کامل طور پر نہیں ہوئیں۔ خواجہ صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا تھا کہ وہ اچھی ہو گئیں تو حاضر ہوں گا۔ اگر اب نہ جا سکا تو تعطیلوں میں ان شاء اللہ دہلی جانے کا قصد ہے کہ ایک مدت سے آستانۂ حضرت محبوب الٰہیؒ پر حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ ان گرما کی تعطیلوں میں اللہ اس ارادے کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے خواجہ حسن نظامی سے مجھے دلی محبت ہے۔ جس پر اختلافِ حال قطعاً کوئی اثر نہیں کر سکتا اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اختلاف بھی کم از کم میرے علم اور سمجھ کے مطابق کوئی ایسا اختلاف نہیں۔ وہ کچھ عرصہ ہوا، یہاں تشریف لائے تھے۔ میں نے اصرار کیا کہ وہ ایک روز قیام فرمائیں لیکن وہ ٹھہر نہ سکتے تھے۔ زبانی باتیں ہوتیں تو بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہو، اس سے اس محبت میں کمی واقع نہیں ہو سکتی جو مجھ کو ان سے ہے۔ وہ ایک نہایت محبوب آدمی ہیں ان کو جان کر ان سے محبت نہ رکھنا ممکن نہیں۔

---

[1] جناب امیر سے مراد حضرت علیؓ

ع غم بڑا مُدرکِ حقائق ہے [1]

اس مصرعہ کی پہلے بھی داد دے چکا ہوں آپ کے اکثر اشعار میں حقائق حیات اس سادگی اور بے تکلفی سے منظوم ہوتے ہیں کہ شکسپیئر اور مولانا روم یاد آجاتے ہیں۔ آپ کے اس شعر "جہاں ہستی ہوئی محدود الخ" پر ریویو کرتے ہوئے میں نے کسی انگریزی فلسفی کا حوالہ دے کر کہا تھا کہ خیالات و افکار بھی آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں کل مثنوی مولانا روم دیکھ رہا تھا کہ یہ شعر نظر پڑا:

ہر خیالے را خیالے مے خورد [2]

فکر ہم بر فکرِ دیگر مے چرد

سبحان اللہ! ایک خاص باب میں انھوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے سوا ہر ہستی آکل و ماکول ہے اور اس ضمن میں شوپن ہار (فلاسفر جرمنی) کے فلسفے کو اس خوبی سے نظم کر گئے ہیں کہ خود شوپن ہار کی روح پھڑک گئی ہوگی۔

کل شام ایک محفل میں آپ کے شعر:

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جس کے ساتھ ہے الخ

پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اگرچہ یہ شعر مشاعرے میں پڑھا نہیں گیا تاہم تمام شہر میں مشہور ہے۔

بن خاکِ راہ ناچ کیا کر ہوا کے ساتھ

پر آج گفتگو رہے گی۔ یہ شعر بھی حقائق سے خالی نہیں۔ ایک فارسی رباعی ہو گئی تھی عرض کرتا ہوں

---

[1] اکبر الٰہ آبادی کا مصرعہ ہے پورا شعر یوں ہے:

اِن مصائب سے کام لے اکبر | خطوطِ اکبر ص ۶

غم بڑا مدرکِ حقائق ہے | طبع لکھنؤ ۱۹۲۲ء

[2] ہر خیال کو دوسرا خیال کھا جاتا ہے ایک فکر بھی دوسری کو چر لیتی ہے۔

گل گفت کہ عیشِ نو بہارے خوشتر[1]
یک صبحِ چمن ز روزگارے خوشتر
زان پیش کہ کس ترا بدستار زند
مُردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

زیادہ التماسِ دعا۔

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے کچھ مضائقہ نہیں اگر شیخ عمر بخش صاحب کبوتر نہیں لائے، میں چاہتا ہوں کہ کبوتر یہاں اکتوبر میں آئیں، اس سے پہلے نہ آئیں، میں چند روز تک سیالکوٹ جانے والا ہوں، وہاں کچھ عرصہ قیام کروں گا۔ ستمبر کے آخر میں شاید یہاں آنا ہو گا۔ امیر الدین خاں کو بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کے متعلق کیا عرض کروں آپ کو میری افتادِ طبیعت سے بخوبی آگاہی ہے۔

گرامی صاحب نے شاید ملک الموت کو کوئی رباعی کہہ کر ٹال دیا ہے اور کیا تعجب کہ ہجو کہنے کی دھمکی دے دی ہو۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

۲۶ جولائی ۱۸ء (مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] پھول نے کہا کہ نو بہار کی زندگی اچھی ہے اور چمن کی ایک صبح ایک زمانے سے بہتر ہے اس سے پہلے کہ تجھے کوئی زیبِ دستار کرے کسی شاخ کی گود میں ہی مرجانا اچھا ہے۔

اعجاز احمد کے نام

عزیز اعجاز کو بعد دعا کے واضح ہو تمہارا تار مل گیا ہے جس سے اطمینان ہوا۔ بھائی صاحب کا تار بھی رات کو آیا تھا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ جلد سیالکوٹ جاؤ کہ والد مکرم علیل ہیں۔ اگر تمہارا تار مجھے نہ مل گیا ہوتا تو میں کل ہی روانہ ہوتا لیکن فرصت ۴ر اگست کو ہو گی۔ بہر حال والد مکرم کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں ۵ر اگست کی شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ان کی خدمت میں پہنچوں گا تم سٹیشن پر آجانا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے

والسلام

محمد اقبال لاہور

۲ر اگست ۱۸ء

(مظلوم اقبال)

اکبر الہ آبادی کے نام

سیالکوٹ

۱۳ر اگست ۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم۔ والا نامہ لاہور سے ہوتا ہوا ملا۔

الحمدللہ کہ جناب کا مزاج بخیر ہے۔ واقعی آپ نے سچ فرمایا کہ ہزار کتب خانہ ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف۔ اسی واسطے تو جب کبھی موقع ملتا ہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور پہاڑ پر جانے کی بجائے اُن کی گرمیِ صحبت سے مستفید ہوتا ہوں۔

پرسوں شام کھانا کھا رہے تھے اور کسی عزیز کا ذکر کر رہے تھے جس کا حال

ہی میں انتقال ہوگیا تھا، دورانِ گفتگو میں کہنے لگے "معلوم نہیں، بندہ اپنے رب سے کب کا بچھڑا ہوا ہے" اِس خیال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریباً بیہوش ہو گئے اور رات دس گیارہ بجے تک یہی کیفیت رہی۔ یہ خاموش لیکچر ہیں جو پیرانِ مشرق سے ہی مل سکتے ہیں۔ یورپ کی درسگاہوں میں ان کا نشان نہیں۔ اگست کے آخر تک اِن شاءاللہ یہیں قیام رہے گا۔

تہذیبِ نسواں[1] یا صحیح معنوں میں تخریبِ نسواں نے اگر کچھ لکھا ہے تو اس کا بہترین جواب خاموشی ہے تردید کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ پرچہ قدیم اسلامی شعار کو بنگاہِ حقارت دیکھتا ہے۔ گو اعلی صاف لکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

میں نے سُنا ہے سیّد عبدالرؤف لاہور تشریف لائے تھے اور چیف جج صاحب سے بھی ملے تھے۔ گورنمنٹ میں نام ضرور پیش ہے اور بعض حکام مائل بھی ہیں مگر مجھے باوجود ان سب باتوں کے امید نہیں۔ اسی واسطے اس موقع پر میں کسی سے نہیں ملا اور میرے بعض احباب مجھ سے ناراض ہیں کہ شملہ جانے کی جگہ سیالکوٹ آگیا ہوں۔ مگر میں اُن احباب کو معذور جانتا ہوں کہ وہ میری قلبی کیفیات سے آگاہ نہیں ہیں۔ بہرحال جو کچھ علمِ الٰہی میں ہے ہو جائے گا اور وہی انسب واولیٰ ہوگا۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے، خیریت سے آگاہ کیجیے کل شام سے طبیعت نہایت مشتعل ہے 'وکیل' اخبار لکھتا ہے کہ کسی انگریزی اخبار نے مدینہ منوّرہ کی بہت توہین کی ہے۔ کمزوروں کے پاس سوائے بددعا کے اور کیا ہے۔ والدِ مکرّم سلام شوق عرض کرتے ہیں۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] تہذیبِ نسواں خواتین کا مشہور رسالہ تھا، جسے امتیاز علی تاج کے والد ممتاز علی صاحب شائع کرتے تھے۔ (مؤلف)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۸ ستمبر ۱۸ء[1]

مخدومی، السلام علیکم

"رموزِ بیخودی" کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا۔ اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا۔ امیّد کہ توجہ فرمائی جائے گی تا کہ میں دوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہوسکوں۔

دساتیر کے حوالوں کے متعلق آپ نے لکھا تھا اُس وقت اوری انٹل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا اور اب بھی بند ہے۔ اکتوبر میں کھلے گا اگر کچھ حوالے دستیاب ہوگئے تو عرض کروں گا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

رُوس کے مسلمانوں کے متعلق جو مضمون معارف میں شائع ہوا ہے اُسے ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع کرنا چاہیئے۔

محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

---

[1] اس خط کی تاریخ صابر کلوروی نے اشاریہ مکاتیب اقبال میں ۸ ستمبر ۱۹۱۸ء میں متعین کی ہے جو اس لحاظ سے درست معلوم ہوتی ہے کہ خط کے آخری سطر میں لکھا ہے کہ کالج سے اکتوبر میں کھلے گا۔ (مؤلف)

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۱۴ر ستمبر ۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ ابھی تو مسلمانوں کو اور ان کے لٹریچر کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے۔

میں ۹ر ستمبر کو لاہور واپس آگیا تھا۔ مگر ترشی کے زیادہ استعمال سے دانت میں سخت درد ہوگیا۔ جس نے کئی روز تک بیقرار رکھا۔ اب خدا کے فضل سے بالکل اچھا ہوں۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی) کے اگست کے نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک ریویو دونوں مثنویوں پر لکھا ہے۔ نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اگر اس ریویو کی کوئی کاپی مل گئی تو ارسال خدمت کروں گا۔ آج زمانہ میں ایک ریویو نظر سے گزرا۔ زمانے کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے۔ جن کو کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا بالخصوص اس شعر نے

جب علم ہی عاشقِ دُنیا ہوا، الخ

بہت اثر دل پر کیا۔ مگر اس شعر کو

یہ صلح کل فقیری، فقر ناشاہی لطیفہ ہے

آپ کے اشعار میں دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ یہ کس کا شعر ہے؟ شاہی لطیفہ کی داد دینا میرے قلم کے امکان سے باہر ہے۔

ایک نہایت مخلص نوجوان یہاں لاہور میں ہے، تاجر کتب ہے اور مجھ سے

۱؎ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مصنف "محاسن کلام غالب"۔

کہتا ہے کہ شکوہ اور جوابِ شکوہ کو پھر شائع کرنا چاہیئے مگر مولانا اکبر دیباچہ لکھیں۔ میں نے آپ کی طرف سے ہر چند عذر کیا مگر وہ مصر ہے۔ آخر میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ مولانا کی خدمت میں عرض کروں گا۔ ایسی فرمایش کرتے ہوئے حجاب آتا ہے کہ مجھے آپ کے ضعف و ناتوانی کا حال معلوم ہے۔ تاہم اگر کسی روز طبعیت شگفتہ ہو اور آلام و افکار کا احساس شگفتگیِ طبع سے کم ہوگیا ہو تو دس پندرہ سطور اس کی خاطر لکھ ڈالیے۔ یہ لڑکا آپ کا غائبانہ مرید ہے۔

کلکتہ کے فساد کے حالات اخبار میں پڑھے تھے آج مزید حالات پڑھے خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے اور اُن کے لیڈروں کو آنکھیں عطا فرمائے کہ وہ اس زمانے کے میلانِ طبعیت کو دیکھیں۔ مجھے بھی کلکتہ سے بلاوا آیا تھا اور میں جانے کو قریباً تیار بھی تھا مگر جب مطبوعہ خط کا مضمون والد مکرم کو سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ حکام غالباً یہ جلسہ بند کر دیں گے۔ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

نا دیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل ۔۔۔ بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۳؍ اکتوبر ۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا میں چند روز کے لیے شملہ گیا تھا وہاں معلوم ہوا کہ آپ بھی وہاں

تشریف رکھتے ہیں افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوسکی مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا جس میں مصروفیت رہی البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی کیونکہ رات کو سیرتِ مثنوی کا مطالعہ رہتا تھا۔ مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربارِ نبوی سے عطا ہوگا۔

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے مگر چونکہ شاعری اس مثنوی[1] سے مقصود نہ تھی اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیرِ نظر تھے غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہوں گی۔

اصولِ تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہوسکتی۔ قوتِ واہمہ کے عمل کے رُو سے بیدل اور غنی کا طریق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے گو کتبِ بلاغت کے خلاف ہے زمانۂ حال کے مغربی شعرا کا بھی طریق عمل یہی ہے تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں اور میں اُن سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کروں گا۔

تحریر تلخ رو کلمہ (بسکونِ لام) باریک ترار جو (بمعنی کم در عرض و عُمق) کوری ذوق محمل از ساغر رنگیں کردن، سرمۂ او دیدۂ مردم شکست۔ سازِ بری آہنگ آز گل عرس (بمعنی سر) نوا بالیدن۔ صبح آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں۔ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا۔ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجیے "قطرۂ از نرگس شہلا تی"

---

[1] اسرارِ خودی دیکھو تبصرہ در معارف

پھر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں نہیں سمجھ سکا کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ تنہا کے لیے (یعنی قطرۂ تنہا) موروں نہیں یا کچھ اور ؟ علیٰ ہذا القیاس "خیمہ برزد در حقیقت از مجاز" "نعرۂ زد تسبیح ار دامانِ دشت" "باز بانت کلمہ توحید خواند" پھر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے۔ اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے اس احسان کے لیے ہمیشہ شکر گذار ہوں گا۔ بعض خیالات زمانہ حال کے فلسفیانہ نقطہ نظر کا نتیجہ ہیں ان کے ادا کرنے کے لیے قدیم فارسی اسلوب بیاں سے مدد نہیں ملتی بعض تاثرات کے اظہار کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آتے اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے جو ضروری ہے کہ اہل زبان کو ناگوار ہو کر دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال

(عکس)

(اقبال نامہ)

لہ اقبال نامہ میں "زبانت کلمہ توحید خواند" کے بعد کی پوری عبارت شامل ہونے سے رہ گئی تھی۔ حیرت ہے کہ دوسرا شدہ ایڈیشن میں بھی یہ سطور شامل نہیں ہیں۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے حاصل شدہ اس خط کے عکس کے مطالعے کے بعد اب یہ پوری عبارت پہلی بار شائع ہو رہی ہے (مؤلف)

لاہور ۳ اکتوبر ۱۸ع

مخدوم و مکرم جناب مولانا السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں [illegible]

[illegible]

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب خان صاحب!

السلام علیکم

میں ۳ ستمبر کو لاہور واپس آ گیا تھا اور اب کہیں جانے کا قصد نہیں۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہیں۔ گرامی صاحب سنا ہے لاہور آنے والے ہیں۔ میں نے آج ایک عریضہ اُن کی خدمت میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بھوپالی نے ایک مضمون مثنوی پر انگریزی میں لکھا ہے جو رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں شائع ہوا ہے اگر آپ کی نظر سے نہ گذرا ہو تو لکھیے کہ اس کی ایک کاپی بھیج دوں اس کی کاپیاں ایسٹ اینڈ ویسٹ والوں نے علیحدہ شائع کی ہیں اور صاحب مضمون نے چند کاپیاں مجھے بھیج دی تھیں۔

کبوتروں کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ بخار کا اب تک تو حملہ مجھ پر نہیں ہوا کونین کا استعمال میں نے کبھی نہیں کیا سوائے حالت بخار کے اور وہ بھی نہایت کراہت کے ساتھ۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۲ر اکتوبر ۱۸ء

جناب مولانا گرامی مدظلہ العالی

گرامی کو خاک پنجاب جذب کرے گی یا خاک دکن؟ اس سوال کے جواب کے لیے حسب الحکم مراقبہ کیا[1] جو انکشاف ہوا معروض ہے۔

[1] گرامی دربار حیدر آباد سے سبکدوش ہو کر وطن واپس آ چکے تھے اور یہ اقبال ہی کی کشش کا نتیجہ تھا، جس کا اظہار گرامی نے اپنے کئی خطوں میں کیا ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"حضرت مجدّد عصر تسلیم! گرامی حیدر آباد میں اقبال لاہور میں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جس کی کشش زبردست ہوگی وہ دوسرے کو کھینچ لے گا۔ میرا ضمیر یہ کہہ رہا ہے کہ اقبال اور گرامی ایک جگہ ہوں گے

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مجدّد عصر ڈاکٹر صاحب تسلیم! آپ کا خط مل گیا۔ یہ کسی محفل نشاط کی دعوت نہ کسی انیس کی کشش گرامی کو لاہور کھینچ سکتی ہے۔ ہاں ڈاکٹر کی محبت کی نسبت گرامی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست

دوری میں نزدیکی ہے، نزدیکی میں دوری گرامی دوری کو نزدیکی پر ترجیح دیتا ہے"۔

رباعی

از دوری قرب ما صبوری خیزد   کو قرب کہ در رہیں دوری خیزد
ہاں چہرہ عشق عاشیانہ می بار   صد فتنۂ خفتہ در حضوری خیزد ←

گرامی "مسلم" ہے اور "مسلم" تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے یہ ایک قوتِ نورانیہ ہے کہ جامع ہے جواہر موسویت و ابراہیمیت کی۔ آگ اسے چھو جائے تو بَرد و سَلام بن جاتے[1] پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہوئی ہیں۔

---

[1] آیت قُلنَا یَا نَارُ کُونِی بَردًا وَّ سَلَامًا عَلیٰ اِبرَاہِیم (قرآن: سورہ انبیاء۔ آیت ۶۹) کی طرف اشارہ ہے۔

← (ترجمہ) قرب کی دوری سے بے صبری پیدا ہوتی ہے، وہ قرب کہاں جو دوری کی راہ سے پیدا ہوتا ہے، عشق کے مہروں کو ما سار کھیلتے رہو حضوری میں تو تُو خوابیدہ تھے بیدار ہو جاتے ہیں۔

تیسرے خط میں شکایت کرتے ہیں۔

"ایک مدت سے خط و کتابت کا سلسلہ بند ہے۔ اگرچہ ہی لیل و نہار ہیں، گرامی کا پنجاب میں رہنا نقش بر آب ہے۔

گرامی بہت جلد دکن چلا جائے گا۔ سر اقبال کے جذبۂ محبت نے گرامی کو حیدرآباد سے کھینچا تھا ورنہ بہشت سے نکل کر دوزخ میں آنا گرامی کی حماقت کی دلیل ہے۔

ادھر حیدرآبادی دوست اور قدرداں بار بار انھیں وہاں بلاتے رہتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا وظیفہ بھی عمداً روک لیتے تھے تاکہ گرامی تنگ آکر خود ہی وہاں چلے آئیں۔ آخر ایک خط میں گرامی نے اقبال کو لکھا۔

"گرامی جالندھر میں ہے، ہر روز صبح سے شام تک واجب التعظیم یہاں مرشد دہرا امام شہر یعنی حضرت ملک الموت کے قدوم میمنت لزوم کا چشم براہ ہے۔ دیکھیے کب تشریف لاتے ہیں۔ پنجاب میں ملاقات ہوگی یا دکن میں۔ آثار سے یہ ظاہر ہو رہا ہے ←

کلیات مکاتیب اقبال :

پانی آگ کو جذب کر لیتا ہے عدم بود کو کھا جاتا ہے پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت قابل مع اضداد ہو اور تحلل تمام تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرے؛ مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوتِ حیات موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے۔

← کردکن میں ملاقات ہو لی امیر مینائی، داغ دہلوی، حبیب کنتوری ایک جگہ جمع ہیں گرامی کی جگہ ابھی تک خالی ہے اور یہ سب حضرات گرامی کے چشم براہ ہیں :

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم   آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم در آبِ دیدۂ در آتشِ دل   از خاک برآمدیم و در خاک شدیم

[(ترجمہ) ہم عدم سے پاک آئے تھے ناپاک ہو گئے، آسودہ آئے تھے اور غمناک ہو گئے ہم آنسوؤں میں تھے اور سوزِ دل میں تھے خاک سے نکلے تھے خاک میں مل گئے۔]

اس پر اقبال نے مراقبہ کیا "گرامی کو خاک پنجاب جذب کرے گی یا خاکِ دکن"

اور جو انکشاف ہوا اسے اس خط میں بے کم و کاست بیان کر دیا حیات و ممات کی حکمت پر فلسفیانہ بحث اس سے بہتر کیا ہو گی؟ پھر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اشارہ کتنا بلیغ ہے کہ "مسلم کو موت نہیں چھو سکتی"

اشارا اور طرزِ بیان کے اعتبار سے بھی یہ خط ادبِ عالیہ میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ کچھ اسی قسم کے خیالات اقبال نے مثنوی "رموزِ بیخودی" میں "ملتِ محمدیہ" کے بارے میں ظاہر کیے ہیں۔

زانکہ ما را فطرتِ ابراہیمی است   ہم بہ مولیٰ نسبتِ ابراہیمی است ←

شاید نضیر نام ایک شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے حضور علیہ السلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور شہر میں داخل ہوئے تو ایک مجمع عام میں آپ نے علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ ذوالفقار حیدری نے ایک آن میں اس کم بخت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے زیادہ حیا تھی، جس کا قلب تاثراتِ لطیفہ کا سرچشمہ تھا، جو اہل عالم کے لیے سراپا رحمت و شفقت تھی اس دردانگیز منظر سے مطلق متاثر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جدائی میں درد انگیز اشعار پڑھتی ہوئی (یہ اشعار حماسہ میں منقول ہیں) دربار نبوی میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشعار سنے تو حضور اس قدر متاثر ہوئے کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے یہاں تک کہ جوش ہمدردی نے اُس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے سے بھی ایک آہ سرد نکلوا کے چھوڑی، پھر نضیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ فعل محمد الرسول اللہ کا ہے" اور ابھی روتی ہوئی آنکھ پر انگلی رکھ کے کہا "یہ فعل محمد بن عبداللہ کا ہے"۔ پھر حکم دیا کہ نضیر کے بعد کوئی شخص مکہ میں قتل نہ کیا جائے گا غرض کہ اس طرح مسلم حنیف جذبات متناقض یعنی قہر و محبت کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے اور اس کا دائرۂ اثر اخلاقی تناقصات تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام طبعی تناقصات پر

- (ترجمہ) چونکہ ہماری فطرت ابراہیمی ہے اور مولا سے ہماری نسبت بھی ابراہیمی ہے۔

از رہِ آتش برانداریم گُل | نارِ ہر نمرود را سازیم گُل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار | چوں بہ باغِ ما رسد گردد بہار

(اسرار و رموز صفحہ ۱۳۸) [محمد عبداللہ قریشی]

(ترجمہ) ہم آگ سے پھول نکال لیتے ہیں اور ہر نمرود کے آتش کدہ کو گلزار بنا دیتے ہیں انقلاب روزگار کے شعلے جب ہمارے باغ تک آتے ہیں تو بہار بن جاتے ہیں

بھی حاوی ہے۔ پھر "مسلم" جو حامل ہے محمدیت کا اور وارث ہے موسویت اور ابراہیمیت کا کیونکر کسی "شے" میں جذب ہو سکتا ہے؟ البتہ اس زمان و مکان کی مقید دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مسلم کو جذب کر سکتا ہے اور اس کی قوتِ جاذبہ بھی ذاتی اور فطری نہیں بلکہ مستعار ہے ایک کفِ پا سے جس نے اس ریگستان کے چمکتے ہوئے ذروں کو کبھی پامال کیا تھا۔

شیخ محمد اقبال صاحب[1] آپ کا دستی خط لائے تھے۔ جو کسی مسلم کا عزیز ہے وہ میرا عزیز ہے۔ وہ جب چاہیں تشریف لائیں میرا دروازہ کسی پر بند نہیں اور اگر میں کچھ چاہتا ہوں تو وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اس کے معاوضہ میں نہ اطاعت چاہتا ہوں، نہ محبت، نہ عزت نہ روپیہ اشعار کی داد نہ دوں گا جب تک آپ لاہور میں تشریف نہ لائیں۔ ابھی نیاز الدین خاں صاحب کا خط ملا ہے وہ بھی لکھتے ہیں کہ گرامی صاحب لاہور آنے کا وعدہ کرتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ کسی کو اعتبار نہیں آتا۔ بخار لاہور میں ہر سال ہوتا ہے۔ اب کے سال نسبتاً کم ہے زیادہ کیا عرض کروں۔

خدا کا فضل ہے امید کہ آپ مزاج بخیر ہوگا الحمدللہ کہ آپ کو صحت ہوگئی ابھی آپ کی بڑی ضرورت ہے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] یہ شیخ محمد اقبال صاحب ڈی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی گرامی کے ملنے والے تھے ہوشیار پور میں رہتے تھے، اپنے کسی کام کے سلسلے میں لاہور آکر اقبال سے ملے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں بعارضۂ قلب لائلپور ریلوے اسٹیشن پر انتقال کیا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

لاہور ۱۳ اکتوبر ۳۶ء

جناب مولوی محمد ارشد صاحب علیہ السلام

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کے دونوں نوازش نامے مل گئے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں میں بخار میں مبتلا تھا اس لیے جواب نہ لکھ سکا، اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی "ابطالِ ضرورت" میرے پاس لاہور میں موجود نہ تھی، اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے دیکھ کر جواب عرض کروں گا اور باقی اسناد بھی لکھوں گا۔

"سیر" فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے۔ سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن، بلکہ سیر دیدن بھی۔

عمرہا صائب بشہرِ عقل بودم کوچہ بند   مدتے ہم با غزالاں سیرِ صحرا می زنم[1]

مخلص کاشی

تماشا دارد اے مہ با تو سیرِ گلستان کردن   کہ از شرمِ رخت ہر گل بچندیں رنگ خواہد شد[2]

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لیے بھی آتا ہے اس وقت نعرۂ اسپ کی سند موجود ہے، اور مجھے یاد ہے شیر کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ ان شاء اللہ عرض کروں گا مگر میں نے اور وجوہ سے اس شعر میں ترمیم کر دی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غریدن بہت بہتر ہے۔

---

[1] اے صائب ایک عمر میں شہرِ عقل کے کوچوں میں بند رہا، اور اب مدت سے غزالوں کے ساتھ صحرا کی سیر کر رہا ہوں۔

[2] اے ماہ (محبوب) تیرے ساتھ گلستاں کی سیر کرنا بھی ایک لطف رکھتا ہے کہ تیرے چہرے سے شرما کر ہر پھول رنگ بدلنے لگتا ہے۔

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں اور دشت کے لیے ضرور نہیں کہ بالکل خشک ہو۔

میرس از آب ورنگِ کوہسارش
ہزاراں دستِ لالہ داغدارش

(یحیٰی شیرازی)

دست در معنی آبادی و ویرانہ آیا ہے اور معنی کلیّت کے پیدا کرتا ہے مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ میں نے ہر دو اشعار زیرِ بحث میں ترمیم کر دی ہے دست و در اسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت، بست و بلند ُسے تقطیع میں نہیں گرتی۔ آپ نے مصرع صحیح نہیں لکھا "نعرہ زد شیرے در داماں دشت" نہیں بلکہ "نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت" ہے باقی باتیں اِن شاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی[۱] اس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[۱] اس کے کوہسار کا آب و رنگ نہ پوچھ، ہزاروں لالۂ صحرا اس سے داغ بر دل ہیں۔

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۲۸ ر اکتوبر ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

نوازش نامہ دو تین روز ہوئے موصول ہُوا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لاہور میں وبائے انفلوئنزا کی بہت شدّت ہے۔ یہاں تک کہ گورکن میسّر نہیں آتے دوا سے بھی اس مرض کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ دوسرا دوا موجود نہیں اور ڈاکٹر خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ پنجاب میں اس وقت اس کا حملہ نہایت شدید ہے لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہیں اور ابھی کمی کے کوئی آثار نہیں امرت سر میں بھی یہی کیفیت ہے۔ امید کہ الہ آباد میں خیریت ہوگی۔ مسلمانوں پر خصوصیت سے زیادہ نظرِ عنایت ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔

زمانے میں[1] ریویو دیکھا تھا۔ جس اچھا ریویو تھا مگر آپ کی شاعری پر ریویو لکھنے کا حق آج تک کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکا۔ زمانے نے جو اشعار انتخاب کیے وہ دو چار روز ہوئے بار بار مزے لے لے کر پڑھے گئے۔ وقت کی مصلحت نہیں۔ ورنہ آپ کے اشعار پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا اور زندگی رہی تو ان شاء اللہ کچھ ضرور لکھوں گا۔

مطلع آپ کا لاجواب ہے
کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

سبحان اللہ والیہ المصیر[2]

---

[1] رسالۂ زمانہ، کانپور

[2] اللہ پاک ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

معارف میں کسی ہندو شاعر کا شعر نظر سے گزرا

بسکہ از شرمِ تو در پرواز رنگ گلشن است[۱]
رشتۂ نظارہ بندد در ہوا گلدستہ را

اور کچھ عرصہ ہوا اخبار الخلیل میں کسی نے ایک نہایت عمدہ شعر لکھا تھا

شب چو اندازِ ہم آغوشیِ اُو یاد کنم[۲]
خویش را تنگ بہ بر گیرم و فریاد کنم

للّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ[۳]

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خان کے نام

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ آپ کے ہاں تا حال خیریت ہے۔ یہاں بھی خدا کے فضل و کرم سے اس وقت تک خیریت ہے۔ لاہور میں وبا[۴] کی شدت

---

[۱] بسکہ تیری شرم سے گلشن کا رنگ اڑ رہا ہے تارِ نظر سے ہوا میں گلدستے بندھ رہے ہیں۔

[۲] رات کو جب اس کی ہم آغوشی کی ادا یاد آتی ہے تو میں خود اپنے آپ کو بھینچ کر فریاد کرنے لگتا ہوں؛

[۳] خدا کہنے والے نے خوب ہی کہا ہے۔

[۴] ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی تھی اور مرگ انبوہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ [از مرتب]

بہت ہے یہاں تک کہ گورکن بھی میسر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ سب جگہ اپنا فضل کرے اس بیماری کے جراثیم تمام دنیا کی فضا میں پائے جاتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اطبا اس کی تشخیص سے عاری ہیں۔ دوائی سے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا کہ دوائی میسر نہیں ہوتی۔ دارچینی کا استعمال کہتے ہیں مفید ہے۔ قہوہ دو چار دفعہ دن میں پینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمائے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء

(مکاتیبِ اقبال بنام خاں محمد نیاز الدین خاں)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۳ر اکتوبر ۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم۔ اسناد حسبِ وعدہ حاضر ہیں،

(۱) از گلِ غربت زمان گم کردہٗ۔ (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرعہ پر یہ تھا کہ "از گل" بمعنی بدولت اچھے معنوں میں آتا ہے، برے معنوں میں نہیں آتا۔ بہارِ عجم میں زیر لفظ "گل" یہ محاورہ بھی دیا ہے اور اشعار بھی دیے ہیں

زیر دستِ چرخ بودن از گل بے فطرتاست الخ

۲۔ محفلے رنگین بیک ساغر کند (رموز)

؎ آسمان کا زیر دست (محتاج) ہونا بے فطرتی کا ثمرہ ہے کہ ایک ساغر سے محفل کو رنگین کر دیتا ہے۔

بہ ہفتاد و دو ملت گردشِ چشمِ تو می سازد [1]
بیک پیمانہ رنگین کردہ ٔیک شہر محفلہا (ناصر علی)

(۳) "سرمۂ او دیدۂ مردم شکست" (رموز)

چشم و گوش شکستن، یعنی نابینا و کر شدن (بہارِ عجم)
ترسم ز گریہ چشمِ گہر بار بشکند الخ (صائب)

(۴) عشق را داغے مثالِ لالہ بس   در گریبانش گلِ یک نالہ بس
(رموز)

گلِ نالہ پر آپ کا ارشاد تھا۔

چنگے ستار نغمہ ، قانونِ شیر زن   گلبرگِ نالۂ بگریبانِ دل فتاں [2]
(زلالی) [3]

(۵) ز آسماں آنگون ہم می چکد   من ز جوِ باریک تر می سازمش الخ
(رموز)

لفظ "باریک" پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہیں باریک بمعنی کم درعرض و عمق بھی آتا ہے

نازک تر است از رگِ جاں گفتگوئے من   باریک شد محیط چو آمد بجوئے من [4]
(صائب)

---

[1] تیری آنکھوں کی گردش ۷۲ فرقوں سے موافقت رکھتی ہے۔
تو نے ایک ہی پیمانے سے ساری محفل کو رنگیں کر دیا ہے۔ (ناصر علی سرہندی)

[2] عشق کو لالہ کی طرح ایک ہی داغ کافی ہے اس کے گریباں میں ایک ہی نالہ کا گلستان کافی ہے

[3] پہلے آسمان سے سمندر برستا ہے اور میں اسے آبِ جو سے زیادہ باریک کر دیتا ہوں

[4] میری گفتگو رگِ جاں سے بھی زیادہ نازک ہے، سمندر بھی میری آنکھوں میں آکر باریک ہو جاتا ہے۔ (صائب)

از تواضع می توان مغلوب کردن خصم را[1]
می شود باریک چوں سیلاب از پل بگزرد

(۶) کور ذوقاں داستانہا ساختند الخ (رموز)

"کور ذوق" کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے۔

چہ غم زین عروسِ سخن را بتر کہ بر کور ذوقاں شود جلوہ گر[2]
(ظہوری)

کور ذوقاں ز فیضِ تربیتت چوں مسیحا مزاجداں سخن[3]
(ملا طغرا)

(۷) نوا بالیدن۔ تا نوا سے یک اذان بالیدہ است (رموز)

تا چند سال لعس اندود نوایم (بیدل)

(۸) بحرِ تلخ رو۔ بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت (رموز)

تلخ رو بحر کی صفات میں آتا ہے (بہارِ عجم)

(۹) نعرہ زد شیرے از داماں دشت (رموز)

منجملہ اور ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لیے ٹھیک نہیں، بہارِ عجم میں ایک شعر دیا ہے جس میں نعرہ اسب لکھا ہے۔

با ثمر ماند چو پے بر نہاد و نعرہ کشاد[4] (معز فطرت)

---

[1] تواضع سے دشمن کو مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ سیلاب بھی پل کے نیچے سے گزرتے ہوئے باریک ہو جاتا ہے۔

[2] عروس سخن کے لیے اس سے زیادہ بھاری اور کیا غم ہو سکتا ہے کہ اسے کور ذوق لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہونا پڑے۔ (ظہوری)

[3] کور ذوق تیرے فیض تربیت سے مسیحا کی طرح سخن کے مزاج داں ہو گئے ہیں (ملا طغرا)

[4] وہ گھوڑا بادل جیسا لگتا تھا جب اس نے قدم اٹھائے اور نعرہ لگایا (ہنہنایا)

۱۔ سازِ برق آہنگ او نواختہ (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ سازِ برق صحیح نہیں لیکن مصرع میں ساز کی صفت برق آہنگ ہے اور برق آہنگ ساز کی صفت آتی ہے (دبہارِ عجم زیر لفظ ساز)

۱۱ ہم جو صبح آفتاب اندر قفس (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لیے آفتاب کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ترکیب مرا ابدل کی ہے میں نے اس کے بے محل استعمال نا پیدا کیا ہے۔ یعنی کعبۃ اللہ کے گرد اگرد جب ملت بیضا نماز پڑھتی ہے یا طواف کرتی ہے تو یہ نظارہ صبح آفتاب در قفس سے مشابہ ہے۔

ملتِ بیضا بہ طوفش ہم نفس ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس

(۱۲) اے بصیری را ردا بخشیدۂ (رموز)

بُصیریؒ کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے بصیریؒ کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادرِ مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے اس نے جذام سے نجات پائی بعض لوگوں میں قصیدۂ بصیری قصیدہ بُردہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۳) من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب گُل ز خاکِ راہ اُو چیدم بخواب

دوسرے مصرع پر آپ کا ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہیئے۔ اور گُل زخاکِ راہ او چیدم کیا مطلب؟ یہ واقعہ خواب کا ہے جو خواب میں دیکھا گیا بقیہ اسی طرح نظم کر دیا گیا۔

(۱۴) بار بانت کلمۂ توحید خواند، لفظ کلمہ کے متعلق پھر لکھوں گا افسوس ہے کہ "اطالِ ضرورت" دستیاب نہیں ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے۔ بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے بتحریک و بسکون دونوں طرح استعمال کیا ہے انھوں نے کمی کر دی ہے۔ مثلاً ربِ ارنی، رمضان، حرکتِ متوازی و قران وغیرہ، اس کا بسکون "ل" استعمال ہونا یقینی ہے۔ اسناد ان شاء اللہ عرض کروں گا جواہر الترکیب میں چار دفعہ بسکونِ لام آیا ہے۔

(۱۵) فرد و قوم آئینہ یک دیگر اند ہم خیال و ہم نشین و ہمسر اند[۱]

(رموز)

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا
یاد ایّا میکہ باہم آشنا بودیم ما ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما[۲]
لیکن میں نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے

(۱۶) بائے بسم اللہ (حضرت علیؓ کے لیے) واآنی نے لکھا ہے اور میم مروت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں لکھا ہے میں نے "میم مرگ" لکھا تھا۔

(۱۷) قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے قاعدہ یہی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہیں، مولانا روم ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ ظہوری کے دو شعر جو زیرِ نظر تھے عرض کرتا ہوں۔

گُل شو قمر از آب و گل بر دمد بر قامی از سبزۂ دل جہد
جو از چشم جادو بجادو رود با عجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے کوئی اور ایڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی ورنہ مقابلہ کرتا، بہر حال قاعدہ کی خلاف ورزی کیے بغیر اگر شعر لکھا جا سکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ ان قوافی پر نظر ثانی کروں گا۔

(۱۸) ورنہ دورہ خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر کبھی کچھ عرض کروں گا۔

(۱۹) شاہ رمز آگاہ شد محوِ نماز خیمہ بر زد از حقیقت در مجاز[۳]

۱؎ فرد و قوم ایک دوسرے کا آئینہ ہیں، ہم خیال ہم نشیں اور ہم سر۔
۲؎ ہائے وہ دن جب ہم آشنا تھے، ہم خیال و ہم نوا تھے۔
۳؎ وہ مکہ شناس شاہ نماز میں محو ہوا اور حقیقت سے مجاز میں خیمہ لگایا
دامانِ دشت میں ایک شیر نے ایسا نعرہ مارا کہ دشت و در اُس کی ہیبت سے لرز اٹھے۔

نعرۂ زد شیرے ازداماں دشت　　　　دشت و دراز ہیبتش لرزندہ گشت

اِن اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے اس سے مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے۔ لیکن فی الحال ان پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی۔ دو چار روز تک اپنی تحقیق کا نتیجہ عرض کروں گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ ان اسناد کو ملاحظہ فرمایئے اور بتایئے کہ کون سی صحیح اور کون سی غلط ہے۔
والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس)　　　　(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی کئی روز ہوئے ایک خط لکھا تھا معلوم نہیں آپ تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ وہ خط آپ کے دستی خط کے جواب میں تھا۔ آج آپ کا خط ملا الحمدللہ کہ آپ بخیریت ہیں یہاں بھی تادم حال خدا کا فضل ہے اور ہم سب بخیریت ہیں۔ لاہور میں اب بیماری کمی پر ہے اللہ تعالیٰ جلد اس بلائے بے درماں کو دفع کرے اور اپنی عاجز مخلوق پر رحم فرمائے۔

باقی خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی سال خوردہ ہے یعنی سالوں اور برسوں کو کھا جاتا ہے پھر بوڑھا کیوں کر ہو سکتا ہے بوڑھا تو وہ ہے جس کو سال اور برس کھا جائیں والسّلام

مخلص محمدؐ اقبال لاہور ۴۔ نومبر ۱۸ء

(عکس)　　　　(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۲ر نومبر ۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

کبوتروں کے دو جوڑے مل گئے اور آج آپ کا والا نامہ بھی مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ان شاء اللہ ان کو حفاظت سے رکھا جائے گا اور اگر کبھی اپنے سے جدا کرنے کی ضرورت ہوئی تو آپ کی خدمت میں انھیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ اس عطیے کے لیے آپ کا شکریہ ہے اور مزید شکریہ اس وقت ادا کروں گا جب ان کے جوہر مجھ پر آشکار ہو جائیں گے۔

گرامی صاحب بیماری کے خوف سے سنا ہے خانہ نشین ہیں ان کی جگہ ان کا خط آیا تھا ان کے خود آنے کی یہاں کسی کو توقع نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں خدا کا فضل و کرم ہے لاہور میں اب بیماری کا زور نہیں رہا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مرض دور ہو گیا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خاں محمد نیاز الدین خاں)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۰ر نومبر ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کئی روز ہو گئے ایک عریضہ خدمتِ عالی میں لکھا تھا جواب سے ہنوز محروم ہوں۔ ”غیمہ برزد از حقیقت در مجاز“ کے متعلق آپ نے

ارشاد فرمایا تھا کہ "از" میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ خیمہ بزدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے جیساکہ میں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا آج کلیاتِ سعدی میں وہ سند مل گئی جو ارسالِ خدمت ہے۔

صُوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار [1]

بصیریؒ کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے گزشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا، مولوی ذو الفقار علیؒ [2] دیوبندی نے شرح قصیدۂ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا مطلع فرمایئے کہ جو اسناد میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں اُن کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

الفاظ "ورثہ" اور "خیال" کے متعلق پھر عرض کروں گا۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۷ نومبر ۱۸ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ مع غزل ملا۔ سبحان اللہ کیسی دلآویز غزل ہے ایک ایک شعر پر دل

---

[1] صوفی سے کہو کہ خانقاہ سے نکلے اور باغ میں خیمہ لگائے
یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ گھر میں بیکار بیٹھا جائے (سعدی)

[2] مولوی ذوالفقار علی بریلوی ثم دیوبندی شارح دیوان المتنبی، و دیوان الحماسہ وغیرہ عربی ادبیات کے عالم اور رسالہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا کے والد بزرگوار۔

تڑپتا ہے کس کس کی داد دوں۔ اگر آپ اس طرح کلام ارسال فرماتے رہیں تو میں تھوڑے عرصے میں آپ کا مجموعہ تیار کرکے دنیا کے سامنے اس بیش بہا خزانے کو پیش کردوں گا۔ افسوس ہے آپ نے اب تک اس طرف توجہ نہ کی۔ جو کچھ یاد آتا ہے لکھتے جایئے اور مجھے بھیجتے جایئے۔ اس زمانہ انحطاط میں کسی مسلمان کا ایسا کلام ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی کی قوتیں ابھی باقی ہیں

آپ ہمیشہ لکھتے ہیں کہ آتا ہوں مگر آ ابھی چکیے۔ اب لاہور میں بیماری نہیں ہے۔ نواب ذو الفقار علی خاں جو بیماری کے خوف سے اب تک شملے میں تھے وہ بھی لاہور پہنچ گئے اور آپ تو اللہ والے ہیں آپ کو کیا خوف ہو سکتا ہے۔

وَلاخوفٌ علیھم ولاھُم یحزنُون[1]

علیمہؒ کی روایت آپ نے خوب لکھی اور شعر نے تو مجھ پر ایسا اثر کیا کہ قریباً بے ہوش ہو گیا کئی دن سے طبیعت پر قبض تھی۔ اس شعر نے ایسی کشایش کی دل کا بخار سیال بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل گیا الحمدللہ علی ذلک آپ اس کشایش کے محرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور کلام کی تاثیر میں اور اضافہ کرے کل ایک استا کا شعر سرخوش کے تذکرہ میں نظر آیا۔

"کشیدہ ام زجنوں ساغرے کہ ہوش نماند[2]
دگر معاملہ با پیرِ مے فروش نماند"

گزشتہ رات سینکڑوں دفعہ یہ شعر پڑھا اس امید میں کہ اس کی تاثیر سے دل کی قبض رفع ہو مگر کشایش نہ ہوئی۔ مگر "بلکہ عالم یا وہ گردد اندر رو" نے تیر بہدف کا کام کیا۔ للّٰہ درّمَن قال[3]

---

[1] نہ انھیں خوف ہے نہ وہ غم زدہ ہوتے ہیں (قرآن)

[2] اس شعر کا ترجمہ ۹ ستمبر ۱۹۱۵ء کے خط کے حواشی میں دیا جا چکا ہے۔

[3] بخدا کہنے والے نے خوب کہا ہے۔

مندرجہ بالا شعر بھی خوب ہے۔ اس پر چند اشعار لکھے۔
چند اشعار "دنیائے عمل"[1] پر لکھے تھے جو عرض کرتا ہوں۔

---

[1] "دنیائے عمل" کے زیر عنوان جو اشعار اقبال نے اس خط میں لکھے، وہ پیام مشرق کے صفحات ۱۴۴۔۱۴۵ پر "جہان عمل" کے عنوان سے شائع ہوئے۔ اقبال نے دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "حرف رازے کہ برون از حد صوت است ہنوز" لکھا تھا گرامی نے "حرف آن راز کہ بیگانہ ز صوت است ہنوز" کی شکل دیدی۔ گرامی اقبال کو لکھتے ہیں

"ڈاکٹر صاحب تسلیم

ہست این میکدہ و دعوت عام است این جا
قسمت بادہ باندازۂ جام است این جا

(ترجمہ) یہ میکدہ ہے یہاں دعوتِ عام ہے، شراب کی تقسیم ظرف کے مطابق ہوتی ہے۔
سبحان اللہ! کیا شعر ہے۔ مصرع ثانی جواب نہیں رکھتا یا پاسانی نہیں رکھتا دعوتِ عام دلیل اثبات۔

حرف آں راز کہ بیگانہ ز صوت است ہنوز
از لب جام چکیدست و کلام است این جا

(ترجمہ) وہ حرفِ راز جو ابھی آواز سے آشنا نہیں ہوا (بیاں میں نہیں آیا) یہاں لب جام سے ٹپکا ہے اور کلام بن گیا ہے۔
واہ واہ! راز کو حرف اور صوت کا لباس پہنا دو تو وہ کلام ہو جاتا ہے اور کلام کی تعریف بھی یہ ہے کہ وہ حرف اور صوت سے مرکب ہو!

دوش در بت کدہ مستانہ در آمد اقبال
گردش چشم بتاں گردش جام است این جا

(ترجمہ) کل اقبال بتکدہ میں مستانہ وار آیا یہاں چشم بتاں کی گردش بھی گردش جام ہوتی ہے۔ ←

ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است ایں جا
قسمتِ بادہ باندازۂ جام است ایں جا

حرف رازے کہ بروں از حدِ صوت است ہنوز
از لبِ جام چکیدا ست و کلام است ایں جا[1]

---

[1] پیامِ مشرق: حرف آن راز کہ بیگانہ صوت است ہنوز۔
ان اشعار کا ترجمہ بھی پہلے آچکا ہے یا بعد میں کہیں لکھا ہے۔

← اقبال کی غزل عرفی کی غزل کا جواب ہے، بلکہ بڑھ کر۔
ایک غزل اور خدمت میں بھیجتا ہوں ۔ امانت گرامی ہے اور راہی اقبال۔ حضرت اقبال اللہ والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ میں تو ایک سخت گنہگار ہوں۔ قال کی گرداب میں پھنسا ہوا ہوں جو کہتا ہوں وہ نہیں کرتا۔

حضرت نصیرالدین چراغ دہلوئیؒ کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے۔ وہ زمانہ نہیں، وہ زمین نہیں، وہ آسمان نہیں، وہ پیرو مرشد نہیں، حضرت امیر خسرو نہیں اس زمانہ میں گرامی تصوف کے رنگ میں کیا لکھ سکتا ہے۔ ان حضرات کی تاثیر کا عشر عشیر بھی گرامی کو مل جائے تو گرامی کا کلام گرامی قدر ہو جائے۔ غور سے اس غزل کو دیکھیں اور مجھے لکھیں۔

حضرت چراغ دہلویؒ

اے زاہدِ ظاہر بین از قُرب چہ می پرسی
او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر
در سینہ نصیرالدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بین دریا بہ حباب اندر

(ترجمہ) اے ظاہر پرست زاہد قرب کا حال کیا پوچھتا ہے، میں اُس میں سمایا ہوں وہ مجھ میں، جیسے گلاب میں خوشبو۔ اے نصیرالدین سینہ میں دوست کے سوا کوئی چیز نہیں سماتی یہ طرفہ تماشا دیکھ کر دریا بلبلہ میں بند ہو گیا ہے۔
←

نشہ از حال بگیرند و گزشتند ز قال[1]
نکتۂ فلسفہ دُردِ تہِ جام است این جا

ما درین رہ نفسِ دہر بر انداختہ ایم
آفتابِ سحر او لبِ بام است این جا

---

[1] (۱) وہ حال (کیفیت) سے نشہ لیتے ہیں اور قال (گفتگو) کی منزل سے گزر گئے ہیں۔
فلسفے کی نکتہ سنجیاں اس مقام پر دُردِ تہِ جام (تلچھٹ) کی حیثیت رکھتی ہیں۔
[2] ہم نے اس راہ میں زمانے (وقت۔ زمان) کا سانس بھی اکھاڑ دیا ہے۔
اس کا آفتاب صبح یہاں لبِ بام نظر آتا ہے۔ [مؤلف]

— ہمارے ایک حاذق دوست کا اصرار تھا کہ "دربار رجاب اندر" مزدور لانا اور یہی رنگ ہو۔
اپنی پوری غزل بھیجتا ہوں۔ امانت رکھیے۔ والسلام
راقم گرامی

محلات کی خدمت اقدس میں اللہ والے کا سلام کہہ دیجیے۔
مگر اقبال نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۸ء کے خط میں پھر لکھا کہ "بیگانۂ صوت است ہنوز"
خوب ہے مگر افسوس کہ "بیچارہ صوت" زار کی صفت میں واقع ہوا ہے "حرف" کی صفت
میں واقع ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اپنا مصرع ابھی تک کھٹکتا ہے طبیعت حاضر ہو تو پھر غور
کروں گا۔

لیکن پیامِ مشرق میں یہ مصرع اب بھی اسی طرح نظر آتا ہے۔

حرف آں راز کہ بیگانۂ صوت است ہنوز

البتہ اس نظم کے آخر میں اس شعر کا اضافہ ہو گیا ہے:

ما کہ اندر طلب از خانہ بروں تاختہ ایم
علم را جان بدمیدیم و عمل ساختہ ایم (محمد عبداللہ قریشی)

(ترجمہ) ہم جو اس کی طلب میں گھر سے نکلے ہیں، ہم نے علم میں جان ڈال کر اسے عمل بنا دیا ہے۔

اے کہ تو پاس غلط کردۂ خود میداریؒ
آنچہ پیشِ تو سکون است خرام است ایں جا

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

اکبر الہ آبادی کے نام

لاہور
۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا اور اس سے بیشتر بھی ایک خط ملا تھا۔ جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی جس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ آج کل معمول سے زیادہ مصروفیت ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر فلسفہ ڈاکٹر ہیگ چیچک کی بیماری سے دفعتہً انتقال کر گئے اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے اصرار پر دو ماہ کے لیے کالج کے ایم اے کی جماعت مجھ کو لینی پڑی۔ امید ہے دو ماہ تک نیا پروفیسر مل جائے گا۔ یہ لڑکے شام کو ہر روز میرے مکان پر آ جاتے ہیں دن میں جو تھوڑی بہت فرصت ملتی ہے اُس میں اُن کے لیکچر کے لیے کتب دیکھتا ہوں۔ لیکچر کیا ہیں، انسان کی ذہنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے، جسے عرفِ عام میں تاریخِ فلسفہ کہتے ہیں ابھی کل شام ہی میں اُن کو آپ کا یہ شعر سُنا رہا تھا۔

میں طاقتِ ذہن غیر محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی
کہ ہوش مجھ کو ملا ہے تِل کر نظر بھی مجھ کو ملی ہے ہیَنک

۱؎ اے وہ کہ تم اپنی غلطی کی پچ کر رہے ہو
جس کو تم سکون کہتے ہو وہی یہاں حرکت (خرام) ہے۔

سبحان اللہ! کیا خوب کہا ہے۔ جزاک اللہ!

بہر حال ان لیکچروں کے بہانے سے اِن لڑکوں کے کان میں کوئی نہ کوئی مذہبی نکتہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

میں آپ کا مقصود خوب سمجھتا ہوں۔ سیدھے سادے الفاظ میں حقائق بیان کر دینا آپ کا خاص حصّہ ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آپ کی رباعی

اور شکریہ ہے کہ موت آجاتی ہے

بہت عرصہ سے میں نے نوٹ کر رکھی ہے۔

بہت عرصہ سے کوئی شعر نہیں لکھا۔ مثنوی کا تیسرا حصّہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں جو دو یا تین ماہ ہوئے لکھے تھے۔ عرض کرتا ہوں:

درجہاں مانندِ جوئے کوہسار
ازنشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیلِ بے زنہار خیز
فارغ از پست و بلندِ راہ شو[1]

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ بال بچے سب یہیں ہیں اور الحمدللہ خیریت سے ہیں۔ آج ۲۸ر نومبر ہے۔ فتح کی خوشی میں بہت بڑا جلسہ ہونے والا ہے۔ شاید شام کو میں بھی اس جلسے میں جاؤں۔ والسّلام

---

[1] (ترجمہ) دنیا میں جوئے کہسار کے مانند اونچ نیچ سے آگاہ ہو یا سیلاب کی طرح بے تحاشا اٹھو اور پست و بلند کی پروا نہ کرو۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲ر دسمبر ۱۸ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے غزل کیا ہے دفترِ معرفت ہے۔ یہ غزل[1] کئی دفعہ آپ سے سن کر مزے لے چکا ہوں۔ آج قندِ مکرّر کا مزہ دے گئی ابھی اس کے دو شعر مولانا اکبر کو لکھے ہیں کہ تنہا خوری نہ ہو ۔ مرگ است بخواب اندر سبحان اللہ!

---

[1] گرامی کی جس غزل کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے، اس کا مطلع اور "بخواب اندر" والا شعر یوں ہیں:

منہا نم و پیدا یم کیفم بشراب اندر
بیدایم و پنہا نم داغم بکباب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم وی رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگ است بخواب اندر

(دیوان گرامی، صفحہ ۶۶)

(ترجمہ) میں ظاہر بھی ہوں اور پوشیدہ بھی جیسے شراب میں نشہ یا کباب میں داغ
یہ ایک حکیمانہ نکتہ ہے جسے پڑھ پڑھ کر جھوم رہا ہوں موت میں خواب ہے اور خواب میں موت ہے۔

فلسفۂ حال کے بعض حقائق اس اشعار میں ایسی خوبی سے نظم ہوئے ہیں کہ اگر ان حقائق کے مغربی معلم سنیں تو پھڑک جائیں۔ یہ فیضانِ فطرت ہے۔ اُدھر کسب وآورد۔ بیگانۂ صوت است ہنوز خوب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ "بیگانۂ صوت" راز کی صفت میں واقع ہوا ہے۔ "حرف" کی صفت میں واقع ہونا چاہیئے تھا۔ مجھے اپنا مصرع ابھی تک کھٹکتا ہے طبیعت حاضر ہو تو پھر غور کروں گا۔ اس جگرکادی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے۔ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔ والسّلام

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی) (عکس)

مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲ر دسمبر ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینانِ قلب عطا فرمائے۔ آپ کا یہ فقرہ کہ "میرے ساتھ خدا کا معاملہ عجیب ہے" گویا تمام ملتِ مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے۔ جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے اس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلا کے سوا اور کوئی

ذریعہ نہیں ایک انگریزی مصنّف جسے ابتلا کے دُور رس نتائج کا تجربہ ہو چکا تھا لکھتا ہے کہ "دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمتِ عظیم ہے، تاکہ انسان زندگی کے

ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے" آپ امّتِ محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں اور اس ماثور منَ اللہ قوم کے خاص افراد کو ہی امرالٰہی ودیعت کیا گیا ہے۔ فرقہ، یا سیہ کو چھوڑ کر فرقہ، رجائیہ میں آ جائیے، جس حقیقت کو آپ زیرِ پردہ دیکھ چکے ہیں اُس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے۔ ان شاء اللہ:

"زمانہ باز بیفروخت آتشِ نمرود
کہ بے نقاب شود جوہر مسلمانی" [۱]

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے یقین جانیے کہ آپ کے الفاظ نے میرے دل پر سوز و گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

ہاں ترجمہ کی داد دیتا ہوں لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے۔ البتہ فلسفیانہ اغراض کے لیے شاید اور الفاظ وضع کیے جائیں تو بہتر ہوگا۔

پنجاب میں بھی بیماری [۲] نے غضب ڈھایا لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گورکن بھی نہ مل سکتے تھے۔ اَستَغفِرُاللہَ رَبّی مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّاَتُوبُ اِلَیہِ [۳]۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا

آپ کا مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

---

[۱] زمانے نے ایک بار پھر آتشِ نمرود بھڑکائی ہے تاکہ مسلمان کا جوہر بے نقاب ہو جائے۔

[۲] گذشتہ بڑی جنگ کے بعد انفلوئنزا کی سخت مہلک وبا نمودار ہوئی تھی۔

[۳] (ترجمہ) میں اللہ سے ہر گناہ کی بخشش چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

شیخ نور محمد کے نام[1]

لاہور ۱۲ دسمبر ۱۸ء

قبلہ و کعبہ ام   السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا الحمدللہ کہ خیریت ہے کل ایک کارڈ لکھ چکا ہوں امید کہ ملاحظۂ عالی سے گذرا ہو گا۔

مجھے تو دہلی سے کبھی کوئی خط نہیں آیا اور نہ کسی پروفیسر نے مجھے اس کی بابت لکھا ہے۔ نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کم بخت دہلی سے مالیر کوٹلہ گیا یا نہ گیا۔ میں نے سنا تھا کہ حافظ صاحب[2] ملازمت چھوڑ کر گجرات چلے گئے ہیں اور اب گجرات میں ہیں مگر یقینا یہ خبر بھی معلوم نہیں میرے خیال میں آپ اسے خط لکھیں اور تسلی دیدیں کہ بیماری سے گھبرانا نہ چاہیے اور نہ موت سے ڈرنا چاہیے اور شاید یہ اس کیلئے بہتر ہو کہ اپنے علاج کے لیے چند روز کے لیے گجرات چلا جائے۔ اچھا ہو جائے تو پھر کالج میں چلا جائے۔ باقی رہا قصور اس کا یا اس کی والدہ کا سو میرے نزدیک کسی کا نہیں۔ امر الٰہی ہر طرح ہو جاتا ہے قطع تعلق جو میں نے ان لوگوں سے کیا ہے اس کا مقصد سزا نہیں ہے اور نہ میں ان سے کوئی انتقام لینا چاہتا ہوں۔ جتنا میرا حصہ موجودہ صورت کے پیدا کرنے میں ہے اس کا مطلب صرف

---

[1] "مظلوم اقبال" از اعجاز احمد (ص ۲۴۵ - ۲۴۴) میں شامل متن سے خط کے کئی حصے حذف کئے گئے ہیں۔ ہم یہاں خط کا پورا متن پیش کر رہے ہیں۔

[2] "مظلوم اقبال" میں اعجاز احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۸ء کے آخر میں آفتاب اقبال جو سینٹ سٹیفنز کالج ST STEPHEN S COLLEGE دہلی میں زیر تعلیم تھے کچھ بیمار ہو گئے۔ علامہ کو جب یہ اطلاع اپنے قبلہ والد صاحب سے ملی تو جواب میں انھوں نے یہ خط لکھا۔

[3] یہ آفتاب کے ماموں ڈاکٹر حافظ عطا محمد تھے جو سرکاری ملازمت سے پنشن پانے کے بعد ←

اس قدر ہے کہ عقلمند آدمی ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈنک نہیں کھاتا۔ ہر انسان کو حق ہے کہ وہ اپنی عزت و آبرو بچانے اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے مناسب تدبیر اختیار کرے خواہ اس تدبیر کے اختیار کرنے میں کسی اور کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

اس کم بخت کو دوسرا موقع اپنی اصلاح کا مل گیا تھا بھائی صاحب نے اس کا قصور معاف کر دیا اور اسی پہلے برتاؤ کا اس سے آغاز بھی کر دیا تھا مگر کم بخت نے پھر وہی شیوہ اختیار کر لیا اور میں نے سنا ہے کہ ہمشیرہ کریم بی بی کو اس نے بہت دل آزار باتیں کہیں کیا عجب کہ اس کی موجودہ مصیبت اسی کی بد دعا کا نتیجہ ہو میری رائے میں کریم بی بی سے اُسے معافی مانگنی چاہیئے اور خدا کے حضور میں توبہ کرنی چاہئے۔ باقی خیریت ہے۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) [° شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء]

° ریاست مالیر کوٹلہ میں ملازم ہو گئے تھے۔ اور ملازمت سے فارغ ہو کر اپنے وطن مالوف گجرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ (مؤلف)

مولوی نجم الغنی رامپوری کے نام

لاہور ۱۴؍ دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ حکیم صاحب۔ السلام علیکم

اخبار الصنادید کی دو جلدوں کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے پہلی جلد کو بالخصوص نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ قومِ افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشامرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں قاضی امیر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ "فغ" قدیم فارسی میں بمعنی "بت" آیا ہے اور افغان میں الف سالبہ ہے۔ چونکہ ایران میں بود و باش رکھنے کے وقت افغان بت پرست نہ تھے اس واسطے ایرانیوں نے انہیں افغان کے نام سے موسوم کیا ہے۔

میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی[1] اصل کے موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے نہایت بارآور ہوگی۔ آپ کا طرزِ تحریر نہایت سادہ اور مؤثر ہے اور بہ حیثیت مجموعی آپ کی تصنیف تاریخ کا عمدہ نمونہ ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لاء

(انوارِ اقبال)

---

[1] عبرانی یعنی HEBREW جو سامی خاندانِ السنہ سے تعلق رکھتی ہے۔

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق السلام علیکم

آپ کا خط مع ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ ہے

رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (جرنل) کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہیں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔ رسالہ نظام کا اجرا مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ 'طریقت' کو ہی فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے[1]۔ محمد دین صاحب صوفی[2] آپ سے کہ نہیں ہیں صرف وہ آدمی معاملہ فہم اور کارداں ہے۔ میں بھی آپ کے لیے ان شاء اللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۶ دسمبر ۱۸ء

(انوار اقبال)

محمد دین فوق کے نام

لاہور ۲۸ دسمبر ۱۸ء

ڈیر فوق صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ کا ایک صفحہ ملفوف تھا میں لاہور میں ہوں سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

---

[1] فوق صاحب نے "طریقت" بند کر کے "نظام" جاری کیا تھا۔

[2] مولوی محمد دین مدیر رسالہ "صوفی" منڈی بہاؤ الدین۔

نظم زیر تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے۔کم از کم مجھے پروف ہی دکھا لیا کریں اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں والسلام

محمدؐ اقبالؔ لاہور

(عکس) (انوارِ اقبال)

فہرستِ حواشی

متفرقات

آرنلڈ (تھامس ولیم)

ARNOLD THAMAS WILLIAM

(۱۸۶۴ — ۱۹۳۰ء)

پروفیسر آرنلڈ لندن میں ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی کے MAGDALENE کالج سے گریجولشن کیا۔ CLASSICS میں TRIPOS حاصل کیا۔ لندن اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز (LONDON SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES) میں سنسکرت کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ عربی، فارسی اور جرمن زبانوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ۱۸۸۷ء میں مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ علی گڑھ آکر انھوں نے اپنا یورپی لباس ترک کردیا اور خالص ہندوستانی مولویوں جیسا لباس اختیار کیا۔ اس وجہ سے لوگ انھیں "مولانا آرنلڈ" بھی کہتے تھے۔ طلبا کی تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے اور ان کی دینی تعلیم کی بھی نگرانی کا کام اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

۱۸۹۵ء میں انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "دعوتِ اسلام" (THE PREACHINGS OF ISLAM) لکھی۔ جس میں تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا تھا کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی خوبیوں کی بدولت پھیلا ہے۔

آرنلڈ نے ۱۸۹۷ء میں علی گڑھ کی ملازمت سے استعفا دیدیا اور فروری ۱۸۹۸ء میں پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ بعد ازاں اورینٹل کالج کے پرنسپل ہوئے۔ جہاں انھوں نے ۱۹۰۲ء میں عربی کی مشہور لغت "سواءُ السبیل الی معرفتہ المعرب والدخیل" لکھی۔ ۱۹۰۴ء میں وہ انڈیا آفس میں اسسٹنٹ لائبریرین ہو کر لندن چلے گئے۔ وہاں انھوں نے انسائکلوپیڈیا آف اسلام کی ترتیب میں امداد کی۔ ۱۹۲۰ء میں لندن یونیورسٹی میں عربی

کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۹ ہے۔ اور ان کی علمی اور ادبی کاوشوں کے خاص موضوعات فلسفہ، فنونِ لطیفہ بالخصوص مصوری، تاریخ اور اسلامیات تھے۔

آرنلڈ نے ۱۹۳۰ء میں وفات پائی۔

اقبال کو بحیثیت شاگرد اور رفیق کار چھ سال تک پروفیسر آرنلڈ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ پروفیسر آرنلڈ اقبال کی ذہانت، فطانت اور صلاحیتوں سے بے حد متاثر تھے۔ اور اپنے احباب سے اقبال کی تعریف کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو مدقق بنا دیتا ہے۔

جب اقبال انگلستان گئے تو وہاں بھی پروفیسر آرنلڈ سے ملاقاتیں رہیں اور اس زمانے میں بھی آرنلڈ نے اقبال کو ہر طرح کی تحصیل علم پر آمادہ کیا۔

جب اقبال نے شعر کہنے کو کار بیکار کہہ کر ترک کر دینے کا ارادہ کیا تو یہ پروفیسر آرنلڈ ہی تھے جنھوں نے اقبال کو مشورہ دیا کہ ان کی شاعری ملک و قوم کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔

اقبال کے نزدیک آرنلڈ کے صحیح مقام کا اندازہ ان کی اس نظم سے ہوتا ہے جو انھوں نے پروفیسر آرنلڈ کی رخصت کے موقع پر "نالۂ فراق" کے عنوان سے لکھی تھی یہ "بانگِ درا" میں شامل ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولانا شبلی نعمانی نے بھی پروفیسر آرنلڈ سے علمی استفادہ کیا تھا۔

ماخذ

۱۔ رسالہ "فکر و نظر" ناموران علی گڑھ نمبر ص ۲۴۳۔۲۵۶

۲۔ "نقوش" (لاہور نمبر) ۱۹۶۲ء ص ۹۱۸

۳۔ پروفیسر سلیم چشتی۔ بانگ درا مع شرح

(مولانا محمد حسین) آزاد (۱۸۳۲ء۔ ۱۹۱۰ء)

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۲ء ۔ ۱۹۱۰ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ ذوقؔ کے شاگرد تھے اس وقت کے دہلی کالج میں بھی پڑھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کے والد محمد باقر شہید ہوئے اور آزاد نہایت بے سروسامانی کے ساتھ پیادہ پا دہلی سے نکلے اور لاہور پہنچے۔ پہلے ڈاک خانے میں ملازم ہوتے پھر محکمہ تعلیم میں ملازمت مل گئی یہاں "اتالیقِ پنجاب" کے ایڈیٹر رہے اور بچوں کے لیے درسی کتابیں بھی لکھیں۔ آخر گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہوگئے۔ دوبار ایران کی سیاحت کی۔ وسط ایشیا میں گھومے۔ ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔ کرنل ہالرائنڈ کے ایماء سے آپ نے انجمن پنجاب کے مشاعروں کی طرح ڈالی جس میں موضوعات پر نظمیں پڑھی جاتی تھیں آخر عمر میں حواس میں اختلال آگیا تھا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو لاہور میں انتقال ہوا اور تکیہ گامے شاہ میں دفن ہوئے۔

آزاد کی تصانیف ۔آب حیات، دربار اکبری، سخن دانِ پارس، نگارستان پارس، نیرنگ خیال، نظم آزاد وغیرہ ہیں۔

تفصیل کے لیے ۔ اسلم فرخی۔ محمد حسین آزاد (۲ جلدیں)
(انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی)
محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں
ص ۳۲ تا ۳۵

آفتاب اقبال (۱۸۹۹ء ۱۹۷۹ء)

آفتاب اقبال علامہ اقبال کے بڑے فرزند تھے۔ ان کی والدہ کریم بی بی حضرت علامہ کی پہلی بیوی حافظ ڈاکٹر شیخ عطا محمد (متوفی ۱۹۲۳ء) کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی ۱۸۹۳ء میں ہوئی، اور انتقال ۱۹۴۶ء مں گجرات میں ہوا۔

آفتاب اقبال ۱۸۹۹ء میں ہنڈ دادن خاں ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے نانا سرجن کے عہدہ پر فائز تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم سکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ میں حاصل کی اور ۱۹۱۶ء میں میٹرکولیشن کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے درجہ اوّل میں پاس کیا۔

پھر کچھ پیچ پڑا کہ آفتاب اقبال اور ان کی والدہ سے علامہ اقبال کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ وہ اپنے میکے جا بیٹھیں اور مرتے دم تک وہیں رہیں۔ آفتاب اقبال اپنی والدہ کی حمایت میں اپنے والد کے منہ آنے لگے۔ اقبال بیوی کو تو ہر ماہ خرچ بھیج دیتے تھے اور یہ سلسلہ علامہ کی وفات تک جاری رہا۔ لیکن آفتاب کی ”ناربرداریاں‘ وہ زیادہ دیر تک نہ سہ سکے۔

آفتاب اقبال نے ۱۹۲۰ء میں سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے بی۔اے کا امتحان درجہ اوّل میں فلاسفی میں آنرز کے ساتھ کامیاب کیا اور ۱۹۲۱ء میں فلسفہ میں ایم۔ اے کیا۔

اس کے بعد آفتاب اقبال کے ماموں کیپٹن غلام محمد اور نانا نے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا۔

جولائی ۱۹۲۲ء میں آفتاب اقبال نے لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے (آنرز) درجہ اول میں فلاسفی لے کر پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں اسی یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان کامیاب کیا۔

ہندوستان واپس آکر آفتاب اقبال نے ۱۹۲۴ء سے جون ۱۹۲۶ء تک انڈین ایجوکیشنل سروس میں ملازمت کے لئے کوشش کی مگر کوئی جگہ نہ مل سکی اس لئے پھر انگلستان واپس چلے گئے۔ اور وہاں "مدرسہ علوم السنہ شرقیہ (SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES) میں ملازمت (۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۹ء) کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۶ء میں لنکنز ان (LINCONS INN) میں شریک ہو کر ۱۹۲۹ء میں بار ایٹ لا کے تمام مراحل کامیابی سے طے کئے۔ اس کے باوجود معاشی مشکلات کی بنا پر وکالت شروع نہ کر سکے۔ بلکہ ایک سو پچاس پونڈ کی امتحانی فیس ادا نہ کر سکنے کی بنا پر سند سے بھی محروم رہے۔ انہی دنوں حیدرآباد دکن کا سرکاری وفد بہ سلسلہ دستور وفاقی مذاکرات لندن پہنچا۔

آفتاب اقبال نے اپنے والد کے شخصی روابط کی بنا پر کسی طرح سر اکبر حیدری تک رسائی حاصل کر کے اپنی مشکلات اور احتیاجات کی طرف ان کی توجہ دلائی۔ سر اکبر حیدری ان کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے وفد سے ایک سو سو پونڈ کی رقم بطور قرض حسنہ ان کو دلوادی جس سے انھوں نے امتحانی فیس ادا کرنے پر بیرسٹری کی سند حاصل کر لی۔ حیدرآبادی وفد نے انگلستان سے واپس آکر یہ مسئلہ ریاستی کونسل میں منظوری کے لیے پیش کیا۔ یہاں مہاراجہ کشن پرشاد مدار المہام موجود تھے جو اقبال کے نہایت گہرے دوست تھے۔ انھوں نے یہ قرضہ معاف کرا کے اسے عطیہ قرار دے دیا۔

پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بھی انہی دنوں لندن میں ہو رہی تھی۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کے آخری ہفتے میں انڈین ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام اسٹرینڈ

لندن میں بصدارت مسٹر ریمزے (STRAND PALACE / HOTEL) پیلیس ہوٹل میکڈ نلڈ RAMASAY MACDONALD کانفرنس کے شرکا کو استقبالیہ دیا گیا۔ آفتاب اقبال نے صدر استقبالیہ کمیٹی کی حیثیت سے اپنے وطن ہندوستان کی طرفداری میں ایک زبردست تقریر کی۔ یہ تقریر لندن کے تمام اخباروں میں چھپی۔ اس سے متاثر ہو کر سر اکبر حیدری نے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو جناب فخر الدین (فخر یار جنگ) کو ایک سفارتی خط لکھا کہ اس ہونہار نوجوان کو دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ یا کسی دوسری جگہ کوئی آسامی دلانے میں مدد کریں۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت کوئی جگہ خالی نہ تھی اس لئے وہ کوئی مدد نہ کر سکے۔

آفتاب اقبال نے لاہور پہنچ کر ۲۹۔ مارچ ۱۹۳۱ء کو سر اکبر حیدری کو ایک خط میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی مالی مشکلات، والد کے عدم التفات جائیداد سے محرومی وغیرہ کا شکوہ کرتے ہوئے انھیں علامہ کو ان کی مالی امداد پر آمادہ کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو لکھا۔

"اپنے بیٹے سے آپ کی خفگی کی وجہ مجھے معلوم نہیں مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس کی بحالی پر غور فرمائیں"

اس خط کا جواب اقبال نے ۲۔ مئی ۱۹۳۱ء کو دیا:

"بہرحال میں اب اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی مدد کر سکوں۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ میری صحت بگڑ چکی ہے۔ مجھے کہیں سے کچھ ملنے کی توقع نہیں۔ دو چھوٹے بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہے۔ اگر میں صاحب ثروت ہوتا تو ممکن ہے کچھ کرتا میں جانتا ہوں کہ آپ سے اس کی مدد کچھ تو اس بنا پر کی کہ اس نے آپ کو متاثر کیا اور کچھ میری وجہ سے۔ آپ کی کریم النفسی سے اس کے سوائے توقع بھی کیا ہو سکتی ہے؟ مگر مجھے یقین ہے کہ اگر

آپ اُسے عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی مناسب جگہ دلوادیں تو مجھ
پر دو گنا احسان ہوگا۔"

اس خط کے جواب میں ۱۱ رمئی ۱۹۳۱ء کو سر اکبر حیدری نے اقبال کے موقف کو سراہا اور آفتاب اقبال کا بوجھ نہ اٹھا سکنے کی مجبوری کو درست تسلیم کیا اور انھیں یقین دلایا کہ وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں ان کو کوئی جگہ دلوانے میں اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ اس کے بعد بھی علامہ اور سر اکبر حیدری کی خط و کتابت اس معاملہ میں رہی۔

سر اکبر حیدری نے ۱۲ر فروری ۱۹۳۷ء کو اقبال کو لکھا۔

"یقین فرمائیے کہ اگر مجھے پہلے سے ان ناخوشگوار حالات کا علم ہوتا، جن کی آپ نے نشاندہی کی ہے۔ تو بلا شبہ میں اس اپیل کو نظر انداز کر دیتا۔"

یہ آخری خط ہے جو سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو لکھا۔

آفتاب اقبال کے ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اسلامیہ کالج لاہور میں صدر شعبہ انگریزی کی آسامی پر ملازمت مل گئی تھی، انھوں نے ۱۹۴۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں بحیثیت بیرسٹر پریکٹس شروع کر دی اور قیام پاکستان کے بعد کراچی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ قانونی قابلیت اور خوبصورت خطابت کی بدولت یہاں ان کی وکالت چمک اٹھی۔ انھوں نے جالندھر کے ایک ٹھیکدار مرزا روشن بیگ کی دختر رشیدہ بیگم سے شادی کر لی۔ اپنے بچوں کی تعلیم میں دل کے حوصلے نکالے۔ اور نہایت کامیاب اور خوش حال زندگی بسر کی۔ اب وہ اپنے عظیم والد کے محاسن کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے، اور ہمہ وقت رطب اللسان رہتے تھے۔

آفتاب اقبال جب تک زندہ رہے، کراچی میں 'یوم اقبال' کی تقریبات میں ان کی شرکت لازمی ہوتی تھی بلکہ ان کی موجودگی سے رونق دوبالا ہوجاتی

تھی۔ لوگ ان کی تقریریں بڑے شوق سے سنتے تھے۔ یہ تقریریں اکثر علامہ اقبال کے کلام کی نہایت پر تاثیر توضیح ہوتی تھیں۔

۴ ار اگست سنہ ۱۹۷۹ء کو لندن میں آفتاب اقبال کی وفات ہوئی۔ ان کا جسد خاکی کراچی کے قبرستان سخی حسن میں آسودۂ راحت ہے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال بنام شاد ص ۲۰۶۔ ۲۲۱

(علامہ) ابن جوزی (۵۰۸ - ۵۹۷ھ)

عبدالرحمن ابن جوزی ۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے۔ علم حدیث پڑھا۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا۔ خود لکھا ہے کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تصنیف و تالیف میں عمر بسر کی۔ حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان کی تالیفات ہزار کے قریب ہیں۔ اللہ نے تقویٰ اور ذوق عبادت کی دولت بھی عطا کی تھی۔ چشم بینا اور دل بیدار رکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار مصنف ناقد، خطیب گذرے ہیں۔ ان کی تصانیف میں "کتاب الموضوعات"۔ "صید الخاطر"، "تلبیس ابلیس" اور "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم" قابلِ ذکر ہیں۔ بغداد میں ۵۹۷ھ مطابق ۱۲۰۰ء میں وفات پائی۔

جب اقبال نے اکبر الہ آبادی کے نام خط مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۱۶ء میں لکھا تھا کہ علامہ ابن جوزی نے جو کچھ تصوف پر لکھا ہے اس کو شائع کر دینے کا قصد ہے تو ان کا اشارہ علامہ ابن جوزی کی مشہور کتاب "تلبیس ابلیس" کی طرف تھا۔

ماخذ:

۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت و عزیمت جلد اوّل ص ۲۵۱ - ۲۵۵

۲۔ اقبال، تاریخ تصوف۔ مرتبہ صابر کلوروی ص ۲۱

ابن خلدون (۱۳۳۲ء۔ ۱۴۰۴ء)

پورا نام ابو زید ولی الدین عبد الرحمٰن ابن خلدون ہے۔ تیونس میں پیدا ہوئے۔ اور تعلیم کے بعد تیونس کے سلطان ابو عنان کے وزیر مقرر ہوئے۔ لیکن درباری سازشوں سے تنگ آکر حاکم غرناطہ کے پاس چلے گئے۔ یہ سرزمین بھی راس نہ آئی تو مصر آ گئے۔ اور جامعہ ازہر میں درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ مصر ہی میں ان کو مالکی فقہ کا منصب قضا بھی تفویض کیا گیا۔ اسی عہدہ پر وفات پائی۔

ابن خلدون کو تاریخ اور عمرانیات کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے۔ انھوں نے "العبر" کے نام سے ہسپانوی عربوں کی تاریخ لکھی تھی۔ جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ "مقدمہ فی التاریخ" ہے جو "مقدمہ ابن خلدون" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تاریخ، سیاست، عمرانیات، اقتصادیات اور ادبیات کا گرانمایہ خزانہ ہے۔

ماخذ

اردو انسائیکلوپیڈیا۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۴۷

ابنِ عربی (۱۱۶۵ء ـــــ ۱۲۴۰ء)

شیخ ابوبکر محی الدین محمد ابن عربی: ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس) میں پیدا ہوئے تیس سال تک اشبیلیہ میں تحصیلِ علم کے بعد مشرق کی طرف سفر کیا اور دمشق میں قیام پذیر ہو گئے۔ ۱۲۴۰ء میں یہیں فوت ہوئے۔ فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ معروف تصانیف ہیں۔ ابنِ عربی، شیخ اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ بہت متنازعہ فیہ شخصیت ہیں ایک گروہ انہیں ولیِ کامل مانتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک وہ ملحد ہیں۔ ان کے متصوفانہ فلسفے کا دار و مدار عقیدۂ وحدت الوجود پر ہے۔ اگرچہ بقول عابد علی عابد "اقبال نے ابنِ عربی سے استفادہ بھی کیا ہے" تاہم بحیثیت مجموعی وہ ابنِ عربی کو غلط سمجھتے ہیں۔ مثلاً سلیمان ندوی کے نام لکھتے ہیں: "میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات تعلیم قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں"۔ سراج الدین پال کے نام خط میں فصوص الحکم کو "الحاد و زندقہ" قرار دے کر اس کی تردید میں کچھ لکھنے کا عزم ظاہر کیا۔

ماخذ

رفیع الدین ہاشمی: خطوطِ اقبال

حکیم اجمل خاں (۱۸۶۵ء۔ ۱۹۲۷ء)

مسیح الملک حکیم اجمل خاں یونانی اطبا کے ایک مشہور خاندان سے تھے۔ انھوں نے دہلی میں اپنی حکمت کا سلسلہ قائم کیا۔ وہ مطالعے کے لیے یورپ کے دورے پر گئے اور وہاں سے واپسی پر طبیہ اسکول کو جوان کے خاندان کا قائم کیا ہوا تھا ترقی دے کر طبیہ کالج دہلی بنا دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ طب یونانی کو جدید سائنس بنایا جائے۔ حکیم اجمل خاں سیاسی میداں میں مسلم لیگ کے ایک لیڈر کی حیثیت سے داخل ہوئے اور اس جماعت کو ملکی سیاست میں لے آنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کے اور ہندو مہاسبھا کے چیرمین تھے۔ اس کے بعد انھوں نے ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کے امرتسر اجلاس کی صدارت کی۔ رولٹ بل کے خلاف جو مظاہرہ دلی میں ہوا، اس میں انھوں نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۲۰ء میں انگریزوں کا دیا ہوا خطاب واپس کرکے خلافت ایجی ٹیشن اور عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان میں سے تھے اور اس کے اولین چانسلر بھی تھے۔ انھوں نے ہی اس ادارہ کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کیا۔

۱۹۲۳ء میں حکیم اجمل خاں نے "سول نافرمانی" سے متعلق کانگریس کمیٹی کی سربراہی کی اور ایک تعمیر پسند (PRO-CHANGER) کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا۔

حکیم اجمل خاں فرقہ وارانہ اتحاد کے پرجوش حامی تھے۔ ایک بار انھوں نے گاندھی جی کو لکھا:

" اس قدر بیش قیمت سمجھتا ہوں میں اتحاد کو کہ ملک اگر اپنی

تمام دیگر سرگرمیوں کو ترک کر دے اور اس کو حاصل کرلے تو میں سمجھوں گا خلافت اور سوراج دونوں کے مسئلے ہمارے لئے اطمینان بخش طور پر خود بخود حل ہو جائیں گے۔

ماخذ

احمد۔ جدید ہندوستان کے معمار۔ ص۔ ۴۷

(مولوی) احمد دین (۱۸۶۶ء - ۱۹۲۹ء)

کشمیری الاصل تھے۔ ۱۸۶۶ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے درجہ اوّل میں پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں قانون کی تعلیم کی تکمیل کی۔ یہ مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں لاہور کے مشہور اخبار "پیسہ اخبار" میں کام کیا۔ پھر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور کچھ ہی عرصہ میں ان کا شمار ممتاز اور نامور وکیلوں میں ہونے لگا۔ وہ سماجی اور ادبی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ انجمن حمایت الاسلام سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ انجمن مسلمانان کے بانیوں میں تھے۔ لاہور میونسپل کمیٹی کے کمشنر نامزد کئے گئے۔ پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے بھی ایک عرصہ تک سرگرم رکن رہے۔ لاہور کی ادبی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ احمد دین کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ سرفہرست علامہ اقبال تھے۔ ان کی دوستی مثالی تھی۔ ایک مرتبہ کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں "اقبال" کے نام سے احمد دین نے ایک کتاب لکھی جس میں اقبال کی شاعری پر بحث کی گئی تھی اور ان کا بہت سا کلام بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ عام روایت یہ ہے کہ اقبال کو اس کتاب کی اشاعت پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا پہلا اردو مجموعہ کلام "بانگ درا" شائع نہ ہوا تھا۔ اس لئے یہ کتاب ان کے اپنے مرتب ہونے والے مجموعۂ کلام کی اشاعت و فروخت پر اثرانداز ہوسکتی تھی۔ احمد دین کو اقبال کے ان خیالات کا جب علم ہوا تو انھوں نے غصّے میں کتاب کے تمام نسخے جلا ڈالے۔ دو نسخے کسی طرح بچ گئے جو ان کے وارثوں کے پاس موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں احمد دین نے ازسرِنو لکھی اور

اسی سال شائع ہوئی۔

احمد دین کی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزری۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کی بیس کتابوں کا سراغ ملا ہے۔ ان میں "ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب" (۱۹۰۱ء سے قبل اور علامہ شبلی نعمانی کی اسی موضوع پر کتاب سے پہلے لکھی گئی) "سرگزشتِ الفاظ" (۱۹۲۳ء) اور اقبال (۱۹۲۳ء ۱۹۲۶ء) مشہور ہیں۔ موخر الذکر علامہ اقبال کی شخصیت اور فکروفن پر اردو میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے

احمد دین نے سوانح، تنقید، تاریخ، انشائیہ، ناول اور لسانیات جیسے مختلف شعبہ ہائے ادب میں اپنے فکروفن کے نقوش چھوڑے ہیں۔

انھوں نے ۹ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو وفات پائی۔

ماخذ

مولوی احمد دین — اقبال

(مرتبہ مشفق خواجہ۔ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۷)

احسن مارہروی (۱۸۷۶ء - ۱۹۴۰ء)

سید حافظ علی احسن ۱۰ر نومبر ۱۸۷۶ء (۲۲ر شوال ۱۲۹۳ھ) کو مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۹ برس کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا، اسی سال اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ . ریاض سخن کے نام سے ایک گلدستہ ۱۸۹۶ء میں مارہرہ سے جاری کیا۔ جو ۲-۳ سال بعد بند ہو گیا۔ ۲۵ر جون ۱۸۹۶ء کو داغ کی شاگردی اختیار کی۔ اگست ۱۸۹۸ء میں استاد کی خدمت میں حیدر آباد پہنچے۔ . . تین سال بعد وطن لوٹے۔ . . . استاد کے پاس رہ کر آپ نے "جلوۂ داغ" کے نام سے داغ کی سوانح عمری لکھی استاد کے انتقال کے بعد ان کا غیر مطبوعہ کلام "یادگار داغ" کے نام سے مرتب کر کے لاہور سے شائع کیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں لالہ سری رام کی تالیف "خمخانۂ جاوید" کے سلسلے میں لاہور آئے اور تین چار برس رہے۔ اقبال کے ساتھ مشاعروں میں شامل ہوتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں ایک ماہوار رسالہ "فصیح الملک" بھی یہیں سے جاری کیا جو ۱۹۱۰ء تک لاہور کے بعد مارہرہ (ضلع ایٹہ، اتر پردیش، ہندوستان) اور بدایوں سے شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۲۴ء میں اقبال کی سفارش پر علی گڑھ یونیورسٹی میں اردو لکچرر ہو گئے۔ آخر عمر میں "انشائے داغ" کے نام سے استاد کے خطوط کی ترتیب میں مشغول تھے کہ ۳۰ر اگست ۱۹۴۰ء (۲۶ر رجب ۱۳۵۹ھ) کو چند روز بیمار رہ کر ۶۴ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

داغ کے رنگ میں شعر کہتے تھے، اور خوب کہتے تھے، فن تنقید میں بلند مرتبہ رکھتے تھے فصیح اللغات، تحفۂ احسن، چپ کی داد، شاہکار عثمانی، اردو لشکر اور نمونۂ منثورات اردو ان کی عمدہ تصانیف ہیں۔

ماخذ

محمد عبد اللہ قریشی۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں
ص ۱۰۳ - ۱۰۵

اسمٰعیل پانی پتی۔ نقوش (لاہور نمبر) ص ۹۱۴

(نواب حاجی) اسحاق خاں (۱۹۱۷-۱۹۶۰ء)

آپ نواب محمد علی خاں رسکی کے صاحبزادے اور سرفراز الملک نواب محمد مصطفےٰ
اں شیفتہ کے پوتے تھے۔ شیفتہ جہانگیرآباد (ضلع بلندشہر) کے تعلقہ دار تھے۔
نواب محمد اسحاق خاں کی پیدائش ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ برگزیدہ اور نامور
ب کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔ منتخب اساتذہ فن کے زیرِ تعلیم رہے۔
واجہ الطاف حسین حالی جیسا استاد بھی نصیب ہوا۔ بعد میں آگرہ کالج میں
اخل ہوئے۔ درجہ اوّل میں انٹرپاس کیا۔ ۲۲ برس کی عمر میں سول سروس کے
لیے منتخب ہوئے۔ سب سے پہلے مظفرنگر کے اسسٹینٹ مجسٹریٹ ہوئے
ور ترقی کرکے سیشن جج ہوگئے۔ ۱۸۹۶ء میں ریاست رام پور کے مدارالمہام
ویالس منسٹر) ہوئے۔ پھر جج کی خدمات پر لوٹ آئے۔ ۱۹۱۱ء میں حج و زیارت
مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے۔ شام میں بیت المقدس، حلب وغیرہ کے مقدس
قامات کی زیارت کی۔ ۱۹۱۲ء میں اس طویل سفر سے لوٹے۔ ۱۹۱۳ء میں
واب وقار الملک کی خواہش پر وقت سے پہلے پینشن لے کر مدرستہ العلوم
لی گڑھ کے آنریری سکریٹری ہوئے اور دل و جاں سے اس ادارے کی
دمت کرتے رہے۔
۱۹۱۷ء میں انتقال ہوا، دہلی میں احاطہ درگاہ حضرت نظام الدین میں
فن ہوئے۔

ماخذ

مولوی انوار احمد زبیری۔ خطبات عالیہ ص ۵۷-۵۹

(مولانا) اسلم جیراجپوری (۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۷ء)

جیراجپور ضلع اعظم گڑھ (یو پی بھارت) میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ فارسی، عربی، ریاضی، فقہ، منطق، علم حدیث اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اکیس سال کی عمر میں صحافی بن گئے۔ اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں عربی اور فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی چلے آئے اور یہاں دینیات کی تعلیم دینے لگے۔ جریدہ "جامعہ" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں انتقال ہوا۔

ان کی تصانیف میں تاریخ الامت (آٹھ جلدوں میں) "تاریخ النجد" قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا نے فاتح مصر عمرابن العاص کی سیرت اور حافظ اور جامی کے حالات زندگی اور ان کی شاعری پر تبصرہ لکھ کر سیرت نگاری اور سوانح نگاری میں بھی نام پیدا کیا۔

ماخذ

ماہنامہ جامعہ۔ اسلم جیراجپوری نمبر مارچ ۱۹۸۲ء
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(نواب محمد) اسمٰعیل خاں دتاولی (متوفی ۱۹۲۱ء)

حاجی محمد اسمٰعیل خاں علی گڑھ کے ایک قدیم قصبہ دتاولی کے رئیس اور سرسید کے نہایت عزیز دوست اور رفیق تھے ان کے والد فیض احمد خاں اور دادا عبدالرحمٰن خاں تھے۔ والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور دو سال قید فرنگ میں رہے۔ رہائی کے بعد عرب کو ہجرت کر گئے تھے وہاں ۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں سرسید کی تحریک سے وابستہ رہے۔ سرسید احمد خاں کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ان کے ہی گھر میں ہوا تھا۔ وہ اینگلو محمڈن کالج کی مجلس منتظمہ کے وائس پریزیڈنٹ بھی رہے ۱۹۱۲ء میں ان کو نوابی کا خطاب ملا۔ ۱۸۸۴ء میں انھوں نے یورپ کی سیر بھی کی تھی اور ترکی میں بھی عرصہ تک قیام کیا تھا جولائی ۱۸۹۸ء میں وحید الدین سلیم کے ساتھ رسالہ "معارف" علی گڑھ سے نکالا مختلف موضوعات پر آٹھ نو کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا حالی کو حیات جاوید کا بہت سا مواد انھوں نے فراہم کیا تھا۔ پنجاب اور حیدرآباد وغیرہ کے سفروں میں بھی سرسید کے رفیق بھی رہے تھے۔ آخر عمر میں آگرہ کو منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ایک پریس بھی قائم کر لیا تھا ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ

رسالہ فکر و نظر علی گڑھ (نامورانِ علی گڑھ)

ج ۲۲ شمارہ ۱-۳ (۱۹۸۵)

اسمٰعیل میرٹھی (۱۸۴۴ء۔ ۱۹۱۷ء)

۱۸۴۴ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے سولہ سال کی عمر میں ملازمت کرلی۔ لیکن بہت جلد علمی قابلیت کی بنا پر ہیڈ مولوی مقرر ہوگئے اور سہارنپور اور میرٹھ میں بہت دن تک ہیڈ مولوی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۸۸۸ء میں سنٹرل نارمل اسکول آگرہ آگئے اور ۱۸۹۹ء میں یہیں سے پنشن لی اور وطن آکر بقیۂ عمر تالیف وتصنیف کے لیے وقف کردی۔ انھوں نے بچوں کے لئے نہایت سبق آموز نظمیں لکھیں جو نصاب کی کتابوں کی زینت ہیں اور اردو شاعری کو بھی ان کی لافانی دین ہے۔ ۱۹۱۷ء میں اس جہاں فانی سے رحلت فرمائی۔

ماخذ

ڈاکٹر سیفی پریمی۔ اسماعیل میرٹھی حیات وخدمات

(شاہ محمد) اسمٰعیل شہید (متوفی ۱۲۴۶ھ)

آپ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور مشہور مفسر اور محدث شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے تھے۔ آپ نے سیف و قلم دونوں سے اسلام کی خدمت کی۔ سید احمد شہید بریلوی نے جو جہاد شروع کیا تھا اس میں شاہ اسمٰعیل شہید ان کے دست راست رہے اور بالآخر بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں بڑی جرأت و مردانگی کے ساتھ شہید ہوئے۔

جب تک دہلی میں رہے ہر جمعہ کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے۔ جس نے مسلمانوں میں مذہبی و دینی اور سیاسی شعور پیدا کیا۔ آپ کی مشہور کتاب "تقویۃ الایمان" ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ "منصب امامت" "صراط مستقیم" وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ مشہور مثنوی سلک نور اور تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین بھی آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

ماخذ

۱۔ نسیم احمد فریدی تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ لکھنو ۱۹۷۸ء

۲۔ محمود احمد برکاتی ۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

(مولانا) اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)

ایک بہت بڑے عالم دین، جن کے فیض صحبت سے متعدد عالم دین بن گئے۔ آپ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد تھانیسر، ضلع کرنال سے نقل مکانی کر کے یہاں اقامت گزیں ہوئے۔ آپ کی ددھیال فاروقی اور ننھیال علوی ہے۔

ابتدائی تعلیم میرٹھ میں پائی۔ حافظ حسن مرحوم سے کلام پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد تھانہ بھون آکر مولانا فتح محمد مرحوم سے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دیوبند جا کر بقیہ نصاب کی تکمیل کی۔ آپ نے چودہ برس تک کانپور میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک موقع پر جب آپ کسی وجہ سے اس مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے تو بھی کانپور کے لوگوں نے آپ کو جانے نہ دیا۔ اور آپ نے جامع مسجد ٹپکاپور میں مدرسہ جامع العلوم قایم کیا اور خدمت دین کرتے رہے۔

اس دوران میں آپ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ اور وہیں پہلی مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسری مرتبہ گئے تو چھ ماہ شیخ کی خدمت رہے اور ۱۳۱۱ھ کو ہندوستان واپس ہوئے۔ ۱۳۱۵ھ میں شیخ کے حکم سے آپ نے کانپور کا قیام ترک کر کے تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار کی اور آخری عمر تک وہیں درس و تدریس اور خدمت دین انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۳ء میں وصال ہوا۔

ماخذ

اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۱۰۵

ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حماد بن عبداللہ شرف الدین البوصیری

(۶۰۸-۶۹۶ھ / ۱۲۱۲-۱۲۹۶ء)

عربی کے نہایت نغز گو قادر الکلام شاعر۔ بوصیر کے رہنے والے جو بنی سویف مصر کے اعمال میں ایک جگہ ہے۔ ان کا خاندان مراکو کا تھا۔ یہ بھشم میں پیدا ہوئے اور اسکندریہ میں وفات پائی۔ ان کا دیوان شعر بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ان کا قصیدہ بُردہ مشہور عالم ہے آج تک نہایت عقیدت سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں اور تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

بُردہ عربی میں چادر کو کہتے ہیں۔ بوصیری نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی اور یہ دیکھا تھا کہ حضور نے ان پر چادر ڈال دی ہے بوصیری فالج زدہ تھے، اس خواب کے بعد تندرست ہو گئے تھے اور یہ قصیدہ کہا تھا جس میں ۱۸۲ اشعار ہیں۔

ماخذ

۱۔ الزرکلی الاعلام ۶/ ۱۳۹

۲ زیدان: ۳/ ۱۲۰

افلاطون (۴۲۸ ۴۲۷ ق م ــ ۳۴۸ ۳۴۷ ق م)

عظیم یونانی فلسفی جس کے اثرات فکر انسانی پر گزشتہ ۲۴۰۰ سال سے برابر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ ۳۸۷ ق م کے لگ بھگ اس نے ایتھنز (ATHENS) میں فلسفہ کے باقاعدہ مطالعہ کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی۔ یہاں وہ لکچر دیا کرتا تھا۔ یہاں اس نے ایسے شاگرد تیار کیے جنہوں نے منطق، فلسفہ، ریاضی، فلکیات، طبیعیات و مابعد الطبیعیات میں تاریخ ساز اضافے کیے۔ یہ اکیڈمی ۵۲۹ء تک قائم تھی۔ جسٹینیں (JUSTINIAN) نے اپنے متعصبانہ عیسائی عقائد کی وجہ سے اسے بند کرا دیا۔

افلاطون کے تلامذہ میں سب سے ممتاز ارسطو ہے جس نے استاد کے مکالمات کی تشریح و تفسیر کی۔ "مکالمات افلاطون" اور "جمہوریت" اس کی مشہور تصانیف ہیں جو اردو میں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں۔

اقبال افلاطون کو نفیٔ خودی کا علمبردار قرار دیتے ہیں اور ان کا نظریہ ہے کہ مسلم اقوام کے مسلک تصوف و ادبیات پر افلاطون کا گہرا اثر ہے۔ افلاطون کی نظر میں زندگی کا راز موت میں پوشیدہ ہے اور عالم اسباب محض ایک افسانہ ہے ذوقِ عمل سے محروم ہونے کی وجہ سے اس نے نیستی کو ہستی اور ہستی کو نیستی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کے افکار قوتِ عمل اور طاقت سے محرومی کا سبق دیتے ہیں اور ان کے دور رس اثرات نے متاثرہ قوموں پر گہرا تخریبی اثر ڈالا اور انہیں ذوقِ کردار سے محروم کر دیا (اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن ص ۲۰)

اسرار خودی میں اقبال نے افلاطون پر سخت تنقید کی ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے۔

راہبِ دیرینہ فلاطون حکیم
از گروہ گوسفندانِ قدیم

نوافلاطونیت (NEO-PLATONISM) کا آغاز PLATINUS نے تیسری صدی عیسوی میں روم میں کیا۔ پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسکندریہ میں بھی اس کا زور رہا۔

برائے تفصیل دیکھیے
(دائرۃ المعارف برطانیکا
جلد ۱۸ ص ۲۰ ۔ ۳۶)

اکبر آلہ آبادی (۱۸۴۶ء — ۱۹۲۱ء)

سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی ۱۶، نومبر ۱۸۴۶ء کو بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے ابتدائی عربی، فارسی کی کتابیں گھر پر پڑھیں اور ۱۸۵۶ء میں جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے مگر تین ہی سال کے بعد نامعلوم وجوہ کی بنا پر اسکول چھوڑنا پڑا ذاتی طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ ۱۸۶۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے نائب تحصیل دار ہوئے اور پھر داروغہ آبکاری ہو گئے۔ ۱۸۷۰ء میں ہائی کورٹ کے چیف جج کے مثل خواں مقرر ہوئے ۱۸۷۳ء میں وکالت کا اعلا امتحان پاس کیا اور منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں عدالت خفیہ کے جج اور ۱۸۹۴ء میں ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں انھیں ہائی کورٹ کی ججی پیش ہوئی مگر آنکھوں کی تکلیف کی بنا پر قبول نہ کی بلکہ ملازمت ہی سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ ۹، ستمبر ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوا۔ اپنی طنزیہ اور ظریفانہ شاعری کے لیے ممتاز ہیں، کلیات اکبر (دو جلدیں) شائع ہو چکا ہے۔

اقبال کو اکبر الہ آبادی سے دلی عقیدت اور محبت تھی۔ اقبال دو مرتبہ ان کی زیارت کے لیے الہ آباد بھی گئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے کلام کی دل کھول کر داد دیتے تھے۔ اکبر نے اپنے خطوں میں اقبال کو "روحانی دوست" بھی کہا ہے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں

ص ۱۲۳ تا ۱۸۵

(سر) اکبر حیدری (۱۸۶۹ء۔ ۱۹۴۲ء)

محمد اکبر نذر علی حیدری ۸؍ نومبر ۱۸۶۹ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں میٹرک پاس کیا، اور ۱۷ سال کی عمر میں بی اے کے امتحان میں امتیازی حیثیت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔

۱۸۸۸ء میں محکمۂ مالیات ہند میں ملازم ہو گئے اور ترقی کر کے صوبجات متحدہ کے اسسٹیٹ اکاؤنٹنٹ جنرل (ASSISTANT ACCOUNTANT GENERAL) بن گئے۔ اس کے بعد بمبئی اور مدراس میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل اور کنٹرولر خزانہ کے فرائض انجام دیے۔

اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ریاست حیدر آباد نے ان کی خدمات مستعار لے لیں اور ان کو اکاؤنٹنٹ جنرل مقرر کیا۔ دو سال بعد فنانس سیکریٹری ہو گئے۔ پھر مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے جیسے صدر محاسب، سکریٹری محکمہ جات عدالت و تعلیمات، امور مذہبی، صنعت و حرفت وغیرہ۔ جولائی ۱۹۱۱ء میں محکمہ داخلہ کے سکریٹری ہوئے، سر اکبر حیدری ایک ماہر نظم و نسق تھے۔ انھوں نے حیدر آباد میں محکمۂ آثار قدیمہ قائم کیا اور ریاست کی تاریخی عمارتوں اور یادگاروں کا بالخصوص ایلورہ اور اجنتا کا تحفظ کرایا، ریاست میں دستوری اصلاحات بھی ان کے کارنامے ہیں۔

فروری ۱۹۲۰ء میں برٹش حکومت کے تحت واپس آ گئے اور ان کا تقرر بحیثیت اکاؤنٹنٹ جنرل بمبئی ہوا۔ لیکن جون ۱۹۲۱ء میں پھر نظام حیدر آباد نے طلب کر لیا اور مشیر مال (FINANCE MEMBER) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا خطاب پایا۔ گول میز کانفرنس میں ریاست حیدر آباد

۔ سربراہ رہے۔ آخر میں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک صدارت عظمیٰ کے جلیل القدر
صب پر فائز رہے اس کے بعد وائسرائے ہند کی مجلس عاملہ (EXECUTIVE COUNCIL)
، بحیثیت وزیر نشر و اطلاعات نامزد کئے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔
سر اکبر حیدری کے یوں تو متعدد کارہائے نمایاں ہیں مگر عثمانیہ یونیورسٹی
قیام ان کا سب سے بڑا علمی اور تعلیمی کارنامہ ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ
رت و احترام کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔

ماخذ

(۱) - EMINENT MUSSELMAN ص ۴۹۱-۵۰۷
(۲) اردو انسائکلوپیڈیا فیروز سنز لمٹیڈ لاہور ص ۶۱۶
(۳) رمن راج سکسینہ ۔ تذکرۂ دربار حیدرآباد ص ۲۴۴-۲۴۵

اکبر شاہ نجیب آبادی (۱۸۵۷-۱۹۳۸ء)

نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آبائی اور خانگی تھی۔ عربی، فارسی اور اردو میں مہارت حاصل کی۔ ملازمت کا سلسلہ لاہور کے ہائی اسکول میں رہا۔ اور مسلم ہائی اسکول نمبرا میں متعدد سال دینیات و۔ اسلامیات اور عربی و فارسی کے مدرس رہے۔

تعلیم و تدریس سے جو وقت بچتا وہ تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ وسیع تھا۔ اور اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تین حصوں میں تصنیف کی جو مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ لاہور میں ۱۲ر نومبر ۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔

ماخذ

اردو انسائکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹیڈ، لاہور ص ۱۴۰

(پروفیسر) اکبر منیر

پنجاب یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء میں انھیں بحرین میں ملازمت مل گئی اور سال بھر کے بعد ایران چلے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں بغداد پہنچے اور ایک سال وہاں گزار کر ۱۹۲۴ء میں وطن واپس آگئے معاصرین اقبال کی نظر میں کی اشاعت ۱۹۷۷ء تک پروفیسر صاحب بقیدِ حیات تھے۔

ایران کے دورانِ قیام میں ان کے فارسی اشعار وہاں کے مجلوں اور روزناموں میں شائع ہوئے اور ان کی تعریف ہوئی خصوصاً ملک الشعراء بہار نے ان کے اشعار کو بہت پسند فرمایا۔ ان کے کلام کا مختصر سا مجموعہ "ماہ نو" کے نام سے ۱۹۲۸ء میں مطبع معارف اعظم گڑھ سے شائع ہوا۔

اقبال نے اکبر منیر کی طالب علمی کے زمانے سے رہنمائی کی۔ ایران و بغداد کے قیام کے دنوں میں بھی انھیں خط لکھتے رہے اور مفید مشورے دیتے رہے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۶۰۶ ــ ۶۰۷

امام بخش صہبائی (متوفی ۱۸۵۷ء)

صہبائی جن کا نام امام بخش تھا نجیب الطرفین تھے۔ سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی تک اور والدہ کی طرف سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ ان کا خاندان تھانیسر (کوروکشیتر) کا رہنے والا تھا، لیکن یہ دلّی میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے زمانے میں فارسی کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ ۱۸۴۰ء میں قدیم دِلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔

ان کی "کلیات فارسی" ان کے ایک شاگرد دین دیال منیشی (بھوپال) نے جمع کر کے چھپوائی تھی۔ اردو میں ان کی بعض نثری چیزیں ملتی ہیں۔ دلی کالج کے پرنسپل فیلکس بوترو کی فرمائش پر انھوں نے ۱۸۴۳ء میں شمس الدین فقیر کی "حدائق البلاغت" کا آزاد ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اردو شاعروں کا ایک انتخاب بھی مرتب کیا تھا۔ سرسید کی "آثار الصنادید" کے پہلے ایڈیشن میں بھی وہ برابر کے شریک رہے تھے۔ اپنے دو جوان بیٹوں کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انگریزوں کی گولی کا نشانہ بنے۔

ماخذ

مالک رام۔ تحقیقی مضامین ص ۸۵

(سردار) امراؤ سنگھ [۱۸۷۰ء۔۱۹۵۴]

سردار امراؤ سنگھ مجیٹھا کے مورث اعلیٰ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں جنرل تھے۔ انگریزوں نے راجہ کا خطاب دیا اور گورکھپور (یو۔پی، بھارت میں) جائداد عطا کی۔ امراؤ سنگھ کے بھائی سریندر سنگھ کو سَر کا خطاب ملا اور انھوں نے پنجاب کی سیاست میں سرگرم حصّہ لیا۔

امراؤ سنگھ نے دوسری شادی ۱۹۱۲ء میں ہنگری کی ایک خاتون گوٹسمین اردابکتے (GOTTESMAN ERDABAKTAY) سے کی جس کے بطن سے مشہور آرٹسٹ امرتا شیرگل (معروف به میری اینٹوانیت) (MARIE ANTOINETTE) پیدا ہوئی۔ امراؤ سنگھ کو سنسکرت فارسی اور اردو ادب سے گہرا شغف تھا۔ عمر خیام اور سرمد کی رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش بھی کی۔

امراؤ سنگھ ٹالسٹائی سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ گوشت خوری اور شراب نوشی ترک کر دی تھی۔ ہندوستانی سنگیت اور فنون لطیفہ کے دلدادہ تھے۔ فلکیات اور فلسفہ سے بھی لگاؤ تھا۔ فوٹوگرافی اور خطاطی کا بھی شوق تھا۔ صوفی منش اور درویش صفت آدمی تھے۔

اقبال سے دوستانہ مراسم تھے۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں (۱۹۳۳ء۔۱۸۷۳ء) نے جب اقبال پر انگریزی میں پہلی کتاب (A VIOCE FROM THE EAST) (مشرق کی آواز) لکھی، تو اس میں شامل اشعار کا ترجمہ سردار امراؤ سنگھ نے کیا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس سے واپس آتے ہوئے اقبال نے پیرس میں ان کے ہاں قیام کیا تھا۔ کچھ عرصہ انھوں نے انگریزی ماہنامہ "EAST-WEST" کی بھی ادارت کی۔

ماخذ

۱) اقبال سنگھ۔ امرتا شیر گل

N IQBAL SINGH: AMRITA SHER GILL

۲۔ محمد عبد اللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۱۷۱

۳۔ سید مظفر حسین برنی۔ محب وطن اقبال ص ۱۳۱

امیر مینائی (۱۸۲۹ء ـــ ۱۹۰۰ء)

منشی امیر احمد مینائی، مخدوم شاہ مینا لکھنوی (متوفی ۸۸۴ھ) کی اولاد تھے۔
نصیر الدین حیدر والیِ اودھ کے زمانے میں ۱۶ر شعبان ۱۲۴۴ھ / ۲۱ر فروری ۱۸۲۹ء
کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے عربی فارسی کی متداول درسی کتابیں وہیں پڑھیں۔ نحو، طب،
جفر، تاریخ و سوانح وغیرہ علوم سے بھی واقفیت بہم پہنچائی۔ ادب و شعر کا خداداد ذوق
تھا منشی مظفر علی اسیر لکھنوی سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ واجد علی شاہ والیِ اودھ کے
آخری دور میں ان کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے اور فروری ۱۸۵۶ تک یہ تعلق
باقی رہا۔ ۱۸۵۹ء میں رام پور آئے اور انہیں نواب یوسف علی خاں ناظم نے عدالت
دیوانی کا ناظم مقرر کر دیا تھا ۱۸۸۷ء میں نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد رام پور
کی محفل اجڑ گئی تھی اور داغ بھی یہاں سے جا چکے تھے امیر نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ ۱۳۱۷ھ /
۱۸۹۹ء میں میر محبوب علی خاں نظام دکن نے طلب کیا۔ ستمبر ۱۹۰۰ء کو امیر حیدر آباد
پہنچے اور داغ کے مہمان ہوئے۔ جاتے ہی بیمار پڑ گئے ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ
(۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء) کو انتقال فرمایا۔ درگاہ یوسفین (نامپلی حیدر آباد) میں مدفون ہیں
امیر کی تصانیف میں مرآۃ الغیب محامد خاتم النبیین، صنم خانۂ عشق، مینائے سخن،
تذکرۂ انتخاب یادگار، اور امیر اللغات ہیں ان کے علاوہ بھی کئی مطبوعہ اور بعض غیر
مطبوعہ کتابیں ہیں ان کے تلامذہ میں جلیل مانک پوری، مضطر خیر آبادی، ریاض
خیر آبادی وغیرہ ممتاز شاعر شامل ہیں۔

تفصیل کے لیے
ممتاز علی آہ۔ سوانح امیر مینائی

(مولانا محمد) امین زبیری (۱۸۶۲ء ۔ ۱۹۵۸ء)

قصبہ درواہ (نینی تال) یو پی (بھارت) میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ رامپور کے سرکاری اینگلو عربک سکول میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے اسی دوران والد کا انتقال ہو گیا۔ تلاشِ معاش میں ریاست گوالیار۔ پرتاب گڑھ، بارہ بنکی وغیرہ سے وابستہ رہے پھر بمبئی کا رخ کیا جہاں روزنامہ "مسلم ہیرالڈ" (MUSLIM HERALD) میں کالم نویس ہو گئے۔ اسی دوران نواب محسن الملک کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ بعد میں نواب صاحب کی سفارش پر مدر الدین طیب جی کے اخبار میں نائب مدیر ہو گئے کچھ عرصے بعد نواب صاحب کی اعانت سے اپنا اخبار "سفیر" جاری کیا۔ نواب صاحب کے علی گڑھ چلے جانے کے بعد زبیری صاحب بھوپال چلے گئے جہاں ایک وکیل سید عبد العزیز کے ساتھ بطور اسسٹنٹ وابستہ ہو گئے اور یہ تعلق تادم زیست قائم رہا اسی دوران مجلسِ مشاورت میں بھی عارضی ملازمت کی والیٔ ریاست سلطان جہاں کے لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ مولانا نے ۲۴ سال علیا حضرت بیگم بھوپال کی ملازمت کی۔ مولانا زبیری سرکاری رسالہ "ظل السلطان" کے مدیر مقرر ہوئے ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۱ء تک مختلف موضوعاتِ علم و ادب پر کم و بیش چونتیس تصنیفات و تالیفات اور برصغیر کے مقتدر جرائد میں ان گنت مقالات شائع ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں علیا حضرت بیگم بھوپال کے انتقال پر ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور پنشن لے لی۔

پنشن کے بعد علی گڑھ میں اقامت گزیں ہو گئے اور قیامِ پاکستان کے بعد کراچی چلے گئے ۔ وہیں انتقال کیا۔

ماخذ

محمد امین زبیری: خدو خالِ اقبال

ایوبی (صلاح الدین) (متوفی ۱۱۹۳ء)

ایوبی حکمراں خاندان کا بانی، صلیبی محاربات کا ہیرو۔ تکریت (عراق) میں پیدا ہوا، وہ ایک کرد خاندان کا فرد تھا جس نے ۱۱۳۰ء میں آرمینیا سے ہجرت کی تھی۔ اس کے باپ ایوب اور چچا شیرکوہ شام کے فرماں روا نورالدین کے دربار میں ممتاز تھے جو صلیبی جنگوں کا بڑا مجاہد تھا۔ یورپ کی لاطینی عیسائی حکومتوں کے خلاف جہاد اس زمانے میں مصر و شام کی سیاسی و اقتصادی زندگی میں سب سے اہم مقام رکھتا تھا مصر کی فاطمی خلافت کمزور پڑ چکی تھی اور صلیبی حملوں کی زد میں تھی۔ اندرونی اختلافات اور سیاسی کشمکش نے بیرونی حملہ آوروں کے لیے میدان تیار کر رکھا تھا، عیسائی حکومتیں اس کمزوری کا فائدہ اٹھانے کے لیے آمادہ تھیں۔ نورالدین یہ نہیں چاہتا تھا کہ مصر پر اغیار کا قبضہ ہو جائے۔ اس کے سپہ سالار شیرکوہ نے جنگ مصر میں (۱۱۶۴۔۱۱۶۸) عیسائیوں کو شکست دے کر مصر پر اپنا اقتدار جما لیا۔ ان مہموں میں صلاح الدین نے اہم رول ادا کیا۔ شیرکوہ کی وفات (۱۱۶۹ء) کے بعد صلاح الدین فاطمی خلافت کا وزیر مقرر ہوا وہ مصر میں شامی افواج کا سپہ سالار بھی تھا۔ نورالدین کے اصرار پر اس نے ۱۱۷۱ء میں فاطمی خلافت کے خاتمے کا اعلان کر کے نئی حکومت قائم کی۔ وہ برائے نام نورالدین کا باج گزار تھا۔ ۱۱۷۴ء میں نورالدین کی وفات ہو گئی اور اب صلاح الدین نے مصر کی سیاسی و اقتصادی اور عسکری تنظیم نو کی طرف توجہ کی ۱۱۸۶ء تک وہ دمشق، حلب اور عراق میں اردبیل و موصل تک اپنی حکومت قائم کر چکا تھا۔ اب اس نے فرنگ عیسائیوں (FRANKS) کے خلاف جہاد کا زور شور سے اعلان کیا۔ ۴ جولائی ۱۱۸۷ء کو اس نے شمالی فلسطین میں طبریاس کے پاس عیسائیوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ اب وہ فلسطین میں داخل ہوا۔ اور وہاں عیسائی باشندوں کو نہایت فیاضی سے حقوق عطا کر کے ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس پر اپنا قبضہ مکمل کیا۔ اس طرح ۸۸ برسوں کے بعد مسلمانوں کو

بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا موقع ملا۔

غازی صلاح الدین ایوبی نے مختصر علالت کے بعد ۴؍ مارچ ۱۱۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔ وہیں مدفون ہوا وہ ایک اعلیٰ کردار کا انسان اور ایسا مضبوط حکمراں تھا کہ یورپ اس کے نام سے کانپنے لگا تھا۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۱۹؍ ص ۹۲۹۔۹۳۰

مولوی انشاء اللہ خاں (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۸ء)

مولوی محمد انشاء اللہ خاں' لاہور کے مشہور صحافی مؤرخ اور مصنف تھے۔ ۲۰ اپریل ۱۸۷۰ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں اخبار "وکیل" امرتسر کے مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں لاہور سے ہفت روزہ "وطن" جاری کیا جس نے بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی اور ۱۹۰۷ء میں روزنامہ بن گیا لیکن مولانا ظفر علی خاں نے "زمیندار" کو روزنامہ کر دیا تو "وطن" کی اشاعت کم ہو گئی۔ چنانچہ مولوی انشاء اللہ خاں نے اسے دوبارہ ہفت روزہ کر دیا۔ ۱۹۲۸ء میں مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد "وطن" بھی بند ہو گیا۔ مولوی صاحب نے اپنی صحافتی مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا "سلسلہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید خاں" "تاریخ خاندان عثمانیہ" "ترکی کی موجودہ حالت" "مظالم آرمینیا" "تاریخ حجاز ریلوے" ترجمہ "مقدمہ ابن خلدون اور "محاربات بلیونا" اُن کی اہم تصانیف ہیں۔

مولوی انشاء اللہ خاں' علامہ اقبال کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے اس بے تکلفی کا اندازہ وطن کی سینوں والے معروف لطیفے سے لگایا جا سکتا ہے۔ فقیر سید وحید الدین کی روایت ہے کہ مولوی صاحب اکثر علامہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ ان دنوں علامہ انارکلی میں رہتے تھے۔ انارکلی میں کشمیری طوائفیں بھی رہتی تھیں۔ میونسپلٹی نے ان کے لئے دوسری جگہ تجویز کی تھی چنانچہ انھیں وہاں سے اٹھوا دیا تھا۔ اس زمانے میں مولوی انشاء اللہ خاں کئی مرتبہ علامہ اقبال سے ملنے گئے لیکن ہر مرتبہ یہی معلوم ہوا کہ علامہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن گئے تو علامہ گھر پر موجود تھے۔ مولوی صاحب نے کہا: ڈاکٹر صاحب! جب سے طوائفیں انارکلی سے اٹھوا دی گئی ہیں' آپ کا دل بھی یہاں نہیں لگتا علامہ نے جواب دیا: مولوی صاحب آخر وہ بھی تو وطن کی بہنیں ہیں" (روزگار فقیر' لاہور۔ ۱۹۶۳ء ص ۶۴)

ماخذ

رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص ۷۵۔۷۶

(سر) اوریل سٹائین SIR AUREL STEIN
(۱۸۶۲ - ۱۹۴۳ء)

اوریل سٹائین ۱۸۶۲ء میں بوڈا پسٹ (BUDAPEST) ہنگری HUNGARY میں پیدا ہوا۔ وہ بچپن ہی میں ہنگری اور جرمنی بولتا تھا اور ڈریسڈن (DRESDEN) میں اسکول میں یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی سیکھی۔ اس کے بعد ویانا VINNA لیپزگ (LEIPZIG) اور ٹیوبنجن (TUBINGEN) یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ اور آخرالذکر سے پی۔ایچ ڈی Ph D کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں آکسفورڈ اور لندن یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے لئے گیا۔ ۱۹۰۴ء میں انگلستان کا شہری بن گیا۔

اس کو شروع سے مشرق کی دریافت میں دلچسپی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں اورینٹل کالج لاہور کا پرنسپل مقرر ہوا۔ وہ اپنی تعطیلات (EXPEDITIONS) لے جانے میں گذارتا تھا۔ جن میں اسے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ چینی ترکستان میں آثارِ قدیمہ کی تلاش میں ایک مہم لے جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ۱۸۹۸ء میں ایک فوجی دستے کے ساتھ جانے کا سنہری موقع ملا۔ جو بونیر (BUNER) میں بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا جارہا تھا۔ اس نے انسپکٹر آف اسکول کے کام سے رخصت لی اور مہم لے کر روانہ ہوا۔

وسطی ایشیا کا علاقہ ہندوکش، ریشمی شاہراہ SILK ROAD کے مشرقی گوشہ سے لے کر قراقرم خطہ موجودہ پاکستان کے کچھ علاقے۔ کشمیر اور شمالی افغانستان سے دریائے جیحوں اور مغرب میں میرو (MERU) تک پھیلا ہوا تھا۔ یہی علاقہ چینی ترکستان کہلاتا تھا۔ اور پہلی صدی عیسوی میں یہاں بدھ مت کو عروج حاصل

ہوا تھا۔ اس علاقہ کے بدھ مت کے بارے میں اس وقت بہت کم معلومات تھیں چنانچہ اسٹائین نے اس علاقہ کا پورا سروے (SURVEY) کیا۔ جہاں آج تک کوئی یورپین نہیں پہنچا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں ایک سال کی فوجی ملازمت کا قیمتی تجربہ ان مہمات (SURVEYS) میں بہت کام آیا

اسٹائین نے پہلی مہم ۱۹۰۰ء کے موسم بہار میں شروع کی۔ کھوتان (KHOTAN) کے قریب بہت سے آثار قدیمہ ملے جن میں قدیم مخطوطات شامل تھے۔ ڈنڈان آئی لک (DANDAN OILIK) میں بھی قیمتی مخطوطات ملے۔ نیا (NIYA) میں خروستھی زبان میں لکھی ہوئی تختیاں حاصل ہوئیں اور اس نے ۱۹۰۷ء میں وہ زبردست دریافت کی جس کی وجہ سے اس کا نام زندۂ جاوید رہے گا۔ یعنی تنگ ہوانگ (TUN HSIANG) کے مقام پر بدھ مت کے صحائف کا ایک پورا کتب خانہ دریافت کیا جو ایک ہزار برس سے زیر زمین دفن تھا۔ اس پر اسے ۱۹۱۰ء میں "سر" کا خطاب ملا۔ پھر اسٹائین نے اس قدیم راستہ کی تحقیق شروع کی جس سے سکندر اعظم ہندوستان آیا تھا۔ لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی کہ کابل پہنچنے کے چند روز بعد ہی ۱۹۴۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ماخذ

۱۔ سر آریل سٹائین۔ بدھ مت کی تصاویر۔ تعارفی باب

SIR AUREL STEIN: THE BUDDHIST PAINTINGS, INTRODUCTION CHAPTER

۲ ہائنز بیچرٹ اور رچرڈ گوم فریچ۔ بدھ مت کی دنیا ص ۹۹۔ ۱۰۰

HEINZ BECHERT & RICHARD GOMBRICH, THE WORLD BUDDHISM

PUBLISHED IN 1974 - THE THEMES AND HUDSON LTD, LONDON - p. 99-100

بائرن (جارج گورڈن)(۱۷۸۸ء۔۱۸۲۴ء)

GEORGE GORDEN BYRON

رومانی دور کا انگریزی زبان کا مشہور شاعر جس کی ہمہ رنگ شخصیت نے یورپ پر گہرا نقش چھوڑا۔ اس کا نام گہرے عاشقانہ سوز اور سیاسی آزادی کی تمنا کی علامت بن گیا تھا۔ ۲۲ر جنوری ۱۷۸۸ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ ۱۸۰۶ء میں اس کی نظموں کا پہلا مجموعہ بعنوان "FUGITIVE PRECIS" چھپا۔ ۱۸۱۲ء میں اس کی نظم CHILDE HAROLD'S PILGRIMAGE چھپی جس نے غلغلہ پیدا کر دیا۔ اس کی نظم DON JUAN ۱۸۱۸ء طنزیہ حقیقت نگاری کے لیے مشہور ہے وہ اپنے خطوط کی دل آویزی کے لیے بھی ممتاز مقام رکھتا ہے۔

۱۸۱۲ء میں اس نے اپنی سوتیلی بہن AUGUSTA LEIGH سے معاشقہ شروع کر دیا۔ اس داستانِ محبت کا بیان اس کی نظم THE CORSAIR میں ہے جس کی اشاعت کے پہلے دن ہی دس ہزار کاپیاں بک گئی تھیں اس کی حیاتِ معاشقہ بہت رنگین اور متنوع تھی۔ ۱۸۱۵ء میں اس نے (ANNABELLA) سے شادی کی، لیکن باہمی اختلافات کی وجہ سے اس نے انگلستان کو خیرباد کہا۔ سوئٹزرلینڈ، اٹلی، یونان وغیرہ میں رہا۔ اس کا انتقال یونان میں بمقام مسولونگی ((MESSOLONGHI) میں ۱۹ر اپریل ۱۸۲۴ء کو ہوا۔ میت انگلستان لائی گئی ویسٹ منسٹر ایبے WEST MINISTER ABBEY میں اسے دفن کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ نیو اسٹیڈ (NEW STEAD) میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوا۔

اقبال نے جہاں بائرن، براؤننگ (BYRON, BROWNING) / غالب اور رومی کے اندازِ فکر کو ایک شعر میں بادہ و ساغر کے حوالے سے بیان کیا ہے، وہاں بائرن کا

نظریہ حیات اس شعر میں پیش کیا ہے

از منت خضر نتواں کرد سینہ داغ
آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

(میں خضر کا رہین منت ہو کر اپنا سینہ داغ داغ نہیں کرنا چاہتا اس لیے میں آب ساغر اپنے خون جگر سے لیتا ہوں اور ساغر میں ڈالتا ہوں)

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا
ج۱۴/ ۵۰۹-۵۱۲)

براؤن (ای۔جی) BROWN (EDWARD GRANVILLE)

۱۸۶۲ — ۱۹۲۶ء

پروفیسر ای۔جی براؤن کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی اور عربی کے استاد تھے اور ادب کے مورخ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ ۷ / فروری ۱۸۶۲ء کو ولے گلیسٹر شائر VLEY GLOUCESTER SHIRF میں پیدا ہوئے ٹرینٹی کالج (TRINITY COLLEGE) گلینا لمنڈ GLENALMOND میں پھر ایٹن (ETON) اور پمبروک (PEMBROKE) کالج میں طب اور مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں وہ اپنے کالج کے فیلو FELLOW منتخب ہوئے۔ اور اسی سال انھوں نے طب میں ایم بی (M B) کا امتحان بھی پاس کرلیا مگر زندگی بھر کبھی نسخہ نہیں لکھا۔ ۱۸۸۷ء۔ ۱۸۸۸ء میں انھوں نے ایران کا سفر کیا۔ پھر کیمبرج میں فارسی ادبیات کے لکچرر ہوگئے۔ ۱۹۰۲ء میں وہ کیمبرج ہی میں عربی کے آدمز (ADAMS) پروفیسر بنائے گئے اور اس عہدہ پر آخر دم تک فائز رہے۔ ان کی مطبوعہ تصانیف میں سے چند یہ ہیں۔

1- A TRAVFLIFR'S NARRATIVE (1891)

2 LITFRARY HISTORY OF PERSIA UNTIL THE TIME OF FIRDAUSI (1902) OTHFRS PARTS 1906, 1920 & 1924

3 THE PERSIAN REVOLUTION - 1905-9 (1910)

4 CHAHAR MAGALA (TR WITH NOTES) (1921)

5 ARABIAN MEDICINE (1921)

پروفیسر براؤن نے ۵ / جنوری ۱۹۲۶ء کو کیمبرج میں انتقال کیا۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا ۴ / ۲۸۷

(پروفیسر سلاح الدین الیاس) برنی (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۵۸ء)

یہ ۱۹ اپریل ۱۸۹۲ء میں قصبہ خورجہ ضلع بلند شہر۔ یو۔ پی (بھارت) میں پیدا ہوئے ۱۹۰۶ء میں ایم۔ اے۔ او کالج (M A O) علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۲ء میں ایم۔ اے ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے اور وہیں شعبۂ معاشیات میں لیکچرار کی حیثیت سے ۱۹۱۴ء تک کام کرتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ناظم دارالترجمہ اردو حیدر آباد کے عہدہ پر فائز رہے ۱۹۵۴-۵۵ء میں نواب میر عثمان علی خاں، نظام حیدر آباد کے پوتوں مکرم جاہ اور مفخم جاہ کے اتالیق رہے۔

ان کی تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(۱) اسرارِ حق۔ (۲) تسہیل التربیل (۳) مشکوٰۃ الصلوٰۃ (۴) ضرب اللہ (۵) تحفۂ محمدی (۶) ہدایت اسلام (۷) مفتوح الکرم (۸) فتوحات قادریہ (۹) عطیہ قادریہ (۱۰) سلطان مبین (۱۱) مکاتیب المعارف (۱۲) صراط الحمید (جلد اوّل و دوم) (۱۳) قادیانی مذہب (۱۴) مقدمہ قادیانی مذہب (۱۵) نسخہ قادیانی مذہب (۱۶) قادیانی قول و فعل (۱۷) قادیانی غلط بیانی (۱۸) قادیانی مومنٹ ((ENGLISH)) (۱۹) معارفِ ملت (چار جلدیں)

(۲۰) جذباتِ فطرت (۴ جلدیں) (۲۱) مناظرِ قدرت (۴ جلدیں) (۲۲) ذکر اللہ (۲۳) علم المعیشت (۲۴) اصول معاشیات (۲۵) مشیت الہند (۲۶) مالیات (۲۷) مقدمہ المعشیات الہند (TRANSLATION OF MOORELAND'S INTRODUCTION TO ECONOMICS)

(۲۸) معاشیات ہند (TRANSLATION OF MUKERJEE'S INDIAN ECONOMICS)

۲۹) برطانوی حکومتِ ہند۔

(TRANSLATION OF ANDERSON'S BRITISH ADMINISTRATION IN INDIA)

ISLAM SPIRITUAL CULTURE IN ISLAM

۳۰۔ برنی نامہ (جلد اوّل و دوم) ۳۳۔ جواہر سخن۔

۲۵ر جنوری ۱۹۵۵ء میں بلند شہر میں انتقال کیا اور اپنے آبائی وطن خورجہ میں مدفون ہوئے۔

ماخذ

(مولف کی ذاتی معلومات پر مبنی)

(سید علی) بلگرامی (۱۸۵۱ء - ۱۹۱۱ء)

سید علی، سادات بلگرام سے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدّ امجد مولوی کرامت حسین صاحب کمپنی بہادر کے گورنر جنرل کی طرف سے نواب وزیر اودھ کے دربار میں نمائندہ تھے۔ سید علی فارسی، عربی کی تعلیم گھر پر ختم کرکے ۱۸۶۶ء میں انگریزی مدرسے میں داخل ہوتے۔ دو سال انھوں نے کیننگ کالج، لکھنؤ میں تعلیم پائی اس کے بعد ۱۸۷۴ء میں پٹنہ کالج میں شریک ہوکر کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی۔ اے میں ان کی اختیاری زبان سنسکرت تھی۔ دو سال قانون وادب کی تحصیل میں گزار کر انہیں انجینئرنگ کی تعلیم رڑکی کالج میں حاصل کرنے کے لیے طامسن اسکالرشپ ملا۔ ۱۸۷۶ء میں نواب سرسالار جنگ نے ان کو تکمیلِ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا۔ جہاں ۱۸۷۹ء میں انھوں نے لندن یونیورسٹی کا امتحان داخلہ اعلا درجے میں پاس کیا۔ اس امتحان میں ان کی اختیاری زبان جرمنی اور فرانسیسی تھی۔ انھوں نے کیمیا، طبیعیات، معدنیات اور ان کے متعلقہ مضامین کی تعلیم چند سال میں ختم کرلی۔

انگلستان سے جرمنی، فرانس اور اسپین ہوتے ہوئے کچھ مہینے اٹلی میں اطالوی زبان سیکھنے کے لیے قیام کیا۔ حیدر آباد پہنچتے ہی انہیں انسپکٹر جنرل معدنیات مقرر کردیا گیا پھر ۱۹۰۱ء تک ہوم سیکرٹریٹ، تعلیمات اور ریلوے میں رہے۔ ۱۹۰۲ء میں وہ کیمبرج یونیورسٹی میں مرہٹی کے پروفیسر ہوگئے۔ یہ زبان انھوں نے حیدر آباد میں رہ کر سیکھی تھی۔ یہی نہیں وہ چودہ زبانیں ایسے لہجے میں بولتے تھے کہ یہ سب گویا ان کی مادری زبانیں تھیں۔ انگلستان کی یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر اور ڈی لٹ کی ڈگری دی۔

'تمدنِ ہند' اور 'تمدنِ عرب' ان کے دو بڑے شاہکار ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا مصنف موسیو لیبان ہے۔ ان کتابوں کا ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا کہ پڑھتے وقت یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ انھوں نے فارسی اور سنسکرت کے تعلیمی فوائد کا تقابل کرکے ان پر ایک پورا رسالہ لکھا۔

سید علی بلگرامی کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ مہمان نواز بہت تھے۔ علامہ اقبال اور شیخ (بعد میں سر) عبدالقادر اپنی تعلیم کے زمانے میں ان کی مدارات کا خاص لطف اٹھاتے رہے۔ عطیہ فیضی سے اقبال کی بے تکلفی کا آغاز بھی انھی کے ہاں دعوت پر ہوا تھا۔
سید علی بلگرامی کا انتقال ۳ مئی ۱۹۱۱ء کو ہوا۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی: اقبال بنام شاد ص ۱۳۸— ۱۲۵

(شہزادی) بمبا (دلیپ سنگھ)

(۱۸۶۹ - ۱۹۵۷ء)

شہزادی بمبا دلیپ سنگھ) ۲۹ ستمبر ۱۸۶۹ کو لندن میں پیدا ہوئیں۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی تھیں۔ لندن کے قیام کے بعد لاہور آ کر رہنے لگیں۔ اور اپنی کوٹھی کا نام گلزار رکھا۔

شہزادی بمبا نے کنگ ایڈورڈ کالج کے انگریز پرنسپل اور مشہور سرجن ڈاکٹر سدرلینڈ (DR SUDERLAND) سے شادی کی۔ اور اس کے ساتھ انگلستان چلی گئیں۔ پھر واپس آکر زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گذارا۔ اور یہیں ۱۰ مارچ ۱۹۵۷ء کو انتقال کیا۔

شہزادی بڑی خداترس خاتون تھیں۔ فنون لطیفہ کی بے حد دلدادہ اور قدردان تھیں۔ ۱۹۱۱ء میں سردار جوگندر سنگھ کے توسط سے اقبال سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ شہزادی نے اقبال کے لئے حقہ کا بطور خاص انتظام کیا تھا۔

ایک بار شہزادی نے اپنی ایک آسٹریلین شہزادی سے اقبال کی شالامار باغ میں ملاقات کرائی۔ وہاں ایک اور یوریپن خاتون مس گوشمین بھی موجود تھیں۔ (مس گوشمیں پر علیحدہ نوٹ ملاحظہ ہو) انھوں نے اقبال کو ایک پھول پیش کیا۔ دوسری خاتون اپنی گود میں خوبصورت بلی لئے بیٹھیں تھیں۔ اقبال کی دو نظمیں " پھول کا تحفہ عطا ہونے پر" اور " . . . . . کی گود میں بلی دیکھ کر" اس ملاقات کی یادگار ہیں۔

ماخذ

(۱) گنڈہ سنگھ۔ پنجاب میں تحریک آزادی کی تاریخ ص ۶۸۰۔ ۶۸۱

GANDA SINGH: HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT IN THE PUNJAB

- MAHARAJA DULEEP SINGH

CORRESPONDENCE VOL III p 680-681

(۲) عبد المجید سالک۔ ذکر اقبال ص۔ ۸۰۔ ۸۱

(۳) محمد عبد اللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی ۱۷۱۔ ۱۷۲

(خواجہ) بہاء الدین نقشبندی ابن سید محمد بخاری

(۷۱۸ھ — ۷۹۱ھ)

ان کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے امام حسن عسکری تک پہونچتا ہے۔ یہ خواجہ امیر کلال (ف ۸ جمادی الاوّل ۷۷۲ھ) کے مرید تھے۔ ان سے ہی تربیت روحانی حاصل کی۔ دو بار سفر حج کیا۔

دوشنبہ ۳۔ ربیع الاوّل ۷۹۱ء کو انتقال کیا۔

خلفاء میں خواجہ علاء الدین عطار (ف ۸۰۲ھ) اور خواجہ محمد پارسا ممتاز ہیں۔

برائے تفصیل

(۱) خواجہ محمد پارسا۔ رسالہ قدسیہ با مقدمہ و تصحیح ملک محمد اقبال۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۹۷۵ء، راولپنڈی۔ ص ۳۹-۸۴

(مہاتما) بدھ (۵۸۳-۴۶۳ ق.م)

سدھارتھ گوتم کپل وستو کی ساکیہ سلطنت کے راجہ سدھودنا کے بیٹے تھے۔ جو ۵۶۳ ق.م کے قریب لومبنی LUMBINI کے مقام پر پیدا ہوئے جو ہندوستان نیپال کی سرحد پر واقع ہے۔ ۱۶ برس کی عمر میں چچیری بہن شہزادی یشودھرا سے شادی ہوئی۔

انسانی دکھ یعنی بڑھاپا، بیماری اور موت کے نظارہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ۲۹ برس کی عمر میں ان کی زندگی میں ایک انقلاب آیا اور وہ اپنی بیوی اور بیٹے راہول کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل گئے۔ جہاں برسوں کی سخت ریاضت کے بعد گیا (بہار) کے مقام پر بڑھ کے درخت کے نیچے ان پر حقیقت "منکشف ہوئی اور اس وجہ سے وہ مہاتما بدھ کہلائے۔ اب انھوں نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ شروع کی۔ وہ ذات پات کی تفریق اور رسوم پرستی کے خلاف تھے۔ نیک بینی، راست گفتاری، جائز ذریعۂ معاش اور فکر و مراقبہ پر زور دیتے تھے۔ ان کا فلسفہ حیات یہ تھا کہ دکھ خواہشات سے پیدا ہوتا ہے اگر انسان اپنی خواہشات پر قابو پا لے تو پھر اسے سدا کے لئے نجات (نروان) حاصل ہو سکتی ہے۔

۸۰ برس کی عمر میں کشی نارا (KUSINARA) کے مقام پر وفات پائی۔ جسے آج کاسیا (KASIA) یا کشی نگر (KUSINAGAR) کہا جاتا ہے۔

اشوک اعظم نے بدھ مت قبول کیا اور وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت کی۔ ہندوستان کے علاوہ مشرق بعید کے ممالک میں بھی بدھ مت کو فروغ حاصل ہوا۔

بدھ مت دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ اور اس نے فنون لطیفہ خصوصاً فن تعمیر، سنگ تراشی اور سنسکرت پالی چینی اور دیگر زبانوں کے ادبیات پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

اقبال گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گوتم بدھ کی رہبانیت انسانی ہمدردی پر قائم ہے اور اس سے انسانوں کی غمخواری کا سبق ملتا ہے۔ "جاوید نامہ" میں زندہ رود" (اقبال) کی ملاقات وادی "طواسین" (پیغمبروں کی وادی) میں سب سے پہلے گوتم بدھ سے ہوتی ہے۔

ماخذ

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیہ جلد ۳ ص ۳۶۹۔ ۱۴م ایڈیشن ۱۹۸۲ء

۲۔ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال ص ۹۰

۳۔ سید مظفر حسن برنی۔ محب وطن اقبال ص ۸۷

شیخ بوعلی شاہ قلندر (۱۲۰۸-۱۳۲۴ء)

شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کر کے دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر یکایک ان کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انھوں نے جنگل کی راہ لی۔ عمر بھر مجذوب رہے۔ حالت جلال میں بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ علاء الدین خلجی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ ان کا انتقال پانی پت ہی میں ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں ہوا۔ غزلیات کے علاوہ ان کی دو مثنویاں "کنز الاسرار" اور "رسالۂ عشقیہ" بھی مشہور ہیں۔ بعض محققین بوعلی شاہ کے ساتھ ان مثنویوں کے انتساب کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی غزلیں جذب و کیف سے بھرپور ہیں۔

ان کے بارے میں مستند تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ سب سے پہلے ان کا تذکرہ ضیاء الدین برنی کی "تاریخ فیروز شاہی" میں آیا ہے۔ ان کا کچھ حال اور فارسی کلام حضرت ید اللہ حسینی (متوفی ۸۵۲ھ) کے ملفوظات "محبت نامہ" میں بھی ملتا ہے۔

ماخذ

(۱) ضیاء الدین برنی — تاریخ فیروز شاہی
(۲) حضرت ید اللہ حسینی — محبت نامہ (قلمی)
(۳) ڈاکٹر محمد صدیق شبلی — فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۲۴

ڈاکٹر محمد ریاض

بیدل (۱۶۴۱ء — ۱۷۲۰ء)

مرزا عبدالقادر بیدل (۱۰۵۴ھ ۔ ۱۱۳۳ھ) ہندوستان میں فارسی کے صفِ اول کے شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ نازک خیالی مضمون آفرینی اور فلسفیانہ موشگافیوں کے امام تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جو ہندوستان اور افغانستان میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے فلسفیانہ کلام کا اثر مرزا غالب کی شاعری پر ہے اور کسی حد تک اقبال کی شاعری پر بھی۔ اقبال نے ایک جگہ لکھا ہے "دنیا میں چار اشخاص ایسے ہیں کہ جو بھی ان کے طلسم میں گرفتار ہو جاتا ہے مشکل سے رہائی پاتا ہے اور وہ چار دل ہیں محی الدین ابن عربی، شنکر آچاریہ، بیدل اور ہیگل" بیدل نے ۱۱۳۳ء کو (۱۷۲۰ء) دہلی میں انتقال کیا، اپنے گھر کے صحن میں دفن ہوئے جو محلہ کھکھیڑیاں کہلاتا تھا اور اب پرانے قلعہ کے سامنے جانب عزب "باغ بے دل" سے موسوم ہے۔

<u>مزید تفصیل کے لیے دیکھیے۔</u>

محمد ریاض۔ اقبال اور بیدل۔ اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۲ء

سید اطہر شیر۔ مرزا عبدالقادر بیدل ص ۸/۷

کرشن چند اخلاص تذکرہ ہمیشہ بہار۔

بیکن فرانسس FRANCIS BACAN

(۱۵۶۱ - ۱۶۲۶ء)

فرانسس بیکن ۲۲ رجنوری ۱۵۶۱ء میں لندن میں پیدا ہوا۔ ۱۵۷۳ء میں ٹرینٹی کالج کیمرج (TRINITY COLLEGE CAMBRIDGE) میں داخلہ لیا۔ ۲ سال کی مدت میں مستقل بیماری کے سبب تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ بعد میں ۱۵۸۲ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔

ابتدائی ناکامیوں کے بعد ۱۶۰۷ء میں سالیٹر جنرل (SOLCITOR GENERAL) اور ۱۶۱۳ء میں اٹارنی جنرل (ATTORNEY GENERAL) مقرر ہوا۔ ۱۶۱۷ء میں (LORD KEEPER) اور اگلے سال (LORD CHANCELLOR) کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوا۔ ۱۶۲۰ء میں لارڈ (LORD) کا خطاب ملا اور اس کا شمار جیمس اوّل (JAMES I) کے مقربین میں ہونے لگا۔ اس کے عروج و ترقی کی وجہ سے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اس پر رشوت کے الزام عائد کئے گئے اور پارلیمنٹ کے ایوان بالا (HOUSE OF LORD) میں بھی اس کے خلاف بے شمار شکایتیں اٹھائی گئیں۔ آخر کار بیکن نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ تاہم باداش سے نہ بچ سکا۔ ۴۰ ہزار پونڈ جرمانہ ہوا۔ لندن ٹاور (LONDON TOWER) میں قید کیا گیا۔ گو قید کی مدت طویل نہ تھی۔ اس نے زندگی کے آخری ایام تصنیف و تالیف میں گزارے۔

مارچ ۱۶۲۶ء میں سواری میں جا رہا تھا کہ یکایک خیال آیا کہ برف سے چیزوں کے گلنے کا عمل دیر سے ہوگا۔ چنانچہ اس نے ایک مرغ خریدا اور اس کا پیٹ چاک کر کے برف بھری یہ تجربہ کرنے میں ٹھنڈ لگ گئی اور

نمونیہ میں مبتلا ہوا۔ ۹ اپریل ۱۶۲۶ء کو انتقال کیا۔

اس کی پہلی تصنیف "علم کی ترقی" (ADVANCE OF LEARNING) ۱۶۰۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں علم کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔ ۱۶۰۸ء اور ۱۶۲۰ء کے درمیانی عرصہ میں اس کی شہرۂ آفاق تصنیف "تجدید عظیم" "منطق کا نیا تجربہ" NOVUM ORGANUM مرتب ہوئی۔ اس کے بارہ ڈرافٹ تیار کئے گئے تھے۔ بالآخر ۱۶۲۰ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶۱۰ء میں اس کی ایک اور مشہور تصنیف "تجدید عظیم" INSTAURATIO MAGNA ہے جس میں سائنسی علوم کی مدد سے انسان کو تسخیر فطرت وہ قدرت حاصل کرنے کا منصوبہ پیش کیا ہے جو وہ سقوط آدم کے بعد کھو بیٹھا تھا۔ لیکن اپنے تجرباتی فکر اور منطق کی وجہ سے ممتاز رہے۔ اس نے ایک اور ناول لکھنا شروع کیا تھا جس میں ایک مثالی ریاست کا نقشہ پیش کیا ہے۔

اس کا میدان فلسفہ اور سائنس تھا گو سائنسداں کی حیثیت سے اس کا درجہ بلند نہیں ہے۔ اس کی لازوال شہرت کا دارومدار اس کے انشائیوں (ESSAYS) پر ہے۔ جو ذاتی تجربات اور گہرے غور و فکر کے بعد لکھے گئے ہیں۔ ان میں "محبت"، "انتقام"، اور "بے کاری" وغیرہ موضوعات پر مضامین شامل ہیں۔ اس کے اقوال زریں انگریزی ادب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک بے بنیاد روایت بھی ہے کہ جو ڈرامے شکسپیر کے نام سے منسوب ہیں وہ دراصل بیکن کے لکھے ہوئے ہیں۔

ماجد

دائرۃ المعارف برطانیہ۔ جلد ۲ ص ۵۶۶ - ۵۶۱

پریم چند (۱۸۸۰ء - ۱۹۳۶ء)

دھنپت رائے پریم چند ۳۱ جولائی ۱۸۸۰ء کو لمہی گاؤں، ضلع بنارس میں پیدا ہوئے ابتدا میں فارسی پڑھی پھر انگریزی شروع کی۔ ۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور ایک مشن سکول چنار (مرزاپور) میں اسسٹنٹ ماسٹر ہو گئے ۱۹۰۰ء میں گورنمنٹ ڈسٹرکٹ سکول بہرائچ میں نوکری کر لی۔ ۱۹۰۲ء میں ٹریننگ کالج الٰہ آباد میں (PREPARATORY CLASS) میں داخل ہو گئے اور ۱۹۰۴ء میں جونیر کلاس کا امتحان پاس کیا اسی سال الٰہ آباد یونیورسٹی کا اسپیشل ورنیکلر (SPECIAL VERNACULAR) امتحان اردو ہندی دونوں میں پاس کیا۔ ۱۹۰۵ء میں ٹریننگ کالج کے مڈل اسکول سے تبدیل ہو کر کانپور آ گئے۔ ۱۹۰۹ء تک وہیں رہے اور بال گنگا دھر تلک کی تحریک آزادی کی مہم میں شامل ہو گئے۔

۱۹۰۶ء میں پریم چند کی دوسری شادی ایک بیوہ خاتون شورانی سے ہوئی۔ ۱۹۰۷ء میں ان کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور ہو گیا۔ ۱۹۰۹ء میں مہوبا ضلع ہمیرپور میں ڈسٹرکٹ بورڈ سب انسپکٹر ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں بستی تبدیل ہو کر آئے۔ اور جہاں ڈھائی سال تک رہے لیکن خرابی صحت کی بنا پر سب انسپکٹری چھوڑ کر مدرسی پر لوٹ آئے۔ اور ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ اسکول بستی میں اسسٹنٹ ٹیچر ہو گئے۔ ۱۹۱۶ء میں ان کا تبادلہ گورکھپور کے نارمل اسکول میں ہو گیا یہاں کئی علم دوست اصحاب خصوصاً رگھوپتی سہائے فراق سے دوستی ہو گئی۔ یہیں وہ کانگریس کی تحریک "عدم اشتراکِ عمل" میں شامل ہوئے۔ فروری ۱۹۲۱ء میں پریم چند نے اسی تحریک کے سلسلے میں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور چرخے کی دوکان کھولی مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو ۱۹۲۲ء میں بنارس چلے گئے۔ وہاں سے کانپور آ گئے جہاں مارواڑی اسکول کے ٹیچر ہو گئے لیکن منیجر سے ان بن ہونے کی وجہ سے ۱۹۲۳ء میں یہاں سے مستعفی ہو کر بنارس

چلے گئے ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں "مریادا" کے ایڈیٹر ہوئے۔ پریم چند بمبئی بھی گئے لیکن ۱۹۳۵ء میں واپس بنارس آ گئے۔ ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کی صدارت کی۔ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو پریم چند کا انتقال ہو گیا۔

پریم چند اردو کے عظیم افسانہ نگار اور ناول نویس ہیں۔ ان کی تخلیقات اردو ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پریم چند نے اردو ناول اور افسانے کو سماجی حقیقت پسندی کے آداب سکھائے ۱۹۱۷ء سے ہندی کی طرف رجوع ہوئے ان کا کمال یہ ہے کہ ان کے افسانے اور ناول اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ادب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں ان کے افسانوں کے مشہور مجموعے سوزِ وطن (اس کتاب کو فروری ۱۹۰۹ء میں انگریزی حکومت نے ضبط کر لیا تھا) پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی، پر مشتمل ہیں اور ان کے مشہور ناولوں میں بازارِ حسن گوشۂ عافیت، چوگانِ ہستی، غبن، میدانِ عمل، اور گئودان قابلِ ذکر ہیں۔

نومبر ۱۹۱۰ء سے پہلے پریم چند کے ناول نواب رائے کے نام سے شائع ہوتے تھے اس کے بعد سے پریم چند کے نام سے شائع ہونے لگے۔

ماخذ

قمر رئیس۔ پریم چند

ہنس راج۔ پریم چند

(سر) تھیوڈور مارسین (SIR THEODORE MORRISION)

(۱۸۶۳ء - ۱۹۳۶ء)

تھیوڈور مارسین کیمرج یونیورسٹی کے سند یافتہ تھے۔ انھیں تعلیمی امور سے شروع سے دلچسپی تھی۔ ہندوستان آنے سے قبل وہ کئی برس تک اسی حکومت کے تعلیمی شعبہ سے منسلک رہے۔ وہ یہاں چھتر پور (بند ملکھنڈ) اور چرکھری (ہمیرپور) کے نوجوان مہاراجاؤں کے اتالیق کی حیثیت سے آئے اور اکتوبر ۱۸۸۹ء میں ایم۔ اے او کالج علی گڑھ میں انگریزی کے پروفیسر ہوئے۔ بعد میں اکتوبر ۱۸۹۹ء میں پرنسپل کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اپنی پانچ سالہ مدت پوری ہونے پر ۱۹۰۴ء میں اس سے سبکدوشی حاصل کرلی۔ اور مارچ ۱۹۰۵ء میں اپنے وطن واپس چلے گئے لیکن اس کے بعد بھی وزیٹر (VISITOR) کی حیثیت سے کالج سے وابستگی رہی اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل میں دلچسپی لیتے رہے۔ انھوں نے ۷۳ سال کی عمر میں فروری ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

مارسن نے تقریباً دس سال پروفیسر کی حیثیت سے کالج کی خدمت کی وہ طلبا میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے ایک شاگرد خوشی محمد ناظر نے لکھا تھا

سب عزیزوں میں ہوا ہر دل عزیز
یوسفِ مصرِ محبت مارسن

مارسن کا پانچ سالہ عہدِ پرنسپلی کالج کی مختلف پہلوؤں سے ترقی کے لئے ممتاز رہا ہے۔ انھوں نے طلبا کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کی تعمیر میں بھی

دلچسپی لی اور درسیات میں دینیات کو ایک نمایاں مضمون کی حیثیت دی گئی اور DEAN OF THEOLOGY کا عہدہ قائم کیا گیا اور کالج کی اقتصادی حالت بھی بہتر ہوئی۔

ماخذ

نورالحسن نقوی۔ "فکر و نظر"
ناموران علی گڑھ نمبر ص ۲۷۱۔ ۲۸۱

تیمور (۱۳۳۶ء۔ ۱۴۰۵ء)

تیمور جو عام طور پر تیمور لنگ بھی کہلاتا ہے ۱۳۳۶ء۔ ۷۳۶ھ میں کش میں پیدا ہوا۔ جو ازبکستان (روس) میں سمرقند سے پچاس میل جنوب میں ہے روایات کہتی ہیں کہ اس کا باپ ترا غائی خان برلاس قبیلہ کا سردار اور قراچار نویان نامی کی اولاد تھا جو چغتائی خاں پسر چنگیز خاں کا وزیر اور دو رکارشتہ دار بھی تھا۔ (اس سے ایک کتاب ترک تیموری منسوب ہے، مگر وہ جعلی ہے) اس نے ۷۶۱ھ میں سمرقند پر قبضہ کر لیا تغلق تیمور، والئ کاشغر نے اپنے بیٹے الیاس خوجہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا اور تیمور اس کا وزیر ہو گیا۔ مگر ۱۳۶۴ء میں اس نے الیاس خوجہ کو شکست دی اور ماوراالنہر فتح کرنے کے عزم سے نکل پڑا۔ ۱۳۷۰ء میں اس نے امیر حسین کو بھی بلخ میں قید کر لیا اور خود سمرقند میں چغتائی خاندان کا وارث اور مغل سلطنت کا بانی بن کر تخت پر بیٹھا ابتدائی دس برسوں میں اس نے مشرقی ترکستان اور خوارزم وغیرہ علاقے فتح کیے۔ ۱۳۸۰ء میں کاشغر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۳۸۲ء سے اس نے ایران پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا پہلے ہرات فتح کیا۔ ۱۳۸۵ء تک خراساں اور مشرقی ایران کا پورا علاقہ اس کے زیر نگیں آ گیا۔ ۱۳۸۶ء۔ ۱۳۹۴ء کے درمیان اس نے فارس، عراق، آذربائیجان، آرمینیا، میسوپوٹامیہ، جارجیا سب کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔

۱۳۹۸ء میں جب وہ ساٹھ سال کا تھا اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ ۲۴ ستمبر کو دریائے سندھ عبور کیا اور دلی کی طرف بڑھا۔ محمود تغلق کی فوج کو پانی پت میں شکست دی (۱۷ دسمبر) اور پھر دلی میں قتل و غارت کا ایسا بازار گرم کیا کہ دلی ایک صدی تک سنبھلنے کے قابل نہ ہو سکی۔ اپریل ۱۳۹۹ء میں وہ اپنے پایہ تخت میں واپس پہنچا۔ یہاں سے بے اندازہ و بے شمار دولت اپنے ساتھ لے گیا۔

ان میں نوے ہاتھیوں پر تو صرف ہندوستان کے پتھر لدے ہوئے تھے جن سے سمرقند کی مسجد تعمیر کی گئی۔ ۱۴۰۱ء میں اس نے شام پر حملہ کیا اور دمشق کو ویران کر دیا۔

۱۴۰۴ء میں وہ سمرقند واپس آیا اور اب چین پر ایک بڑے حملے کی تیاری کی تھی کہ ۱۹ جون ۱۴۰۵ء کو اوترار میں انتقال کیا۔ لاش بعد کو سمرقند میں دفن کی گئی

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا ۲۲/۴

ٹالسٹائی (نکولائی و یچ کاؤنٹ لیو (ولادت ۱۸۲۸ء)

TOLSTOI, COUNT LEO NIKOLEE VICH

روسی ادیب، مفکر، مصلح، دنیا کے عظیم ناول نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ۹ر ستمبر ۱۸۲۸ء کو (ماسکو سے تقریباً سو میل جنوب) یسنایا پولیانا (YASNAYA POLYANA) میں پیدا ہوا۔ سولہ سال کی عمر میں وہ قازان یونیورسٹی میں داخل ہوا مگر وہاں سے کچھ ہی دنوں میں بددل ہو اپنے وطن واپس آگیا۔

۱۸۵۲ء میں وہ فوج میں بھرتی ہو گیا اور کئی مہموں میں حصہ لیا۔ فرصت کے اوقات میں وہ لکھتا تھا۔ پہلی تصنیف DETSTVO ۱۸۵۲ء میں چھپی۔ اس نے کریمین جنگ میں بھی حصہ لیا۔ ۱۸۵۶ء میں فوجی ملازمت ترک کر دی اگلے سال فرانس، جرمنی، سوئزر لینڈ کا سفر کیا۔ اس سفر کے مشاہدات پر جو کہانیاں اس نے لکھیں ان کی تنقید نے اسے ادب سے بددل کر دیا تھا۔ اب اس کا دھیان غریب کسانوں میں تعلیم کا فقدان دور کرنے پر تھا ان کے بچوں کے لیے ایک اسکول شروع کیا۔ ۱۸۶۰ء۔ ۱۸۶۱ء میں اس نے دوبارہ یورپ کا سفر کیا تاکہ وہاں کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کرے پھر نصابی کتابیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔

۱۸۶۲ء میں ٹالسٹائی نے شادی کی اس کے ۱۳ اولادیں ہوئیں۔ اب وہ لکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے دو شاہکار OINAIMIR (WAR AND PEACE - 1863-69) اور اناکرینینا ANNA KARENINA (۱۸۷۳ـ۷۷) اسی زمانے میں تخلیق ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ زندگی کے مقصد کی تلاش میں تھا اور ایک طرح کے روحانی بحران سے گزر رہا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں اس کی کتاب A CONFESSION چھپی جو اسی ذہنی کیفیت کا آئینہ ہے۔ جن کسانوں کے لیے اس نے کچھ عرصہ کام کیا تھا ان سے ہی اسے اپنی روح کا سکون ملا کہ "انسان کو خدا کی عبادت کرنی چاہیے اور صرف اپنے لیے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔" آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت

عیسیٰ کی تعلیمات جو انجیل مقدس میں ہیں ان میں "مقصد حیات" کیا ہو اس کا جواب موجود ہے۔ پھر اس نے چرچ سے بھی بغاوت کی اور ۱۹۰۱ء میں چرچ نے اسے خارج کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس کی آخری کتاب RESSURECTION ۱۸۹۹ء ہے۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۲۲/ص ۴۶۲-۴۶۶

ٹینی سن (الفرڈ) (ALFRED TENNYSON) ۱۸۰۹ء-۱۸۹۲ء)

ادبیات انگریزی کے وکٹورین عہد کا نمائندہ شاعر سومربی (SOMERSBY) لنکن شائر (LINCOLNSHIRE) میں ۶/اگست ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوا ۱۸۲۷ء میں وہ ٹرینٹی کالج (TRINITY COLLEGE) میں داخل ہوا جہاں اسکی دوستی آرتھر ہیلم (ARTHUR HALLAM) سے ہوئی۔ شاعر کی حیثیت سے ٹینی سن کی شہرت کیمبرج سے شروع ہوئی۔ ۱۸۲۹ء میں اسے نظم ٹمبکٹو (TIMBUC TOO) پر، چانسلرز گولڈ میڈل ملا۔ ۱۸۳۰ء میں اس کی غنائیہ نظمیں چھپی۔ ۱۸۳۲ء میں اس کی نظموں کا دوسرا مجموعہ شائع ہوا۔ اس زمانے میں اس نے اپنی بعض بہترین نظمیں لکھیں مثلاً ULYSSES اس نے اپنے دوست آرتھر ہیلم کی وفات پر مشہور مرثیہ IN MEMORIUM لکھا جس سے ٹینی سن کی دھوم مچ گئی۔ ملکہ وکٹوریہ تک اس کو رسائی ہوئی اور وہ ملک الشعرائے دربار مقرر کیا گیا۔

۶/اکتوبر ۱۸۹۲ء کو آلڈورتھ (ALDWORTH میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا ۲۱/ص ۸۵۳-۸۵۵)

ٹیک چند بہار (۱۱۱۰ھ۔۱۱۸۰ھ)

نام ٹیک چند، بہارؔ تخلص۔ ذات کے کھتری۔ ۱۱۱۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے
سراج الدین علی خاں آرزو اور شیخ ابو الخیر خیر اللہ رعاہی کے شاگرد تھے۔ میر تقی میر
کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ میر کے تذکرہ "نکات الشعرا" میں ان کا ذکر
ملتا ہے۔ میر حسن نے بھی اپنے تذکرہ میں ان کی اصطلاحات فارسی میں معلومات
کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔
"تذکرہ گلزار ابراہیم" کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایران بھی گئے تھے۔ دہلی دربار
سے 'راجہ' یا "رائے" کا خطاب پایا۔
۱۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔
"بہار عجم" کے مؤلف ہیں۔ جو فارسی کی صحیح اور مستند لغت ہے۔ ان کی
دوسری اہم تصانیف "نوادر المصادر" (۱۱۵۲ھ۔ ۱۷۳۹ء) اور ابطالِ ضرورت ہیں۔

ماخذ

(۱) سید عبد اللہ۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ص ۱۶۴۔ ۱۷

(۲) رفیق مارہروی۔ ہندوؤں میں اردو ص ۱۱۹

(۳) نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر ص ۱۶۳

ٹیگور (رابندر ناتھ) (۱۸۶۱ء۔ ۱۹۴۱ء)

بنگالی زبان کے عظیم شاعر، ۷/مئی ۱۸۶۱ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد دیبندر ناتھ ٹیگور (۱۸۱۷ء۔ ۱۹۰۵ء) ایک سماجی مصلح اور ہندو فلسفہ کے عالم تھے۔ ٹیگور نے اپنے گھر پر ہی تعلیم حاصل کی۔ نوعمری ہی میں شعر کہنے لگے۔ بنگالی زبان میں ہیئت کے بعض نئے تجربے بھی کیے۔ ۱۸۹۰ء میں پہلا مجموعہ کلام شائع ہوا۔ ملک کے تعلیمی ثقافتی اور سیاسی مسائل میں ہمیشہ گہری دلچسپی لیتے رہے ۱۹۱۳ء میں ان کی کتاب گیتانجلی پر نوبل انعام ملا۔ ۱۹۰۱ء میں انھوں نے شانتی نکیتن میں ایک اسکول قائم کیا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں وشوا بھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن کا افتتاح کیا۔ ۷/اگست ۱۹۴۱ء کو کلکتہ میں انتقال ہوا۔

ٹیگور نہ صرف شاعر تھے بلکہ ڈرامہ نویس، ناول نگار، افسانہ نویس اور مصور بھی تھے ٹیگور کی تصانیف میں سے بیشتر انگریزی اردو اور دنیا کی کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں ۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۱ء تک ٹیگور کے بیس مجموعے شائع ہوئے اس سے قبل کے دور کی بھی متعدد تصانیف مشہور ہیں۔

ماخذ
(دائرۃ المعارف برطانیکا ۲۱/۶۲۲)

جامی (۱۴۱۴-۱۴۹۲ء)

نور الدین عبد الرحمٰن جامی بن نظام الدین احمد دشتی و قصبہ جام میں ۲۳ر شعبان ۸۱۷ھ مطابق نومبر ۱۴۱۴ء کو پیدا ہوئے۔

بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ ہرات آئے اور وہاں مدرسہ نظامیہ میں علوم عربی کی تعلیم حاصل کی۔ جامی نہایت ذہین تھے۔ تھوڑی مدت میں بہت سے علوم پر دسترس حاصل کر لی۔ پھر شام اور حجاز کا سفر کرتے ہوئے ۸۷۸ھ (۱۴۷۳ء) میں ہرات آ گئے۔

جامی کے پیرو مرشد حضرت مخدوم خواجہ سعد الدین کاشغری تھے۔ مگر انھیں شیخ احمد جام سے بھی عقیدت تھی۔ غالبًا اسی لئے جامی تخلص اختیار کیا۔

جامی فارسی کے نہایت ممتاز صوفی شاعر گذرے ہیں۔ نظامی کے جواب میں "خمسہ" لکھا۔ اس کے علاوہ ایک تذکرۂ صوفیا بنام "نفحاتِ الانس" مرتب کیا۔ تصوف میں ان کا ایک رسالہ "لوائح" ہر دور میں مقبول رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد تصانیف ہیں۔ "کلیاتِ جامی" میں تمام اصنافِ سخن ہیں۔ خصوصًا نعت گوئی میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

نظم میں دیوان غزلیات کے علاوہ 'تحفۃ الاحرار'، یوسف و زلیخا" لیلیٰ مجنوں، خرد نامہ اسکندری' سلسلۃ الذہب وغیرہ مثنویاں ہیں اور یہ جامی کا شاہکار مانی جاتی ہیں۔

جامی نے ۸ر محرم الحرام ۸۹۸ھ مطابق ۹ر نومبر ۱۴۹۲ء کو انتقال کیا۔ سیر العارفین کے ہندوستانی مصنف جمالی الدین جمالی دہلوی ان سے

ملے تھے اور ان کے مہمان رہے تھے۔

ماخذ

(۱) علی اصغر حکمت / سید عارف نوشاہی۔ جامی۔
رضا پبلی کیشنز لاہور۔ بار اوّل ۱۹۸۳ء
(۲) عظیم الحق جنیدی۔ مآثر الحکم۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
۱۹۸۰ء ص ۲۱۷۔ ۲۲۰

جلال اسیر (متوفی ۱۰۴۹ھ)

مرزا سید جلال اسیر اصفہانی، مرزا صائب کے دوست تھے۔ آپ کے اشعار پیچیدہ مطالب اور نازک خیالی کے حامل ہیں۔ اور یہ انداز "اصفہانی" یا "ہندی" کہلاتا ہے۔ فارسی کے مشہور تذکروں مثلاً ریاض الشعرا، صحف ابراہیم" اور "مخزن الغرائب" میں اسیر کو نازک خیالی اور دقتِ بیان کے بانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اسیر کی غزلیات میں بلند خیالی ملتی ہے۔ قصائد بیشتر مذہبی مناقب کے حامل ہیں۔

ماخذ

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص۔ ۱۲۷

ڈاکٹر محمد ریاض

(پیر) جماعت علی شاہ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء)

پیر سید جماعت علی شاہ بن سید کریم شاہ علی پوری ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں علی پور سیداں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حافظ شہاب الدین کشمیری سے قرآن حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم مولانا عبدالرشید علی اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے حاصل کی۔ مولانا غلام قادر بھیروی، اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے بھی کسب فیض کیا۔ کانپور میں مولانا محمد علی مونگیری، ناظم ندوۃ العلماء کے علاوہ مولانا احمد حسن کانپوری اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے بھی استفادہ کیا۔ حدیث شریف کی سند مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے حاصل کی۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے بھی حدیث کی سند عطا فرمائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ فقیر محمد عرف باباجی (چورہ شریف) کے مرید ہوئے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا۔ شدھی کی تحریک کے خلاف بھرپور جدوجہد کی۔ انھوں نے قادیانی دعوے کی بھی زبردست تردید کی۔

ان کی سیاسی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی اپیل پر جو نواب وقار الملک نے کی تھی، آپ نے ایک کثیر رقم اپنے حلقۂ ارادت سے جمع کرائی۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک میں 'امیر ملت' کا خطاب دیا گیا۔ آپ کے لاکھوں مرید پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تحریک مسلم لیگ میں اپنے تمام مریدوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔ ایک موقع پر پیر صاحب نے علامہ اقبال سے فرمایا:

ڈاکٹر صاحب! آپ کا یہ شعر ہمیں بھی یاد ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس پر علامہ نے کہا۔
"میری نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کو میرا یہ شعر یاد ہے۔"
(صوفیائے نقشبندیہ ص ۳۵۲)

آپ نے متعدد بار حج کئے۔ بچاس مرتبہ دربارِ رسالت میں حاضری دی — سینکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ متعدد مدرسے جاری کئے۔ ۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بحیثیت سرپرست شریک ہوئے۔

یہ چند رسائل آپ کی یادگار ہیں۔
(۱) ضرورتِ شیخ (۲) یارانِ طریقت (۳) اطاعتِ مرشد (۴) مرید صادق (یہ رسائل طبع ہو چکے ہیں) ایک رسالہ "فضائل مدینہ طیبہ" پر لکھا جو ۱۹۱۰ء میں انوار الصوفیہ لاہور کے شمارہ ۱۱ میں شائع ہوا۔ نعتیں بھی لکھی ہیں۔
ان کا وصال ۲۶ر ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ (۲۶ اور ۲۷ کی درمیانی شب) ۳۰ر اگست ۱۹۵۱ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو ہوا۔ مزار علی پور سیداں میں ہے۔

ماخذ
محمد عبداللہ قریشی ۔ اقبال بنام شاد
ص ۲۰۰۔ ۲۰۱

جنید بغدادی (۲۹۷ھ ۹۱۰ء)

ابوالقاسم الجنید محمد بن الجنید البغدادی، عالم دین اور صوفی ــــ ان کے والد نہاوند کے تھے اور شیشساں بنانے تھے اس لئے قواریری کہلاتے ہیں۔ جنید نے ریشم کا کاروبار کیا اس لئے انھیں جنید الخزاز بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی مجلس میں ادیب اور انشا پرداز ان کی فصاحت و بلاغت سے استفادہ کرنے آتے تھے تو شعرا علم بدیع کے رموز و نکات حاصل کرتے تھے فلاسفہ اور متکلمین کو معانی کے دقائق ملتے تھے۔ بغداد میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم توحید پر گفتگو کی۔ ابن الاثیر نے انھیں "امام زمانہ" کہا ہے مذہب صوفیہ کے بھی امام سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے مسلک صوفیہ کو کتاب وسنت کی روشنی میں ضبط کیا ہے۔ ان سے متعدد کتابیں منسوب ہیں مگر سب نابید ہیں اور بعض جو ملتی ہیں ان کا انتساب مشتبہ ہے۔ ان کے رسائل چھپ چکے ہیں جو بعض عزیزوں کو لکھے تھے ان میں توحید و الوہیت کے موضوعات ہیں۔ ایک رسالہ "دواء الارواح" غیر مطبوعہ ہے جند اور متفرق رسالے ہیں۔

ماخذ

الزرکلی۔ الاعلام ۲/ ۱۴۱

خطیب بغدادی۔ تاریخ بغداد ۷/ ۲۴۱

سردار جوگندر سنگھ (ولادت ۱۸۷۷ء)

سردار جوگندر سنگھ (ولادت ۱۸۷۷ء) پنجاب کے بہت بڑے جاگیردار سکھوں کے لیڈر، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور اقبال کے جگری دوست تھے۔ انگریزی کے مشہور رسالے "ایسٹ اینڈ ویسٹ" کی ادارت میں سردار امراؤ سنگھ اور نواب سر ذوالفقار علی خاں کے ساتھ یہ بھی شریک تھے۔ ۱۹۱۹ء میں حکومت نے انھیں "سر" کا خطاب دیا۔ ریاست پٹیالہ اور پنجاب میں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ انگریزی میں انھوں نے بہت سے مضامین اور کتابیں لکھیں جن میں "کملا" اور "نور جہاں قابلِ ذکر ہیں۔ نہایت خوش باش، وضعدار اور ملنسار آدمی تھے۔ ان کے ہاں ہر وقت دوستوں کی محفل جمی رہتی تھی اور اقبال کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔

ایک مرتبہ سردار جوگندر سنگھ، اقبال اور مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا نواب ذوالفقار علی خاں کی نئی موٹر میں بیٹھ کر شالا مار باغ کی سیر کو گئے۔ راستے میں سردار جوگندر سنگھ نے نہایت حیرت سے کہا کہ نواب صاحب کی موٹر کس قدر خاموش واقع ہوئی ہے، ذرا شور نہیں کرتی۔ بس اتنی سی بات اقبال کے لئے نظم کا بہانہ بن گئی۔ جو بانگِ درا میں شامل ہے۔

ماخذ۔

محمد عبد اللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

(حضرت نصیر الدین) چراغ دہلوی (متوفی ۷۵۷ھ)

محمود نام، نصیر الدین اور چراغ دہلوی آپ کے لقب ہیں۔ آپ کے جد امجد خراسان سے لاہور آئے تھے وہیں آپ کے والد ماجد شیخ یحییٰ پیدا ہوئے۔ لاہور سے ترک سکونت کے بعد اودھ میں اجودھیا (فیض آباد) میں آباد ہوئے۔ یہاں حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت ہوئی۔ آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں تمام علوم مروجہ سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ۴۰ سال کی عمر میں دہلی پہنچ کر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے۔ حضرت نظام الدینؒ نے آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمایا۔

۳۲ برس تک شاہ جہاں آباد (دہلی) سے ۷ کوس کے فاصلے پر جانب جنوب اپنی خانقاہ میں مقیم رہے۔ محمد بن تغلق نے آپ کو ٹھٹھ (سندھ) روانہ کیا تھا۔ محمد تغلق کے انتقال پر آپ نے فیروز شاہ تغلق کو تخت نشین کیا اور دہلی واپس آئے۔ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو رحلت فرمائی۔ وہیں اپنی خانقاہ کے حجرے میں مدفون ہوئے۔ وہ بستی چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپ کے ہزاروں مُرید اور نامور خلیفہ تھے۔ جن میں سید محمد مکی (صحائف السلوک) خواجہ گیسو دراز اور کمال الدین علامہ جیسی شخصیات معروف ہیں۔

حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات خیر المجالس کے نام سے حمید قلندر نے مرتب کیے تھے۔ اس کا فارسی متن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شائع کر دیا تھا۔ اردو ترجمہ عرصہ ہوا احمد علی سیماب ٹونکی نے کیا تھا جو ایک سے زائد بار چھپ چکا ہے۔

ماخذ

۱۔ امیر خورد کرمانی : سیر الاولیاء (۲) شیخ عبد الحق دہلوی ۔ اخبار الاخیار

(۳) خلیق احمد نظامی : مقدمہ خیر المجالس

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۵۳۷ھ-۶۳۴ھ)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ولادت سیلستان میں رجب المرجب ۵۳۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا اسمِ گرامی حسن اور معین الدین لقب تھا۔ آپ کے والد بزرگوار غیاث الدین حسن ایک صاحب جاہ و ثروت بزرگوار تھے۔ آپ پندرہ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ کم سنی ہی سے آپ کا میلان روحانیت کی طرف پیدا ہوا اور خواجہ عثمان ہرَونی کی خدمت میں بیس برس رہ کر فیض حاصل کیا۔ لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے آپ ۵۸۷ھ میں اجمیر تشریف لائے۔ اپنے برگزیدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار سے بلا لحاظ مذہب و ملت عوام میں مقبول ہوئے۔ اور آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے ۶ رجب ۶۳۴ھ کو ۹۶ برس کی عمر میں وفات پائی اور اجمیر میں جس حجرے میں رہتے تھے اسی میں مدفون ہوئے۔ آپ کے نامور خلفا میں حمید الدین سوالی ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہیں۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ہی کے فیضان سے پھیلا ہے۔

ماخذ

۱۔ عبد الباری معنی ، سلطان الہند
۲۔ شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار
۳۔ میر خورد کرمانی ، سیر الاولیاء

حافظ شیرازی (۱۳۲۶ء۔ ۱۳۸۸ء)

محمد شمس الدین حافظ شیرازی شیراز میں غالباً ۱۳۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ولادت کا ٹھیک پتہ کسی تاریخ یا تذکرہ سے نہیں ملتا۔ بچپن ہی میں ان کے والد مولانا کمال الدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدہ نے تعلیم و تربیت کی۔ اوائل عمر میں پریشان حالی کی وجہ سے تعلیم پر توجہ نہ ہو سکی۔ پہلے اپنی اور ماں کی کفالت کیلئے ایک امیر کے یہاں ملازمت کی، بعد میں خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا۔ اسی زمانے میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ایک مکتب میں داخل ہو گئے۔ پہلے قرآن کریم حفظ کیا اور اس نسبت سے حافظ کہلانے لگے۔ چنانچہ یہی اپنا تخلص بھی رکھ لیا۔

حفظ قرآن کے بعد خواجہ نے مولانا شمس الدین محمد عبداللہ شیرازی سے تفسیر اور فقہ پڑھی۔ مولانا حافظ کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنا لقب شمس الدین ان کو عطا کر دیا۔ خواجہ نے اپنے زمانے کے دوسرے نامور علماء و فضلا سے بھی اکتساب علم کیا۔ دینی علوم کے ساتھ منطق اور فلسفہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔

خواجہ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ اس زمانے کے مشہور صوفی شاعر خواجہ کرمانی کی صحبت میں شاعرانہ رموز و نکات پر عبور حاصل کر لیا۔ اور جلد ہی غزل گوئی کی ایک ایسی روایت قائم کی جس کی نظیر پوری فارسی شاعری میں نہیں ملتی۔ اقبال نے حافظ کے کمالِ فن کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے یعنی جو مقصد اور شعراء پوری غزل

ہیں بھی حاصل نہیں کر سکتے خواجہ حافظ ایک لفظ میں کر لیتے ہیں"۔
ان کا کلام تصوّف کی چاشنی سے دو آتشہ ہو گیا ہے۔ مگر اقبال حافظ کے شاعرانہ خیالات کو افیون سے کم نہیں سمجھتے۔ جس نے مسلمانوں میں ذہنی انحطاط پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اقبال نے "اسرار خودی" میں حافظ پر سخت تنقید کی۔ بعد میں شدید ردّ عمل کے باعث یہ اشعار مثنوی سے خارج کر دیئے۔
(مذکورہ اشعار کے لئے دیکھئے "سرود رفتہ"، ص ۷ ۔ ۱۲۰)

خواجہ نے ۷ار ذی الحجہ ۷۹۱ھ (مطابق ۱۲۸۸ء) میں شیراز میں وفات پائی اور "گلگشتِ "مصلّے" میں دفن ہوئے۔

ماخذ

۱۔ مولانا شبلی نعمانی ۔ شعر العجم ۔ حصّہ دوم معارف اعظم گڑھ۔ طبع چہارم ۱۹۸۳ء
۲۔ مولانا اسلم جیراجپوری ۔ حیات حافظ ۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی۔ طبع چہارم جون ۱۹۸۳ء
۳۔ مقدمہ دیوان حافظ ۔ مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، طبع تہران

(مولانا الطاف حسین) حالؔی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء)

خواجہ الطاف حسین حالؔی (ولادت ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۷ء) مرزا غالبؔ کے شاگرد اور جدید اردو شاعری و تنقید کے پیش رو تھے۔ سر سیّد احمد خاں کی ترغیب پر مسدّس (مدّ و جزرِ اسلام) لکھی۔ یادگارِ غالب، حیاتِ غالب، حیاتِ سعدی، مقدمہ شعر و شاعری اور حیاتِ جاوید ان کی تصانیف میں نمایاں ہیں۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو پانی پت میں انتقال کیا۔ درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ میں مدفون ہیں۔

اقبالؔ حالؔی سے کافی متاثر تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالؔی کے کلام میں جو خلوص، درد اور سوز و گداز پایا جاتا ہے، وہ اقبال کے عین مطابق تھا۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو حالی کی صد سالہ برسی کی تقریبات میں شریک ہو کر اقبال نے مولانا کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا۔

طوافِ مرقدِ حالی سزد اربابِ معنی را

نوای او بجانہا افگند شوری کہ می دانم

(مرقدِ حالی اربابِ معنیٰ کے طواف کا اہل ہے کہ اس کا کلام دل و جان میں وہ شور و شر پیدا کرتا ہے کہ کیا بیان ہو۔)

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں

حبیب کنتوری (سید محمد کاظم) ۱۸۵۱- ۱۹۰۶ء / ۱۲۶۷ھ - ۱۳۲۴ھ

سید محمد کاظم حبیب کنتوری ۱۲ر ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ (مطابق ۸ر اکتوبر ۱۸۵۱ء) چہارشنبہ کو کنتور میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد علی شاہان تغلق کے زمانے میں نیشاپور سے آئے تھے۔ کنتور کی جاگیر مع مواضعات متعلقہ کے دربار تغلق سے ملی تھی۔ بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ ان کا کلام رسالہ "مخزن" میں باہمدی سے شائع ہوتا رہا۔ ۲۰ سال کی عمر میں گھر سے تلاش روزگار کے لئے نکلے۔ اور مختلف ریاستوں میں ملازمت کرنے کے بعد حیدرآباد آئے۔ اپنی قابلیت اور لیاقت کی بنا پر ضلع ورنگل کے اسسٹینٹ کلکٹر ہوگئے۔ اس کے علاوہ یہ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے اور قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی۔ ۲۲ر ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (مطابق ۱۸ر جون ۱۹۰۶ء) کو انتقال ہوا۔

ان کی تصانیف میں ایک مطبوعہ دیوان کے علاوہ دیوان غزلیات، دیوان قصائد، مکاتیب فارسی اور مجموعہ مراثی غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

ماخذ

مخزن۔ نومبر ۱۹۰۶ء

خان محمد نیاز الدین خاں (۱۸۶۵-۱۹۲۹ء)

خاں محمد نیاز الدین خاں ۱۸۶۵ء میں بستی دانشمنداں کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی اسکول جالندھر سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں لا ءمیں داخلہ لیا۔ مختاری کا امتحان پاس کرکے جالندھر میں وکالت کا کام شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد نائب تحصیلدار بھرتی ہوگئے۔ پھر تحصیلدار، افسر مال، افسر خزانہ، سب جج، سینیر جج اور قائم مقام سیشن جج بھی رہے۔ ۱۹۱۴ء میں سینیر سب جج کے عہدہ سے پنشن یاب ہوئے۔

سرسید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک سے ابتدا ہی سے وابستہ رہے۔ جب سرسید نے پنجاب کا دورہ کیا تو اُن کے ساتھ رہے۔ اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔

مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ جب سائمن کمیشن کی وجہ سے مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی یعنی جناح لیگ اور شفیع لیگ تو یہ شفیع لیگ میں تھے۔ میاں محمد شفیع (بعد میں سر محمد شفیع) ان کے پرانے دوست تھے۔ علامہ اقبال اس لیگ کے سکریٹری تھے۔

مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ علم دوستی ہی کی وجہ سے علامہ سے رابطہ اور ملاقات شروع ہوئی۔ اخبار "وکیل"، امرتسر "مسلم آوٹ لک" لاہور اور "معارف" اعظم گڑھ (یو۔پی) کے لئے مضامین لکھتے رہے۔ ایک فارسی کتاب کا ترجمہ بھی کیا۔ اور اپنی زندگی کے حالات "حیاتِ بے ثبات" کے عنوان سے لکھے۔ یہ دونوں قلمی نسخے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہوگئے۔

۱۹۲۳ء میں نواب سر ذوالفقار علی خاں اور علامہ کے اصرار پر ریاست کنج پورہ (کرنال) میں بطور منیجر کام کیا۔

"پیامِ مشرق" کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ علامہ کو بھیجا۔ انھوں نے پسند تو کیا مگر یہ فرمایا کہ شائع نہ کیا جائے ورنہ اصلی کتاب نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

داغ دہلوی کے کلام نے بہت اثر کیا اور شعر کہنے کا شوق ہوا۔ شعر کہتے تھے۔ کبھی علامہ اور کبھی مولانا گرامی کو بھیجتے تھے۔ کلام اردو اور فارسی میں ہوتا تھا۔ ایک بیاض تھی جو ۱۹۴۷ء میں تلف ہو گئی۔ قرآن کریم کے تراجم، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی کی تصانیف، فارسی کے تقریباً تمام شعرا کے دیوان، اردو شعرا کے دیوان، تاریخ کی مشہور کتابیں، سوانح حضور رسالت مآب، تفاسیر قرآن کریم اور علامہ کی کتابیں جو اس وقت تک چھپ چکی تھیں ان کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھیں۔

علامہ کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کبوتروں کا بھی شوق تھا۔ یہ بات نہیں تھی۔ ان کے بڑے صاحبزادے نو بہار الدین خاں کبوتر رکھتے تھے۔

مولانا گرامی سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ احباب میں علامہ کے علاوہ سر محمد شفیع اور سر عبد القادر سے مخلصانہ تعلقات تھے۔

سماع کا بہت شوق تھا۔ جالندھر کے مشہور میلہ راگ ہر ملبھ کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر تھے۔ ۱۰ر جون ۱۹۲۹ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

ماخذ:

نفیس الدین احمد خلف خاں محمد نیاز الدین خاں

(بشکریہ۔ ڈاکٹر وحید عشرت معاون ناظم ادبیات، اقبال اکادمی پاکستان لاہور)

(امیر) خسرو (۱۲۵۳-۱۳۲۵ء)

امیر خسرو ۱۲۵۳ء (۶۵۱ھ) میں ضلع ایٹہ کے موضع پٹیالی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا۔ چنگیز خاں کے خونی فتنے میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔

امیر خسرو کا اصل نام یمین الدین محمود تھا اپنے موروثی خطاب "امیر" کی بدولت "امیر خسرو" کہلائے اور اسی نام سے شہرت پائی۔ والد کا سایہ سات سال کی عمر میں ہی سر سے اٹھ گیا۔ ننھیال میں پلے بڑھے۔ نانا عماد الملک راوت عرض کا قیام دہلی میں تھا اس لیے ابتدائی تعلیم بھی یہیں حاصل کی۔ خسرو بہت ذہین تھے۔ کم سنی ہی میں شعرگوئی شروع کی تھی۔ بچپن ہی سے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں باریاب رہے اور ان کے چہیتے مرید بن گئے۔

مختلف سلاطین کے درباروں سے وابستہ رہے۔ جلال الدین خلجی نے امیر خسرو کی سب سے زیادہ قدر دانی کی۔ خلجی خاندان کی حکومت کے خاتمے کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ بنا تو اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ لکھنوتی کے سفر پر گئے ہوئے تھے وہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے وصال کی خبر سُن کر دلی واپس آئے اور اسی سال چھ مہینے بعد ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء میں انتقال کیا۔

کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ عربی، فارسی، ہندی اور ترکی کے علاوہ ہندوستان کی بعض علاقائی زبانوں سے بھی واقف تھے۔ ہندی میں کلام بھی ان سے منسوب کیا جاتا ہے جس کی تاریخی سند کوئی نہیں ہے۔ مگر اتنا یقینی ہے کہ

انھوں نے ہندی میں شعر کہے ہیں اور ایک دیوان بھی مرتب ہوگیا ہوگا جو ضائع ہوگیا۔ ان کے فارسی اور دیگر زبانوں کے اشعار کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

امیر خسرو کی متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ جن کی تعداد ۹۲ تک بتائی جاتی ہے۔ "غرۃ الکمال" "وسط الحیاۃ" "نہایۃ الکمال" کے علاوہ "پنج گنج" نظامی کے جواب میں ایک خمسہ (پانچ مثنویاں) بھی لکھا نیز "قرآن السعدین" "خزائن الفتوح" اور "تغلق نامہ" تاریخی مثنویاں ہیں۔ بعض کتابیں ان سے منسوب بھی کردی گئی ہیں جیسے خالق باری، قصہ چہار درویش افضل الفوائد وغیرہ۔

حالات کے لیے دیکھیے۔

۱۔ وحید مرزا۔ لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو (انگریزی)

۲۔ محمد حبیب۔ امیر خسرو آف دہلی (انگریزی)

ان کے علاوہ ملاحظہ ہوں

۱۔ ظ۔ انصاری۔ ابوالفیض سحر (مرتبین) خسرو شناسی ۱۹۷۵ء
نیشنل بک ٹرسٹ۔ انڈیا۔ نئی دہلی۔ اشاعت اوّل ۱۹۷۵ء

۲۔ عظیم الحق جنیدی۔ مآثرِ عجم۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۰ء

۳۔ شیخ سلیم احمد۔ (مرتب) امیر خسرو۔ ادارہ ادبیات دلی۔ اشاعت اوّل ۱۹۷۶ء

۴۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم حصہ دوم۔ معارف اعظم گڑھ۔ طبع چہارم۔ ۱۹۸۳ء

۵۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔
جامعہ ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد دلی۔ طبع ششم ۱۹۷۶ء

(خواجہ) خضر

ایک مشہور بزرگ کا نام ہے بعضوں نے انھیں پیغمبر لکھا ہے جنھوں نے بہت لمبی عمر پائی ہے۔ قرآن حکیم میں ان کا نام نہیں ملتا مگر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان بزرگ سے علم سیکھنے کی درخواست کی۔ اس پر انھوں نے اس شرط پر ان کی درخواست قبول کی کہ وہ حضرت خضرؑ کی کسی بات پر اعتراض نہ کریں اور اس وقت تک خاموش رہیں جب تک کہ خود خضرؑ موسیٰ کو کچھ بتادیں۔ حضرت موسیٰ اور خضر ایک جانب کو چل دیے تو دریا پار کرتے ہوئے حضرت خضرؑ نے اس کشتی میں سوراخ کر دیا جس سے دریا پار کیا تھا۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تم نے یہ کیوں کیا تو خضر نے کہا کہ تم نے خاموشی کا وعدہ کیا تھا اس پر حضرت موسیٰ نے عذر کیا اور پھر ساتھ ہو لیے۔ چلتے چلتے کسی قریے کے ایک خوبصورت بچے کو حضرت خضرؑ نے مار ڈالا۔ موسیٰ نے استفسار کیا تو خضر نے پھر کہا کہ تم پھر سوال کرنے لگے۔ اس پر موسیٰ نے معذرت کی اور اپنے ساتھ رکھنے کو کہا اس کے بعد یہ دونوں مسافر ایک گاؤں سے گزرے جہاں کے لوگوں نے انھیں کچھ کھانے کو نہ دیا۔ خضرؑ نے اس گاؤں میں ایک ایسی دیوار کو سیدھا کر دیا جو گرنے ہی والی تھی، اس پر حضرت موسیٰ نے پھر کہا کہ آپ دیوار سیدھی کرنے کی اجرت لے لیتے اس پر حضرت خضر نے ان سے کہا کہ اب میرے اور تمھارے درمیان جدائی ہوتی ہے اور تو سنو۔ کشتی میں سوراخ میں نے اس لیے کیا تھا کہ اس شہر کا بادشاہ ظالم اور جابر ہے اور ملاحوں کی کشتیاں بیگار میں لگا لیتا ہے۔ یہ کشتی کچھ غریب لوگوں کی تھی میں نے اس میں سوراخ کر دیا تاکہ بادشاہ کی بے گاری سے بچے رہیں۔ بادشاہ اس میں عیب

پاکر اپنے کام میں نہ لگائے گا۔ اور لڑکا جس کو قتل کیا آگے چل کر ظالم اور تشدد کرنے والا بنتا اور اپنے صالح ماں باپ کو ستاتا اس سے اچھا ہے کہ خدا اس کے بدلے اُن کے ماں باپ کو نیک و صالح لڑکا عطا کرے دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی جس میں ان کے اجداد کا دفینہ چھپا ہے اگر یہ دیوار گر جاتی تو اس دولت کے اور بہت سے حق دار بن جاتے۔ اب جب یہ لڑکے بالغ اور جوان ہوں گے اس دیوار سے اس دفینہ کو نکال لیں گے۔ اس طرح حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو ایسی باتیں بتائیں جو حضرت موسیٰ نہ جانتے تھے۔ اقبال نے "خضرِ راہ" میں یہ واقعہ یوں نظم کیا ہے ؂

کشتیٔ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم
علمِ موسیٰ بھی ہے جس کے سامنے حیرت فروش

حضرت خضر کے متعلق بہت سی روایات بھی مشہور ہیں منجملہ ان کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آبِ حیات حضرت خضر ہی نے پیا ہے اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے اور بھولے بھٹکوں کو راہ دکھائیں گے۔ حضرت خضر کے ساتھ سکندر بھی آبِ حیات پینے نکلا تھا مگر ناکام رہا۔

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ان کا کام دریاؤں سمندروں اور دریاؤں میں لوگوں کی مدد کرنا ہے اسی وجہ سے انھیں خضرِ راہ بھی کہتے ہیں

مآخذ

اردو انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

(چودھری) خوشی محمد (۱۸۷۲۔ ۱۹۴۴ء)

چودھری خوشی محمد ناظر ۱۸۷۲ء میں سریا والا ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی۔ اور ریاست جموں وکشمیر میں ملازم ہوئے۔ مختلف محکموں میں کام کرنے کے بعد بہت عرصہ کشمیر اور لداخ کے گورنر اور پھر ریاست کے ممبر مال مقرر ہوئے۔

ان کی ایک نظم "جوگی اور ناظر" بہت مشہور ہوئی۔ ان کے اردو کلام کا مجموعہ "نغمۂ فردوس" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اقبال کے نہایت مخلص دوست تھے۔ چک جہرہ، ضلع لائل پور میں یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء کو انتقال کیا۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

ص ۲۰۵

خواجو کرمانی (۶۷۹ ـــ ۷۵۳ ھ)

کمال الدین ابو العطا محمود بن علی کرمانی نام اور خواجو تخلص تھا کرمان میں ۱۵ شوال ۶۷۹ھ کو پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کر کے سیاحت پر نکلے تو اپنے زمانہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ) سے ملاقات ہوئی۔ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے قصائد میں سلطان ابو سعید بہادر اور اس کے وزیر غیاث الدین محمد کی مدح کی ہے۔ مدت تک شیراز میں رہے اور حافظ شیرازی سے دوستی تھی۔ ان کا دیوان ایران میں چھپ چکا ہے۔ مثنوی میں نظامی کی تقلید کرتے ہیں۔ متعدد مثنویاں ہماد ہمایوں، گل و نوروز، روضۃ الانوار، کمال نامہ، سام نامہ گوہر نامہ وغیرہ یادگار ہیں۔ غزل میں عرفانی مضامین کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ وفات ۷۵۳ھ میں ہوئی۔

ماخذ

ڈاکٹر رضا زادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران

خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۶۔۱۹۵۵ء)

اردو کے معروف صاحب طرز ادیب اور صحافی شمس العلماء خواجہ حسن نظامی کے والد سیّد عاشق علی، حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ کی درگاہ کے خادموں میں شامل تھے حسن نظامی ۲/دسمبر ۱۸۷۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے علومِ دینی حاصل کئے۔ مختلف اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے۔ انھوں نے متعدد اخبار اور رسالے بھی نکالے جن میں ہفتہ وار ''منادی'' کو بہت قبول نصیب ہوا۔ اس میں خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ بھی شائع ہوا کرتا تھا۔ جس میں اس عہد کی معاشرت کی جھلکیاں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ ۳۱/جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبالؔ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ دونوں کے درمیان غایت درجہ بے تکلفی کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو علامہ نے خواجہ صاحب کو ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۵ء کے درمیانی عرصے میں لکھے (ملاحظہ ہو اقبال نامہ۔ جلد دوم۔ ص ۳۵۲ تا ۳۶۸)۔ مثنوی ''اسرار خودی'' کی اشاعت پر ہندوستان کے اہلِ تصوف نے علامہ اقبال کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفت کی اس سرگرم بازاری میں خواجہ حسن نظامی اور ان کے مریدین پیش پیش تھے۔ اقبالؔ نے بھی اپنے موقف کی وضاحت میں متعدد مضامین لکھے۔

''وکیل''، ''خطیب'' اور ''زمیندار'' وغیرہ میں مؤلفانہ مضامین

کا سلسلہ جاری تھا کہ اکبرؔ الہ آبادی نے ثالثی کے فرائض انجام دیتے ہوئے صلح کرادی اور اقبالؔ کی مخالفت کا طوفان تھم گیا۔ اقبالؔ اور حسن نظامی کے درمیان حسبِ سابق محبت و مروّت کا رشتہ از سرِ نو استوار ہوگیا۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا ظفر علی خاں کے ہفت روزہ "ستارہ صبح" میں تصوّف کی مخالفت میں چند مضامین شائع ہوئے تو بدنیتوں نے حسن نظامی کو اقبالؔ کے خلاف بھڑکایا کہ یہ سب علامہ کی شہ پر ہو رہا ہے مگر میر غلام بھیک نیرنگ نے خواجہ صاحب کو یقین دلایا کہ اس میں اقبال کا ہاتھ نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر اقبال سے معذرت کی۔ بعد کے عرصے میں اقبالؔ اور حسن نظامی کی متعدّد ملاقاتیں ہوئیں اور خط و کتابت بھی رہی۔ اقبال کی وفات پر خواجہ صاحب نے اپنے پیغام تعزیت میں کہا "ان کی وفات سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ پھر تقسیم ہند کے بعد ایک موقع پر لکھا "میرا ایمان ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ صرف ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ پورے ایشیا کے ہیرو اور لیڈر تھے۔ اور ایشیا کی بیداری ان کی برکات باطن کا نتیجہ تھا۔"

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی: معاصرین اقبال کی نظر میں۔
ص ۴۰۲ تا ۴۴۸۔

رفیع الدین ہاشمی: خطوط اقبال ۱۱۲ - ۱۱۱

خیام (غیاث الدین ابوالفتح عمر بن ابراہیم (متوفی ۱۱۲۳ء یا ۱۱۳۲ء)

خیام ماہر ریاضی، ہندسہ و فلکیات تھا مگر اس نے اپنی رباعیات کی وجہ سے عالمگیر شہرت پائی ہے۔ یہ نیشاپور میں پیدا ہوا۔ سلجوقی سلطان الپ ارسلان کا وزیر نظام الملک اس کا دوست اور ہم سبق تھا۔ اس نے دس ہزار دینار سالانہ مدد معاش مقرر کر دی تاکہ وہ اپنے ریاضی اور فلکیات کے تجربے بے فکری سے کرتا رہے۔

۱۰۷۴ء میں الپ ارسلان کے جانشین ملک شاہ نے بھی اسے دربار میں طلب کیا اور بہت قدر افزائی کی۔ اس کو تقویم کی نئی تنظیم کا کام بھی سونپا گیا۔ وہ فلسفہ، فقہ، تاریخ وغیرہ علوم میں بھی زبردست مہارت رکھتا تھا، مگر ان موضوعات پر اس کی تصانیف اب نہیں ملتیں صرف چند رسالے اور متفرق اوراق ملے ہیں۔

یورپ میں عمر خیام کی شہرت ایڈورڈ فٹز جیرالڈ EDWARD FITZ GERALD کے ترجمہ رباعیات (پہلی اشاعت ۱۸۵۹ء) سے ہوئی۔ جس سے متاثر ہو کر اہل یورپ نے فارسی پڑھنی شروع کر دی تھی۔ اس کی رباعیات پر بھی تحقیق کا آغاز ہوا۔ بعض رباعیاں الحاقی بھی ثابت ہوئی ہیں۔

اردو میں عمر خیام پر سب سے اچھی عالمانہ اور محققانہ کتاب علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھی جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ ”عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھدیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔“

ماخذ

دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۹۸۵/۲۔۹۸۹

دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۹۶۰/۱۶

(علی بن عثمان ہجویری) داتا گنج بخش (۱۰۰۹ء/ ۱۰۷۲ء)

شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی ہجویری (ہجویر غزنین کا ایک محلہ ہے) جہاں آپ کی ولادت ۱۰۰۹ء میں ہوئی تحصیل علم کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ ابوالفضل محمد بن الختان کے مرید ہوئے۔ پیر کے حکم سے ۱۰۳۹ء میں لاہور آئے۔ ۳۴ سال لاہور میں رہے۔ شریعت اسلامی کے نور سے اس علاقے کو منور کیا۔ لاہور ہی میں ۱۰۷۲ء میں رحلت فرما گئے۔ عوام آپ کو محبت اور عقیدت سے داتا گنج بخش کہتے ہیں۔

داتا صاحب کی واحد تصنیف "کشف المحجوب" فارسی زبان میں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اور بھی بہت سی تصانیف تھیں۔ مگر وہ غزنی ہی میں رہ گئی تھیں۔
مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے لاہور میں مخدوم ہجویری کے مزار پر چلہ کشی کی تھی اور بعد فراغت یہ شعر ارشاد فرمایا تھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

اکبر نے مزار شریف کے فرش کو سنگ مرمر سے بنوایا تھا اور چوکھٹ پر کواڑ بھی لگوائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے وقت میں ایک ہزار روپے سالانہ عرس کے موقع پر بطور نذرانہ دیا کرتا تھا۔
کشف المحجوب متعدد بار شائع ہو چکی ہے اس کے اردو اور انگریزی میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔

ماخذ

پیرزادہ محمد حسن : کشف المحجوب (مقدمہ) طبع لاہور

داراشکوہ ۱۰۲۴ھ ۱۶۱۵ء ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء

شاہ جہاں کا بڑا بیٹا ممتاز محل کے بطن سے تھا۔ ۲۹ر صفر ۱۰۲۴ھ مطابق ۳۰ر مارچ ۱۶۱۵ء کو پیدا ہوا۔ بادشاہ نے جشن قمری میں اس کو "شاہ بلند اقبال" کا خطاب دیا۔ اورنگ زیب عالمگیر سے تخت و تاج کے معرکے ہوئے۔ بالآخر داراشکوہ اور اس کا لڑکا گرفتار ہوئے۔ اور پرانی دہلی کی ایک عمارت خواص پورہ میں مقید رہے۔

۳۱ر ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۲۹ر اگست ۱۶۵۹ء کو اس بنیاد پر کہ اس نے دائرہ شریعت کے باہر قدم رکھا تھا، اس کو قتل کر دیا گیا۔ ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

داراشکوہ ملا شاہ بدخشی حضرت فقیر دوست میاں میر کا مرید تھا۔ اس نے کتاب سفینۃ الاولیاء (۱۶۴۰) لکھی۔ جس میں اپنے مرشد اور دیگر صوفیہ کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب "مجمع البحرین" (۱۶۵۰ء) مشہور ہے۔ جس میں اس نے اسلامی تصوف اور ویدانت کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اس کے مذہبی عقائد اکبر سے ہم آہنگ تھے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

(الحاد کا بیج جو اکبر نے بویا تھا وہ پھر دارا کی فطرت میں پھلا پھولا۔)

اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے ۱۶۵۶ء میں اس نے ایک سنسکرت کتاب موسومہ "اپنکھٹ" (उपनिषद) کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ جس کا

نام "سرّالاسرار" رکھا۔ اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے اس پر کفر کا الزام لگایا گیا۔

ماخذ

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی

ڈاکٹر محمد ریاض : فارسی ادب کی مختصر تاریخ ص ۲۴۰

نظامی بدایونی : قاموس المشاہیر ص۔ ۳۳

(مرزا) داغ (۱۸۳۱ء ۔ ۱۹۰۵ء)

نواب مرزا خاں داغ دہلوی (ولادت ۲۵ رمئی ۱۸۳۱ء) اردو کے مشہور شاعر گذرے ہیں۔ ان کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخرو سے نکاح کرلیا تھا۔ اور یہ ۱۴ سال کی عمر میں لال قلعہ میں آگئے تھے۔ بعد کو رام پور میں داروغہ اصطبل (۱۸۵۸ء ۔ ۱۸۸۷ء) رہے، پھر حیدر آباد گئے (۱۸۸۸ء) جہاں ان کی بہت قدر ہوئی۔ نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نظام حیدر آباد کے فن شعر میں استاد مقرر ہوئے۔ بلبل ہند، جہاں استاد، امیر الدولہ، فصیح الملک، ناظم یار جنگ خطابات ملے۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ وہیں ۱۹۰۵ء کو انتقال ہوا اور درگاہ یوسفین نامپلی میں دفن ہوئے ابتدا میں اقبال نے ان سے مشورہ سخن کیا تھا اور ان کی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا ہے جو "بانگ درا" میں شامل ہے۔

داغ کے چار دواوین گلزار داغ، آفتاب داغ مہتاب داغ، اور یادگار داغ طبع ہوئے ہیں ایک مثنوی "فریادِ داغ" ہے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی : معاصرین اقبال کی نظر میں

(خواجہ) دل محمد (متوفی ۱۹۶۰ء)

خواجہ دل محمد لاہور کی شیخ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم شیرانوالہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں پائی۔ پھر اسلامیہ کالج لاہور سے ایم۔اے پاس کیا۔ بعد ازاں اس کالج میں پرنسپل ہوگئے۔ اور یہیں سے ریٹائر ہوئے۔ لاہور کے نہایت مشہور و معروف ادیب، مصنف، شاعر اور ماہر ریاضی گزرے ہیں۔ اور مدتوں آپ کا نام تعلیمی دنیا میں بہت مشہور رہا ہے۔ حساب اور الجبرا کی بہت سی کتابیں طلبا کے لیے لکھیں۔ ان میں سے اکثر نصاب میں بھی داخل تھیں۔ انھوں نے "بھگوت گیتا" اور جپ جی کا بھی منظوم ترجمہ کیا تھا۔
پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور لاہور کارپوریشن کے ممبر تھے۔ لاہور کی وہ سڑک جو چوک دال گراں سے بڈن روڈ تک جاتی ہے آپ کے نام سے "دل محمد روڈ" کہلاتی ہے۔
۱۹۶۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

ماخذ

محمد طفیل۔ "نقوش، لاہور نمبر" ص ۹۲۸

(منشی) دین محمد (۱۸۷۶ - ۱۹۳۵ء)

منشی دین محمد ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ شاعری اور صحافت کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد مولوی فتح دین نے لاہور سے "منتخاب پنج" کے نام سے ایک ظریفانہ اخبار جاری کیا تھا۔ جو خاصا مقبول پرچہ تھا۔ منشی دین محمد لاہور کے پرانے اخبار نویس اور بڑے دین دار بزرگ تھے۔ انھوں نے پہلے اخبار "صدائے ہند" نکالا اور اس کے بعد ہفتہ وار "میونسپل گزٹ" جاری کیا۔ یہ اخبار زیادہ تر بلدیاتی مسائل پر لکھا کرتا تھا۔ "صدائے ہند" کے دفتر میں مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں "مشاعرہ" کے نام سے ایک ماہوار گلدستہ بھی جاری کیا جس میں مشہور شاعروں کی اور ایسے مشاعروں میں پڑھی جانے والی غزلیں شائع کی جاتی تھیں۔

منشی صاحب نے چند کتابیں بھی لکھیں، جن میں ایک ناول "دوستی" (۱۹۰۳ء) اور ۱۹۱۱ء کے دربار تاج پوشی کی تاریخ مشہور ہیں۔ آپ سیاحت بھی بہت کرتے تھے۔ کئی انجمنوں کے سکرٹری اور صدر بھی تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اخبار بند کر دیا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں انتقال ہوا۔

علامہ سے تعلق خاطر کی بنا پر ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اپنے اخبار کے صفحات پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال بنام شاد ۲۲۳-۲۲۴

(نواب سر) ذوالفقار علی خاں (۱۸۷۳ء-۱۹۳۳ء)

اقبال کے نہایت ہی گہرے، بے تکلف، عزیز اور مخلص دوستوں میں نواب سر ذوالفقار علی خاں کا درجہ بہت ممتاز تھا۔ نواب صاحب مالیرکوٹلہ کے حکمراں خاندان کے چشم و چراغ تھے، ولادت ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ ۱۸۹۷ء میں بغرضِ تعلیم یورپ چلے گئے کیمبرج میں داخلہ لیا۔ قریباً تین سال یورپ میں تعلیم و تربیت حاصل کی نواب صاحب نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی امور میں دلچسپی لی ۱۹۰۹ء میں نواب صاحب امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر تمام عمر مجالسِ آئین ساز کے رکن رہے۔
۱۹۱۰ء میں آپ ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور قریباً تین سال تک وہاں رہے
۱۹۲۰ء میں آپ مشرقی پنجاب کے حلقے سے کونسل آف اسٹیٹ کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں کونسل آف اسٹیٹ کی رکنیت چھوڑ کر آپ لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔
ان گوناگوں سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے باوصف نواب صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں "سوانح عمری مہاراجہ رنجیت سنگھ" اردو میں اور "شیر شاہ سوری" انگریزی میں اب تک کتب حوالہ کا کام دیتی ہیں۔ علامہ اقبال کے کمالات شاعری پر آپ کی قابل قدر انگریزی کتاب A VOICE FROM THE EAST
" اے وائس فرام دی ایسٹ" (مشرق سے ایک آواز) اقبالیات میں اولیں پیشکش (۱۹۲۲ء) کہی جاسکتی ہے۔

نواب صاحب کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء کو ہوئی۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں
محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

راسخ سرہندی (متوفی ۱۱۰۷ھ)

میر محمد زماں راسخ سرہندی شاہزادہ محمد اعظم کے ملازموں اور مصاحبوں سے تعلق رکھتے تھے اور ہفت صدی منصب پر سرفراز تھے۔ وہ میر عماد کے فرزند، اپنے چچا میر مفاخر حسین ثاقب کے شاگرد اور ناصر علی سرہندی کے ہم عصر تھے۔ نازک خیال، بلند تلاش، پیچیدہ گو اور صاحب طرز شاعر تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۰۷ھ میں سرہند میں ہوا۔

اقبال نے راسخ کی جس مثنوی کا ذکر کیا ہے وہ حیدرآباد دکن کے مطبع اختر دکن میں طبع ہوئی تھی۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

راس مسعود (ڈاکٹر سر) (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۳۷ء)

جسٹس سیّد محمود کے بیٹے، سر سید احمد خاں کے پوتے علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ میں تعلیم پائی، پٹنہ ہائی کورٹ سے وکالت شروع کی۔ پھر پٹنہ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے، کٹک کالج میں تاریخ کے پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں حیدر آباد دکن میں ناظم تعلیمات مقرر ہوئے۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۲۹ء کو اقبال جامعہ عثمانیہ میں لکچر دینے کے لیے حیدر آباد گئے تو وہاں سر راس مسعود سے ملاقات ہوئی، جو دونوں کے ساتھ انتہائی گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ اسی سال وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو گئے۔

۱۹۳۳ء میں وہ نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کرنے کے لیے علامہ اقبال اور مولانا سیّد سلیمان ندوی کے ساتھ افغانستان گئے۔ ۱۹۳۴ء میں علی گڑھ کی وائس چانسلری سے استعفا دے دیا اور نومبر ۱۹۳۴ء میں وزیر صحت و تعلیم ہو کر ریاست بھوپال آ گئے۔ یہاں ان کی بیٹی نادرہ مسعود پیدا ہوئیں جو ڈاکٹر احسان رشید (فرزند رشید احمد صدیقی) کی اہلیہ ہیں۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کو راس مسعود کا بھوپال میں انتقال ہوا اور اگلے دن علی گڑھ میں دفن ہوئے۔

اقبال نے ان کے لوحِ مزار کے لیے مندرجہ ذیل اشعار کا انتخاب کیا تھا، انھوں نے خود اپنی لوحِ مرقد کے لیے لکھے تھے ؎

نہ بو ستم در این بستان سرا دل
ز بندِ این و آن آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آب دادہ رفتم

(مس نے اس باغ بس دل نہ لگایا۔ ہرچند یں سے آزا د رہ کر جلا گیا۔
صبح کی ہوا کی طرح ذرا دیر گھوما پھرا۔ پھولوں کو آب و رنگ دے کر چلا گیا)

ماخذ

صہبا لکھنوی اقبال اور بھوپال

ڈاکٹر اخلاق اثر۔ اقبال نامے

روز بہان ابو محمد بن ابو نصر بقلی شیرازی دیلمی

(۵۲۲ھ ۔ ۶۰۶ھ)

اپنے زمانے کے بڑے عارفوں میں سے تھے۔ آپ نے پچاس سال تک شیرازی کی جامع مسجد میں وعظ کیا۔ نیز وہیں محلہ " بالاگفت" میں مدفون ہیں۔ آپ کی تصانیف ہیں " لطائف البیان فی تفسیر القرآن" "مکنوب حدیث" "المو شح فی المذاہب" "العقاید" وغیرہ ہیں۔ انھوں نے منصور حلاج کی "کتاب الطواسین" کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا تھا اقبال نے ان کی ایک اور کتاب "شرح شطحیات" کا ذکر کیا ہے اور اپنے خط بنام خان نیاز الدین خان محررہ ۸ جولائی ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:

"شیخ روز بہان بقلی کی "شرح شطحیات" ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں صوفیاء وجودیہ نے جو خلاف شرح باتیں کہی ہیں ان کی شرح ہے۔"

ماخذ

(۱) ڈاکٹر محمد معین۔ فرہنگ فارسی۔ جلد پنجم

(۲) صابر کلوروی۔ تاریخ تصوف ص ۲۷

(مولانا جلال الدین) رومی (۱۲۰۷-۱۲۷۲ء)

صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی بلخ میں ۱۲۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد بن حسین مقلب بہ بہاء الدین اپنے زمانے کے بہت بڑے عارفوں اور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ انھیں خوارزم کے شاہ کے دربار میں بڑا تقرب حاصل تھا جو آپ کی شہرت اور بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کی وجہ سے آپ کا دشمن ہوگیا۔ اس نے وطن کو خیر باد کہہ کر (۶۱۷ھ) اپنے صاحبزادے کے ساتھ بغداد کے راستے حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت مولانا روم کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔

حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد لارندہ آئے جو اس وقت اناطولیہ کو چک کے سلجوق بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا۔ یہاں سات سال رہے۔ پھر سلطان علاء الدین کیقباد (۶۱۷-۶۳۴ھ) کی دعوت پر قونیہ پہنچے۔

نیشاپور کے مقام پر شیخ فرید الدین عطار سے ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے مولانا رومی کو اپنے سینے سے لگایا اور دعائیں دیں۔ پھر ان کے والد انھیں قونیہ لے آئے اور یہیں بس گئے۔ روم میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ہی وہ مولانا رومی کے نام سے مشہور ہیں۔

مولانا رومی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ ۶۲۸ھ میں ان کی وفات کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی سے کسب فیض حاصل کیا۔ انھوں نے ملک شام کا بھی سفر کیا اور عرصے تک حلب اور دمشق میں رہنے کے بعد قونیہ لوٹے جہاں علوم شرعیہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ یہاں ایک صوفی شمس الدین تبریزی سے بیعت کر لی۔ ان سے آپ کی عقیدت والہانہ عشق تک

پہنچ گئی تھی۔ شمس تبریز نے مقام وجد و شوق میں عنان اختیار اپنے ہاتھ سے دے دی تھی اور ان کے بہت سے دشمن بھی ہو گئے تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک دن قونیہ کے عوام نے شورش کر کے ان کو مجمع عام میں قتل کر ڈالا (۶۴۵ھ) ان کی غزلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روز شمس غائب ہو گئے اور مولانا دو سال تک شب و روز اپنے کعبہ مقصود کے فراق میں گھومتے رہے۔ اس عالم میں مولانا نے جو پر جوش اور پر کیف غزلیں لکھیں وہ "دیوان شمس تبریز" کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے پیر و مرشد کی وفات (۱۲۷۴ء) کے بعد مولانا نے درویشی کا سلسلہ ان کی یاد میں قائم کیا جس کے پیرو "مولوی" یا تصوف کی اصطلاح میں "سماعی" کہلاتے ہیں۔

مولانا رومی کی "مثنوی معنوی" ان کے افکار کا گراں بہا شاہ کار ہے جو مولانا کی عظمت و شہرت کا باعث ہے۔ اس کے متعلق یہ شعر مشہور ہے۔

مثنوی معنوی مولوی
ہست قرآن در زبان پہلوی

مثنوی میں مولانا نے تمام مسائل تصوف کو حکایات، نصیحت آموز افسانوں اور سیدھی سادھی زبان میں بیان کیا ہے۔ مثنوی کے بعد مولانا کی سب سے اہم تصنیف ان کی غزلیات کا مجموعہ ہے جو "دیوان شمس تبریز" کے نام سے جمع کیا گیا ہے اس دیوان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بتائی جاتی ہے لیکن چھپے ہوئے دیوان میں ۵۰ ہزار شعر ہیں۔ غالباً بعد کے لوگوں نے اسی طرف سے بھی اس میں اضافہ کر دیا ہے۔

مثنوی اور دیوان کے سوا نثر میں بھی مولانا کی ایک کتاب "فیہ ما فیہ" موجود ہے۔ یہ کتاب مولانا کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کے بعض مراسلات اور مقالات بھی باقی ہیں۔

مولانا رومی نے صوفیا کے افکار و اذہان پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ آپ

کا معنوی اور ادبی اثر نہ صرف ہندوستان اور ایشیائے کوچک میں اپنے انتہائی عروج پر ہے بلکہ آپ کی شہرت مغربی ملکوں میں بھی پھیل چکی ہے اور ان ملکوں کی زبانوں میں مثنوی کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ مثنوی کی متعدد شرحیں اور تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں ان میں کمال الدین حسن خوارزمی کی فارسی شرح اور ترکی میں اسماعیل بن احمد کی شرح بہت مشہور ہے۔

اقبال مولانا رومی کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہم خوگر محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اک بحرِ پُرآشوب و پُر اسرار ہے رومی
میں بھی ہوں اسی قافلۂ شوق میں اقبال
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی

"جاوید نامہ" میں رومی کی زیادت میں وہ افلاک کی سیر کرتے ہیں۔
اقبال اور رومی میں کئی باتیں مشترک ہیں۔

مولانا رومی کا ۶۷۲ھ میں قونیہ میں انتقال ہوا اور اپنے والد کے اس مقبرہ میں دفن ہوئے جو بادشاہ وقت کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔

ماخذ

۱۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفیق۔ تاریخ ادبیات ایران ص ۳۵۵-۳۷۷
۲۔ طاہر تونسوی۔ اقبال اور مشاہیر ص۔ ۴۱-۵۰
۳۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ فیروز سنز لمٹیڈ لاہور ص ۳۴۷

(میر) رضی دانش (متوفی ۱۶۶۵ء)

میر رضی دانش مشہدی (متوفی ۱۰۷۶ھ۔ ۱۶۶۵ء) شاہ جہاں کے زمانے میں ہندوستان آئے دکن اور بنگال میں رہے پھر شاہجہاں کے دربار میں رسائی ہوئی جس نے ان کے ایک قصیدے پر دو ہزار روپے اور داراشکوہ نے اس شعر پر ایک لاکھ روپے انعام میں دیے تھے۔

(شعر)

تاک را سیراب کن اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

ترجمہ (اے ابر نیسان موسم بہار میں انگور کی بیل کو سیراب کر۔ ایک قطرہ اگر شراب بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

قدیم روایات میں ابر نیساں یعنی ہندی مہینہ کوار کی پہلی بارش کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کا قطرہ سیپ کے منھ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔

۱۰۷۲ھ میں مشہد واپس ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔

ماخذ

کشن چند اخلاص تذکرہ ہمیشہ بہار /۷۷

افضل سرخوش، کلمات الشعرا

زلالی خوانساری (متوفی ۱۰۳۱ھ۔ ۱۶۱۵ء)

حکیم زلالی خوانساری گیارہویں صدی ہجری کا شاعر تھا۔ شاہ عباس اول (کبیر) صفوی کے دربار میں ملک الشعرا تھا۔ اس کی شہرت کا دار و مدار "سبعہ سیارہ" یعنی اس کی سات مثنویوں پر ہے۔ ان مثنویوں کے نام "محمود و ایاز" "شعلہ دیدار" "آذر و سمندر" "حسن گلوسوز" "ذرہ و خورشید" "میخانہ" اور "سلیمان نامہ" ہیں۔ پہلی مثنوی "محمود و ایاز" مدتوں اشاعت پذیر رہی ہے۔

ماخذ
ڈاکٹر محمد صدیق شبلی فارسی ادب کی مختصر تاریخ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷
ڈاکٹر محمد ریاض

(نوابِ سراج الدین احمد خاں) سائل دہلوی
(۱۸۶۴ - ۱۹۴۵ء)

نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی ۲۹ر مارچ ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ "مرزا سراج الدین احمد خاں" سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ ان کی پہلی شادی والیٔ پاٹودی کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح داغ کی لے پالک بیٹی لاڈلی بیگم سے کیا۔ داغ ہی سے تلمذ تھا۔ بہت دن تک حیدرآباد میں داغ ہی کے پاس رہے اور وہاں سے ایک رسالہ "معیار الانشا" نکالتے تھے۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو انتقال کیا۔ مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ ایک ضخیم مثنوی "نور علیٰ نور" بس جہانگیر اور نور جہاں کی حیاتِ معاشقہ بیان کی ہے۔ جو نامکمل رہ گئی ہے۔ "بہ جنت جانشین داغ آسود" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۲۶۱

(نواب میر یوسف علی خاں) سالار جنگ ثالث

(ولادت ۱۳۰۷ھ۔ ۱۸۸۹ء)

نواب میر یوسف علی خاں ۱۴ر شوال ۱۳۰۷ھ مطابق ۳ر جون ۱۸۸۹ء کو مقام پونا پیدا ہوئے۔ آپ بمشکل ایک ماہ کے تھے کہ آپ کے والد نواب لائق علی خاں سالار جنگ دوم کا انتقال ہو گیا۔ والدہ زینت بیگم صاحبہ نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۷ر جمادی الاول ۱۳۲۵ھ میں ان کو خاندانی خطاب سالار جنگ ثالث سے نوازا گیا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے گیارہ سالہ دور کے اختتام پر نواب میر یوسف علی خاں مدار المہام (وزیر اعظم) مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف ایک سال بر سر خدمت رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنی ذاتی دلچسپی کے مشغلوں میں زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ جن میں نوادرات کی قدردانی اور انھیں سلیقے سے جمع کرنا خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ان کی اس دلچسپی کی وجہ سے سالار جنگ میوزیم وجود میں آیا جو دنیا کے مشہور میوزیموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں دنیا کے ہر گوشے سے حاصل کئے گئے نوادرات شامل ہیں۔ ساتھ ہی ایک بہت گراں قدر کتب خانہ بھی اس کا ایک بیش قیمت حصّہ ہے۔

ماخذ

رمن راج سکسینہ۔ تذکرہ دربار حیدر آباد ص ۲۱۳۔ ۲۱۴

سحابی نجفی (متوفی ۱۶۰۱ء)

ابو سعید سحابی نجفی استرآباد کے رہنے والے تھے مگر زندگی کے چالیس سال نجف اشرف میں گزرے اس لیے نجفی کہلاتے ہیں۔

عصری فنون میں ید طولا رکھتے تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ مولانا شبلی نے سحابی کی قادر الکلامی اور مضمون آفرینی کو سراہا ہے مگر دیوان ضائع ہو گیا تاہم غزلیات کا مجموعہ دستیاب ہے۔ فلسفیانہ موضوعات پر ان کی رباعیاں بعد میں جمع ہوئی ہیں اقبال نے سحابی کو خیام پر اس لیے ترجیح دی کہ خیام کے نشۂ مے نوشی اور خود فراموشی کے مقابلے میں سحابی کے ہاں اخلاقی متصوفانہ اور عارفانہ مضامین ملتے ہیں۔ اقبال ان کے مداح ہیں۔

سحابی کا انتقال ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء میں ہوا۔

ماخذ

محمد ریاض ؛ اقبال اور فارسی شعراء ص ۲۱۹-۲۲۱

رفیع الدین ہاشمی ؛ خطوطِ اقبال

منشی سراج الدین (۱۸۷۶ - ۱۹۴۱ء)

سراج الدین ۲۶ فروری ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جہلم میں حاصل کی۔ پھر فورمین کرسچین کالج لاہور میں داخلہ لیا تھا کہ ۱۸۹۴ء میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ چند مہینے شیرانوالہ اسلامیہ ہائی اسکول میں انگریزی اور فارسی پڑھائی۔ طبیعت کے غیور تھے۔ ملازمت چھوڑ کر بیکار بیٹھے رہے۔ ۱۸۹۹ء میں ریاست کشمیر کے ریزیڈینٹ کے میر منشی ہو گئے۔ موسم سرما میں ریزیڈنٹ کا دفتر سری نگر سے سیالکوٹ منتقل ہو جاتا تھا۔ اقبال کے ان سے دیرینہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ خاں صاحب کو شعر و سخن سے دلی شغف تھا۔ وہ شگفتہ مزاج، سخن فہم، بذلہ سنج اور بڑی باغ و بہار طبیعت کے آدمی تھے۔ حافظہ غضب کا پایا تھا۔ اردو فارسی کے اساتذہ کے سیکڑوں اشعار انھیں یاد تھے۔

انھوں نے بڑی نادر اور کمیاب کتابیں جمع کی تھیں۔ ایک بار ۱۹۰۳ء میں جب کشمیر میں قیامت خیز سیلاب آیا تو انھیں گھر کے سازوسامان کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا کتابوں کی حفاظت کا۔

۳۷-۱۹۳۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور سری نگر میں بس گئے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۴۱ء کو فوت ہو گئے۔

ماخذ

سید نذیر نیازی - دانائے راز ص ۲۰۸-۲۱۱

سرخوش (۱۰۵۰ھ۔ ۱۱۲۶ھ)

محمد افضل سرخوش (ولادت ۱۰۵۰ھ) عہد اورنگ زیب کے باکمال شاعر تھے۔ محمد علی ماہر سے مشورۂ سخن تھا۔ بیغم بیراگی اور سعد اللہ گلشن ان کے تلامذہ میں ہیں۔ ۵/محرم ۱۱۲۶ھ ۲۱/جنوری ۱۷۱۴ء کو انتقال ہوا (خوشگو) ان کا مولفہ تذکرۂ "کلمات الشعراء"، ۱۹۵۱ء میں مدراس یونیورسٹی سے شائع ہو چکا ہے۔

ماخذ

کشن چند اخلاص: تذکرہ ہمیشہ بہار/ ۱۷

سروجنی نائیڈو (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۹ء)

۱۳ فروری ۱۸۷۹ء کو حیدرآباد دکن میں ڈاکٹر اگھوری ناتھ چٹوپادھیائے کے گھر پیدا ہوئیں۔ ذات کی برہمن تھیں۔ سروجنی نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں مدراس یونیورسٹی سے ۱۸۹۱ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اسی زمانے میں ان کی شاعری کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں سروجنی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھیجی گئیں۔ وہاں تین سال انھوں نے پہلے کنگس کالج (KING COLLEGE) لندن اور بعد میں گرٹن کالج (GIRTON COLLEGE) کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۸ء میں وہ سیاحت کے لئے لندن گئیں۔ دسمبر ۱۸۹۸ء میں حیدرآباد واپس آئیں اور ان کی شادی سرکاری نظام کے میڈیکل آفیسر ڈاکٹر گووندا راجلو نائیڈو (DR. GOVINDA RAJLU NAIDU) سے ہو گئی جو غیر برہمن تھے۔

سروجنی نائیڈو کو انگریزی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ اپنی فصیح و بلیغ انگریزی نظموں کی وجہ سے وہ (NIGHTINGALE OF INDIA) "بلبلِ ہند" کہلاتی تھیں۔ ۱۹۱۴ء میں وہ رائل سوسائٹی آف لٹریچر کی رکن بنائی گئیں۔

سروجنی نائیڈو ممتاز سیاسی رہنما اور شعلہ بیان مقرر تھیں۔ ہندو مسلم اتحاد کی زبردست حامی تھیں۔ جنگ آزادی میں سدا پیش پیش رہیں — گاندھی جی کی دست راست تھیں۔ ۱۹۲۵ء میں کانگریس کی صدر منتخب ہوئیں آزادی کے بعد وہ صوبہ یو۔پی کی گورنر مقرر ہوئیں۔ ۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو انتقال ہوا۔

انھوں نے بے شمار نظموں کے علاوہ ابتدائی عمر میں چھ طویل ناول بھی لکھے۔ ان کے تین شعری مجموعے "سنہری دروازہ" "پرندہ وقت" اور "شکستہ بازو"

بہت مشہور ہیں۔ ان کی بعض نظموں کا اردو ترجمہ "ایوان تصور" کے نام سے ظفر قریشی دہلوی نے کیا ہے۔

اقبال کے سروجنی نائیڈو سے بہت گہرے روابط تھے۔ اقبال سے ان کی پہلی ملاقات انگلستان میں ہوئی۔ ۱۹۱۷ء میں سروجنی نے اپنی نظموں کا مجموعہ "BROKEN WING" (شکستہ بازو) اقبال کو پیش کیا۔ انھوں نے جذبات کا اظہار فارسی کے تین شعروں میں کیا۔ ان میں ایک شعر یہ ہے:

خیز و بہ زن کہ دریں جلوہ گہ نکہت و رنگ
طائرے نیست کہ پرواز گرانست اورا

(اٹھ اور اڑ جا کر اس نکہت و نور کے جہاں میں کوئی پرندہ ایسا نہیں کہ جسے پرواز گراں ہو)

یہ اشعار اقبال کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں۔ باقیاتِ اقبال میں محفوظ کئے گئے ہیں۔ سروجنی نائیڈو اقبال سے اس حد تک متاثر تھیں کہ اپنے ایک نجی خط میں جو انھوں نے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو کو لکھا تھا، بے ساختہ اقبال کے ایک مصرع کا ایک حسین ٹکڑا لکھتی چلی جاتی ہیں۔

"مجھے ڈر ہے کہ آپ میری عجلت میں لکھی ہوئی تحریر پڑھ بھی سکیں گے یا نہیں۔ میری کلائی میں سخت درد ہے، جسے اقبال کے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ "میں سراپا درد ہوں""

"I WONDER IF YOU CAN READ MY SCRAWL MY WRIST IS STIFF WITH PAIN. MAIN SARAPA DARD HUN" TO QUOTE IQBAL LITERALLY".

JAWAHAR LAL NEHRU: A BUNCH OF OLD LETTERS
p 49

یہ "بانگ درا کی نظم "صقلیہ" (جزیرہ سسلی) کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں
ص : ۳۵۹ - ۳۷۱
سید مظفر حسین برنی۔ محب وطن اقبال
ص : ۱۳۳

شیخ، سعدی شیرازی (۱۲۱۸/۱۹-۱۲۹۴/۹۵ء)

شیخ مصلح الدین سعدی کے والد عبداللہ شیرازی اتابک سعد بن زنگی والیٔ شیراز کے ملازم تھے۔ اسی نسبت سے شیخ نے سعدی تخلص اختیار کیا۔ سعدی فارسی ادب کی بلند پایہ شخصیت ہیں اور گلستان و بوستان کے مصنف کی حیثیت سے شہرت دوام کے مالک ہیں۔

سعدی شیراز میں پیدا ہوئے اور مدرسہ نظامیہ، بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر سیر و سیاحت شروع۔ ترکی، عراق، شام و حجاز سے شمالی افریقہ تک طویل سفر کیے۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان بھی آئے تھے۔ ان کے سفر کی مدت تذکرہ نویسوں نے بیس برس لکھی ہے۔

شیخ نے تصوف و سلوک کی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ شیراز آکر اتابک ابوبکر بن سعد زنگی اور اس کے بیٹے سعد بن ابوبکر زنگی کے دربار سے متوسل رہے۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور شہر سے باہر ایک حجرہ بنوایا تھا۔ وہیں ۶۹۱ھ اور ۶۹۴ھ (۱۲۹۱-۱۲۹۵ء) کے درمیان وفات پائی۔ مزار دلکشا سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں ہے اور اب سعدیہ کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ سعدی تمام اصناف سخن پر قادر اور نظم و نثر میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ غزل میں سہل متمتع کا انداز ہے۔ لطافت و زیبائی، شیرینی اور دل نشینی میں ان کا کلام بے نظیر ہے۔ "کلیات سعدی" تمام اصناف کو محیط ہے اور ہر زمانے میں مقبول رہی ہے۔ ان کی شہرۂ آفاق تصانیف "گلستان و بوستاں" کے تراجم دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہوئے ہیں۔ ان ہی دو تصانیف سے ان کو لافانی شہرت حاصل ہوئی ہے۔

اقبال نے سعدی کا گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ ان کے کلام سے سند بھی پیش کرتے ہیں (اقبال نامہ جلد اوّل ص ۱۸۸) ان کے بعض اشعار کی تضمین بھی کی ہے۔ (بانگ درا۔ حصّہ سوم) اقبال کے اور بھی متعدد اشعار ایسے ملتے ہیں جن کا خیال سعدی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

ماخذ

۱۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم
۲۔ اقبال ریویو۔ جولائی ۱۹۷۰ء مقالہ "اقبال اور سعدی"
۳۔ ڈاکٹر محمد ریاض۔ اقبال اور فارسی شعراء۔ ص ۱۵۴۔۱۶۲۔

سعید پاشا (۱۸۳۸-۱۹۱۴ء)

پورا نام محمد سعید پاشا تھا۔ ان کے والد علی نامق طہران میں ترکی کے سفارت میں کام کرتے تھے۔ سعید پاشا کی ولادت ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ ابتدائی حالات تفصیل سے نہیں ملے۔ البتہ ان کی زندگی کا سب سے اہم اور سیاسی کردار ۱۸۷۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب سلطان عبدالحمید ثانی نے انھیں اپنا سکریٹری مقرر کیا۔ اس خدمت کے دوران انھوں نے متعدد قانونی اصلاحات نافذ کیں جن کی وجہ سے ان کی سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوا اور وہ ۱۸۷۹ء میں پہلی مرتبہ صدر اعظم مقرر کئے گئے۔ پھر اپنی وفات تک نو مرتبہ اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہوتے رہے۔ انیسویں صدی کے آخر ربع میں یہ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور فراست کی وجہ سے بہت کامیاب رہے۔ انھوں نے ۱۹۰۸ء کے YOUNG TURKS انقلاب کے دوران اپنے سلطان کی حمایت کی۔ مگر ان کی کوششیں زیادہ کامیاب نہ رہیں۔ پھر بھی وہ مجلس اعیان کے صدر ہوئے اور اس کے بعد پھر صدر اعظم مقرر کئے گئے۔

۹ رمضان ۱۳۳۲ھ مطابق یکم اگست ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔

ماخذ

احمد عطیہ اللہ۔ القاموس الاسلامی۔ جلد سوم ص ۳۵۸

(مرزا) سلطان احمد (۱۸۵۰ - ۱۹۳۱ء)

خان بہادر مرزا سلطان احمد فرقہ احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد کے فرزند تھے۔ ۱۸۵۰ء میں بمقام قادیان (ضلع گورداس پور) پیدا ہوئے تعلیم سے فارغ ہوکر محکمہ مال سے وابستہ ہوئے۔ نائب تحصیلدار سے ترقی کرکے پہلے تحصیل دار اور بعد میں اکسٹرا اکمشنر مقرر ہوئے۔ آخر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے عہدے سے پینشن لی۔ ایک عرصہ تک ریاست بہاول پور میں وزیر مالیات بھی رہے۔ اردو، فارسی اور عربی میں آپ کو خاص دسترس تھی۔ نکتہ سنجی اور مضمون آفرینی میں خداداد ذہانت پائی تھی۔ ان کے عالمانہ اور دقیق مضامین بہت مشہور ہوئے۔ متفرق مضامین کے بارہ مجموعے ربوہ کی مرکزی لائبریری میں موجود ہیں۔ تقریباً ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں سے ایک کتاب "فنون لطیفہ" انھوں نے ۱۹۱۲ء میں اقبال کے نام معنون کی تھی۔

اقبال نے مثنوی "اسرار خودی" کے جس تبصرے کا ذکر کیا ہے وہ مرزا صاحب نے اس وقت لکھا تھا جب وہ سونی پت ضلع رہتک میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ یہ عالمانہ تبصرہ مجلہ "اقبال" لاہور میں شائع ہوچکا ہے۔ اس سے مرزا صاحب کی بالغ نظری کا ثبوت ملتا ہے۔

مرزا صاحب کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔

ماخذ

عبداللہ قریشی: اقبال بنام شاد ص ۱۴۲ - ۱۴۴

سلطان سلیم (متوفی ۹۲۶ھ، ۱۵۲۰ء)

سلطان سلیم نے ۹۱۸ھ-۹۲۶ھ - ۱۵۱۲-۱۵۲۰ء تک سلطنت عثمانیہ پر حکومت کی۔ اس نے مصر کے بادشاہ کو ایک خط میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ وہ سکندر اعظم کی طرح مشرق اور مغرب کے ممالک پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ ایران کے شاہ اسمٰعیل کے خلاف مہم آرائی کرنے سے قبل اس نے اناطولیہ (ANATOLIA) میں اس کے تمام بہی خواہوں اور ہمدردوں کو چن چن کر قتل کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس ہزار افراد قتل کئے گئے۔ شاہ اسمٰعل کے خلاف معرکہ آرائی کو اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد سمجھتا تھا۔ ۲ رجب ۹۲۰ھ - ۲۳ اگست ۱۵۱۴ء کو اس نے مشرقی اناطولیہ کو فتح کر لیا۔ اور شاہ اسمٰعیل کو شکست دی۔

۹۲۱ھ ۱۵۱۵ء کو سلطان سلیم نے ذوالقدر ترکمان علاؤالدولہ کے خلاف کوچ کیا۔ جو مصر کے سلطان کا نائب تھا۔ اور اس کے علاقے پر قابض ہوگیا۔

ایران سے جنگ کے دوران اس نے دونوں ممالک میں باہمی تجارت کو منقطع کر دیا۔ اس زمانے میں ایران ریشم کا کپڑا یورپ کو برآمد کرتا تھا۔ اس طرح گویا ایران کی شہ رگ کٹ گئی۔

اس کے بعد سلطان سلیم نے مصر میں مملوک بادشاہ قانصوہ غوری کی فوج کو ۲۵ رجب ۹۲۲ھ - ۲۴ اگست ۱۵۱۶ء میں مرج دابق (MARJ DABIQ) کے مقام پر شکست فاش دی۔ جو حالب کے قریب ہے۔ سلیم فاتح کی حیثیت سے خلب کے شہر میں داخل ہوا تو خلیفتہ المتوکل اس کے سامنے حاضر ہوا۔ سلیم نے خلیفہ کے ساتھ شرافت

اور عزت کا برتاؤ کیا۔

۳۰ اگست کو سلیم دمشق پہنچا۔ اس کے جنرل سنان پاشا کی فوجوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر لیا۔ شام اور مصر کی فتح کے بعد عثمانیہ حکومت کی شان و شوکت اور عزت و جلال عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد سلیم نے "خادم الحرمین شریفین" کا لقب اختیار کر لیا اور اس طرح مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور حج کے تمام راستوں کے تحفظ کی ذمہ داری سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں میں آگئی۔ اس زمانہ میں ان کی بڑی سیاسی اور دینی اہمیت تھی۔ اس طرح سلیم نے خلافت کی تشکیل ہی بدل ڈالی۔ حرمین شریف کے تحفظ کی وجہ سے اسلامی دنیا میں عثمانیہ حکومت کا اقتدار اعلیٰ مسلم ہو گیا۔

سلیم ۲۴ ستمبر ۱۵۲۰ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

سلطان سلیم ایک بڑا کامیاب جنرل، نامور فاتح اور ذی اقتدار اور مطلق العنان سلطان گزرا ہے۔

ماخذ

پی۔ ایم ہولٹ وغیرہ۔ کیمبرج ہسٹری آف اسلام
ج ۱۔ جز اوّل۔ ۱۹۷۹ ص ۳۲۳-۳۱۴

مرزا حیرت دہلوی۔ حیات حمیدیہ
حصّہ دوم۔ کرزن پریس دہلی ۱۹۰۲ ص: ۸۷-۹۶

(نواب خواجہ سر) سلیم اللہ (۱۸۸۴۔۱۹۱۶ء)

نواب خواجہ سر سلیم اللہ (نواب آف ڈھاکہ) ۱۸۸۴ء میں بمقام
ڈھاکا پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان کشمیر سے ترک وطن کر کے ڈھاکہ میں
آباد ہوا تھا۔ اس لئے کشمیری مسلمانوں سے آپ کو خاص محبت تھی
۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۰۸ء کو جب آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا
اجلاس امرتسر میں ہوا تو کشمیری مسلمانان پنجاب کے ایک وفد نے آپ کی
خدمت میں سپاسنامہ فارسی میں پیش کیا۔ جسے علامہ اقبال نے پڑھ کر سنایا۔

نواب صاحب نے اس سپاس نامے کا جواب انگریزی میں دیا۔ اپنے
ہم وطنوں کے غربت میں آکر مل جانے پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کی قومی انجمن
کا مربی بننا منظور فرمایا۔

نواب صاحب وائسرےگل کونسل کے ممبر بھی تھے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا
کہ وہ حیدر آباد کس مقصد سے گئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۶ جنوری ۱۹۱۶ء کو
کلکتہ میں ہوا۔ میت ڈھاکہ لائی گئی اور خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی۔

ماخذ

محمد عبد اللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

سلیمان اوّل (۱۴۹۹/۱۴۹۵/۱۵۶۶ء)

سلیمان اوّل اپنے عہد میں دنیا کا سب سے بڑا حکمراں تھا۔ اور سلیمان اعظم SULAIMAN THE MAGANIFICENT کے نام سے مشہور ہوا۔ ۶ نومبر ۱۴۹۹ء یا اپریل ۱۴۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۲۰ء سے لے کر ۱۵۶۶ء تک سلطنت عثمانیہ پر حکومت کی۔ اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ طاقت، شان و شوکت اور عظمت کے لحاظ سے اپنے عروج تک پہنچی۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کا تقریباً چالیس ہزار مربع میل رقبہ اس کے زیر نگیں تھا۔ اس نے مرکزی یورپ اور بحیرہ روم کے کنارے عیسائی حکومتوں سے معرکہ آرائی کی۔ ۱۵۲۱ء میں ہنگری (HUNGARY) فتح کیا۔ اور آسٹریا (ASTRIA) سے معاہدہ کیا۔

اس کے علاوہ ایران کے خلاف تین بڑی جنگیں لڑیں۔ پہلی جنگ کے بعد (۳۵-۱۵۳۴ء) مشرقی ایشیائے کوچک (ASIA MINOR) میں ارض روم ERZRUM) پر قبضہ کرلیا۔ اور عراق فتح کیا۔ دوسری جنگ (۴۹-۱۵۴۸ء) میں LAKE VAN کے ارد گرد کا علاقہ زیر کیا۔ تیسری جنگ (۵۵-۱۵۵۴ء) میں صفوی سلطنت کو کافی نقصان پہنچایا۔ آخر کار سلطنت عثمانیہ اور صفوی حکومت کا معاہدۂ امن ہوگیا۔

سلیمان کے عہد میں ترکی کی بحری طاقت اپنے عروج پر پہنچی۔ اس کے امیر البحر خیرالدین باربروسہ نے ۱۵۳۸ء میں بحیرۂ روم میں یورپ کے عیسائی ممالک کے متحدہ بیڑے کو شکست دی۔ بحیرہ روم، بحر ابیض، بحر احمر اور بحر ہند کے کچھ حصوں میں واقع تجارتی شاہراہوں پر اس کا مکمل قبضہ تھا۔ شاید اسی لئے یورپ کے جہازرانوں کو نئے آبی راستوں کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس کا ایک بیڑہ ہندوستان کے ساحل تک آپہنچا تھا مگر ڈیو (DIEV) کا شہر پرتگالیوں سے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

اس کے عہد میں مشہور زماں معمار سنان (SINAN) گذرا ہے۔ جس نے مضبوط قلعے، خوبصورت مسجدیں، پل اور رفاہ عام کی بے شمار عمارتیں بنائیں۔ خصوصاً استنبول میں حسین وجمیل مسجدیں تعمیر کیں۔ جن میں سے ایک سلیمان اوّل کے نام سے مشہور ہے۔

سلیمان اوّل اپنے ملک میں قانون ساز کی حیثیت سے لافانی شہرت کا حامل ہے۔

ہنگری میں قلعہ زیگیٹ وار (SZIGETVAR) کے محاصرہ کے دوران ۵۔۶ ستمبر ۱۵۶۶ء کی درمیانی شب میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ

۱۔ دائرہ المعارف برطانیکا۔ جلد ۱۷۔ ص ۴۸۷۔ ۴۸۵

۲۔ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال

رسید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء)

ان کی ولادت ۲۲ دسمبر ۱۸۸۴ء کو پٹنہ کے گاؤں دسنہ میں ہوئی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھلواری شریف (پٹنہ) میں مولانا محی الدین سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۰۰ء میں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں درس نظامیہ کی کتابوں کی تکمیل کی۔ ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے ۱۹۰۷ء میں تعلیم سے فارغ ہوکر الندوہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۹۰۸ء میں علم کلام اور جدید عربی ادب کے استاد مقرر ہوئے ۱۹۱۰ سے لے کر ۱۹۱۲ء تک عربی کے جدید الفاظ کی ڈکشنری تیار کی ۱۹۱۳ء میں الہلال کے ادارتی عملے میں شمولیت اختیار کی اس کے بعد دکن کالج پونہ میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر ہوئے ۱۹۱۵ء میں دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی۔ بڑی خوبی سے اسے چلاتے رہے ۱۹۱۶ء میں معارف کا اجرا کیا ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے ساتھ یورپ گئے۔ مولانا حجاز کے وفد میں شامل ہوئے ۱۹۲۵ء میں مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن سودرن انڈیا MUSLIM EDUCATIONAL ASSOCIATION SOUTHERN INDIA

کی دعوت پر سیرۃ النبیؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے دیے اسی ایسوسی ایشن کی دعوت پر اقبال نے ۱۹۲۹ء میں اپنے مشہور خطبات دیے تھے ۱۹۲۹ء میں ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد میں عرب و ہند کے تعلقات پر لیکچر دیے ۱۹۳۱ء میں عربوں کی جہازرانی پر بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی سرپرستی میں چار خطبے دیے

۱۹۳۳ء میں اقبال اور سر راس مسعود کے ساتھ افغانستان کے وفد میں شامل ہوئے ۱۹۴۱ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری ملی۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک بھوپال

میں عربی مدارس اور دارالقضا کی نگرانی فرماتے رہے۔ ۱۴ر جون ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے یہاں جمیعۃ العلما اسلام کے صدر پنجاب یونیورسٹی کمیشن کے ممبر مجوزہ عربی دارالعلوم کی کمیٹی کے رکن، دستور ساز اسمبلی کے بنیادی حقوق کی سب کمیٹی کے ممبر رہے، پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس (PAKISTAN HISTORICAL CONFERENCE) کی صدارت فرمائی۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کو انتقال کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جو آپ کی تاریخ ولادت تھی وہی تاریخ وفات بھی ان کی مشہور تصانیف ہیں ارض القرآن، سیرۃ النبوی (چھ جلدوں میں) سیرت عائشہ، عمر خیام، نقوشِ سلیمانی، حیات شبلی۔

اقبال کو مولانا سے گہری اور پُر خلوص عقیدت تھی اور اکثر دینی اور ادبی مسائل میں ان سے رجوع کرتے رہتے تھے اور خط و کتابت کا مستقل سلسلہ رہا۔

ماخذ

شاہ معین الدین احمد ندوی۔ حیات سلیمانی

(شاہ) سلیمان پھلواری (۱۲۷۶ھ۔۱۳۵۴ھ)

اپنے عہد کے مشہور عالم دین بلند پایہ صحافی اور بے مثل خطیب۔ یہ غالباً ۱۲۷۶ء میں پھلواری شریف صوبہ بہار میں پیدا ہوئے جو عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک مردم خیز قصبہ ہے۔ یہاں ڈیڑھ سو برس کے عرصے میں بہت سے باکمال علمار مشائخ اور شعرار پیدا ہوئے۔ موصوف ایک معزز خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے مشہور علمی گھرانوں سے استفادہ کیا۔ لکھنؤ کے قیام میں درسیات ختم کرنے کے بعد انھوں نے طب پڑھی اور طبیب کی حیثیت سے ہی انھوں نے علمی زندگی کا آغاز کیا۔ شاعری کا چسکا بچپن سے ہی تھا۔ لکھنو کی صحبتوں نے رنگ گہرا کر دیا۔ حاذق تخلص کرنے لگے (غالباً طب کی نسبت سے) زیادہ تر اردو اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ اس عہد کے نوجوان علمار نے ندوۃ العلمار کی بنیاد رکھی تو مولانا شاہ سلیمان پھلواری اس کے بانیوں میں سے تھے۔ اس انجمن کے پلیٹ فارم سے شاہ صاحب کی خطابت کا شہرہ عام ہوا۔ سرسیّد آپ کی تقاریر سے متاثر تھے۔ اور ان کی تقاریر کو اپنے اخبار میں شوق سے شائع کرتے تھے۔ ان کے بعد محسن الملک نے بھی ایسا ہی کیا۔

۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ یکم جون ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔

اسرار خودی کی طباعت پر جو ہنگامہ ہوا تو خواجہ حسن نظامی نے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اقبال کے خیالات سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اس سلسلہ میں اقبال اور شاہ صاحب کو خطوط لکھے جن میں اقبال پر اعتراضات کئے گئے تھے۔

خواجہ صاحب اور اقبال کے درمیان اختلاف رائے شاہ صاحب اور اکبر الہ آبادی کی مداخلت سے رفع ہوا۔

ماخذ

۱۔ سید سلیمان ندوی۔ یادِ رفتگاں۔ ص ۱۷۹۔ ۱۸۵

۲۔ بشیر احمد ڈار۔ انوارِ اقبال ص ۱۷۷

حکیم سنائی (متوفی ۵۴۵ھ)

ابو المجد حسن مجد د بن آدم المعروف بہ حکیم سنائی غزنوی، اپنے حکیمانہ خیالات اور صوفیانہ افکار کے لئے رومی و عطار کی طرح ممتاز ہیں۔ کچھ عرصہ سلطان مسعود بن ابراہیم غزنوی (۴۹۲-۵۰۸ھ) اور سلطان بہرام معین الدین غزنوی۔ (۵۱۱-۵۲۲) کے درباروں سے متوسل رہے۔ پھر ترکِ دنیا کر کے تزکیۂ نفس کی راہ اختیار کی۔

حکیم سنائی کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ دولت شاہ سمرقندی نے ۵۷۶ھ میں لکھا ہے اور ریاض العارفین میں ۵۴۶ھ ہے۔ غالباً یہی صحت کے قریب تر ہے۔

حکیم سنائی کی تصنیفات کے بارے میں شبلی نے لکھا ہے:

"حکیم سنائی کی تصنیفات میں ایک کلیات ہے۔ جس میں ۳۰ ہزار اشعار ہیں۔ سات مثنویاں ہیں۔ حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہروز و بہرام، حدیقہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ باقی مثنویاں ناپید ہیں۔ البتہ سیر العباد کے بہت سے اشعار "مجمع الفصحا" میں نقل کئے ہیں"

اقبال ۷ نومبر ۱۹۳۳ء میں سفرِ افغانستان کے دوران حکیم سنائی کے مزار پر حاضری دی تھی اور فرطِ جذبات سے بے خود ہوگئے تھے۔

ماخذ

۱۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم ج اول ص ۱۸۹-۱۹۲

۲۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران ص ۱۵۰-۱۵۷

سودی (متوفی ۱۰۰۶ھ ۹۸۔۱۵۹۷ء)

سودی بستوی بسرین میں پیدا ہوئے۔ جو آج کل یوگوسلاویہ میں ہے۔ مگر آپ زیادہ تر استنبول میں رہے۔ جہاں عثمانی شاہزادے آپ سے درس لیتے تھے۔ آپ فارسی، ترکی، عربی تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ ترکی زبان میں آپ نے "شرح مثنوی مولانا روم" "شرح گلستان" "شرح بوستان" وغیرہ لکھیں۔ دیوان حافظ پر آپ نے دو شرحیں لکھیں۔ ایک مختصر اور دوسری مفصّل ہے۔ ۱۰۰۶ھ ۹۸۔۱۵۹۷ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

ڈاکٹر عصمت ستارزادہ نے "شرح سودی برحافظ" کے نام سے فارسی میں آپ کی ترکی شرح کا ترجمہ کیا ہے۔ جو تہران کے چاپخانہ ارژنگ میں ۱۳۴۷ھ میں چھپا ہے۔ اس کے مقدمے میں سعید نفیس نے ان کے مختصر حالات لکھے ہیں۔

ماخذ

ڈاکٹر عصمت ستارزادہ شرح سودی برحافظ" تہران ۱۳۴۷

شاؔد (مہاراجہ کشن پرشاد) (۱۸۶۴ء-۱۹۴۰ء)

مہاراجہ کشن پرشاد ۲۸ ؍فروری ۱۸۶۴ء کو اپنے نانا نریندر پرشاد کے گھر پیدا ہوئے جو مہاراجہ چندولال کے نواسے تھے۔ عربی، فارسی، فلسفہ، منطق وغیرہ کی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق حاصل کی۔ انگریزی زبان سے بھی واقفیت بہم پہنچائی۔ انھیں ریاست میں اپنا موروثی عہدہ پیشکاری ملا اور ترقی کرکے مدارالمہام و صدر اعظم کے عہدوں تک پہنچے۔ سرکار برطانیہ سے "سر" کا خطاب اور ریاست حیدر آباد سے یمین السلطنت کا اعزاز حاصل ہوا۔ وہ شاؔد تخلص کرتے تھے۔ اہل علم، شعرا اور فن کاروں کے قدرداں، نہایت وضع دار، مہذب اور سخی النسان تھے۔

تقریباً ساٹھ کتابیں چھوٹی بڑی خود تصنیف کی ہیں جن میں بعض شائع بھی ہوئیں۔ چند یہ ہیں۔ باغ شاد، بیاض شاد، جذبات شاد، رباعیات شاد، مثنوی آئینہ وجود، پریم درپن، جلوہ کرشن، جام جہاں نما وغیرہ۔ شاد پہلے محبوب علی خاں آصف تلمیذ داغ سے اصلاح لیتے تھے۔ کچھ کلام داغ کو بھی دکھایا۔ آخر زمانے میں جلیل مانک پوری سے مشورہ کرتے تھے اور فارسی کلام نواب ضیا یار جنگ کو دکھاتے تھے۔

۹ ؍مئی ۱۹۴۰ء کو انتقال ہوا۔

علامہ اقبال سے شاد کے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے اور خط و کتابت بھی طویل عرصہ تک رہی۔ اقبال کے ۵۹ خطوط ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۷ء تک مہاراجا کے نام سب سے پہلے ڈاکٹر محی الدین قادری زوؔر نے "شاد اقبال" کے نام سے شائع کیے تھے۔ اقبال کے خطوط کا یہی پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۴۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد محمد عبداللہ قریشی نے مہاراجا کے نام اقبال کے پچاس اور خطوط (۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک) کا سراغ لگایا

جو پہلی بار سہ ماہی جریدہ "صحیفہ" (لاہور) کے "اقبال نمبر" حصہ اول اکتوبر ۱۹۷۳ء میں "نوادر اقبال" کے عنوان سے شائع ہوئے۔ بعد میں انھوں نے ان خطوط کو "اقبال بنام شاد" میں ڈاکٹر زور کے دریافت شدہ خطوط کے ساتھ ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال بنام شاد
(بزم اقبال کلب روڈ لاہور ۱۹۸۶ء)
ڈاکٹر محی الدین زور، 'شاد اقبال' سب رس کتاب گھر
حیدر آباد ۱۹۴۲ء

شاد عظیم آبادی (۱۸۴۶ء-۱۹۲۷ء)

سید علی محمد شاد عظیم آبادی ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بچپن ہی سے عربی، فارسی اور اردو میں خاصی مہارت پیدا کر لی۔ پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ تمام عمر اردو ادب کی خدمت میں گزاری اور نظم و نثر کی کئی یادگار چھوڑیں۔

۱۹۲۷ء میں پٹنہ میں انتقال کیا۔

ان کی غزلوں کا ایک منتخب دیوان ۱۹۳۸ء میں "نغمۂ الہام" کے نام سے شائع ہوا۔ پھر "الہاماتِ شاد" کے نام سے ایک مختصر سا مجموعہ (مع سوانح) شائع ہوا۔ شاد "مخزن" لاہور کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں تھے اس لئے اقبال ان کی شاعری کی قدر و قیمت سے اور وہ اقبال کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ اقبال کے ایک خط محررہ ۲۵ اگست ۱۹۲۴ء کے اس اقتباس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس باکمال ہم عصر کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔

"جس تمدنی نظام نے آپ کو پیدا کیا وہ تو اب رخصت ہو رہا ہے بلکہ ہو چکا ہے۔ لیکن آپ کی ہمہ گیر دماغی قابلیت اور اس کے گراں بہا نتائج اس ملک کو ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے کہ موجودہ نظام تمدن پرانے نظام کا نعم البدل نہیں ہے۔ کاش عظیم آباد قریب ہوتا اور مجھے آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا۔"

ماخذ

محمد عبد اللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۲۰۶-۲۱۰

•

شاطر مدراسی (متوفی ۱۹۴۳ء)

شمس العلما ابو المعانی محمد عبد الرحمٰن شاطرؔ، مدراس کے رہنے والے تھے آپ مولوی عبد الغنی خاں امیر کے فرزند اور سکندر جنگ بہادر اول شہزادہ ارکاٹ کے پوتے تھے۔ آپ کی دادی صاحبہ نواب انور الدین خاں شہید کے فرزند نواب والاجاہ فرمانروائے کرناٹک کی نواسی تھیں۔ جو بڑی عالمہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔

اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں سے واقف تھے۔ نواب صاحب ارکاٹ کے سکریٹری بھی تھے اور مدراس ہائی کورٹ میں مترجم بھی رہے۔ "کارنامہ دانش" ان کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ "اعجاز عشق" شاطر کی ایک فلسفیانہ نظم ہے۔ جس میں قدیم و جدید فلسفیانہ مسائل و آرا سے الٰہیات اسلامیہ کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ یہ نظم پہلی بار ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اقبال نے اس نظم پر جو تقریظ لکھی تھی وہ حسب ذیل ہے:

"اس قصیدے کا کچھ حصہ (رسالہ) "مخزن" (لاہور) میں شائع ہو چکا ہے اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جالندھر میں ہیں۔ سنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انھوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصہ جو "مخزن" میں شائع ہو چکا ہے، ازبر ہے۔ اکثر اشعار نہایت بلند پایہ و معنی خیز ہیں بندشیں صاف اور ستھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے ہوئے دل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ آپ کا اسلوب واقعی

نرالا ہے اور آپ کی صفائیٔ زبان آپ کے ہم وطنوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے ہوں گے مگر یہ معلوم کرکے کہ آپ کی پرورش بچپن سے مدراس میں ہوئی، مجھے تعجب ہوا۔"

محمد اقبال

۲۲ر فروری ۱۹۰۵ء

اقبال نے اپنی پہلی تحریر کے چند سال بعد پھر لکھا:

" اعجازِ عشق " کے چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت شرافت کے ساتھ دولت کمال سے بھی مالامال کیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء[1] آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے اور شعراء میں بہت شاذ پایا جاتا ہے۔ مولانا حالی، شبلی، شاد جیسے قادر الکلام بزرگوں سے دادِ سخن گوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔"

محمد اقبال

(سیالکوٹ، ۲۹ر اگست ۱۹۰۸ء)

ان کا انتقال اپریل ۱۹۴۳ء میں ہوا[2]

---

[1] یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

[2] 'یادِ رفتگان' سید سلیمان ندوی۔ ص ۲۷۹

امام شافعیؒ (۷۶۷ء - ۸۲۰ء)

امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان الشافعیؒ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء میں غزہ فلسطین میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت عبیداللہ بن الحسن بن الحسین بن علیؓ تھیں ان کے ساتھ مکہ مکرمہ گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے کے قابل ہوگئے تھے۔ بدویوں میں رہنے سے انھیں عربی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہوگئی تھی۔ الاصمعی جیسا نحوی بھی ان کے شاگردوں میں نظر آتا ہے۔ امام شافعیؒ نے ۱۳ برس کی عمر میں مدینہ منورہ جاکر امام مالک بن انس (ف ۱۷۹ھ/ ۷۹۰ء) کے سامنے الموطا کا درس بھی لیا پھر مکہ میں سفیان بن عیینہ (ف ۱۹۸ھ/ ۸۱۳ء) سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا۔ ابتدا میں انھیں یمن میں ایک سرکاری عہدہ دیا گیا تھا مگر ان پر یحییٰ بن عبداللہ زیدی مدعی خلافت کی درپردہ حمایت کا الزام لگایا گیا اور قید کرکے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں بھیجے گئے خلیفہ نے ان کا بیان صفائی سن کر انھیں رہا کر دیا (۱۸۷ھ/ ۸۰۳ء) یہاں بغداد میں ان کی ملاقات امام محمد بن الحسن الشیبانی (ف ۱۸۹ھ/ ۸۰۵ء) سے ہوئی اور یہیں علم فقہ کی طرف گہری رغبت پیدا ہوئی۔ (۱۸۸ھ/ ۸۰۴ء) میں وہ حران و شام ہوتے ہوئے پھر مکہ معظمہ آگئے اور بیت اللہ میں اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ ۱۹۵ھ میں وہ پھر بغداد آئے۔ یہاں سے ۲۸ر شوال ۱۹۸ھ/ ۲۱ر جون ۸۱۴ء کو مصر گئے۔ مصر سے ایک بار پھر مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ۲۰۰ھ/ ۸۱۵- ۸۱۶ء میں دوبارہ مصر آئے۔ ۳۰ر رجب ۲۰۴ھ/ ۲۰ جنوری ۸۲۰ء کو فسطاط میں وفات پائی۔ المقطم میں دفن ہوئے۔ یہاں سلطان صلاح الدین نے ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرادیا تھا۔ انھیں اصول فقہ کا سب سے بڑا عالم بلکہ بانی سمجھا جاتا ہے۔

ان کی تصانیف مکالمہ کی شکل میں ہیں وہ مخالفین کا رد کرتے ہوئے ان کا نام نہیں لیتے۔ ان کی تصانیف کو ان کے شاگرد الربیع بن سلیمان نے روایت کیا ہے۔

کتاب الاُمّ ان کی تصانیف کا مجموعہ ہے۔ یہ دو ہزار اوراق پر مشتمل تھی۔ یہ قاہرہ سے سات جلدوں میں چھپی ہے (۱۳۲۱۔ ۱۳۲۵ھ)۔

اصول فقہ میں ان کی تصنیف الرسالہ ہے جس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے (کراچی ۱۹۶۸ء)

شافعی مسلک مصر، شام، حجاز اور وسط ایشیا میں بہت مقبول رہا۔ ہندوستان میں کیرالہ کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں۔

ماخذ

دائرۃ المعارف الاسلامیہ

جلد ۱۱/ ۵۷۶۔ ۵۸۳

شاکر صدیقی

شاکر صدیقی کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ایک زمانے میں چک جھمرہ ضلع لائل پور میں مقیم تھے اور ۱۹۱۵ء میں گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی میں اوورسیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔ انھیں شعر کہنے کا شوق تھا۔ "مخزن کے دورِ ثانی کے معاون مدیر سردار کیسرا سنگھ کے ایما پر ۱۹۱۲ء میں انھوں نے اقبال سے اپنے کلام پر اصلاح لینے کے لیے خط و کتابت شروع کی۔ اقبال نے حسب عادت اصلاح دینے سے تو انکار کیا لیکن شاکر کے استقلال کے باعث کبھی کبھی مفید مشورہ ضرور دیا۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی : معاصرین اقبال کی نظر میں

ص ۵۹۳

(ملا) شاہ بدخشی (متوفی ۱۰۷۲ھ-۶۲-۱۶۶۱ء)

ملا شاہ بدخشانی، داراشکوہ کے پیر و مرشد تھے۔ زیادہ تر کشمیر میں مقیم رہے۔ اپنے پیر و مرشد میاں میر کے انتقال کے بعد آپ لاہور پہنچے اور وہیں ۱۰۷۲ھ (۶۲-۱۶۶۱ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے اس شعر پر علمائے وقت نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔

پنجہ در پنجہ خدا دارم
من چہ پروای مصطفےٰ دارم

آپ کی کلیات کا ایک اہم نسخہ انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے جس پر ملا صاحب کی تحریریں ہیں۔

ماخذ .
رحم علی خاں ایمان۔ منتخب اللطائف ص ۳۸۰-۵۳۶
چاپ تابان، تہران ۱۳۴۹ھ شمسی

محمد شاہ دین ہمایوں (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۱۸ء)

محمد شاہ دین ہمایوں ۲؍اپریل ۱۸۶۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔باغبانپورہ کے میاں خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال نومبر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان روانہ ہوگئے اور وہاں سے ۱۸۹۰ء میں بیرسٹری کرکے واپس آئے اور بڑے کامیاب وکیل ہے۔جلد ہی ۱۹۰۶ء میں پنجاب چیف کورٹ کے جج مقرر ہوگئے۔ اس سے قبل پنجاب کی مجلس قانون ساز کے رکن نامزد کئے گئے تھے۔

سرسید کی اصلاحی تحریک کے مؤید تھے۔ ۱۸۹۹ء میں لندن میں انجمن اسلام قائم کی تھی۔شعر وادب سے بھی شغف تھا۔نظموں کا مجموعہ "جذبات ہمایوں" ان کی یادگار ہے۔

۱۲؍جولائی ۱۹۱۸ء کو لاہور میں اچانک انتقال ہوگیا۔

علامہ اقبال نے ہمایوں کی یاد میں ایک خوبصورت نظم کہی جو "بانگِ درا" میں شامل ہے۔اقبال نے ہمایوں کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ اور ایک شعر بھی کہا ہے جس کا عکس "انوار اقبال" ص ۲۷۴ میں شامل ہے۔

ان کے صاحبزادے میاں بشیر احمد نے ان کی یاد میں اردو کا معروف ادبی رسالہ "ہمایوں" ۱۹۲۲ء میں جاری کیا جو ۱۹۵۷ء میں بند ہوگیا۔

ماخذ —

۱۔ رفیع الدین ہاشمی۔خطوط اقبال ص ۱۳۰

۲۔ سید نذیر نیازی۔ دانائے راز ص ۱۹۲-۱۹۳

شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء)

مئی ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ میں مولوی شکر اللہ سے حاصل کی۔ فقہ کی اعلا تعلیم کے لیے ہندوستان بھر کا سفر کیا۔ چنانچہ لاہور میں رہ کر مدتوں مولانا فیض الحسن سے تحصیل علم کرتے رہے جو اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے۔

۱۹ سال کی عمر میں حج کیا۔ حج سے واپسی پر کتب بینی اور شعر و ادب کے شغل میں محو ہوگئے والد کے اصرار پر وکالت کا امتحان پاس کیا اور وکالت شروع کی لیکن جلد بددل ہوگئے ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ آئے۔ وہاں سرسید سے ملاقات کے بعد دونوں ایک دوسرے کے گرویدہ ہوگئے۔ وہاں آپ کا تقرر پروفیسر کی حیثیت سے ہوگیا۔ ۱۸۹۲ء میں عربی کے استاد آرنلڈ کے ساتھ قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ قسطنطنیہ میں سلطان عبدالحمید شہنشاہ ترکی نے ان کو ایک تمغہ عطا فرمایا۔

سرسید کی وفات کے بعد استعفا دے دیا اور ۱۸۹۸ء میں اعظم گڑھ چلے آئے یہاں نیشنل اسکول قائم کیا۔ اسی اثنا میں مولوی سید علی بلگرامی نے حیدر آباد بلا لیا جہاں نظامت علوم و فنون کے عہدہ پر چار سال فائز رہے۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند سے انھیں شمس العلماء کا خطاب ملا۔ اسی سال ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا جہاں حیدر آباد سے واپس آکر مولانا ناظم ہوگئے۔ اس ادارے کے فروغ و ترقی میں ان کا گراں قدر حصہ ہے۔ یہاں ۱۹۰۷ء میں اتفاقیہ بندوق چل جانے سے ان کا پاؤں زخمی ہوگیا اور ڈاکٹروں کو ٹانگ کاٹنی پڑی

اس حادثے کے بعد وہ ندوۃ العلماء سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور اعظم گڑھ چلے آئے وہاں "دارالمصنفین" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کے لیے اپنا باغ، مکان اور کتب خانہ وقف کر دیا۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مولانا شبلی متنوع فکر کے اعتبار سے ایک بلند مقام رکھتے ہیں، وہ عالم دین، مفکر، مؤرخ، صاحب طرز ادیب، نقاد اور شاعر گزرے ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف ہیں :- المامون، سیرۃ الغزالی، الفاروق، سیرۃ النبی (نامکمل) الغزالی علم کلام، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم (پانچ جلدوں میں)، مکاتیبِ شبلی (تین جلدوں میں)، مقالات شبلی (آٹھ حصوں میں) مثنوی صبح امید قومی مسدس، مجموعہ کلام اردو، فارسی کلام دیوانِ شبلی میں ہے جس میں دو مختصر مجموعے "دستۂ گل" اور "جوۓ گل" شامل ہیں۔

ماخذ

سید سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی

شبلی (۸۶۱ء-۹۴۶ء)

ابو بکر دُلف بن جحدر شبلی ۲۴۷ھ/ ۸۶۱ء میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ذی الحجہ ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء میں بغداد ہی میں وفات پائی قبرستان خیزراں میں مدفون ہوئے یہ خلیفہ الموفق عباسی کے حاجب بھی رہے۔ پھر سرکاری ملازمت ترک کرکے زہد اختیار کیا اور حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید ہو گئے۔

شبلی کا مسلک مالکی تھا، انھوں نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی ہے، بعض اقوال مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔

ماخذ

(۱) عبدالرحمن السلمی ۔ طبقات الصوفیہ
(۲) ابن خلکان ۔ وفیات الاعیان
(۳) ابو نعیم ۔ حلیۃ الاولیاء
(۴) الخطیب بغدادی ۔ تاریخ بغداد

(حبیب الرحمٰن خاں) شروانی (۱۸۶۷ء-۱۹۲۲ء)

نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی صدر یار جنگ ، رئیس حبیب گنج علی گڑھ مشہور عالم اور ادیب تھے۔ حیدر آباد میں محکمہ امور مذہبی کے وزیر رہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے پہلے وائس چانسلر بھی تھے۔ ان کا کتب خانہ بہت قیمتی مخطوطات پر مشتمل تھا جو اب مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ ان کی تصانیف میں 'تذکرہ نکات الشعرا' کی اولین ترتیب کے علاوہ "نا بینا علما" بھی مشہور ہے۔ احمد نگر جیل سے ۱۹۴۲ء میں مولانا آزاد نے جو خطوط لکھے ہیں جو 'غبار خاطر' میں شائع ہوئے وہ انھیں کے نام لکھے گئے تھے۔

ماخذ

شمس تبریز خاں : صدر یار جنگ

شمس تبریزی (متوفی ۶۴۵ھ مطابق ۱۲۴۶ء)

محمد بن علی بن ملک داؤد تبریز میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کپڑا بیچا کرتے تھے۔ شیخ ابو بکر زنبیل باف اور شیخ زین الدین سنجاسی سے اور بابا کمال الدین جندی سے علوم باطن کی تحصیل کی۔ پھر سیر و سیاحت کرتے ہوئے ۱۲۴۴ء میں قونیہ پہنچے۔ وہاں مولانا رومی سے ملاقات ہوگئی۔ مولانا ان کے گرویدہ ہوگئے۔ مگر مولانا کے شاگردوں اور دوستوں کو یہ عقیدت پسند نہ آئی۔ شمس تبریز دمشق چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا روم نے اپنے بیٹے بہاء الدین سلطان کو دمشق بھیجا کہ شمس تبریزی کو منا کر واپس لائیں چنانچہ دوبارہ قونیہ تشریف لائے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر پُراسرار طریقے سے غائب ہوگئے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ کچھ لوگوں نے شمس تبریزی کو قتل کر دیا۔

مولانا رومی کو شمس تبریزی سے والہانہ محبت تھی۔ جب وہ قونیہ سے دمشق چلے گئے تو مولانا نے جو غزلیں لکھیں ان کا مجموعہ "دیوان شمس تبریز" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۴۷ء میں شمس تبریز کی وفات پر مولانا رومی نے سلسلۂ مولویہ قائم کیا۔ جس کے پیرو آج بھی ترکی میں پائے جاتے ہیں۔

ماخذ

اردو انسائیکلوپیڈیا ص ۸۱۸

(چودھری) شہاب الدین (سر) (۱۸۶۵ - ۱۹۴۹ء)

چودھری شہاب الدین ۱۸۶۵ء میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں ننگل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کالے خاں ایک معمولی زمیندار تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ مگر والد کے مزید پڑھانے کے انکار پر گھر چھوڑ کر لاہور آ گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر بطور قلی کافی عرصہ کام کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ محنت مشقت سے پڑھتے رہے۔ آپ نے حصول روزگار کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۰۰ء میں بی۔ اے کر لیا۔ اور محکمہ پولیس میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن جلد ہی ملازمت ترک کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھانے لگے۔ اسی دوران ۱۹۰۵ء میں ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۰۴ء میں انھوں نے ایک قانونی جریدہ 'پنجاب کریمنل لا جرنل' (PUNJAB CRIMINAL LAW JOURNAL) کے نام سے جاری کیا اور بعد میں "دی انڈین کیسز" (THE INDIAN CASES) کے نام سے ایک ہمہ گیر قانونی مجموعہ بھی مرتب کیا۔

۱۹۱۲ء میں آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز لاہور کی مونسپلٹی کی سیاست سے کیا۔ اور اس کے ایک طویل عرصہ تک صدر رہے۔ ۱۹۰۸ء میں پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کا انتخاب لڑا۔ اور بائیس برس تک اس کے صدر رہے۔ برٹش حکومت نے ۱۹۳۰ء میں ان کی سیاسی خدمات کے صلہ میں انھیں "سر" کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۳۶ء میں یونینسٹ پارٹی (UNIONIST PARTY) کی تنظیم و تشکیل میں سرگرم حصّہ لیا۔ اور ۳۶ - ۱۹۳۷ء میں وزیر تعلیم بھی رہے۔

آپ پنجابی کے عمدہ شاعر تھے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ "مسدس حالی" کا پنجابی ترجمہ ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی تعریف کی۔ سر شہاب الدین کی دو اور نظمیں

بڑی مشہور رہیں۔ "فتح نامہ" اور "آباد کاران دے ہاڑے" (بین)

علامہ اقبال سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ ایک تو سیاست کے حوالے سے۔ علامہ اقبال نے خود بھی پنجاب کی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یونینسٹ پارٹی سے بھی قریبی رابطہ رہا۔ دوسرا علامہ کا تعلق شعری اور ادبی حوالہ سے بھی گہرا تھا۔ مزید برآں علامہ اقبال چودھری شہاب الدین کے قوی الجثہ اور سیاہ رنگ کے مالک ہونے کی وجہ سے ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ اور کوئی نہ کوئی پھبتی یا لطیفہ چودھری صاحب کے حوالے سے حاضرین محفل کو سنا ڈالتے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اور سیاسی نقطۂ نظر میں اختلاف ہوتے بھی دونوں میں بڑی دوستی اور پیار تھا۔

آپ نے ۱۹۴۹ء میں وفات پائی۔

ماخذ

۱۔ بصد تشکر یہ۔ ڈاکٹر وحید عشرت،
معاون ناظم (ادبیات) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
۲۔ ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی
۳۔ محمد عبداللہ قریشی۔ حیاتِ جاوداں

شوپن ہار آرتھر (ARTHUR, SCHOPENHAVER)

(۱۷۸۸- ۱۸۶۰ء)

جرمنی کا قنوطی فلسفی، آرتھر شوپن ہار ۲۲ فروری ۱۷۸۸ء میں ڈانزگ DANZIG میں پیدا ہوا۔ ۱۸۰۹ء میں اس نے گوٹن جین (GOTTINGEN) یونیورسٹی سے میٹرک پاس کیا۔ پھر جینا یونیورسٹی JENA میں تعلیم پائی۔ ۱۸۱۱ء میں برلن یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اس دوران ایک مستشرق نے اس کو فلسفہ ویدانت سے روشناس کرایا۔ بعد میں کانٹ[1] اور افلاطون کے فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ اس کے نظام فکر کے تین عناصر فلسفۂ افلاطون فلسفۂ کانٹ اور اپنشدوں کی تعلیم ہیں۔

اس کی شہرۂ آفاق تصنیف "کائنات بطور قوت آزادی وتصور ___ (WORLD AS WILL AND IDEA) ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ فلسفہ کا ایک شاہکار تسلیم کی جاتی ہے۔

مارچ ۱۸۲۰ء میں برلن یونیورسٹی میں فلسفہ کا لیکچرار مقرر ہوا۔ بالآخر ۱۸۳۳ء کے بعد ۲۸ برس تک فرینک فرٹ (FRANK PURT) میں سنیاسی کی طرح زندگی بسر کی۔ ۱۸۳۶ء میں تقریباً ۱۹ سال کی خاموشی کے

---

[1] امینوئیل کانٹ (INMANVEL KANT) مشہور جرمن فلسفی (۱۷۲۴-۱۸۰۴ء)
ڈاکٹر سید عابد حسین نے کانٹ کی معرکۃ آراتصنیف (CRITIQUE OF PURE REASON) کا ترجمہ اردو میں "تنقید عقلِ محض" کے نام سے کیا ہے۔

بعد ایک مختصر کتاب "فطرت میں قوت ارادی (THE WILL IN NATURE) لکھی۔ اور ۱۸۴۱ء میں اس کی دوسری اہم کتاب "اخلاقیات کے دو بنیادی مسائل" (TWO FUNDAMENTAL PROBLEMS OF ETHICS) شائع ہوئی۔

۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء کو انتقال ہوا۔

شوپن ہار نے جس زمانے میں نشو و نما پائی وہ سخت اجتماعی ناکامی اور مایوسی کا زمانہ تھا اور مایوسی کا عنصر اس کی ہر کتاب میں جھلکتا ہے۔ اس کے خیال میں کائنات میں کوئی نظم و ضبط نہیں ہے۔ خدا اگر ہے تو (معاذ اللہ) بے بصیرت ہے۔ مہاتما بدھ کی طرح اس کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ بے آرزو ہونا ہی حاصل حیات ہے۔ اس کے خیال میں ہر چیز اس تعقل کے محور پر گھوم رہی ہے کہ دنیا ارادے کی ایک شکل ہے اس لئے ہم کش مکش سے دوچار ہیں۔ ارادہ سرکش اور حکمراں آرزو کا دوسرا نام ہے۔ حافظہ ارادے ہی کا دوسرا نام ہے۔ عقل تھک جاتی ہے۔ ارادہ کبھی نہیں تھکتا۔ زندگی شر سے عبارت ہے۔ زندگی میں سوائے درد کے اور کچھ نہیں۔

اقبال کے نظام فکر پر شوپن ہار کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ کہ وہ قنوطیت کا قائل تھا اور اقبال رجائیت کے۔ اقبال نے شوپن ہار کے فلسفہ کو "پیام مشرق" میں مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔

بد گفت فطرتِ چمن روزگار را
از دردِ خویشتن و ہم زغم دیگراں تپید
گفت اندرین سرا کہ بنائش نہادہ کج
صبحے کجا کہ چرخ در و شام ہا نہ چید

(وہ فطرت کائنات کو برا بھلا کہتا تھا اور اپنے درد اور دوسروں کے غم میں جل رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سرائے (دنیا) کی بنیاد ہی

ٹیڑھی رکھی گئی ہے۔ یہاں وہ صبح کہاں ہے کہ جس سے چرخ نے شام نہ نکالی ہو۔

ماخذ

۱۔ دائرۃ المعارف ٹریکا۔ ج ۱۶۔ ص ۳۵۷۔ ۳۶۰
انڈینس ۱۹۸۲ء
۲۔ سید عابد علی عابد۔ تلمیحات اقبال ص۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱
۳۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۹۰۴
۴۔ جگن ناتھ آزاد۔ اقبال اور مغربی مفکرین۔ ۵۰۔ ۵۸

(مولانا) شوکت علی (۱۸۷۳ء-۱۹۳۸ء)

۱۰ مارچ ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بریلی میں حاصل کرکے ایم اے او کالج M A O COLLEGE علی گڑھ سے بی اے کا امتحان ۱۸۹۵ء میں پاس کیا اور اسسٹنٹ اوپیم ایجنٹ (ASSISTANT OPIUM AGENT) مقرر ہو گئے۔ انھوں نے ۱۹۱۳ء میں ایک تنظیم 'انجمن خدام کعبہ' کے نام سے قائم کی لکھنؤ کے جلیل القدر عالم مولانا محمد عبدالباری صاحب خادم الخدام کہلائے۔ اسی زمانے میں انگریزی ہفتہ وار اخبار کامریڈ (COMRADE) اور اردو روزنامے "ہمدرد" کے مینجر ہوئے جو اس کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی کی ادارت میں شائع ہو رہے تھے۔

جنگ عظیم اوّل کے شروع ہونے سے قبل علی برادران (مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی) برطانوی حکومت کی ترکی دشمن پالیسی کی بنا پر مخالفت کرنے لگے۔ چنانچہ برطانوی حکومت کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کے جرم میں یہ دونوں ۱۳ مئی ۱۹۱۵ء کو گرفتار کر لیے گئے اور مولانا شوکت علی کی وہ پنشن بھی ضبط ہو گئی جو محکمہ فیون سے ملا کرتی تھی۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہائی ہوئی۔ رہائی کے بعد مولانا شوکت علی آزادی کی جنگ میں مجاہدین کی صف اوّل میں آ گئے۔ وہ گاندھی جی اور انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور مسلمانوں کو اس میدان میں لانے کے لیے تمام ملک کا دورہ کیا۔ علی برادران کی وجہ سے گاندھی جی کا اثر مسلمانوں تک پھیلا۔ ۱۹۱۹ء میں چودھری خلیق الزمان نے آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کی جس کا مقصد عثمانی خلافت کو مغربی سامراجی قوتوں کی دست برد سے بچانا تھا۔ مولانا شوکت علی اس تحریک میں ہمہ تن شریک ہو گئے اور اس کے لیے رضا کاروں

کی بھرتی اور فراہمی چندہ کی مہم پر نکل کھڑے ہوئے ۱۹۲۲ء میں مولانا نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔

مستقبل میں آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کے سوال پر کانگریس سے اختلاف رائے کی بنا پر کنارہ کش ہوگئے اور روزنامہ "خلافت" کے ذریعہ مسلمانوں کے مسائل سے ملک کے رہنماؤں کو روشناس کراتے رہے۔

(CENTRAL LEGISLATIVE COUNCIL)

آخر زندگی میں سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ یہ عمر بھر کسی نہ کسی محاذ پر تنہا جہاد آرا رہے۔ آخر کار ۲۶ر نومبر ۱۹۲۳ء کو دلی میں پیام اجل آیا۔ اور جامع مسجد کے قریب دفن ہوئے۔

مآخذ

S. P. SEN DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY P 176-178

شیلی (پرسی بائیشی) (۱۷۹۲ء—۱۸۲۲ء) (SHELLY PERCY BYSSHE)

انگریزی ادبیات کا رومانی شاعر ۴؍ اگست ۱۷۹۲ء کو سسکس (SUSSEX) میں پیدا ہوا۔ زمانہ تعلیم ہی میں اس نے ZASTROZZI A ROMANCE شائع کی (۱۸۱۰ء) اکتوبر ۱۸۱۰ء میں وہ یونیورسٹی کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا۔ مکالمات فلاطون کے علاوہ اس نے کیمیا، طبعیات اور فلکیات جیسے علوم کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ مارچ ۱۸۱۱ء میں اس نے ایک پمفلٹ "اتحاد کی ضرورت" (THE NECESSITY OF ATHEISM) تقسیم کیا تو آکسفورڈ نے اس کا نام خارج کردیا۔

۱۸۱۳ء میں اس کی پہلی نظم QUEEM MAB شائع ہوئی۔ اس نے دانتے DANTE اور گوئٹے (GOETHE) کا بھی مطالعہ کیا اور افلاطونیت (PLATONISM) نے اس کے افکار کو ایک محور فراہم کردیا وہ یونانی، لاطینی اور اطالوی زبانیں بھی جانتا تھا۔

شیلے فلسفی ولیم گوڈون (WILLIAM GODWIN) سے بہت متاثر تھا۔ ۱۸۰۴ء میں یہ اس کی لڑکی میئر گوڈون (MARY GODWIN) کو اغوا کرکے یورپ لے گیا یہ اس کی دوسری شادی تھی۔ اس زمانہ کی نظم (AL ASTOR) اس کی جذباتی کش مکش کی آئینہ دار ہے۔ ۱۸۱۸ء میں اس کی ایک نظم بہ عنوان 'THE REVOLUTION OF A GOLDEN CITY' شائع ہوئی اس میں پر امن انقلاب کے ذریعے افلاطونی محبت سے جنت ارضی قائم کرنے کا ذکر ہے۔ مئی ۱۹۱۸ء میں وہ اٹلی آگیا جہاں اس نے مشہور فلسفیانہ منظوم ڈرامہ "PROMETHEUS UNBOUND" لکھا جو ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا اس کے بعد ۱۸۲۲ء میں "HELLAS, A LYSICAL" "DRAMA" شائع

ہوا "A DEFENCE OF POETRY" اس کا مشہور نثری کارنامہ ہے۔

شیلی ایک انقلابی مصلح اور معاشرہ سے باغی شاعر تھا۔ ابھی وہ اپنی آخری نظم "THE TRIUMPH OF LIFE" مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ ۸/ جولائی ۱۸۲۲ء کو ۳۰ سال کی عمر میں بحری طوفان میں غرق ہو کر مر گیا۔

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا
جلد ۲۰/ ۳۶۹۔ ۳۷۲)

شیکسپیئر، ولیم SHAKESPEAR, WILLIAM

(۱۵۶۴ - ۱۶۱۶ء)

ولیم شیکسپیئر لندن کے قریب ایک چھوٹے سے قصبہ سٹر یٹ فورڈ اون ایون (STRATFORD-ON-AVON) میں ۲۶ ر اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا (AVON) ایک ندی کا نام ہے۔ جس کے کنارے یہ قصبہ واقع ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے مقامی گرامر اسکول میں تعلیم پائی ہوگی۔ مگر کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہ کی۔

شیکسپیئر کی زندگی کے صحیح اور مستند حالات نہیں ملتے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اسے وطن چھوڑنا پڑا اور لندن پہنچ کر اداکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اس نے کب اور کیسے تھیٹر میں کام شروع کیا۔ البتہ ۱۵۹۴ء کے بعد لارڈ چیمبرلین کمپنی (LORD CHAMBERLAIN COMPANY) کا اہم فرد بن گیا تھا۔ اس کمپنی کا اپنا بہترین تھیٹر "گلوب تھیٹر" (GLOBE THEATRE) تھا۔ اور اس میں مشہور اداکار کام کرتے تھے۔

شیکسپیئر نے ڈرامے (تمثیلیں) لکھنا شروع کیے اور بیس سال تک ڈرامہ نگاری میں مستغرق رہا۔ شیکسپیئر ایک پر گو شاعر تھا جو بڑی سرعت سے تصنیف و تالیف کا کام کرتا تھا۔ سال میں دو ڈرامے لکھنا اس کا معمول تھا۔ اس نے ڈرامہ نگاری سے کافی دولت پیدا کی اور اپنے وطن اور لندن میں جائیدادیں خریدیں۔ ۲۳ ر اپریل ۱۶۱۶ء کو انتقال ہوا۔ اور اپنے مولد کے گرجا گھر میں دفن ہوا۔ لیکن اس کی قبر پر اس کا نام کندہ نہیں کیا گیا۔ اس کی وفات کے بعد ۱۶۲۳ء میں اس کے ڈراموں کا مجموعہ پہلی بار شائع ہوا۔

اس امر پر عام طور پر اتفاق ہے کہ اس نے ۱۵۸۸ء سے ۱۶۰۹ء تک

ڈرامے لکھے۔ اس کے بعد بھی دو ڈرامے ۱۶۱۲۔۱۶۱۳ء میں پہلی مرتبہ اسٹیج ہوئے۔ اس۔ نے کل ۳۸ ڈرامے لکھے۔ اس کے المیہ ڈراموں میں ہیملیٹ (HAMLAT) میکبتھ (MACHATH) جولیس سیزر (JULIUS CAESAR) اوتھیلو OTHELLO، طربیہ ڈراموں میں "دی مرچنٹ آف وینس" (THE MERCHANT OF VENICE) "ایزیو لائک اِٹ" (AS YOU LIKE IT) اور "ٹویلتھ نائٹ" (TWEELTH NIGHT) تاریخی ڈراموں میں رچرڈ ثانی (RACHARD II) اور ہنری چہارم (HENIRY IV) معرکتہ الآرا ڈرامے کہے جاتے ہیں۔ ہیملیٹ سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ آغا حشر کاشمیری نے بھی اس کی تمثیلات سے فائدہ اٹھایا۔ سید امتیاز علی تاج نے اس کے ایک طربیہ ڈرامے (A MIDSUMMER NIGHTS DREAM) کا ترجمہ کیا جو "ساون رین کا سپنا" کے نام سے موسوم ہے۔

تمثیلات کے علاوہ شیکسپیر نے نہایت خوبصورت غنائی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ جسے انگریزی میں سانیٹ (SONNET) کہتے ہیں۔ اس نے کل ملا کر ۱۵۴ سانیٹ لکھیں جو ۱۶۰۹ء میں شائع ہوئیں۔ اس نے دو بیانیہ نظمیں "وینس اینڈ ایڈوانس" VENUS AND ADONIS) اور دی ریپ آف لکریس (THE RAPE OF LUCRECE) بالترتیب ۱۵۹۲۔۱۵۹۳ء میں لکھیں۔

شیکسپیئر دنیا کا عظیم ترین مصنف ہے۔ جو لافانی اور آفاقی شہرت کا مالک ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے ڈراموں میں انسانی فطرت کے ان تمام پہلوؤں کو کسی نہ کسی طرح واضح کر دیا ہے جو ہمارے ذہن میں آسکتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت انسانی کا نباض جیسا شیکسپیئر ہے ایسا کوئی اور نہیں۔ اقبال نے شیکسپیئر پر اپنی ایک حسین و جمیل نظم میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا　　　رازداں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

ٹی۔ایس۔ ایلیٹ[1] (T S ELIOT) کا خیال ہے کہ ابھی تک شیکسپیئر جیسا جوہر قابل اور انشا پرداز پیدا نہیں ہوا ہے اور مستقبل قریب میں یہ توقع بھی نہیں کہ کوئی اس کا حریف پیدا ہوگا۔

---

[1] ٹی۔ ایس ایلیٹ (۱۸۸۸۔ ۱۹۶۵) بیسویں صدی کا انگریزی زبان کا عظیم ترین شاعر ہے۔ جسے نوبل پرائز برائے ادب (NOBLE PRIZE) بھی ملا۔ اس کی شہرۂ آفاق نظم "دی ویسٹ لینڈ" (THE WEST LAND) جدید انگریزی شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مآخذ

۱۔ دائرہ المعارف برطانیکا جلد ۱۶ ص ۶۱۵۔ ۶۳۴

۲۔ اردو انسائکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ص ۸۹۹

۳۔ سید عابد علی عابد۔ تعلیمات اقبال ص ۴۹۔ ۵۰

صائب (متوفی ۱۰۸۰ھ)

مرزا محمد علی صائب تبریزی اصفہان میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں حج کرنے گئے۔ پھر افغانستان کا رخ کیا۔ یہاں کابل میں ظفر خاں احسن (متوفی ۱۰۷۳ھ) سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے صائب کے جوہر کو پہچانا اور اس کی وجہ سے ہی صائب ہندوستان آئے۔ ظفر خاں احسن کشمیر اور دکن کا گورنر بھی رہا۔ صائب بھی اس کے ساتھ ساتھ گئے۔ دربار شاہ جہاں سے خطاب مستعد خاں عطا ہوا۔ آخری زمانے میں ایران واپس جاکر شاہ عباس ثانی صفوی کے دربار میں ملک الشعراء ہوئے۔ اصفہان میں انتقال ہوا (۱۰۸۰ھ) جہاں اب ان کا مقبرہ تعمیر کردیا گیا ہے۔

کلیات صائب اب تک مکمل نہیں چھپا اور اس کے سیکڑوں قلمی نسخے ملتے ہیں جن میں سے متعدد نسخے بقلم مصنف یا عہدِ مصنف کے ہیں اور ہر ایک میں کلام کم و بیش ہے۔ اس کے سیکڑوں اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ اقبال نے صائب کا کچھ منتخب کلام ضرور پڑھا تھا اور بعض اشعار کی تضمین یا ان سے اخذ و استفادہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

ماخذ

سرخوش کلمات الشعراء/۱۱۰

کشن چند اخلاص۔ تذکرہ ہمیشہ بہار

۱۳۹ - ۱۴۴

ضیاءالدین برنی (۱۸۹۰۔ ۱۹۶۹ء)

ان کا خاندان پنجاب سے دلّی آیا تھا۔ ۳۔ فروری ۱۸۹۰ کو پیدا ہوئے۔ دلّی میں چھتّہ لال میاں میں رہے۔ اصل نام ضیاءالدین احمد تھا۔ جب یہ مختلف اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھنے لگے تو خواجہ حسن نظامی نے ان کو (۶۸۴ھ ۔ ۱۲۸۵ء) مصنف "تاریخ فیروشاہی" کے نام کی مناسبت سے برنی کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد اس نام سے ادبی حلقوں میں مشہور ہو گئے۔ یہ ۱۹۱۵ء تک تھوسو فیکل ہائی اسکول کانپور میں ٹیچر رہے۔ ۱۹۱۶ء میں بمبئی میں TRANSLATION OFFICE ملازم رہے۔

انھوں نے سی ایف اینڈریوز (C F ANDREWS) کی مشہور کتاب ذکاءاللہ دہلوی (ZAKAULLAH OF DELHIVE) کا ترجمہ "عظمت رفتہ" کے نام سے کیا۔ مشاہیر کے حالات لکھے۔ عطیہ فیضی کی کتاب "اقبال" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جو ستمبر ۱۹۵۶ء میں اقبال اکادمی کراچی سے شائع ہوا۔ اس ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اقبال کی اردو زبان کا لحاظ رکھا گیا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ یہ خطوط اردو ہی میں لکھے گئے ہوں گے۔ ان کی ایک اور تصنیف "اخباری لغات" تھی جس کو یہ اقبال کے نام معنون کرنا چاہتے تھے تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۶۹ء میں انتقال کیا۔

ماخذ ـــــ

۱۔ یہ معلومات جناب مالک رام صاحب نے بہم پہنچائیں

۲۔ صابر کلوروی: مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ

طالب آملی (متوفی ۱۰۳۶ھ)

محمد طالب آملی، دربار جہانگیری کا ملک الشعرا تھا۔ طالب نے ابتدائی زندگی آمل، مازندران، کاشان اور مرو میں بسر کی۔ مرو سے وہ برصغیر میں وارد ہوا۔ ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) میں اسے ملک الشعرا بنایا گیا۔ طالب کو اپنی بہن "ستی خانم" سے بہت محبت تھی۔ طبرستانی لہجے میں "طالبا" نام کی ایک مثنوی مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ طالب نے اسے اپنی بہن کے لئے لکھا تھا۔ طالب نے جوانی میں انتقال کیا اور اس کی اولاد کی سرپرستی مذکورہ بہن نے کی۔

طالب آملی، اپنے رنگ میں درجہ اوّل کے شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کا تیسرا مجموعہ "ضربِ کلیم" نواب حمید اللہ خاں والئ بھوپال کے نام معنون کیا تھا۔ اور انتساب میں یہ شعر لکھا۔

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

(میری جانب سے بہار کا یہ سرمایہ قبول کیجئے کیونکہ آپ کے
ہاتھ میں پھول شاخ سے زیادہ تازہ رہتے ہیں)

اس شعر کا دوسرا مصرع طالب آملی سے ماخوذ ہے۔ معتمد خاں کی روایت ہے کہ پہلے طالب نے یہی مصرع موزوں کیا تھا۔

کہ گل بدست تو ار شاخ تازہ تر ماند

وہ چھ مہینے تک فکر کرتا رہا مگر اس کی ٹکر کا دوسرا مصرع نہیں ملتا تھا۔ آخر اس نے شعر اس طرح پورا کیا ؎

زغارت چمنت، بر بہار منّت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ ترماند

حقیقت یہ ہے کہ طالب آملی کے مصرع سے اقبال کا مصرع کہیں زیادہ لطیف ہے۔

ماخذ

۱۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی
ڈاکٹر محمد ریاض فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۲۳۶
۲۔ سید مظفر حسین برنی محب وطن اقبال ص ۱۳

(ملا) طغرای مشہدی (متوفی ۱۱۰۰ھ / ۸۹-۱۶۸۸)

ملا طغرای مشہدی، شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آئے۔ کچھ دنوں آپ شاہزادہ مراد بخش کے دربار میں رہے۔ اور انھیں کے ہمراہ دکن بھی گئے۔ آخری زمانہ میں کشمیر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ نیز وہیں ۱۱۰۰ ہجری ۸۹-۸۸ء۱۶ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ملک الشعراء ابوطالب کلیم کاشانی کے پہلو میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کو نثر و نظم دونوں میں کمال تھا۔ مگر نثر میں آپ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ نیز آپ کے رسالے مطبع نول کشور سے چھپ چکے ہیں۔

ماخذ

مولانا محمد عبد الغنی فرخ آبادی۔ تذکرۃ الشعراء ص ۸۴

ظفر علی خاں (۱۸۷۰ء۔۱۹۵۶ء)

ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں مہرتھ میں ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک وزیر آباد اور پٹیالہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۲ء میں ایف اے پاس کیا اور اپنے والد کے پاس چلے گئے، جو کشمیر سری نگر میں محکمہ ڈاک و تار میں ملازم تھے۔ وہیں ظفر علی خاں کو بھی ملازمت مل گئی۔ وہاں ایک افسر سے اختلاف ہوا تو اس کی ہجو لکھی اور نوکری چھوڑ کر علی گڑھ آ گئے۔ یہاں سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور متعدد جگہوں پر ملازمت کی مگر ہر جگہ سے علیحدہ ہو گئے۔

پھر حیدر آباد کے دار الترجمہ میں گئے تو انگریزوں نے نظام پر دباؤ ڈال کر انھیں وہاں سے بھی نکلوا دیا۔ آخر وہ اخبار "زمیندار" سے وابستہ ہو گئے، جو وزیر آباد سے ان کے والد نکالتے تھے۔ ظفر علی خاں اس اخبار کو لاہور لائے اور انگریزوں کے خلاف جدو جہد آزادی میں شامل ہو گئے بارہا اخبار کی ضمانتیں ضبط ہوئیں، قرقیاں ہوئیں، گرفتار ہوئے، مگر ملکی آزادی کے لیے جی جان سے کوشش کرتے رہے۔ اردو نظم میں ان کا مخصوص رنگ ہے۔ بدیہہ گوئی اور طنزیہ نگاری میں ممتاز ہیں۔ ہجویں بھی خوب اور برجستہ لکھتے تھے۔

قومی و وطنی موضوعات پر انھوں نے درجنوں نظمیں لکھی ہیں۔ مجموعہ کلام بہارستان شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ

نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۱ء۔ ص ۹۲۴ - ۹۲۵

ظہوری ترشیزی (متوفی ۱۰۲۵)

ظہوری ترشیزی کا نام نورالدین تھا۔ ترشیز (ایران) میں پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ شیراز اور بغداد میں گذارا۔ پھر ہندوستان آیا اور بیجاپور کے حکمراں ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے متعلق ہوگیا۔ باقی عمر وہیں گزاری۔ یہ مشہور شاعر اور ادیب ملا ملک محمد قمی (متوفی ۱۰۲۴ھ) کا داماد تھا۔ اسے نثر و نظم پر یکساں قدرت تھی۔ دیوان غزلیات قصائد کے علاوہ "سہ نثری ظہوری" تین نثری رسائل پر مشتمل ہے جو "نورس" گلزار ابراہیم" اور "خوان خلیل کے دیباچہ" ہیں۔ یہ برسوں نصاب تعلیم میں داخل رہی ہے۔ اس کا ساقی نامہ بھی بہت مشہور ہے۔ اقبال معترف ہیں کہ "اسرار خودی" کی تمہید لکھتے وقت انھوں نے ظہوری کے "ساقی نامہ" کو پیش نظر رکھا تھا۔ ہندوستان میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

ماخذ

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی

ڈاکٹر محمد ریاض فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۲۳۵

(سید) ظہیر دہلوی (۱۸۲۵ء۔ ۱۹۱۱ء)

سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی، شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے حالات میں کتاب "داستان غدر لکھی جو چھپ چکی ہے اور جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں کہا ہے، "دلچسپ بھی ہے اور تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ عبرت ناک بھی"۔

۱۸۶۴ء میں بلند شہر میں اخبار "جلوۂ طور" کی ادارت کی۔ کچھ عرصے بعد الور پہنچ گئے۔ پھر ریاست جے پور میں پہلے تھانے دار، پھر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوگئے۔ وہاں کم و بیش انیس سال رہے۔ والیِ ریاست مہاراجہ رام سنگھ کے انتقال پر وہاں سے نکلے اور پندرہ سولہ سال ریاست ٹونک میں بسر کیے۔ آخری عمر میں حیدرآباد دکن گئے۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/۹ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات پائی اور ان کے ساتھ ہی دہلی کی قدیم شاعری کی شمع گل ہوگئی۔

نواب مرزا داغ کے استاد بھائی ہونے کی بنا پر ان کی یاد میں لاہور میں ۲۲ اپریل کو جلسۂ تعزیت ہوا جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی اور جلسہ میں بیٹھے بیٹھے "زبدۂ عالم ظہیر دہلوی" سے ان کی تاریخ وفات (۱۳۲۹ھ) نکالی۔

ظہیر اپنے استاد ذوق کی طرح پُرگو شاعر تھے۔ غزلوں کے چار دیوان ان کی یادگار ہیں۔ چوتھا دیوان باوجود کوشش کے طبع نہ ہوسکا۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی: اقبال بنام شاد

(محی الدین اورنگ زیب) عالمگیر(۱۶۱۸ء - ۱۷۰۷ء)

چھٹا مغل شہنشاہ، ممتاز محل کے بطن سے شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا، جو ۲؍ نومبر ۱۶۱۸ء کو دوحد (گجرات) میں پیدا ہوا۔ عربی، فارسی، حدیث، فقہ وغیرہ علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ فارسی کا بے مثال انشا پرداز تھا۔ سنسکرت اور ترکی زبانیں بھی جانتا تھا۔ رقعات کے کئی مجموعے مرتب ہیں بعض چھپ گئے ہیں۔

۱۶۳۶ء میں دکن کا صوبیدار مقرر ہوا۔ ۱۶۴۵ء میں گجرات کا گورنر بنا، ۱۶۴۷ء میں بلخ اور بدخشان کی طرف بھیجا گیا تاکہ وسط ایشیا کا موروثی علاقہ فتح کرے۔ ۱۶۴۸ء میں ملتان کا گورنر ہوا، ۱۶۴۹ء میں سندھی صوبہ بھی اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ۱۶۵۲ء میں وہ دوسری بار دکن کا صوبیدار مقرر ہوا جہاں اس نے نظم و نسق میں بہت سی اصلاحات کیں۔ ستمبر ۱۶۵۷ء میں شاہ جہاں کی سخت علالت کی خبر پاکر وہ دکن سے چلا۔ جنگ میں اپنے بھائیوں کو شکست دی اور جون ۱۶۵۸ء میں شاہ جہاں کو آگرے کے قلعہ میں نظر بند کردیا، جہاں وہ اپنی وفات (۱۶۶۶ء) تک رہا۔ ۳۱؍ جولائی ۱۶۵۸ء کو تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور عالمگیر لقب اختیار کیا۔ اپنی حکومت کے نصف اوّل میں اس نے شمالی ہند میں سلطنت کو مستحکم بنایا۔ نصف آخر میں وہ دکن کی طرف متوجہ ہوا، بیجاپور اور گولکنڈہ کی حکومت کو زیر کیا۔ ہندوستان میں رقبہ کے لحاظ سے اس کی سلطنت سب حکمرانوں سے زیادہ وسیع تھی۔ اس نے ۳؍ مارچ ۱۷۰۷ء کو احمد نگر میں انتقال کیا۔ اورنگ آباد کے قریب خلد آبا میں حضرت زین العابدین شیرازی کے آستانے پر دفن ہوا۔

اقبال، عالمگیر کے بڑے مداح تھے۔ ۲۲ر مارچ ۱۹۱۰ء کو حیدر آباد سے واپس آتے ہوئے اورنگ آباد میں عالمگیر کے مقبرے کی زیارت کی۔ عالمگیر سے عقیدت کا اظہار اس شعر میں بھی ہوا ہے ؎

درمیان کارزار کفر و دین
ترکش ما را خدنگ آخرین

(کفر اور دین کے معرکے میں وہ (اورنگ زیب) ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا۔)

ماخذ
(دائرۃ المعارف برطانیکا
۲/ ۷۶۵)

عبد اللہ عمادی (متوفی ۱۳۶۶ھ - ۱۹۴۷ء)

مولانا عبد اللہ عمادی جونپور کے ایک گاؤں امرتھوا کے رہنے والے تھے اور اپنے مورثِ اعلیٰ شیخ عماد الدین نسبی سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خود کو "عمادی" لکھتے تھے۔ عمادی نے درسیات کا دور مولوی ہدایت اللہ خاں رامپوری کے یہاں ختم کیا اور فنون ادب عرب محمد طیب سے رام پور جا کر حاصل کیے۔ پھر طب کی مشہور کتاب "القانون" حکیم عبد الحمید خاں سے پڑھی۔ مولانا عمادی کو شعر و سخن اور ادب و تاریخ کا بھی ذوق تھا۔

مکتبی علماء میں عمادی صاحب پہلے شخص تھے جنھوں نے بیرونِ ہند کی صحافت سے ناطہ جوڑا اور مصر و بیروت کے رسالوں، اخباروں میں مضامین لکھے۔ ۱۹۰۶ء میں مولانا شبلی نے رسالہ "الندوہ" کی سب ایڈیٹری کا کام مولانا ابو الکلام کے سپرد کیا تھا۔ لیکن چند ماہ کے بعد جب وہ اخبار "وکیل" امرتسر میں چلے گئے تو مولانا عمادی صاحب کو اس کا سب ایڈیٹر بنا دیا۔ ۱۹۰۸ء ۱۹۰۹ء میں مولانا ابو الکلام اپنے والد ماجد کے مرض الموت کے سبب 'وکیل' کی ادارت چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے تو 'وکیل' کے مالک غلام محمد نے مولانا عمادی کو ان کی جگہ بلایا اور وہ کئی سال امرتسر میں رہے۔ وہاں انھوں نے سرسید کے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کو پھر سے زندہ کیا اور کئی نمبر اس کے نکالے۔ نیز سرسید کے بعض رسالے بھی دوبارہ طبع کیے۔

۱۹۱۲ء میں مولانا ابو الکلام آزاد نے کلکتہ سے "الہلال" جاری کیا تو مولانا کو بھی وہیں بلا لیا۔

۱۹۱۴ء کی پہلی جنگِ عظیم چھڑتے ہی ہندوستان کی انگریزی حکومت

سے پیش بندی کے طور پر روزنامہ "زمیندار" کی اشاعت روک کر مولانا ظفر علی خاں کو ان کے گاؤں کرم آباد میں نظر بند کر دیا۔

مولانا ظفر علی خاں نے ہفتہ وار "ستارۂ صبح" کی اجازت حاصل کر لی اور کرم آباد سے یہ پرچہ جاری کر دیا۔ فرائض ادارت کی انجام دہی کے لئے مولانا عمادی کو مددگارِ اوّل اور خواجہ عبدالحئی کو مددگار دوم مقرر کیا۔

اقبال کی مثنوی 'اسرار خودی' کی اشاعت پر جو قلمی جنگ چھڑی تھی، اس میں مولانا عمادی نے کھل کر اقبال کا ساتھ دیا اور مثنوی کے محاسن پر نہایت اچھے مضامین لکھے جو روزانہ زمیندار میں شائع ہوئے۔

حیدر آباد دکن میں دار الترجمہ قائم ہوا تو مولانا عمادی اس میں لے لیے گئے۔ انھوں نے وضع اصطلاحات کے علاوہ متعدد عربی کتابوں کے ترجمے کئے۔ دار الترجمہ کی خدمات سے سبکدوشی کے بعد مولانا کو وظیفہ ملا مگر انھوں نے حیدر آباد کو نہیں چھوڑا۔ یہیں ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ / ستمبر ۱۹۴۷ء کو رحلت فرمائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر برس تھی۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی : اقبال بنام شاد

عبدالباسط (ڈاکٹر)

ڈاکٹر عبدالباسط دہلی کے رہنے والے تھے ان کے دادا سید عبدالغفور کی شادی سرسید کی ہمشیرہ صفیہ بیگم کی صاحبزادی ذکیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ ابتدا میں دہرہ دون ایکسرے انسٹی ٹیوٹ X-RAY INSTITUTE میں بطور ریڈیالوجسٹ RADIOLOGIST ملازم ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں وہاں سے رٹائر ہوکر دہلی آئے اور اپنی پریکٹس شروع کی۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک پر بھوپال آگئے اور حمیدیہ ہسپتال کے ایکسرے ڈپارٹمنٹ سے متعلق ہوئے۔

۱۹۳۵ء میں جب اقبال علاج کے لیے بھوپال آئے تو ان کے خصوصی معالج ڈاکٹر عبدالباسط ہی تھے۔ اپنی علالت کے سلسلے میں اقبال نے انھیں متعدد خطوط لکھے ہیں۔ جن میں سے بعض کے عکس صہبا لکھنوی کی کتاب "اقبال اور بھوپال" میں شامل ہیں۔

ماخذ

صہبا لکھنوی۔ اقبال اور بھوپال

مولوی عبدالحق (۱۸۶۹ - ۱۹۶۱ء)

۱۸۶۹ء میں ہاپوڑ (ضلع میرٹھ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کر کے حیدر آباد میں محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ پھر وہاں سے فارغ ہوئے تو اردو زبان کی توسیع و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی۔ اور اردو کے فروغ و ترویج میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ علمی کتابوں کی ترتیب و اشاعت میں بھی نمایاں کارنامہ انجام دیئے۔ اس لئے انھیں بابائے اردو کہا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ اور وہاں بھی انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی۔ ایک اردو کالج بھی قائم کیا۔ ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو رحلت فرما گئے۔

مولوی صاحب اردو زبان کے بہت بڑے محقق تھے۔ زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ طرز تحریر سادہ ہے۔ بلند پایہ نقاد بھی تھے۔ ان کی تنقیدیں نہایت عالمانہ اور منصفانہ تھیں۔ بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "انگریزی اردو ڈکشنری"، "قواعد اردو"، "ملا نصرتی"، "دکنی مخطوطات"، "مقدمات"، "سنذرات"، "سرسید خاں"، "مولانا حالی"، "اردو کی نشو و نما میں صوفیائے اکرام کا حصہ" اور "مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔

ماخذ

اردو انسائیکلو پیڈیا ص ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸

عبد الرحمٰن بجنوری (۱۸۸۵ء۔۱۹۱۸ء)

ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری، سیوہارہ ضلع بجنور میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان قاضیوں کا معروف خاندان ہے، جو صدیوں تک دولت اور علم دونوں سے ممتاز رہا ہے۔ ان کے والد خان بہادر نور الاسلام سفیر قندھار تھے۔
بجنوری کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ کوئٹہ سے ہائی اسکول پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں ایم۔ اے۔ او کالج میں داخل ہوئے۔
بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کر کے وہ ۱۹۰۷ء میں یورپ گئے اور کئی سال رہے۔ جرمنی سے انھوں نے ڈاکٹر آف جورس پروڈنس (DOCTOR OF JURISPRUDENCE) کی سند حاصل کی۔ جو قانون کی اعلیٰ ترین ڈگری ہے۔ ۱۹۱۱ء میں وہ ہندوستان واپس آئے۔ دو سال بیرسٹری کی۔ پھر بیگم بھوپال نے انھیں ڈائرکٹر تعلیمات کے منصب پر بلالیا۔ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا کی نذر ہو گئے۔ بھوپال ہی میں مدفون ہیں۔
بجنوری نے حالی کی تنقیدی روایت کو اپنی بصیرت سے اور آگے بڑھایا حالی جدید تنقید کے رہنما ہیں مگر بجنوری صحیح معنی میں "پہلے جدید نقاد" ہیں۔ "محاسن کلام غالب" ان کی تنقیدی بصیرت کا نمونہ ہے۔

ماخذ
پروفیسر خورشید الاسلام۔ " فکر و نظر
(نامورانِ علی گڑھ نمبر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۱۰۰

(میاں) عبدالعزیز (۱۸۷۲ء – ۱۹۷۱ء)

میاں عبدالعزیز ۱۹؍اگست ۱۸۷۲ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے اور ۱۸۹۸ء میں بیرسٹر بن کر ہندوستان واپس آئے اور قریباً بیس سال تک ہوشیارپور میں وکالت کی۔ لاہور ہائی کورٹ بننے پر آپ ۱۹۱۹ء میں لاہور چلے گئے جہاں اُنھیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ سماجی فلاح و بہبود کے کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ ہوشیار پور میں انھوں نے ایک ہائی اسکول ایک بورڈنگ ہاؤس اور عالی شان مسجد تعمیر کروائی۔ ۱۹۲۴ء میں لاہور لیجسلیٹو کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے اور قریباً دس سال تک کونسل کے رکن رہے۔ لاہور میں لارڈ لارنس (LORD LAWRENCE) کا مجسمہ ہٹانے اور پرنس آف ویلز (PRINCE OF WALES) کی لاہور آمد پر اس کا بائیکاٹ کرنے کی قراردادیں میاں عبدالعزیز کی صدارت میں ہی منظور ہوئیں۔

لاہور میں مسلم لیگ کا پہلا اجلاس ۲۹؍اپریل ۱۹۳۶ء کو ان کے دولت کدے پر ہی ہوا تھا۔ جس میں علامہ اقبال، لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین اور ملک برکت علی مرحوم وغیرہ حضرات نے شمولیت فرمائی تھی۔ آپ کا دولت خانہ ہندوستان کے ممتاز رہنماؤں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور حکیم اجمل خاں کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں میاں عبدالعزیز بلا مقابلہ لاہور کے میئر (MAYOR) منتخب ہوئے۔

انھوں نے ۲۸؍جولائی ۱۹۷۱ء میں لاہور میں وفات پائی۔

ماخذ ذوالفقار احمد تابش نوادر

شیخ عبدالعلی ہروی طہرانی (۱۸۵۸ - ۱۹۲۲ء)

علامہ شیخ عبدالعلی ہروی طہرانی مشہد مقدس میں ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ اصلی وطن ہرات تھا۔ تحصیل علم کے بعد طہران چلے گئے۔ وہاں شاہ ایران ناصر الدین قاچار نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ سلطنت کی طرف سے جاگیر عطا کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محاکمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے۔

جب ناصر الدین شاہ نے "ادارہ المعارف" قائم کیا تو شاہ کی زندگی تک اس کی نگرانی کرتے تھے۔ آپ نے مدارس کی بھی اصلاح کی اور ایک ایسا مکتب قائم کیا جس میں رہ کر طالب علم چند ہی برس میں عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی زبانوں سے بیک وقت آگاہ ہو جاتا تھا۔ اور تحریر و تقریر کی معمولی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔

جب بابیوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو آپ نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا جس کے نتیجہ میں آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے۔ اس کے بعد آپ کی سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ اس کے باعث آپ طہران چھوڑ کر روس چلے گئے۔ بعد ازاں آپ نے یورپ، ترکی، مصر اور عراق کی سیاحت کی۔ پھر کراچی چلے آئے اور وہاں سے لاہور چلے آئے۔ وقتاً فوقتاً پنجاب کے دوسرے شہروں کا دورہ کرتے رہے۔ اور ہر جگہ پہنچ کر محرم کی مجالس اور ذکرِ حسین کی محافل کو رونق بخشتے رہے۔

علامہ بڑے پائے کے عالم تھے۔ کمالِ معلومات، وسعتِ بیان اور ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ بیان کر دی دوبارہ زبان پر نہ آئی

بڑے خوش تقریر تھے۔ آپ کی تالیفات میں ایک رسالہ "نجم اعمال" دوسرا رسالہ "معاد جسمانی" اور تیسرا رسالہ "تضاد قدر" ہیں۔ مواعظ کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

سر علی امام، حکیم اجمل خاں، نواب سر ذوالفقار علی خاں، اور علامہ اقبال جیسے عالی دماغ، تعلیم یافتہ اور بابصیرت افراد نے بھی علامہ سے استفادہ کیا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں کہ:

"دو سو سال کے عرصہ میں ہندوستان میں ایسا جید عالم نہیں آیا۔"

ماخذ

محمد طفیل "نقوش" لاہور نمبر ص ۹۳۵

محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال بنام شاد ص۔ ۱۸۹۔ ۱۹۵

(سید) عبد الغنی

سید عبد الغنی، سید نذیرؔ نیازی "مکتوبات اقبال" اور "اقبال کے حضور" جیسی گرانقدر تصنیفات کے مصنف) کے والد تھے۔ موصوف ضلع گورداسپور (پنجاب کے قصبہ (دینا نگر میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ سید صاحب نے انجمن نصرت الاسلام کی جانب سے علامہ کو دینا نگر آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ انجمن آریہ سماجی تحریک کی روک تھام کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اس سے قبل انجمن کی دعوت پر مولانا ثناء اللہ اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی جیسے معروف علماء دینا نگر تشریف لا چکے تھے۔

ماخذ
سید نذیر نیازی۔ مکتوبات اقبال ص ۷ اقبال اکاڈمی لاہور
بار دوم ۱۹۷۷ء

شیخ عبدالقادر (۱۸۷۴-۱۹۵۰ء)

شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے۔ آبائی وطن قصور تھا۔ ۱۸۹۴ء میں فورمن کرسچین کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ ۱۸۹۵ء میں لاہور کے انگریزی اخبار آبزرو (OBSERVER) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں اردو کا ماہنامہ رسالہ "مخزن" نکالا۔ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لئے لندن گئے۔ واپس آکر دلی میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور چلے گئے۔ ۱۹۱۱ء میں لائل پور میں سرکاری وکیل ہو گئے اور آئندہ آٹھ سال تک رہے۔ ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج اور ۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے صدر نامزد ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں وزیر تعلیم مقرر کئے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جنیوا گئے۔ ۱۹۲۶ء ہی میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی اور اس سے اگلے سال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس مدراس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنے اور "سر" کا خطاب پایا۔ ۱۹۲۹ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن اور ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج نامزد ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہوئے اور پانچ سال لندن میں رہے۔ جہاں سے واپس آکر ۱۹۴۲ء میں بھاول پور ہائی کورٹ کے چیف جج ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں واپس آکر لاہور میں مقیم ہو گئے اور یہیں ۹ فروری ۱۹۵۰ء کو انتقال کیا۔

آپ نے وقت کے بڑے بڑے اعزاز حاصل کئے۔ مگر دنیا انھیں "مخزن" کے ایڈیٹر اور اردو کے سرپرست کی حیثیت سے یاد رکھے گی کیونکہ علمی و ادبی

احترام کے آگے دنیا کے سارے اعزاز ہیچ ہیں۔

اقبال سے آپ کے ذہنی تعلقات اور دل کی یک جہتی کا اندازہ اس قطعے سے ہوتا ہے جو "عبدالقادر" کے نام کے عنوان سے بانگ درا کی زینت ہے۔ ادھر "بانگ درا" کا دیباچہ شیخ صاحب کی اقبال شناسی اور مزاج دانی کا ثبوت ہے۔ اردو تصنیف "مقامِ خلافت" اور انگریزی کتاب "ادبیات اردو کا دبستان جدید" کے علاوہ مضامین و مقالات شیخ صاحب کی علمی و ذہنی یادگار ہیں۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۱۰۷۔۱۰۸

حضرت محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ (جیلانی)

(۴۷۰ھ - ۵۶۱ھ)

آپ سلسلۂ قادریہ کے ایک اہم ترین بزرگ شخصیت ہیں۔ آپ کا اسم مبارک عبدالقادر اور لقب محی الدین تھا۔ آپ کی ولادت گیلان میں ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عارفہ، صالحہ، صاحب کشف و کرامات تھیں۔

آپ اٹھارہ سال کی عمر میں (۴۸۸ھ) حصول علم کے لئے گیلان سے بغداد تشریف لے گئے۔ ختم قرآن کے بعد آپ نے فقہ و حدیث اور دوسرے علوم دینیہ حاصل کئے۔ اور دعوت دین و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ آپ کے پیر صحبت شیخ حماد دباسؒ تھے۔ جو امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے۔

آپ کی مجلس وعظ میں تقریباً ستر ستر ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اور چار چار سو آدمی آپ کے کلام کو نقل کرتے۔ آپ کی تبلیغ کا تمام تر طریقہ شریعت کے عین مطابق تھا۔ آپ خوش اخلاق، باحیا، شریف، مہربان اور نرم دل تھے۔

روایت ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ آپ نے پچیس سال تک عراق کے جنگلوں کی خاک چھانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے جنگلوں کی زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا لیکن حق تعالیٰ نے مخلوق کی منفعتوں اور حاجتوں کے متعلق فرما دیا تھا۔ چالیس سال عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ پندرہ سال عشاء کی نماز کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر فجر سے پہلے ایک قرآن روز ختم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ چالیس چالیس دن روزہ سے رہتے تھے۔

آپ کا وصال ۹ ربیع الآخر ۵۶۱ھ میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق تاریخ وفات ۱۱ ربیع الآخر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۳ ربیع الآخر یا ۱۷ ربیع الآخر ہے۔ ہندوستان میں آپ کا عرس ۱۱ یا ۱۷ ربیع الآخر کو ہوتا ہے اور بغداد میں ۷ ربیع الآخر کو۔ آپ کی تصانیف میں آپ کی کتاب "غنیۃ الطالبین" و "فتوح الغیب" مشہور ہیں۔

ماخذ

داراشکوہ۔ سفینۃ الاولیاء

(سلطان) عبدالحمید (۱۸۴۲ء۔ ۱۹۱۸ء)

عبدالحمید ثانی ۳۶ واں عثمانی سلطان، ولادت ۲۱ر ستمبر ۱۸۴۲ء۔ ۳۱ر اگست ۱۸۷۶ء کو اپنے بھائی سلطان مراد خامس کا جانشین ہوا جسے 'نوجوان ترکوں' نے معزول کر دیا تھا۔ عبدالحمید نے پہلی جنگ روس کے خلاف لڑی (۷۷۔ ۱۸۷۸ء) دوسری یونان کے خلاف (۱۸ر اپریل ۱۸۹۷ء سے ۵ر جون ۱۸۹۷ء تک) اس کے دور حکومت میں نوجواں ترکوں (YOUNG TURKS) کی تحریک زور پکڑ گئی اور سلطان کو مجبوراً اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔ برسر اقتدار آئے نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو برطرف کردیا اور ۲۸ر اپریل ۱۹۰۹ء کو مجلس ملی (پارلیمانی) نے اس کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے بھائی محمد ارشاد محمد خامس کو جانشین بنایا۔ عبدالحمید کو سیلونیکا SALONICA میں جلا وطن کردیا گیا۔ جنگ بلقان کے وقت (۱۹۱۲ء) اسے باسفورس کے کنارے بیلربی (BEYLERBEY) کے محل میں منتقل کردیا گیا۔ جہاں ۱۰ر فروری ۱۹۱۸ء کو نمونیہ کے مرض میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ

۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۲ص ۸۴۹۔ ۸۵۴ر
رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال

عبدالماجد دریابادی (۱۹۷۷ء-۱۸۹۲ء)

عبدالماجد دریابادی مارچ ۱۸۹۲ء میں دریاباد ضلع بارہ بنکی اترپردیش میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر تھے۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اور سیتاپور ہائی اسکول سے انٹرینس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں کیننگ کالج، لکھنؤ سے بی۔ اے کیا۔ ایم۔ اے او کالج علی گڑھ میں ایم۔ اے میں زیر تعلیم تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جس کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

دارالترجمہ، عثمانیہ یونیورسٹی سابق ریاست حیدرآباد میں ۱۹۱۷ء-۱۹۱۸ء بطور مترجم کام کیا۔ ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ سے ہفت روزہ "سچ" نکالا۔ یہ اخبار ۱۹۳۵ء میں بند ہوگیا۔ دو سال بعد دوسرا اخبار "صدق" نکالا۔ یہ شروع میں ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا تھا۔ پھر ہفتہ وار ہوگیا۔ ۱۹۵۰ء میں بند ہوگیا۔ چند ماہ کے تعطل کے بعد اسی سال پھر "صدق جدید" کے نام سے شروع کیا اور آخر دم تک شائع کرتے رہے۔ آپ ایک بلند پایہ انشاء پرداز مترجم اور صحافی تھے۔

آپ نے تقریباً تیس (۳۰) کتابیں لکھی ہیں۔ جو مذہب، فلسفہ اور ادب سے متعلق ہیں۔ چند اہم تصانیف یہ ہیں۔ "فلسفہ اجتماع" (۱۹۱۵ء) "تصوف اسلام" (۱۹۲۴ء) اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۶۵ء) "فلسفہ جذبات" (۱۹۳۱) (دو جلدوں میں) "محمد علی" (۱۹۵۴) "خطوط مشاہیر" (۱۹۶۹) اور لیکی LECKY کی مشہور کتاب HISTORY OF EUROPEAN MORALS کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع کیا۔

کلیات مکاتیب اقبال-۱

ان کو عربی زبان پر بھی قدرت تھی۔ آپ نے سلیس زبان میں
قرآن کا اردو اور انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔
ماجد

NARESH KUMAR JAIN MUSLIM IN INDIA
A BIOGRAPHICAL DISCTIONARY

مالک رام۔ تذکرہ معاصرین، جلد چہارم
ص ۱۸۴-۱۹۰

عراقی (متوفی ۶۸۸ھ)

شیخ ابراہیم فخر الدین عراقی ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (باکونجان) میں پیدا ہوئے وہیں بچپن میں قرآن حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے علوم حکمت و فلسفہ و منطق کی تعلیم مکمل کی اور بغداد چلے آئے وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ شیخ نے ان کا تخلص عراقی رکھا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ملتان آکر شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ ان سے خلافت بھی ملی اور ان کے داماد بھی ہو گئے۔ شیخ ملتانی کی وفات کے بعد وہ پھر سیاحت پر نکل گئے عدن آئے وہاں کا سلطان ان کی شاعری کا مداح تھا۔ یہیں سے حج کو گئے۔ حج کے بعد اقصائے روم کی سیاحت کے لیے گئے۔ قونیہ (ترکی) میں شیخ محی الدین ابن عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین شیخ صدرالدین قونوی (ف ۶۷۳ھ) سے ملے اور تجدید بیعت کی۔ آخری زمانے میں شام چلے گئے تھے اور ۶۸۸ھ میں دمشق میں اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی کلیات بار ہا چھپی ہے جس میں ۵۸۰۰ اشعار ہیں۔ ایک مثنوی "عشاق نامہ" ہے ان کے مشہور رسالہ "لمعات" کا موضوع تصوف ہے۔ اصطلاحات صوفیہ پر بھی ایک تالیف ہے۔ اس کے علاوہ "غایتہ المکان فی درایتہ الزمان" نامی فارسی رسالہ بھی ان سے منسوب بتایا جاتا ہے لیکن یہ فی الحقیقت عین القضاہ ہمدانی کا رسالہ ہے اس رسالہ کا اقبال کے نظریہ زماں و مکاں پر گہرا اثر پڑا اور وہ ہمیشہ اس کو عراقی کی تصنیف ہی سمجھتے رہے۔

ماخذ

محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ

(مترجم: سید نذیر نیازی)

عرفی (۹۶۴ھ۔۹۹۹ھ)

خواجہ صیدی جمال الدین عرفیؔ کی ولادت شیراز میں ۹۶۳ھ میں ہوئی۔ صفوی دربار میں خاطر خواہ قدردانی نہ ہوئی تو عرفی نے ۹۹۴ھ/ میں ہندوستان کا رُخ کیا پہلے دکن میں ملا قمی و ملاظہوری کی صحبت میں رہا۔ پھر دربار اکبری فتح پور سیکری میں پہنچا۔ یہاں فیضی، حکیم ابو الفتح گیلانی (ف ۹۹۸ھ) اور عبدالرحیم خان خاناں (ف ۱۰۳۶ھ) جیسے قدرداں ملے مگر عرفی کی زندگی نے وفا نہ کی اور پانچ سال کے بعد ۳۵ سال کی عمر میں ۹۹۹ھ میں لاہور میں انتقال کیا۔ مقبرہ میر حبیب اللہ میں دفن ہوا، تیس سال کے بعد میر صابر اصفہانی نے اس کی لاش نجف اشرف کو بھیج دی تھی۔ غزل اور قصیدہ میں عرفی کی بلند آہنگی اور رفعت اندیشہ کا جواب نہیں ہے۔ اقبال عرفی کی خودداری، ہنگامہ خیزی اور تلخ نوائی کے مداح ہیں۔ عرفی نے نظامی کی تقلید میں مثنویاں بھی لکھیں لیکن دو سے زاید نہ لکھ سکا۔ یہ ہیں: مثنوی بجواب "شیریں و خسرو" اور مثنوی بجواب "مخزن اسرار" نثر فارسی میں ایک رسالہ نفسیہ اس سے یادگار ہے۔

ماخذ

کشن چند اخلاص تذکرہ ہمیشہ بہار/۱۵۹
ڈاکٹر رضازادہ شفق : تاریخ ادبیات ایران
پروفیسر ذبیح اللہ صفا : فارسی ادب کے ارتقا کی مختصر تاریخ
مولانا شبلی نعمانی : نکات الشعراء

عزیزلکھنوی (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۱۵ء)

خواجہ عزیزالدین لکھنوی ہندوستان کے فارسی گوشعرا میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ گواردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کے والدخواجہ امیرالدین دارا لوشال اورپشمینہ کی تجارت کے سلسلے میں کشمیر سے لکھنؤ آئے۔ خواجہ عزیزلکھنوی ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے اور کچھ عرصہ کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ صاحبِ دل اور قرآن مجید کے مطالعہ وتفسیر پر مزاولت کرنے والے تھے۔

ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں مثنوی یدبیضا، قیصر نامہ، اورنگ حضوری اور ہفت بندعزیری بہت مشہور ہیں۔ مثنوی ارمغان احباب بھی لکھی تھی مگر چھپ نہ سکی۔ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں انتقال ہوا۔

کلیات وفات سے کئی سال بعد ان کے فرزند حافظ خواجہ وصی الدّین، ڈپٹی کلکٹر (ریٹائرڈ) نے طبع کرایا اور اس کا ایک نسخہ علامہ اقبال کو بھیجا۔ علامہ کو ان کا کلام پسند تھا۔ (انوارِ اقبال۔ ص۔ ۵ تا ۷)

ماخذ

(۱) محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی
ص ۱۰۵ ۔ ۱۰۶

(۲) ڈاکٹر محمد صدّیق شبلی: فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ
ڈاکٹر محمد ریاض۔ ص ۲۷۷

عطا محمد (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۴۰ء)

عطا محمد علامہ اقبال کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ شاید کسی مکتب میں تعلیم حاصل کی ہو۔ اغلب ہے کہ اپنے چچا غلام محمد (یہ ر کے محکمہ میں ملازم تھے) سے نقشہ نویسی کے کام میں استفادہ کیا ہو جو آگے چل کر ان کے بڑے کام آیا۔ ۹ جنوری ۱۸۸۰ء کو بنگال کیولری (BENGAL CAVALRY) میں بطور سوار بھرتی ہو گئے۔ دو تین سال بعد انھیں ٹامسن کالج آف سول انجینئرنگ (THOMSON COLLEGE OF CIVIL ENGINEERING, ROORKEE, U P, INDIA) رڑکی (اتر پردیش، بھارت) میں انجینئرنگ کی تعلیم کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس کالج سے انھوں نے مارچ ۱۸۸۴ء میں کامیابی کی سند حاصل کی۔ اور اوّل آئے۔ اس کامیابی پر ان کی خدمات رسالہ فوج سے ملٹری ورکس کے محکمہ کو منتقل کر دی گئیں۔ جہاں اپریل ۱۸۸۴ء میں ان کا تقرر بطور سب اورسیر (SUB OVERSEER) ہو گیا۔ ۱۲۔ ۱۹۱۱ء میں ریٹائر ہوئے۔ لیکن ۱۹۱۷ء میں ان کے محکمہ کو پھر ان کی خدمات کی ضرورت پڑی اور مزید تین سال ملازمت کی۔

دونوں بھائیوں کی محبت مثالی تھی ان کی پیدائش کے بعد ۱۸ سال تک والدین کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا۔ سوائے ایک کے جو شیر خواری کے ایام میں ہی فوت ہو گیا۔ دوسرے خود ان کے ہاں ۱۸۹۹ء تک کوئی اولادِ نرینہ نہ ہوئی سوائے ایک لڑکے کے جو جلد ہی فوت ہو گیا۔ اس وجہ سے یہ چھوٹے بھائی کو بیٹا سمجھتے تھے۔ جب سیالکوٹ میں آبائی مکان کی از سرِ نو تعمیر کی تو چھوٹے بھائی کے نام پر مکان کا نام "اقبال منزل" رکھا۔

اقبال نے دو نظموں میں ان کی محبت کا ذکر کیا ہے۔ ایک "التجائے مسافر" میں اور دوسری "والدۂ مرحومہ کی یاد میں"۔ اوّل الذکر میں لکھا ہے۔

وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی محبت قرارِ جاں مجھ کو

جلا کے جس کی محبّت نے دفترِ من و تو
ہوائے عشق میں پالا کیا جواں مجھ کو

موخرالذکر میں کہتے ہیں ؎
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبّت میں تیری تصویر، وہ بازو مرا

عطا محمد کو ملازمت کے دوران ایک فوجداری مقدّمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں ان کے ایک غیر مسلم ساتھی کو جوان سے سینئر بھی تھا نظر انداز کرتے ہوئے ان کو سب ڈویژنل آفیسر مقرّر کر دیا گیا۔ اس حلقہ کا انجینئر ایک دُرشت کلام انگریز تھا وہ اس سب اورسیر کی جیب میں تھا۔ ترقی کے کوئی دو ماہ بعد انگریز افسر نے عطا محمد سے بدکلامی کی تو انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر سب اورسیئر اور انگریز افسر نے سازش کر کے عطا محمد کے خلاف سٹور سے سرکاری سامان خورد بُرد کرنے کا مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اقبال نے لارڈ کرزن کو ایک ذاتی خط میں حالات سے مطلع کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس ابتلا سے رہائی کی دُعا کی جس کی ترجمان ان کی وہ نظم ہے جو خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء محبوب الٰہی کے مزار پر پڑھی گئی۔ یہ نظم ستمبر ۱۹۰۳ء کے "مخزن" میں "برگِ گل" کے عنوان سے شائع ہوئی اور "سرودِ رفتہ" اور "باقیاتِ اقبال" میں شامل ہے۔
اس کے کئی شعر حضرت امیر خسرو کے مزار کے سامنے دیوار پر لکھے ہوئے ہیں۔ ایک یہ ہے ؎
محوِ اظہارِ تمنّائے دلِ ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں اقبالؔ کا ہم نام ہوں [1]

ان کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لارڈ کرزن نے واقعات کی تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ مقدّمہ بربنائے عداوت تھا۔ چنانچہ عطا محمد باعزّت بری ہوئے اور وہ انگریز افسر اور سب اورسیئر فوری تبدیل کر دیے گئے۔ اس

---

[1] حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک چہیتے مرید کا نام بھی اقبال تھا۔

مقدمہ کے سلسلے میں اقبال بہت پریشان رہے۔ جس کا ذکر اس جلد میں مشمولہ مکاتیب میں ہے۔ فورٹ سنڈیمین (بلوچستان) تک کا دشوار گزار سفر اختیار کیا جس کی بابت سید محمد تقی کے نام اپنے خط محررہ مئی ۱۹۰۳ء میں لکھا ہے۔
عطا محمد نے ۱۷ دسمبر ۱۹ ۴ء میں انتقال کیا۔ یہ احمدی عقائد رکھتے تھے۔

ماخذ

اعجاز احمد۔ مظلوم اقبال۔ ص ۴۸ - ۶۱

عطار۔ فرید الدین (تقریباً ۱۱۵۰ء۔ ۱۲۳۰ء)

فارسی کے مشہور صوفی شاعر جن کی تصنیف منطق الطیر صوفیانہ لٹریچر میں اہم مقام رکھتی ہے۔ نیشاپور میں غالباً ۱۱۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں مصر شام، حجاز، ہندوستان اور وسط ایشیا کی سیاحت کی پھر اپنے وطن میں مقیم ہو گئے تھے جہاں ۳۹ برس تک تصنیف و تالیف اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ تاتاریوں کے حملہ بغداد (۱۲۲۱ء) میں نیشاپور بھی ویران ہو گیا تھا اور بعض مورخوں کا خیال ہے کہ عطار اس فتنہ میں شہید نہیں ہوئے بلکہ مکہ کو ہجرت کر گئے تھے جہاں انھوں نے آخری زمانے میں اپنی نظم لسان الغیب لکھی ان کی تاریخ وفات کا تعین نہ ہو سکا۔ غالباً ۱۲۳۰ء میں انتقال کیا۔

منطق الطیر ایک تمثیلی نظم ہے جس میں طیور (صوفیا) اپنے بادشاہ سیمرغ (خدا) کی تلاش کرتے ہیں۔ اس میں ہُدہُد ان کا رہنما (مرشد) ہے جو راستے کی سات دشوار گزار وادیوں (مقامات سلوک) کا بیان کرتا ہے۔ بہت سے پرندے ان دشواریوں سے گھبرا کر راستے ہی میں رہ جاتے ہیں۔ ۳۰ پرندے ساری راہیں طے کر کے سیمرغ کی وادی میں پہنچتے ہیں تو ان پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ اپنی شناخت کھو چکے ہیں اور دراصل وہی سیمرغ ہیں۔

منطق الطیر کا متن گارسین دتاسی (GARCIN DE TASSY) نے ۱۸۵۷ء میں چھاپا تھا۔ ۱۸۶۳ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ چھپا۔ ایس۔ سی۔ ناٹ (S C NOTT) کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ ۱۹۵۵ء میں آیا۔ ہندوستان میں بھی منطق الطیر متعدد بار چھپی ہے۔ فرید الدین عطارؒ سے بعض کتابیں منسوب بھی کر دی گئی ہیں۔

ان کی مختصر کتاب "پندنامہ" صدیوں تک بچوں کو بطور نصابی کتاب پڑھائی گئی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ سلوسٹرے دی ساسی (SILVESTRE DE SACY) نے کیا تھا ۱۸۱۹ء میں دوسری تالیف 'تذکرۃ الاولیا' ہے جسے آر۔ اے۔ نکلسن (R. A. NICHOLSON) نے ایڈٹ کرکے دو جلدوں میں چھاپا (۱۹۰۵۔ ۱۹۰۷ء)

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۹/۸۰)

عطیہ فیضی (۱۸۸۱ء - ۱۹۶۷ء)

عطیہ فیضی بمبئی کے ایک علم دوست، تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاندان میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۰۷ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئیں۔ اقبال سے ان کی ملاقات لندن میں اپریل ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ اس ابتدائی تعارف کے بعد اپنے مخصوص ذوق مشترک کی بنا پر اقبال اور عطیہ فیضی میں فلسفہ موضوع گفتگو بن گیا۔ پروفیسر آرنلڈ کے ہاں بھی ان دونوں کی ملاقات ہوتی رہی۔ ان کی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال نے اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ اور تاریخ عالم کا مسودہ جو جرمن امتحان کے لیے لکھا تھا عطیہ فیضی کو پورا سنایا۔ اور ان کی رائے کی قدر کی۔ پھر اقبال جرمن چلے گئے۔ تو عطیہ فیضی بھی وہاں کے نظام تعلیم کا مطالعہ کرنے ہائیڈل برگ یونیورسٹی گئیں۔ جہاں اقبال سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۱ء تک اقبال نے عطیہ فیضی کے نام دس خط زندگی کے اس دور میں لکھے جب وہ ایک جذباتی بحران سے گزر رہے تھے۔ یہ خطوط انگریزی میں لکھے گئے۔ فروری ۱۹۴۷ء میں عطیہ فیضی نے انگریزی میں اقبال پر ایک مختصر سا رسالہ بھی لکھا جس میں ان خطوط کے عکس اور یورپ میں تعلیمی دور کے تاثرات اور بعض اہم یادداشتوں کو قلم بند کیا۔ یہ کتابچہ فروری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ ضیاء الدین برنی نے کیا۔ منظر عباس نقوی اور عبدالعزیز خالد نے بھی اس کا اردو ترجمہ کیا۔ ضیاء الدین برنی کی کتاب کے اوّل ایڈیشن میں اقبال کا ایک اور خط بنام عطیہ فیضی محررہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کا عکس شائع ہوا۔ دوسرے ایڈیشن میں یہ خط شامل نہیں ہے یہ امر تعجب خیز ہے۔

مولانا شبلی نعمانی بھی عطیہ فیضی سے مسحور ہو گئے تھے اور ان کے

نام متعدد رومانی خطوط لکھے۔ اور ان سے متاثر ہوکر فارسی میں غزلیں اور نظمیں بھی کہیں۔

عطیہ فیضی نے ایک پارسی مصور رحیمن سے شادی کی۔ یہ صوفی اور شاعر بھی تھے۔ اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ جن میں ایک ڈرامہ "دخترِ ہند" (DAUGHTER OF INDIA) قابلِ ذکر ہے۔

مہاتما گاندھی جب پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے بعد بحری جہاز سے ہندوستان واپس آرہے تھے تو عطیہ بھی اسی جہاز میں تھیں۔ انھوں نے اصرار کرکے گاندھی جی کی انگلی میں آلپن چبھوئی اور گاندھی جی نے اپنی انگلی کے خون کا نشان عطیہ فیضی کی آٹوگراف بک پر ثبت کرکے اپنے دستخط کیے۔

تقسیم ملک کے بعد عطیہ پاکستان چلی گئیں اور کراچی میں "اکیڈمی آف اسلام" (ACADEMY OF ISLAM) قائم کی۔

عطیہ فیضی کو فنونِ لطیفہ سے گہری دلچسپی تھی اور انھوں نے ہندوستانی رقص اور سنگیت پر متعدد کتابیں لکھیں۔

ہندوستانی سنگیت، جلد اول INDIAN MUSIC I

ہندوستانی سنگیت، جلد دوم INDIAN MUSIC II

ہندوستان کا سنگیت SANGEET OF INDIA

عطیہ فیضی کی زندگی کا آخری حصہ پریشان روزگاری اور کسمپرسی میں گذرا۔ ۴ر جنوری ۱۹۶۷ء کو تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ماخذ

(۱) شیخ عطاء اللہ : اقبال نامہ

(۲) عطیہ بیگم : اقبال (انگریزی)

(۳) عبدالعزیز خالد : اقبال (اردو)

(۴) ماہرالقادری : یادِ رفتگاں۔ جلد دوم

(سر سید) علی امام (۱۸۶۹ء - ۱۹۳۱ء)

سر سید علی امام بیرسٹر ایٹ لا (ولادت ۱۱ فروری ۱۸۶۹ء) کو پٹنہ بہار کے قصبہ منیورہ میں پیدا ہوئے۔ اگست ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد کے صدر المہام مقرر ہوئے۔ انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ وہاں سے بیمار ہوکر واپس آئے اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو انتقال فرما گئے۔

قانون دانی اور سیاست میں تو وہ ممتاز تھے ہی، اسلامی اخلاق اور آداب کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ یورپ سے ہو آنے کے باوجود عربی قصائد کے اشعار اور فارسی کے ٹکسالی محاورات بروقت ان کی نوکِ زبان رہتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے "منوجا" جہاز میں اقبال کے ہم سفر تھے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کے ایک خط میں، جو اسی جہاز سے کسی دوست کو تحریر کیا گیا تھا، اقبال فرماتے ہیں:

> سید علی امام صاحب ... ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میل و فرسنگ کا حساب کرکے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال! اس وقت ہمارا جہاز ساحلِ مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھیں نمناک ہوگئیں اور بے اختیار ہوکر بولے:
>
> "بلّغ سلامی روضۃً فیہا النبی المحترم"[1]

---

[1] عربی کے مشہور نعتیہ شعر کا مصرعِ ثانی ہے، پورا شعر یوں ہے:

ان قلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم — بلغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحترم

(اے بادِ صبا اگر کسی دن تیرا گزر حرم مدینہ کی طرف ہو تو روضۂ مبارک جس میں نبی محترم آرام فرما ہیں میرا سلام پہنچا دینا)

ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے حد متاثر کیا۔[4]

اقبال اس سے قبل بھی سید صاحب کی خاندانی وجاہت اور ذاتی اوصاف کے قائل تھے۔ جبھی تو "اسرار خودی" ان کے نام معنون کی تھی۔ مثنوی کے پہلے ایڈیشن میں پیش کش کے اُنیس شعر تھے۔ دوسرے میں آٹھ رہ گئے اور اس کے بعد بالکل حذف کر دیے گئے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

علی بخش (متوفی ۱۹۶۹ء)

ضلع ہوشیارپور کے گاؤں اٹل گڑھ کا باشندہ علی بخش، علامہ اقبال کا ملازم خاص تھا۔ ۱۳۔ ۱۴ سال کی عمر میں اقبال کے پاس آیا اور ساری زندگی ان کے ساتھ ہی گزاردی۔ اقبال کا انتقال بھی علی بخش کی آغوش میں ہوا۔

علی بخش نے چک مہر بی ۱۸ میں ۱۹۶۹ء میں انتقال کیا۔

ماخذ

رحیم بخش شاہین	اوراق گم گشتہ
چراغ حسن حسرت	اقبال نامہ
سید نذیر نیازی	اقبال کے حضور
سید نذیر نیازی۔	: دانائے راز /

(شیخ) علی حزیں (۱۱۰۳-۱۱۸۰ھ)

شیخ محمد علی حزیں ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ (یکم اکتوبر ۱۶۹۱ء) کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۴۶ھ (۱۷۳۳ء) میں ہندوستان آئے۔ ایران سے آنے والی آخری کھیپ کے شاعر تھے۔ ان کی کلیات چار دواوین پر مشتمل ہے۔ جس میں قصیدہ، غزل، رباعی و مثنوی سب کچھ شامل ہے۔

حزیں نے نظامی گنجوی کے خمسہ کا جواب بھی لکھنا چاہا تھا مگر اسے پورا نہ کر سکے۔ انھوں نے ہندوستان کے فارسی گو شعراء کو کچھ اپنی انانیت سے خاصا برافروختہ کر دیا تھا۔ چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزو نے ان کی شاعری پر اعتراض کیے اور ایک رسالہ بھی لکھا۔

علی حزیں اپنے زمانے کے سربرآوردہ اور قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اگرچہ یہ کلام بہت تھوڑا ہے۔ شیخ علی حزیں نے فارسی میں اپنی سوانح حیات بھی لکھی تھی۔ جو "سوانح عمری شیخ علی حزیں" کے نام سے "کلیات حزیں" میں چھپی ہے اور علاحدہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

آخر میں بنارس جا کر رہے اور وہیں ۱۱ جمادی الاوّل ۱۱۸۰ھ (۱۵ اکتوبر ۱۷۶۶ء) کو انتقال کیا۔ قبر بھی وہیں ہے۔ بنارس کے بارے میں ان کا مشہور شعر ہے ؎

"از بنارس نروم معبدِ عام است اینجا
ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است اینجا"

(میں بنارس سے کبھی نہ جاؤں کہ زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور یہاں کا ہر برہمن بچہ لچھمن اور رام ہے۔)

"کلیاتِ حزیں" شائع ہو چکا ہے۔ (اپریل ۱۸۷۶ء مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔)

ماخذ

۱۔ کلیاتِ حزیں۔ طبع۔ نول کشور ۱۸۷۶ء

۲۔ غلام علی آزاد بلگرامی۔ خزانۂ عامرہ

۳۔ تذکرہ شمع انجمن۔ ص ۱۳۱۔ ۱۳۵

۴۔ ایڈورڈ براؤن۔ تاریخ ادبیاتِ ایران۔ ج ۴۔ ص ۲۰۵

۵۔ فہرست کتب خانہ مجلس شوریٰ ملی ص ۴۶۱

علاء الدولہ سمنانی

(۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء-۷۳۶ھ-۱۳۳۵ء)

علاء الدولہ سمنانی رکن الدین احمد بیابانکی ۶۵۹ھ ۱۲۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی زیادہ تر زندگی خانقاہ سکاک سمنان میں گزری۔ آپ کی تصنیفات میں ''مکاشفات''، ''ادب الخلوت''، ''موارد الشوارد''، ''شفایق الحقایق'' وغیرہ ہیں۔ ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ء میں انتقال ہوا اور صوفی آباد سمنان میں مدفون ہوئے۔

ماخذ

ڈاکٹر محمد معین۔ فرہنگ فارسی۔ جلد ۵، ص ۸۰ تہران

عمرالدین (۱۹۰۲ء - ۱۹۶۴ء)

پروفیسر محمد عمرالدین ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فلسفہ، نفسیات، عربی اور فارسی کی اعلا اسناد حاصل کر کے یہ ۱۹۲۸ء میں دہلی کالج، دہلی، میں نائب پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ دو برس بعد وہ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ فلسفہ اور نفسیات کے فیلو منتخب ہو کر علی گڑھ واپس آئے اور پھر ۱۹۴۸ء میں پروفیسر اور صدر شعبۂ فلسفہ و نفسیات مقرر ہو کر تاحیات اسی عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ ہی میں وفات پائی۔

امام ابو حامد محمد الغزالی کے فلسفہ، اخلاقیات اور مابعدالطبیعات اور سید احمد خان کے نئے مذہبی طرزِ فکر پر ان کا کام بین الاقوامی اور دیرپا شہرت کا حامل ہے۔

ماخذ

"نقوشِ اقبال" اقبال نمبر۲ دسمبر ۱۹۷۷ء)

غالب (اسد اللہ خاں) (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)

مرزا اسد اللہ خاں غالب عرف میرزا نوشہ، ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبد اللہ بیگ خاں عرف مرزا دولہا تھے۔ جو مہاراجہ الور کی ملازمت میں مارے گئے تھے۔ غالب کے چچا میرزا نصر اللہ بیگ خاں نے بھتیجوں کی پرورش کی۔ مگر یہ بھی ۱۸۰۶ء میں ایک معرکہ میں جاں بحق ہوئے۔ اس وقت غالب کی عمر نو برس کی تھی۔ اس کے بعد میرزا غالب کا کچھ وظیفہ مقرر ہو گیا اور وہ اپنی ننھیال میں رہنے لگے۔ ۱۸۱۰ء میں ان کی شادی الٰہی بخش خاں معروف کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں میرزا کی مالی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ پنشن میں اضافے کی کوشش کرنے کے لیے وہ ۱۸۲۶ء میں کلکتہ گئے۔ یہاں حامانِ قتیل سے ان کا مشہور معرکہ ہوا جس کی صفائی میں انھوں نے مثنوی "بادِ مخالف" لکھی۔ پنشن کے مقدمہ میں میرزا کو کامیابی نہیں ہوئی۔

۱۸۴۲ء میں انھیں دلی کالج میں فارسی کے مدرس کا عہدہ پیش کیا گیا مگر غالب نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ پرنسپل ان کے استقبال کے لیے دروازہ تک نہیں آیا۔ ۱۸۴۷ء میں وہ قمار بازی کے جرم میں ماخوذ ہوئے اور تین ماہ قید کی سزا ہوئی۔ اس پر آشوب زمانے میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے ان کی بہت دل جوئی کی۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی سے ذرا پہلے نواب یوسف علی خاں ناظم والیِ رامپور ان کے شاگرد ہو گئے۔

مرزا غالب کی کوئی اولاد زندہ نہ رہی۔ آخر انھوں نے اپنی بیوی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کو متبنیٰ بنا لیا لیکن اس کا بھی ۱۸۵۲ء میں انتقال ہو گیا۔ عارف کی وفات کے بعد ان کے دو بیٹوں مرزا باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں کو اپنے پاس رکھا اور اولاد کی طرح پرورش کی۔

غالب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو ۷۳ سال چار ماہ کی عمر پا کر دہلی میں وفات پائی اور بستی حضرت نظام الدین میں مدفون ہیں۔

غالب نے (۸-۱۸۰۰ء) سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے اسدؔ تخلص کرتے تھے لیکن تقریباً ۱۸۱۶ء سے غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ فارسی میں ان کی شعر گوئی کا باقاعدہ آغاز ۲۸-۱۸۲۰ء میں ہوا۔ ان کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں مرتب ہوا اور ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ جبکہ چوتھا ایڈیشن ۱۸۶۲ء میں، پانچواں اور آخری ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔

فارسی دیوان "میخانہ آرزو سرانجام" ۱۸۴۵ء اور کلیاتِ نظم فارسی کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں نول کشور پریس نے شائع کیا۔ فارسی نثر میں ان کی تصنیف "مہر نیم روز"، "پنج آہنگ" اور "دستنبو" مشہور ہیں۔ آخری زمانے میں "برہانِ قاطع" پر ان کی تنقید نے خاصا ہنگامہ برپا کیا اور اس بحث میں متعدد رسالے موافق و مخالف میں شائع ہوئے۔

غالب کے رقعات کے دو مجموعے "عودِ ہندی" (۱۸۶۸ء) اور "اردوئے معلّٰی" (مارچ ۱۸۶۹ء) شائع ہوئے۔ غالب نے اردو نثر کو نئی تب و تاب اور دلکش رنگ و آہنگ دیا ہے ان کی خطوط نویسی کا انداز منفرد اور ان سے ہی مخصوص ہے۔

غالب بلاشبہ اردو کے عظیم ترین شاعر ہیں۔ اردو ہو یا فارسی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی آواز ہے۔ اقبال پر غالب کے کلام کا گہرا اثر ہے۔ خاص طور پر غالب کے کلام میں سخت کوشی، خودداری اور عزتِ نفس کے متعلق جو مطالب ملتے ہیں وہ اقبال کی افتادِ طبع کے عین مطابق ہیں۔ اقبال نے غالب پر ایک نظم بھی لکھی ہے جو "بانگِ درا" میں شامل ہے اور غالب کا تذکرہ "جاوید نامہ" میں بھی کیا ہے۔

۱۸۵۰ء میں انھیں دربارِ مغلیہ سے نجم الدولہ دبیرالملک، نظام جنگ کے خطابات عطا ہوئے۔ ۸/ مئی ۱۸۵۴ء کو وہ بہادر شاہ کے استادِ شعر مقرر ہوئے۔

ماخذ

الطاف حسین حالی : یادگارِ غالب

غلام رسول مہر : غالب

محمد اکرام : غالب نامہ

مالک رام : ذکرِ غالب

سید عابد علی عابد : تلمیحاتِ اقبال

غزالی (ابو حامد محمد بن محمد) (۱۰۵۸ء - ۱۱۱۱ء)

فلسفی، عالم دین، فقیہ، متکلم ــــ مشہد (ایران) سے ۱۵ میل شمال مغرب میں قصبہ طوس میں ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ مذہبًا اشعری تھے۔ ۱۰۹۱ء میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس ہوئے۔ شدید روحانی تشنگی کے زیر اثر ۱۰۹۵ء میں انھوں نے مدرسہ کی ملازمت ترک کر دی اور دس سال تک عزلت میں ریاض کرتے رہے۔ پہلے دو سال دمشق میں رہے پھر حج کرکے بغداد میں آ گئے۔ ۱۱۰۵ء میں سلطان کے اصرار پر انھوں نے نیشاپور میں مدرسی قبول کر لی تھی مگر جلد ہی اسے بھی چھوڑ دیا اور طوس میں آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ۱۱۱۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ بعض ان سے منسوب بھی کر دی گئی ہیں سب سے اہم تصنیف احیاء علوم الدین ہے جس میں شریعت اور طریقت کی تطبیق اپنے روحانی مکاشفات اور تحقیقی علم و مشاہدہ سے کی گئی ہے۔ انھوں نے صوفیاء اور فقہاء کے درمیان اختلافات کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی۔ انھیں حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے کیوں کہ انھوں نے اسمٰعیلیوں کے پروپگنڈے اور نو افلاطونی فلسفیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ علم الکلام میں ان کی تصنیف تہافتہ الفلاسفہ بے نظیر مانی گئی ہے۔

المنقذ من الضلال میں ان کے اپنے روحانی اضطراب کا بیان ہے۔ کیمیائے سعادت بھی مذہبی اور صوفیانہ لٹریچر میں اہم مقام رکھتی ہے۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۱۰/ ۳۸۷

غزالی مشہدی (متوفی ۹۸۰ھ)

ملی رضائی غزالی مشہدی (ف ۹۸۰ھ) مغل دربار کا پہلا ملک الشعراء، ہماسپ صفوی کے دربار سے نکل کر دکن کی طرف آیا۔ پہلے علی قلی خاں زماں سے اور پھر اکبر کے دربار سے متوسل ہوا۔ احمد آباد گجرات میں ایک معرکہ میں مارا گیا اور پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ سرغیز (سرکھیج) کی شاہی حویلی کے کنارے دفن ہوا۔

تصانیف متعدد ہیں۔ دیوان قصائد و غزلیات، کتاب اسرار (نثر فارسی) رشحات الحیات (در تصوف) مرآۃ الکائنات (در اخلاق)

ماخذ

کشن چند اخلاص تذکرہ ہمیشہ بہار/۱۸۰-۱۸۱

(خواجہ) غلام الحسنین ۱۸۶۸ء - ۱۹۳۶ء)

یہ دسمبر ۱۸۶۸ء میں پانی پت (ریاست ہریانہ بھارت) میں پیدا ہوئے ان کا خاندان تیرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا ان کے مورث اعلا خواجہ ملک علی انصاری جو ہرات کے حضرت ابوعلی انصاری کے خاندان سے تھے، ہندوستان آئے تھے۔

خواجہ غلام الحسنین نے فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ دہلی سے مٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ پانچ سال مولانا حالی کی صحبت میں گزارے کر یہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

عربی فارسی اور علوم دین میں یدِطولیٰ رکھتے تھے دنیا کے تمام مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس کی وجہ سے مذہب کے معاملہ میں ان کا بڑا سیکولر مشرب تھا۔ انھوں نے ہربرٹ سپنسر HERBERT SPENCER) کی مشہور تصنیف "PHILOSOPHY OF EDUCATION" (فلسفہ تعلیم) کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

ماخذ

خواجہ غلام الحسنین: مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

(میر) نیرنگ (۱۸۷۵-۱۹۵۲ء)

میر غلام بھیک نیرنگ، لاہور کی ممتاز شخصیت، دورانہ (ضلع انبالہ) کے ایک سید خاندان میں ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے گورنمنٹ کالج لاہور اور لا کالج میں تعلیم حاصل کی۔ شعر و ادب کا ذوق خدا داد تھا۔ داغ دہلوی کا تلمذ اختیار کیا اقبال سے ان کی ملاقات ۱۸۹۵ء میں ہوئی جب دونوں گورنمنٹ کالج لاہور میں طالب علم تھے۔ بعد میں دونوں نے کئی ہم طرح غزلوں میں طبع آزمائی بھی کی۔

میر نیرنگ نے ۱۹۰۰ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور انبالہ میں پریکٹس شروع کی۔ قومی اور اجتماعی فلاح کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ہندوستان کی مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن بھی رہے اور ایک مسودہ قانون پیش کیا جسے "شریعت بل" کہتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں میر نیرنگ پاکستان چلے گئے وہاں بھی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ کو انتقال ہوا۔ تصانیف میں کلام نیرنگ (۱۹۰۷) اور "غبار افق" دو مختصر مجموعے یادگار ہیں۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں
صفحات ۶۳ - ۸۵

محمد عبداللہ قریشی۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں۔
ص۔ ۱۰۹ - ۱۱۱

غنی کشمیری (متوفی ۱۰۷۹ھ)

ملا طاہر، غنی برصغیر کے ایک بڑے شاعر تھے۔ کشمیر میں فارسی شعراء کے آب گل سر سید کہلانے کے لائق ہیں۔ غنی اسم بامسمّٰی اور درویش مزاج تھے بقول اقبال:

شاعر رنگین نوا طاہر غنی　　فقر او رظاہر غنی، باطن غنی

زندگی کا بیشتر حصہ وادی میں گزارا۔ سرینگر شہر آپ کا مولد و مستقر تھا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔ غنی کے اساتذہ میں ایک ملا محسن فانی تھے۔

غنی نے شہنشاہ عالمگیر کا زمانہ پایا تھا۔ سیف خاں ناظم کشمیر کے ذریعہ بادشاہ نے انھیں بلایا۔ مگر وہ ملنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس کشمکش میں ایک دن ان پر جذب کی حالت طاری ہوئی اور وہ جان بحق ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۶۶۸ء (۱۰۷۹ھ) کا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۹ سال تھی۔

ماخذ

۱۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی }
ڈاکٹر محمد ریاض　- فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۲۴۳

۲۔ نظامی بدایونی　- قاموس المشاہیر　ص ۱۱۲ — ۱۱۳

(الفرڈ) فان کریمر ALFRED VON KREMER

(۱۲۴۳ھ—۱۳۰۶ھ/۱۸۲۸—۱۸۸۹ء)

الفرڈ فان کریمر ALFRED VON KREMER جرمن مستشرق، وزرا میں سے تھا۔ ویانا میں پیدا ہوا وہیں تعلیم پائی مصر اور شام میں خوب سفر کیے اور عربی زبان سیکھی۔ مصر میں قنصل بھی مقرر ہوا پھر ۱۸۷۰ء میں بیروت میں رہا۔ یہاں سے ویانا کو واپس ہوا اور وزیر خارجہ بنایا گیا۔ دوسرے محکموں میں بھی وزیر رہا۔ اس کی تقریباً ۲۰ کتابیں شائع ہوئیں ان میں "کتاب المغازی" للواقدی "الاحکام السلطانیہ" للماوردی "القصیدۃ الحمیریۃ" لنشوان اور "الاستبصار فی عجائب الامصار"، جو مراکو کے بارے میں چھٹی صدی کے مصنف کی ہے۔ کریمر نے جرمن زبان میں اسلام اور اسلامی ثقافت پر بھی بہت لکھا ہے۔ اس کی کتاب "تاریخ القرآن" بہت مشہور ہے۔

ماخذ

الاعلام ۲/ ۷

المستشرقون ۱۰۷

فردوسی (متوفی تقریباً ۹۲۵ء۔ تقریباً ۱۰۲۰ء)

فارسی کا عظیم ترین شاعر، کلاسیکل رزمیہ نظم 'شاہ نامہ' کا مصنف۔ اس کا نام ابوالقاسم منصور تھا۔ طوس کے قریب ایک گاؤں میں غالباً ۹۳۵ء میں پیدا ہوا اور شاید ۱۰۲۰ء میں انتقال کیا۔ اس کے بارے میں بہت سی داستانیں مشہور ہوگئی ہیں مگر مستند ہم عصر مواد نہیں ملتا نظامی عروضی سمرقندی نے ۱۱۱۶ یا ۱۱۱۷ میں اس کے روضہ کی زیارت کی تھی اور اس علاقے میں فردوسی کے بارے میں جو روایات زبان زد تھیں ان کو جمع کیا تھا۔ یہی قدیم ترین ماخذ ہے۔ نظامی کا بیان ہے کہ وہ ایک دہقان (دیہاتی) تھا، اور اسے اپنی زمینوں سے خاص آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ اس کا صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹی کے جہیز کا انتظام کرنے کے لیے اس نے 'شاہنامہ' لکھنا شروع کیا تھا۔ جس میں وہ آئندہ ۳۵ سال تک منہمک رہا۔

شاہنامہ میں ساٹھ ہزار ابیات ہیں۔ یہ اسی نام کی ایک نثری تصنیف پر مبنی ہے جو طوس میں لکھی گئی تھی۔ اور فردوسی کے زمانے میں دستیاب تھی، اس نثری شاہ نامہ کا ماخذ پہلوی زبان کی کتاب خدای نامک تھی جس میں قدیم زمانے سے لے کر خسرو ثانی (۵۹۰۔ ۶۲۸ء) کی حکومت تک کے حالات لکھے گئے تھے۔ لیکن اس میں عربوں کے ہاتھوں ساسانیوں کی حکومت کے خاتمہ کا حال بھی اضافہ کردیا گیا تھا۔ سب سے پہلے شاہنامہ کو نظم کا لباس دقیقی نے پہنانا شروع کیا جو سامانی دربار کا شاعر تھا۔ وہ ایک ہزار اشعار لکھ کر مرگیا۔ یہ اشعار جن میں زرتشت پیغمبر کے ظہور کا بیان ہے فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں شامل کرلیے اور اس کا مناسب اعتراف کیا ہے۔

شاہنامہ کی آخری تکمیل ۱۰۱۰ء میں ہوئی۔ اسے محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا گیا فردوسی اور محمود غزنوی کے تعلقات پر بھی بہت سے افسانے گھڑ لیے گئے ہیں۔ نظامی کا بیان ہے کہ فردوسی خود غزنی آیا اور وزیر احمد بن حسن میمندی کے توسط سے دربار میں باریاب ہوا۔ محمود نے میمندی کے مخالف کسی درباری سے پوچھا کہ فردوسی کو کیا انعام دیا جائے تو اس نے کہہ دیا کہ ۵۰ ہزار درہم کافی ہوں گے۔ فردوسی کو صرف ۲۰ ہزار درہم ملے جو اس نے حمام کے خادم اور ایک مے فروش کو تقسیم کر دیے۔ فردوسی وہاں سے ہرات چلا آیا۔ پھر مازندران گیا۔ یہاں اس نے سو شعروں پر مشتمل محمود کی ہجو لکھی جسے سپہبند شہریار والی مازندران نے ایک ہزار درہم دے کر لے لیا۔

فردوسی نے ہجو کا مسودہ بھی ضائع کر دیا تھا اور اب اس کے صرف چھ شعر ملتے ہیں۔ محمود غزنوی نے بعد کو تلافی کی اور ساٹھ ہزار دینار بھیجے مگر یہ اس وقت پہنچے جب فردوسی کا جنازہ تدفین کے لیے جا رہا تھا۔ اس کی بیٹی نے یہ صلہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے ایک مثنوی 'یوسف زلیخا' بھی منسوب ہے مگر یہ فردوسی کی وفات سے سو برس بعد لکھی گئی ہے۔

اردو میں حافظ محمود شیرانی کی کتاب "فردوسی پر چار مقالے" بہترین تحقیق ہے جو اس موضوع پر اب تک ہوئی ہے۔

ماخذ

۱ دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۹، ۲۹۱، ۲۹۲

(مولوی) فرید احمد نظامی (متوفی ۱۹۴۱ء)

مولوی فرید احمد نظامی حضرت بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں ہیں وہ امروہہ، ضلع مراد آباد کے باشندہ تھے۔ ان کے والد ارشاد علی نظامی ۱۸۴۶ء سے صوبہ پنجاب کے مختلف عہدوں پر رہے۔ وہ پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر جارج ہملٹن کے میر منشی بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انھوں نے صوبے کے عوام کی بہت خدمت کی۔ مدّت تک انبالہ میں وکالت بھی کی۔ ان کے فرزند مولوی فرید احمد نظامی جھانسی، میرٹھ وغیرہ میں سب رجسٹرار رہے۔ وہ سرسید کی تحریک کے بڑے حامی، وسیع المطالعہ اور روشن خیال انسان تھے۔

۱۹۴۱ء میں میرٹھ ہی میں انتقال ہوا، درگاہ شاہ ولایت میرٹھ میں دفن ہوئے اور کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ڈائرکٹر جنرل جناب طل احمد نظامی اِن کے پوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو:

خلیق احمد نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت

قاآنی (متوفی ۱۲۷۰ھ)

قاآنی کا نام مرزا حبیب ہے۔ یہ شیراز میں پیدا ہوا۔ علومِ درسیہ کی تحصیل کے بعد شاعری اختیار کی اور شجاع السلطنۃ کی مدّاحی کرتا رہا۔ جب زیادہ شہرت ہوئی تو شاہی دربار میں پہنچا۔ محمد شاہ اور ناصر الدین قاچار نے اس کی نہایت قدردانی کی۔ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

قاآنی ایک قادر الکلام شاعر تھا جس کے ذریعہ بقول شبلی قدما کا دور دوبارہ واپس آگیا۔ اس نے قصیدہ گوئی میں کمال حاصل کیا اور تمام قصیدے اساتذہ قدما یعنی فرخی، منوچہرں اور خاقانی کے جواب میں لکھے۔ قدما کے خصائص کے ساتھ جو ندرت کلام اور صفائی و روانی اُس کے کلام میں ہے وہ قدما کے یہاں بھی نہیں۔ واقعہ نگاری میں کوئی شاعر اس کا ہمسر نہیں ہوا۔ مزید برآں اس کے کلام میں زبان کا لطف، محاورات کی برجستگی اور روانی جادو کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اس کا طرز تمام ایران پر چھا گیا۔ شبلی کی رائے میں قاآنی کے بعد پھر ایران میں کوئی نامور شاعر نہیں ہوا۔

ماخذ:

شبلی نعمانی۔ شعر العجم۔ حصّہ پنجم، طبع چہارم، ص۔ ۱۵ ۔ ۲۳

قدسی (شاہ اسدالرحمٰن) (ولادت ۱۸۹۱ء)

شاہ ناصرالدین اسدالرحمن قدسی ولد حبیب الرحمن ۱۸۹۱ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کا آستانہ "ثمرستان قدسی" کہلاتا تھا۔ ۱۹۴۹ میں پاکستان گئے اور بھون (ضلع جہلم) میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ قدسی کے مریدوں کا وسیع حلقہ تھا وہ شاعر بھی تھے اور ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آیات قدسی، نغمات الحبیب (۱۹۱۵ء) سترویں نامہ (۱۹۱۵) نامہ قدسی اطمینان قلب، کشکول قلندری، الکلام، حفظ البحر وغیرہ

ماخذ
صہبا لکھنوی۔ اقبال اور بھوپال
اخلاق اثر ۔ اقبال نامے۔

(محمد) قلی قطب شاہ (متوفی ۱۶۱۱ء)

قطب شاہی خاندان میں محمد قلی قطب شاہ سب سے زیادہ مقبول، ہر دل عزیز امن پسند اور علم دوست بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے دورِ حکومت ۳۱ سال تک یعنی ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء۔۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء تک رہا۔ اس کے دور میں سلطنت کو ہر طرح کا فروغ ہوا۔ علاوہ اور کئی خصوصیات کے محمد قلی قطب شاہ ایک زبردست شاعر تھا۔ یہ اُردو کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر گزرا ہے۔ اس کے کلام کا ذخیرہ نہایت وافر ہے جس کو اس کے بھتیجے اور جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے اس کے مرنے کے بعد ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں مرتب کیا۔ اور ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر محی الدین زور کی جدید ترتیب سے ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد سے شائع کیا۔

محمد قلی قطب شاہ کا اسلوب نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس کی شاعری مقامی خصوصیات سے مملو ہے۔ ہندوستان کے مقامی رسم و رواج اور تہواروں سے بے حد عزیز تھے۔ وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے مقامی لباس اور طرزِ معاشرت اختیار کی۔ اس کی شاعری پر ہندی شاعری کا بھی اثر ہے۔ مقامی رنگ بھی غالب ہے۔ اس نے اُردو کے علاوہ تیلگو زبان میں بھی بے شمار اشعار کہے ہیں۔ اس کی غزلوں میں لطافت اور عاشقانہ عنصر بہت ہے۔ فارسی شاعروں میں وہ حافظ شیرازی سے بہت متاثر ہے۔ کلیاتِ قلی قطب شاہ، میں ہم کو مثنوی، ترجیع بند، مرثیہ، غزل، سب ہی اصنافِ سخن ملتی ہیں۔ جو اس کی قادر الکلامی اور فطری طور پر شاعرانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔

ماخذ ۔

ڈاکٹر سید اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اردو۔ ص۔ ۳۴۔۳۵

کارلائل، تھامس THAMAS CARLYLE

(۱۷۹۵۔۱۸۸۱ء)

۴ر دسمبر ۱۷۹۵ء کو جنوبی اسکاٹ لینڈ میں آئن ڈیل (ECCLEFECHAN ANNANDALE) کے مقام پر پیدا ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں ابتدائی تعلیم کے لیے انان اکیڈمی (ANNAN ACADEMY) میں داخلہ لیا۔ ۱۸۰۹ء میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا (UNIVERSITY OF EDINBURG) میں داخلہ لیا مگر کوئی کورس مکمل نہیں کیا۔

۱۸۱۴ء میں انان اکیڈمی (ANNAN ACADEMY) میں ریاضی کا استاد مقرر ہوا۔ مگر مدرسی راس نہ آئی۔ پھر ۱۸۱۹ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی میں قانون کے مطالعہ کے لیے داخلہ لیا۔ تین سال گزرنے کے بعد بھی یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ زندگی میں کیا کرنا ہے۔ ۱۸۲۱ء میں اس میں غیر معمولی انقلاب آیا جس کا افسانوی حال اس کی مشہور کتاب SARTOR RESARTUS میں ملتا ہے۔ انقلاب یہ تھا کہ اسے شیطان سے سخت نفرت ہو گئی مگر خدا سے محبت پیدا نہ ہو سکی۔ اور تشکیک اس کی فطرت ثانی بن گیا۔

۱۸۶۵ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی کا "ریکٹر" REACTOR مقرر ہوا۔ ۵ر فروری ۱۸۸۱ء کو لندن میں انتقال کیا۔ اس کی زندگی غربت، ناکامی اور حزن و ملال میں گزری۔

کارلائل ایک صاحب طرز انشا پرداز اور مورخ کی حیثیت سے انگریزی ادب میں مشہور ہے۔ اس کی معرکۃ آرا تصانیف SARTOR RESARTUS (1836)

THE FRENCH REVOLUTION (1837)

ON HEROES, HERO-WORSHIP AND THE HEROIC IN HISTORY (1841)

(اس میں ایک مضمون پیغمبر اسلام پر بھی شامل ہے)

اور FREDERICK THE GREAT (1858-65) پر مشتمل ہیں۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۳۔ ص ۹۲۳ ۔ ۹۲۵

کارل مارکس KARL MARKS

(۱۸۱۸-۱۸۸۳ء)

دورِ حاضرہ کا عظیم سیاسی فلسفی اور اشتراکیت کا مبلغ جس نے دنیا کے مختلف ممالک کے سماجی و معاشی نظام کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس کی عظیم شاہکار "سرمایہ" (DAS CAPITAL) ہے۔ اقبالؔ نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ ع

قلب او مومن دماغش کافر است

(اس کا دل مومن اور اس کا دماغ کافر ہے)

(لارڈ) کچنر ہوریشیو ہربرٹ (LORD) KITCHENER HORATIO HERBERT

(۱۸۵۰ - ۱۹۱۶ء)

یہ آئرلینڈ میں ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا ۔ رائل ملٹری اکیڈمی (ROYAL MILITARY ACADEMY) میں تعلیم پائی۔ اور اکیس برس کی عمر میں افسر بن گیا۔ فوجی ملازمت کے شروع کے چند سال افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ میں بسر کیے۔ اس کی شہرت کا آغاز ۱۸۹۸ء میں ہوا۔ جب اس نے مہدی سوڈانی کے خلاف جنگ کر کے خرطوم (سوڈان) پر قبضہ کر لیا۔ کچنر نے مہدی سوڈانی کی تربت کھدوا کر اس کی ہڈیاں سمندر میں بہا دیں۔ اس فتح کے صلے میں اسے "ارل" (EARL) کا خطاب اور ڈیڑھ لاکھ پونڈ کا عطیہ دیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں اسے چیف آف اسٹاف (CHIEF OF STAFF) بنا کر جنوبی افریقہ بھیجا گیا۔ جہاں وہ جنگ بوئر (BOER WAR) چھڑنے پر برطانوی افواج کا کمانڈر مقرر ہوا۔

۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک ہندوستان میں کمانڈر ان چیف (COMMANDER-IN-CHIEF) کے فرائض انجام دیے۔ ان دنوں وائسرائے ہند لارڈ کرزن سے اس کی جھڑپ ہو گئی اور متنازعہ فیہ امر یہ تھا کہ نظم و نسق سلطنت میں کمانڈر ان چیف نائب سلطان یعنی وائسرائے کا محکوم ہے یا نہیں۔ برطانوی حکومت نے کرزن کے حق میں اور کچنر کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو وزیر جنگ مقرر ہوا۔ ۱۹۱۶ء میں زار روس سے ملاقات کرنے کے لیے جہاز میں روانہ ہوا لیکن اسے جرمنوں نے غرق کر دیا۔ لارڈ کچنر کی لاش سمندر کی نذر ہو گئی اور بڑی تلاش کے بعد بھی نہ مل سکی۔

ماخذ:

۱۔ اردو السائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۱۳۲

۲۔ سید حامد علی عابد۔ تلمیحاتِ اقبال۔ ص۔ ۴۹۹

کرزن (جارج ناتھنیل، لارڈ) (۱۸۵۹ء۔۱۹۲۵ء)

CURZON (GEORGE NATHANIEL IST MARQUEES)

۱۱ر جنوری ۱۸۵۹ء کو ڈربی شائر DER BYSHIRE میں پیدا ہوا۔
۱۸۸۶ء میں وہ کنزرویٹو پارٹی کی طرف سے برطانوی پارلیمان کا ممبر ہوا ۱۸۹۱ء میں ہندوستان کا انڈر سکریٹری ہوا، اس نے امریکا، ہندوستان، چین، مشرق اوسط اور مشرقی وسطی کی طویل سیاحت کی۔ ابھی کرزن چالیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ جنوری ۱۸۹۹ میں ہندوستان کا وائسرائے ہو گیا اور نومبر ۱۹۰۵ تک اس عہدے پر فائز رہا۔ صوبہ سرحد اسی نے بنایا، بنگال کی تقسیم کی پالیسی اختیار کی۔ جو بعد کو منسوخ کی گئی۔ کمانڈر ان چیف لارڈ کچنر (KITCHNER) سے اختلاف کی وجہ سے اس نے استعفا دیا جو منظور ہو گیا ۱۹۰۷ء میں وہ آکسفرڈ کا چانسلر ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں وہ کابینہ میں بھی رہا۔ ۱۹۱۹ء میں وہ سکریٹری امور خارجہ ہوا مگر وزیر اعظم سے اکثر معاملات میں اس کا اختلاف ہی رہا۔ آخر ۱۹۲۴ میں اسے استعفا دینا پڑا۔

۲۰ر مارچ ۱۹۲۵ء کو لندن میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۶/ ۹۲۳۔۹۲۴)

(خواجہ) کمال الدین (ولادت ۱۸۷۰ء)

خواجہ کمال الدین مرحوم لاہور کے ایک معزز کشمیری خاندان میں ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں فورمین کرسچین کالج سے بی اے اور ۱۸۹۸ء میں لاء کالج سے وکالت کا امتحان پاس کر کے پشاور میں پریکٹس شروع کی مگر ۱۹۰۳ء میں لاہور واپس آگئے۔

آپ کو تبلیغ اسلام کا شوق ہی نہیں جنون تھا ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۱ء تک پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہر حصے میں تبلیغی لیکچر دیئے۔ ۱۹۱۲ء میں انگلستان روانہ ہوگئے وہیں ۱۹۱۲ء میں ووکنگ مشن WOKING MISSION قائم کیا اور ایک رسالہ اسلامک ریویو ISLAMIC REVIEW جاری کیا۔

انھوں نے اردو اور انگریزی میں ستراسی کے قریب مفید کتابیں تصنیف کیں۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی اقبال بنام شاد ص ۱۴۷-۱۴۸

کمال بے (۱۸۴۰ — ۱۸۸۸ء)

نامق کمال (NAMIK KAMAL) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ترکی کا عظیم شاعر جدید ترکی نثر کا بانی اور ممتاز محب وطن تھا۔ اکرداگ (TEKIRDAG) کے مقام پر ۲۱ دسمبر ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا۔ گو ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا تاہم اس کی باقاعدہ تعلیم نہ ہو سکی۔ یہ "نوجوان ترک" (YOUNG TURK) پارٹی میں شامل ہو گیا اور اس پارٹی کے دو اخبارات "مخبر" (MUKHBIR) اور "حریت" کی ادارت کرنے لگا۔ ان اخبارات نے نوجوانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس کی پاداش میں اسے قید و بند کی صعوبت جھیلنا پڑی اور جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے نعرے "آزادی" اور "وطن" تھے۔ اس نے ترکوں کی قومی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ترکی ادب کا احیا کیا۔ اس نے بہت کم عمر پائی۔ ۲ دسمبر ۱۸۸۸ء میں انتقال کیا۔

اس کی نظمیں، ناول اور ڈرامے ترکی ادب کے شہ پارے شمار کیے جاتے ہیں۔ اس نے ۱۸۵۴ء سے شاعری شروع کی۔ اس کے ناول "وطن یا ہوت سلسترے" (VATAN YAHUT SILISTRE) اور عارف بے (۱۸۷۴ء) اس کے پُر جوش جذبۂ وطن پرستی کے آئینہ دار ہیں۔ "زوللی چوکک" (ZAVALLI CHOCUK) (قابلِ رحم بچہ/شادی کے سماجی مسائل پر ہے۔ اس کا ڈرامہ "گل نہال" ۱۸۷۵ء عورت کے جذبہ انتقام کی کہانی ہے اور دوسرا ڈرامہ "کربلا" (۱۹۱۰ء) عورت کو سماج میں اس کا اصل مقام اور درجہ سے محروم رکھنے کا ماتم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تاریخی ناول بھی لکھے مثلاً "انتباہ" (INTIBAH) (علی بیگ کے کارنامے) اور جزمی (JEZMI) ۱۸۸۰ء اور ایک تاریخی ڈرامہ "جلال الدین خوارزم شاہ" ۱۸۸۵ء لکھا۔

کمال نے اسلام کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی روح کو

اپنے فکر و فن میں جذب کر لیا تھا۔

ماخذ: ــــ

۱۔ پروفیسر اکمل ایوبی۔ عکس جمیل (اردو)

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ اردو

ص۔ ۱۷۔ ۳۹۸۔ ۴۰۷

(علامہ محمد مبین) کیفی چریاکوٹی (۱۸۹۰-۱۹۵۶ء)

جولائی ۱۸۹۰ میں قصبہ ولید پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے ان کے والد مولوی محمد فاروق اپنے زمانے کے ایک نامور عالم تھے اور شبلی نعمانی کے استاد تھے۔ سولہ برس کی عمر میں اردو، فارسی، ہندی علوم ریاضیات اور علوم ادب و دینی تعلیم کی تکمیل کی انھوں نے عبرانی اور سریانی وغیرہ زبانیں بھی سیکھیں۔ ۱۹۱۲ میں رائے بریلی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ساتھ ہی فرانسیسی۔ المانوی اور لاطینی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہوکر صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ کئی اخباروں اور رسالوں کی ادارت کے فرائض سر انجام دیے۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں شمولیت کی۔ تھانہ چورا چوری ضلع گورکھپور کا مشہور واقعہ مولانا اور ان کے رفیقوں کی رہنمائی میں پیش آیا تھا ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۷ء تک ادبی، سیاسی اخباروں، رسالوں اور روزناموں میں کام کیا جن میں سے "سحبان" (گورکھپور) "زمانہ" (کلکتہ) "ترجمان" (الہ آباد) "خادم" "کلیم" اور ہفتہ وار "استقلال" (الہ آباد) قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے لیے "تذکرہ جواہر سخن" سات ضخیم جلدوں میں مرتب کیا جس میں اردو زبان کے شاعروں کے حالات اور کلام پر تبصرہ ہے اکیڈمی نے صرف چار جلدیں شائع کیں۔ ۱۹۲۸ء میں ایک ڈرامہ "النور والنار" عربی میں لکھ کر مصر بھیجا جس پر مصر والوں نے آپ کو "سحبان الہند" کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۳۳ء میں ایک اردو ڈرامہ "وفا کی دیوی" جس کا پلاٹ عربی سے لیا گیا تھا

"فلسفۂ سیاسیات اسلام" "ترجمۂ قانونِ مسعودی" اور "فلسفۂ عمرانیات" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ اردو غزلوں کا دیوان "کشف والہام" اور نظموں کا مجموعہ "جاہ وجلال" ۱۹۴۴ء میں مکمل ہو چکا تھا مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ ان کے چند انتخابات شائع ہوئے جن میں "پارہ ہائے جگر" اور "میکدۂ کیفی" بہت مشہور ہوئے۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء کو انتقال ہوا اور اٹاوہ میں دفن ہوئے۔

علامہ کیفی اقبال کے مداح تھے۔ اقبال کی وفات پر ایک دلگداز مرثیہ "طائرِ طوبیٰ" لکھا۔

چہک تو شاخ پہ طوبیٰ کی دل اگر چاہے
کہ اہل خلد کو بھائی ہے تیری طرزِ مقال

ماخذ
محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرینِ اقبال کی نظر میں۔ ص ۴۵۴۔۴۶۸

گرامی (متوفی ۱۹۲۷ء)

غلام قادر گرامی جالندھری، فارسی کے بڑے عالم اور مشہور شاعر، اقبال کے خاص دوستوں میں تھے۔ اقبال سے ان کے تعلقات ۱۹۰۲ سے تھے گرامی نے تعلیم ختم کرنے کے بعد امرتسر، کپورتھلہ، لدھیانہ وغیرہ میں بطور مدرس فارسی کام کیا۔ کچھ عرصہ محکمہ پولس میں بھی رہے چار سال تک لاہور میں نواب فتح علی خاں قزلباش کے معلم و اتالیق رہے۔ یہاں سے نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے چھوٹے بھائی میجر سید حسن بلگرامی کی وساطت سے میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نظام دکن کے دربار میں پہنچے اور "شاعر خاص" مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۷ء تک گرامی حیدرآباد میں رہے۔

گرامی کی شادی ہوشیارپور کے شیخ قمرالدین کی دختر اقبال بیگم سے ہوئی تھی، اور گرامی نے جالندھر کی سکونت ترک کر کے اپنی سسرال ہوشیارپور میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہیں ۲۷ مئی ۱۹۲۷ کو ان کا انتقال ہوا۔ اقبال اپنی فارسی زبان کی صحت اور معیار کے لیے گرامی کی رائے کو بہت وقعت دیتے تھے۔ ان کے نام اقبال کے نوے (۹۰) خطوط ملتے ہیں۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی ۔۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۱۸۶-۲۰۵

محمد عبداللہ قریشی ۔۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

س) گوٹسمین، اردا باکتے (۱۸۸۰ - ۱۹۴۸ء)

GOTTESMANN ERDABAKTAY (MARIE ANTONINATTE)

اقبال کے دوست سردار امراؤ سنگھ پنجاب کے ایک بڑے جاگیردار تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سر سندر سنگھ مجیٹھیا مشہور سیاست داں گزرے ہیں۔ بیوی کے مرنے کے بعد امراؤ سنگھ لندن چلے گئے۔ (ان پر علاحدہ نوٹ ملاحظہ ہو) وہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کی دو شہزادیوں۔۔ شہزادی صوفیہ (SOPHIA) اور شہزادی بمبا (BAMBA) سے شناسائی ہو گئی۔ اور شہزادی بمبا بڑی حد تک ان کی پُرکشش شخصیت کی جانب کھچنے لگی۔

اس زمانے میں ہنگری کی ایک لڑکی گوٹسمین اردا باکتے (GOTTESMANN ERDABAKTAY) (یہ میری این تواے نت کے نام سے بھی جانی جاتی ہے) لندن میں اپنی ہم وطن سہیلی کے ہاں قیام پذیر تھی۔ اس کی سہیلی کو جلد یہ شبہ ہونے لگا کہ گوٹسمین اس کے انگریز شوہر پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ چنانچہ گوٹسمین اپنی ایک چینی سہیلی کے ہاں منتقل ہو گئی۔ وہاں اس نے مقامی اخباروں میں یہ اشتہار دیکھا کہ شہزادی بمبا کو موسیقی سکھانے والی کی ضرورت ہے۔ جو پڑھی لکھی اور تہذیب یافتہ ہو۔ چنانچہ گوٹسمین نے درخواست دی اور منتخب ہو گئی۔

اس کے بعد گوٹسمین شہزادی بمبا کے ساتھ ہندوستان آئی۔ جب امراؤ سنگھ نے اس کو شہزادی کی صحبت میں دیکھا تو وہ اس پر فریفتہ ہو گئے اور ۹ر فروری ۱۹۱۲ء کو لاہور میں دونوں کی شادی ہو گئی۔

اقبال کا بھی شہزادی بمبا کے ہاں آنا جانا تھا اور ایسے ہی کسی موقع پر ۱۹۱۱ء میں گوٹسمین نے ایک گلدستہ اقبال کو پیش کیا تھا۔ اقبال نے اپنی نظم "پھول کا تحفہ عطا ہونے پر" (یہ نظم "بانگ درا" میں شامل ہے)۔ اس کی نہایت دیدہ زیب آٹوگراف بک (AUTOGRAPH BOOK) میں اپنے ہاتھ سے رقم کی ہے۔ ہم نے اس کا عکس امراؤ سنگھ کے داماد جناب کے۔ وی۔ کے۔ سندرم (آئی۔ سی۔ ایس۔ ریٹائرڈ)

سے حاصل کیا ہے۔ (K V K SUNDARAM, ICS (Retired) سابق چیف الیکشن کمشنر سرکار ہند کی عنایت سے حاصل کیا ہے۔ امراؤ سنگھ کی اس شادی سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک امریتا شیر گل (AMIRITA SHER-GILL) (۱۹۱۳ء۔ ۱۹۴۱ء) مشہور مصوّرہ گزری ہے اور دوسری اندرا کی شادی سندرم صاحب سے ہوئی تھی۔

ماخذ:

۱۔ ن۔ اقبال سنگھ۔ امریتا شیر گل۔ سوانح حیات

ص ۳، ۵ اور ۱۸۲

۲۔ ارزاد عنایت جناب کے۔ وی۔ کے سندرم،

آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ)

۳۱۵۔ شانتی نکیتن۔ نئی دہلی۔

گوئٹے (JOHANN WOLFGANG VON (GOETHE)

(۱۷۴۹ء۔۱۸۳۲ء)

عظیم ترین جرمن نقاد شاعر، ادب عالم کی ایک قدآور ہستی، یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی ہمہ جہت اور عظیم شخصیت صحافی، مصوّر، ماہر تعلیم فلسفی اور سیاست دان ۲۸/ اگست ۱۷۴۹ء کو فرینکفرٹ (FRENKFURT میں پیدا ہوا۔ ۱۷۶۵ء میں لائپ زگ (LEIPZIG) یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے گیا لیکن شدید علالت کی وجہ سے ۱۷۶۸ء میں گھر واپس آگیا۔ صحت یاب ہونے پر اس نے اپنی قانون کی تعلیم سٹریس برگ (STRASBOURG) میں جاری رکھی۔ نومبر ۱۷۷۵ء میں وہ وائمر (WEIMAR) میں بس گیا۔ اور وہیں ۲۲/ مارچ ۱۸۳۲ء کو انتقال ہوا۔ وہیں مدفون ہے۔ جس کا اشارہ اقبال کے اس شعر میں ہے جس پر ان کی نظم غالب کا اختتام ہوتا ہے۔

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

"پیام مشرق" کے اس شعر میں بھی یہ اشارہ موجود ہے۔

صبا بہ گلشن ویمر پیام ما برسان
کہ چشم نکتہ وران خاک آن دیار افروخت

(اے صبا! گلشن ویمر میں ہمارا پیام پہنچا دے جس شہر کی خاک نے نکتہ وروں کی آنکھیں روشن کی ہیں۔) اس کی مشہور تصنیف۔

DIE LEIDENDESS JUNGEN WERTHER (THE SORSOWS OF WORTHER)

۱۷۷۴ء میں شائع ہوئی تو بہت مقبول ہوئی۔ دوسرا مشہور ناول۔ WILHELM

(WILHELM MEISTER'S YEARS OF APPRENTICESHIP) MEISTER LEHRJAHRE

ہے اس کی سب سے مشہور تصنیف فاؤسٹ (FAUST) کا حصہ اول، ۱۸۰۸ء میں اور حصہ دوم ۱۸۳۲ء میں شائع ہوا۔ اقبال نے فاوسٹ کے

متعلق لکھا ہے۔

"اس ڈرامے میں شاعر نے حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آ سکتا

اقبال کو" فاؤسٹ" سے گہری دلچسپی تھی چنانچہ ڈاکٹر عابد حسین نے "فاؤسٹ" کے پہلے حصہ کا ترجمہ شائع کیا تو اقبال نے خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر صاحب کتاب کے دوسرے حصے کا ترجمہ بھی کریں۔

"پیام مشرق" میں" جلال و گوئٹے" کے عنوان سے جو نظم ہے اس میں اقبال نے رومی اور گوئٹے دونوں کی حقیقت بینی اور روحانی عظمت کا اعتراف کیا ہے ان دونوں کے متعلق اقبال نے کہا ہے ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب!

(پیغمبر نہیں ہے مگر (الہامی) کتاب رکھتا ہے)

۱۸۱۹ء میں گوئٹے کا WEST-OSTLICHER DIVAN

(DIVAN OF WEST AND EAST)

شائع ہوا۔ گوئٹے پر اسلام خصوصاً فارسی شاعری کا گہرا اثر تھا۔ جس کا مظہر اس کی لاجواب نظموں کا یہ مجموعہ ہے۔ اس میں مغرب اور مشرق کے فکری امتزاج کی ایک غیر معمولی کوشش ملتی ہے۔ اقبال نے اس کے جواب میں" پیام مشرق" لکھی تھی۔ گوئٹے کی نظم" نغمۂ محمد" جو اس نے اپنی جوانی کے زمانے میں لکھی تھی۔ رسول اکرم کی ذات سے محبت اور عقیدت کا ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہے۔ جس کی نظیر اردو، فارسی اور عربی کے نعتیہ کلام میں بھی مشکل سے ملے گی۔ اقبال نے اس نظم کا فارسی میں آزاد ترجمہ کیا ہے جو" جوئے آب" کے عنوان سے پیام مشرق" میں شامل ہے۔ اقبال کی تصانیف میں گوئٹے کا ذکر اکثر آتا ہے

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا ج ۱۰ ص ۵۲۲ - ۵۲۹
طاہر تونسوی اقبال اور مشاہیر
جگن ناتھ آزاد۔ اقبال اور مغربی مفکرین۔

لاٹسا HARMAN LOTZE (۱۸۱۷-۱۸۸۱)

اس نے لائپ زگ میں (LEIHZIG) میں طب اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۸۳۹ء میں وہیں یونیورسٹی میں فلسفہ اور طب پڑھانے لگا۔ ۱۸۴۴ء میں گوٹن جن (GOTTINGEN) یونیورسٹی میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ یہاں ۱۸۸۱ء تک رہا۔ پھر برلن چلا گیا۔

اس کی مشہور تصانیف میں METAPHYSIK (۱۸۴۱) LOGIK (۱۸۴۳) MICROCOSUMS (۱۸۵۶ــــ۱۸۶۴ء) LOGIK SYSTEM DER PHILOSPHY. (۱۸۷۴) اور METAPHYSIK (۱۸۷۹) شامل ہیں۔

ہیگل کے فلسفہ کے زوال کے بعد سائنس اور مادیت پرستی کا دور دورہ ہوا۔ اور عارضی طور پر فلسفہ کی اہمیت کم ہو گئی۔ اس زمانہ میں جرمنی میں بہت سے حکمار پیدا ہوئے۔ جن کی کاوش و کوشش سے فلسفہ کو اس کا مقام دوبارہ حاصل ہوا۔ ان میں ممتاز فلسفی لاٹسا تھا۔ اس نے اپنے نظامِ فکر سے فلسفہ کا احیا کیا۔ اس نے نظریہ وحدت وکثرت میں تطبیق کی کوشش کی۔ اقبال نے اپنے مکتوب ۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کے بارے میں لکھا ہے "حال کے حکمار میں جرمنی کا مشہور فلسفی لاٹسا بالکل دوئی عز اِلٰی یعنی خدا کے سمیع و بصیر ہونے کا بھی قائل ہے اور ساتھ اس کے اس بات کا بھی قائل ہے کہ وہ ہستی ہر شے کی عین ہے۔ میرے نزدیک منطقی اعتبار سے کوئی آدمی ایک ہی وقت میں ان دو متناقضوں کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے اس کا فلسفہ یورپ میں مقبول نہ ہوا۔ گو اس کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ وحدت الشہود اور وحدت الوجود دونوں طرف میلان رکھنے والی طبائع کے لیے موزوں تھا۔"

ماخذ:

فرینک تھیلی۔ فلسفہ کی تاریخ

(لیجر ووڈ)، پروفیسر شعبہ فلسفہ۔ پرنسٹن یونیورسٹی میں

کلیاتِ مکاتیب اقبال۔۱

ترمیم واضافہ کے بعد

FRANK THILLY: A HISTORY OF PHILOSPHY

REVISED BY LEDGPRWOOD PROFESSOR OF PHILOSOPHY

PRINSTON UNIVERSITY.

PUBLISHED BY CENTRAL BOOK DEPOT ALLAHABAD 1978

لانگ فیلو (ہنری واڈز ورتھ) ۱۸۰۷-۱۸۸۲ء

(H W LONGFELLOW)

انیسوی صدی کا مشہور و مقبول امریکی شاعر ۲۷ فروری ۱۸۰۷ء کو پورٹ لینڈ میں پیدا ہوا ۱۸۲۵ء میں باؤڈوئن (BOWDOIN) کالج سے گریجویٹ ہوا زمانہ طالب علمی میں ہی اس کی نظمیں رسالوں میں چھپنے لگی تھیں یورپ جاکر اس نے فرانسیسی، ہسپانوی اور اطالوی زبانیں بھی سیکھیں۔ ۱۸۲۹ء میں امریکا واپس آیا اور باؤڈوئن کالج میں پروفیسر اور لائبریرین ہو گیا یہاں اس نے بہت سے ادبی شاہکاروں کے تراجم کیے۔ فرانسیسی، ہسپانوی اور اطالوی ادب پر مضامین لکھے۔ اسے ہارورڈ (HARVARD) یونیورسٹی میں پروفیسرشپ مل گئی اور ۱۸۳۵ء میں وہ جرمنی کے سفر پر روانہ ہوا بیوی کی موت سے دل گرفتہ ہوکر اس نے سیاحت کا سلسلہ منقطع کر دیا اور ہائیڈل برگ (HEIDELBERG) (جرمنی) ہی میں قیام کر لیا ۱۸۳۶ء میں وہ پھر امریکا آیا۔ ۱۸۳۹ء میں اس کی کتاب "رات کی آوازیں" (VOICES OF THE NIGHT) شائع ہوئی۔ اسی سال ایک رومانی ناول (HYPERION) بھی چھپا۔ ۱۸ سال تک وہ ہارورڈ کے "ماڈرن لینگوئج پروگرام" (MODERN LANGUAGE PROGRAM) کا چیئرمین رہا۔ ۱۸۴۱ء میں اس کی کتاب "BALLADS AND OTHER POEMS" آئی اور بہت مقبول ہوئی ایک اور مقبول کتاب (SONG OF HIAWATHA) ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی۔ آکسفرڈ اور کیمبرج نے اسے اعزازی ڈگریاں دیں۔ ۲۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو لانگ فیلو کا انتقال ہوا

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا ۱۴، ۲۹۷-۲۹۸

لطف علی بیگ آذر (۱۱۳۴ھ۔ ۱۱۹۵ھ)

علی بیگ آذر ۱۱۳۴ھ میں بمقام اصفہان میں پیدا ہوا۔ قم میں تعلیم حاصل کی۔ اور یہاں چودہ سال تک مقیم رہنے کے بعد شیرازہ اور مکہ کا سفر کیا۔ نادرشاہ کا ہم عصر تھا۔ اور جب نادرشاہ کی فوجیں ہندوستان سے لوٹیں تو ان کے ساتھ مازندران گیا۔ وہاں سے پھر اصفہان آیا۔ نادرشاہ کے قتل کے بعد اس کے جانشینوں کے دربار سے متعلق رہا۔ آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

اوائل زمانے میں آذر نے اپنے فطری رجحان کی بنا پر شعر کہے۔ متقدمین کی طرز کی پیروی کی اور اپنے ہم عصر شاعروں میں خاص کر سید علی مشتاق اصفہانی کے سبک کی اتباع کی۔ آذر کے اشعار پاکیزہ اور آبدار ہیں۔ غزلوں کے سوا آذر نے یوسف زلیخا کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔

آذر نے تذکرہ "آتش کدہ" کو چالیس سال کی عمر میں ۱۱۷۴ھ میں مرتب کیا۔ اس میں ہندوستان اور ایران کے فارسی شاعروں (بارہویں صدی ہجری تک) کا تذکرہ ہے۔ شاعروں کی تقسیم مدت کے اعتبار سے ہے۔ اور آٹھ سو چالیس شاعروں کا حال لکھا ہے۔ شاعروں کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے اور آخر میں اپنے سوانح حیات بھی درج کیے ہیں۔ ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔

ماخذ:

۱۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱

۲۔ راہری خاطری فرہنگ ادبیات فارسی

لمعہ (ڈاکٹر محمد عباس علی خاں حیدرآبادی) (متوفی ۱۹۳۰ء)

لمعہ اپنی زندگی کے ابتدائی چار سال جعفرآباد میں گزار کر حیدرآباد لائے گئے۔ سٹی ہائی اسکول سے انٹرنس پاس کر کے ۱۹۲۰ء میں کالج آف فزیشنز اند سرجنز ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ کے ڈپلومے کے لیے میڈیکل کالج بمبئی میں داخل ہوئے اور پانچ سال تک وہاں رہے۔ بمبئی کی رومان پرور فضا میں ان کی شاعری نے آنکھ کھولی مگر ان کی طبیعت شہرت سے نفور تھی۔ فارسی اور انگریزی میں بھی طبع آزمائی کی۔ موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔

لمعہ کو علامہ اقبال سے خاص عقیدت تھی وہ علامہ کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے اور ان کا کلام ہمیشہ مقدس آسمانی کتاب کی طرح باوضو پڑھتے تھے۔ علامہ کی کوئی نہ کوئی کتاب ہر وقت ان کے سرہانے دھری رہتی تھی۔ اقبال نے بھی اس کی خوب حوصلہ افزائی کی اپنے مفید مشوروں سے انھیں نوازا۔ بعض اشعار پر اصلاح دی۔ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں ان کے نام اقبال کے ۲۵ خط موجود ہیں جو ۱ اپریل ۱۹۲۹ء سے ۲۱۔ اگست ۱۹۳۰ کے درمیانی عرصہ کے ہیں (اقبال نامہ ج ۱ ۲۶۳ - ۲۹۰) ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے لمعہ کے نام "خطوط اقبال" کی اصلیت پر شبہ کا اظہار کیا ہے (اقبال کا فکر و فن۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر ص ۱۱۰) مولف اقبال نامہ نے اصل خطوط نہیں دیکھے۔ نقول خود لمعہ نے شیخ عطاء اللہ کو بھیجی تھیں۔ حیدرآباد میں بھی لمعہ کو زیادہ شہرت حاصل نہیں تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لمعہ کی مراسلت ٹیگور سے بھی تھی اور ان کی تحریک سے ہی ٹیگور نے اپنے سفر لاہور میں علامہ اقبال سے ملاقات کی کوشش کی لیکن علامہ لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی ۔ معاصرین اقبال کی نظر میں

نظر حیدر آبادی ۔ اقبال اور حیدر آباد

مرتبہ ڈاکٹر زور مرقع سخن جلد دوم،

نیرنگ خیال (لاہور) جون ۔ جولائی ۱۹۴۵

مازنی گائی سیپ (MAZZINI GIUSEPPE)
(۱۸۰۵–۱۸۷۲ء)

گائی سیپ مازنی ۲۲ جون ۱۸۰۵ء میں جینوا (GENOA) میں پیدا ہوا۔ ۱۸۲۷ء میں قانون کے امتحان میں کامیابی کے بعد "غریبوں کے وکیل" کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ وطن پرستی کے جذبے کے تحت یہ ایک خفیہ تحریک (CARBONARI) میں شامل ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں گرفتار ہوا اور ۱۸۳۱ء میں رہائی کے بعد وہ مارسیلز (فرانس) چلا گیا۔ جہاں اطالوی پناہ گزینوں نے اسے اپنا رہنما منتخب کیا۔ وہاں دو سال گزارنے کے بعد ایک تحریک "جوانان اطالیہ" (GIOVINE ITALIA YOUNG ITALY) کے نام سے چلائی اس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف اطالوی صوبوں کو غیر ملکی حکومتوں سے آزاد کر کے پورے ملک میں ایک متحد اور آزاد جمہوری حکومت قائم کی جائے۔ طریقۂ کار بغاوت تھا۔ مازنی نے ایک رسالہ بھی اسی نام سے نکالا نوجوانوں کی بغاوت کی پہلی کوشش ناکام رہی مازنی پر اس کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلایا گیا اور موت کی سزا دی گئی۔ چند ماہ بعد وہ سوئزرلینڈ فرار ہو گیا۔ جہاں سے اٹلی کے ایک خطے کو آزاد کرانے کی کوشش میں ناکام ہوا۔ ان ناکامیوں نے اس کی تحریک کا خاتمہ کر دیا۔ اب اس نے یورپ کے نوجوانوں کو منظم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۸۳۷ء میں وہ لندن چلا گیا۔ یہاں اس نے اطالوی بچوں کے لیے ایک سکول قائم کیا اور ایک اخبار بھی نکالا۔ ۱۸۴۰ء میں YOUNG ITALY تحریک میں نئی روح پھونکی۔

۱۸۴۷ء میں پوپ کے نام ایک "کھلا خط" لکھا جس میں اس سے اٹلی کو متحد کرنے کی اپیل کی۔ ۱۸۴۸ء میں مازنی پہلی بار اٹلی واپس آیا۔ جب ملان (MILAN) آسٹریلیا کے قبضے سے آزاد ہوا۔ یہاں اس کا شاندار استقبال ہوا۔ لیکن جلد ہی آزاد خطوں کی نئی تشکیل سے بیزارگی کی بنا پر مقبولیت کھو بیٹھا۔

۱۸۴۹ء میں پھر اٹلی واپس آیا۔ جب عوام نے پوپ کو روما سے نکال باہر کیا۔ اور ایک جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان ہوا۔ اس کا یہ خواب کہ روما میں عوامی حکومت

ہو گئی اب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اس کو ایک عظیم محب وطن کی حیثیت سے جمہوری حکومت میں منتخب کیا گیا اور آخر کار حکومت کا سربراہ مقرر ہوا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت مذہبی اور سماجی اصلاحات کو بروئے کار لا کر دیا۔ مگر اس کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ پوپ نے کیتھولک ملکوں کی امداد سے اٹلی پر پھر قبضہ کر لیا اور عوامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور مازنی پھر لندن واپس آیا۔ ۱۸۵۱ء میں ایک نئی تنظیم "محبان اطالیہ" (FRIENDS OF ITALY) قائم کی۔ پھر نئی انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ ۱۸۵۷ء میں خفیہ طور پر جینو GENO جا کر بغاوت کے شعلے بڑھکائے۔ مگر ناکام رہا۔ ۱۸۵۸ء میں پھر لندن واپس چلا آیا۔ اور یہاں سے ایک رسالہ "فکر و عمل" جاری کیا۔

۱۸۷۰ء میں جمہوری بغاوت کی ناعاقبت اندیشانہ رہنمائی کی بنا پر گرفتار ہوا۔ اب مازنی کی زندگی حزن و یاس میں گزرنے لگی۔ اٹلی میں بادشاہت قائم ہو گئی حسنہ یہ جمہوری حاکمیت کا داعی تھا۔

آخری سالوں میں لگانو (LUGANO) سے ایک اور اخبار "عوام کا روما" نکالا۔ اور اطالوی مزدوروں کو منظم کیا۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو پائیسا (PISA) کے مقام پر انتقال کیا۔ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے ماڈرن اٹلی کی تشکیل میں ایک ناقابلِ فراموش رول ادا کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک اس کا صحیح دائرۂ عمل ادب تھا نہ کہ سیاست۔

ماخذ

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۱۱۔ ص۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸
ایڈیشن ۱۹۸۲
۲۔ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال، ص۔ ۲۰۱

ماسینیوں لوئی LOUIS MASSIGNON

(۱۸۸۳ - ۱۹۶۲ء)

لوئی ماسینیوں ۲۵ جولائی ۱۸۸۳ء میں پیرس کی قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں عربی زبان میں ڈپلوما حاصل کرنے کی بعد قاہرہ میں ملازمت اختیار کی اسی دوران اسے حلاج کی کتاب "الطواسین" دیکھنے کا اتفاق ہوا ۱۹۱۳ء میں اس نے اس کو مفید حواشی اور مقدمے کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا۔ ماسینیوں نے روزبہان بقلی متوفی ۶۰۶ھ کے فارسی ترجمے سے بھی استفادہ کیا اس کی تحقیقات کی بنیاد "الطواسین" کے اس قلمی نسخے پر ہے جو اسے استنبول سے ملا تھا۔

۱۹۱۹ء میں وہ پیرس گیا۔ جہاں وہ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا۔ پیرس میں اس نے حلاج کے متعلق اپنی تحقیقات کا دائرہ مزید بڑھا لیا۔ اس کی تحقیقات ۱۹۲۲ء میں دو جلدوں میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کو اس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے بھی پیش کیا۔

اقبال کو ماسینیوں کی تحقیقات سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ چنانچہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان جاتے ہوئے اقبال نے پیرس میں اس سے ملاقات کی تھی۔ میسنیوں ۱۹۵۳ء میں ہندوستان بھی آیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں اس کا پیرس میں انتقال ہوا

ماخذ :

اقبال۔ تاریخ تصوف، مرتبہ صابر کلوروی

ص ۵۷ - ۵۸

(حضرت) مجدد الف ثانی (۱۵۶۳ء۔۱۶۲۴ء)

شیخ احمد سرہندی جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں سرہند (ضلع پٹیالہ پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد سے پائی۔ پھر سیالکوٹ جا کر مولانا کمال کشمیری سے استفادہ کیا۔ جو حدیث میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔ آگرہ آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہیں ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات ہوئی۔ ۱۵۹۸ء میں اکبر کے دربار میں امیر شیخ سلطان تھانیسری کی دختر سے نکاح ہوا۔

راہ سلوک میں پہلے اپنے والد سے خرقۂ خلافت پایا۔ جو چشتیہ اور قادریہ دونوں سلسلوں سے وابستہ تھے۔ پھر نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی سے بیعت کی اور ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو ان کی ذات سے بہت فروغ حاصل ہوا۔

دہلی سے سرہند واپس گئے اور اپنے والد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے۔ عہد اکبری میں احیائے سنت اور تجدید عقائد اسلامی کے سلسلے میں ان کی کوششیں بے مثال ہیں۔ اکبر کے دین الٰہی کے فتنے کا مقابلہ کر کے شریعت محمدی کا دفاع کیا۔

ان سے کچھ بدظن ہو کر جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا تھا۔ ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ بعد کو جہانگیر بھی ان کا معتقد ہو گیا تھا۔ پھر وہ سرہند میں خلوت گزیں ہو گئے۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو انتقال ہوا۔

اس زمانہ میں علمار اور صوفیہ میں وحدت الوجود کے مسئلہ پر بڑا اختلاف تھا۔ صوفیہ عموماً وحدت الوجود کے قائل تھے لیکن بعض علمار اس کو کفر و زندقہ گردانتے تھے۔ حضرت احمد سرہندی نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوششیں کیں۔ حضرت مجدد الف ثانی خود نظریہ وحدت الشہود کے مبلغ تھے جس کا گہرا اثر اقبال پر بھی پڑا ہے۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ مثلاً رسالہ مبدا و معاد، معارف الدنیہ، رسالہ تہلیلیہ، تعلیقات عوارف، رباعیات حضرت باقی باللہ وغیرہ۔ آپ نے اپنے زمانے کے امراء، اکابر اور علماء کو خطوط لکھ کر دعوت و تبلیغ کا گرانقدر کام انجام دیا۔ آپ کے مکتوبات تین جلدوں میں فراہم کیے گئے ہیں۔

حالات و ملفوظات میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ محمد ہاشم کشمی۔ زبدۃ المقامات (تالیف ۱۰۳۷ھ)
بدرالدین سرہندی۔ حضرات القدس
محمد امین نقشبندی۔ مقامات احمدیہ۔ محمد رؤف احمد جواہر علوی۔
محمد احسان۔ روضۃ القیومیہ۔ احمد ابوالخیر مکی۔ ہدیہ احمدیہ
نسیم احمد فریدی۔ تجلیات امام ربانی مجدد الف ثانی
ابوالحسن زید فاروقی۔ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین
برہان احمد فاروقی۔ حضرت مجدد کا نظریۂ توحید

ماخذ

۱۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت و عزیمت
حصہ چہارم۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ، طبع اول ۱۹۸۰ء
۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ بزم تیموریہ حصہ دوم
معارف۔ اعظم گڑھ، ۱۹۸۰ء

(علامہ) مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ/۱۷۰۰ یا ۱۶۹۹ء)

محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی صفوی زمانے کے بڑے علما میں سے تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں "بحار الانوار"، "حیات القلوب"، "مشکوٰۃ الانوار"، "حلیۃ المتقین" وغیرہ ہیں۔ "مجالس المومنین" آپ کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ قاضی نور اللہ شوشتری کی مشہور کتاب ہے۔ اس پر علاحدہ نوٹ ملاحظہ ہو۔

علامہ مجلسی کی وفات ۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ یا ۱۷۰۰ء میں ہوئی

مآخذ:

اردو میں ادبیات فارسی ص ۲۴۳ - ۲۴۴

ڈاکٹر رضا زادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران ص ۵۵۴ - ۵

میر محبوب علی خاں (۱۸۶۶۔۱۹۱۱ء)

آصف جاہی خاندان کے چھٹے نظام اور والیٔ ریاست حیدر آباد ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر میں ۱۹۱۱ء میں انتقال کر گئے۔
ان کے عہد میں ریاست میں انگریزی تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ فارسی کی جگہ اردو سرکاری زبان قرار دی گئی۔ میر محبوب علی خاں علم و ادب کے مربی تھے۔ شاعروں کے قدر دان تھے اور خود بھی شعر کہتے تھے ان کے زمانے میں ملک کے کونے کونے سے ممتاز شعرا علما فضلا وہاں کھنچ کر حیدر آباد آ گئے جہاں دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔

ماخذ
آغا مرزا دہلوی۔ کارنامہ سروری

(تلوک چند) محروم ۱۸۸۷-۱۹۶۶ء)

ترلوک چند محروم یکم جولائی ۱۸۸۷ء میں موضع نور زمان شاہ تحصیل عیسیٰ خیل (اب پاکستان کا علاقہ ہے) میں پیدا ہوئے۔ چھ یا سات برس کی عمر میں ورنیکلر فائنل مڈل اسکول عیسیٰ خیل میں داخلہ لیا۔

۱۹۰۷ء میں میٹریکولیشن کا امتحان وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی اسکول، بنوں سے پاس کیا۔ اور سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ٹریننگ سے فارغ ہوتے ہی انھیں مشن ہائی اسکول، ڈیرہ اسماعیل خاں میں ملازمت مل گئی۔

اوائل عمر ہی سے شعر کہنے لگے۔ پانچویں درجہ میں تھے کہ ۱۹۰۱ء میں ملکہ وکٹوریہ کا مرثیہ کہا۔ دسویں درجہ تک پہنچتے پہنچتے اعلیٰ پایہ کی نظمیں کہنے لگے۔ جو "زمانہ" کانپور اور "مخزن" لاہور جیسے مشہور ادبی جرائد میں شائع ہونے لگیں۔

تلوک چند محروم نے جب ہوش سنبھالا تو اقبال نہ صرف شاعری شروع کر چکے تھے بلکہ مقبولیت بھی حاصل کر چکے تھے۔ محروم سے ان کی پہلی ملاقات ۱۹۱۳ء میں ہوئی۔ خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جب اقبال یورپ سے ہندوستان آئے تو محروم نے اپنی نظم میں یہ کہہ کر ان کا استقبال کیا ؎

آنا ترا مبارک یورپ سے آنے والے
احباب منتظر کو صورت دکھانے والے

بعد میں جب یہ نظم "مخزن" میں شائع ہوئی اور اقبال کی نظر سے گزری تو انھوں نے ۴ر جنوری ۱۹۰۹ء کو محروم کو خط لکھ کر اس نظم پر مبارک باد دی اور مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار فرمایا۔

۱۹۱۵ء میں محروم کا پہلا مجموعہ "کلامِ محروم" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے مجموعے "مہر شی درشن"، "رباعیاتِ محروم"، "کلامِ نیرنگ معانی"، "شعلۂ نوا" ہیں۔ "بہارِ طفلی" اور "بچوں کی دنیا" بچوں کے لیے نظموں کے مجموعے ہیں۔ محروم نے

قومی اور ملکی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ "کاروانِ وطن" ایسی نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ غیر مرتب کلام ہے۔ جو ان کے صاحبزادے جناب جگن ناتھ صاحب مرتب کر رہے ہیں۔

تقسیمِ وطن کے بعد مستقل طور پر دلّی آ گئے اور ۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو انتقال کیا۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

جگن ناتھ آزاد: حیاتِ محروم، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن۔

(شیخ) محمد اکرام (۱۹۰۸ء۔۱۹۷۳ء)

چک جھرہ (ضلع لائل پور، پاکستان) میں ۱۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ دسویں درجے تک مشن ہائی اسکول، وزیر آباد میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں ایم۔ اے کی سند لی۔ اسی سال انڈین سول سروس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ ٹریننگ کے زمانے میں انگلستان میں جیسس کالج (JESNS COLLEGE) آکسفرڈ میں تعلیم پائی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو حکومت ہند کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۶ء تک سورت اور پونا میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ جب وزارت اطلاعات و نشریات کے ڈپٹی سکریٹری تھے تو ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور وہ پاکستان منتقل ہو گئے۔ وہاں بھی وہ زیادہ تر اسی وزارت سے وابستہ رہے۔ سکریٹری ہو کر سبکدوش ہو گئے اور اپنا وفات تک ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کے ڈائرکٹر رہے۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۷۳ء کو رحلت فرما گئے۔

شیخ محمد اکرام کا رُخ شروع سے علمی و تحقیقی تھا۔ ۱۹۳۶ء میں "غالب نامہ" کے نام سے غالب کی سوانح عمری لکھی جو غالب کی سیرت کے بارے میں پہلی کامیاب کوشش تھی۔ غالب کے فارسی کلام کو علاحدہ سے مرتب کرکے "ارمغانِ غالب" کے نام سے شائع کیا۔ بعد میں ایک اور سوانح اور نقدِ کلام "حیاتِ غالب" اور "حکیم فرزانہ" کے نام سے الگ الگ شائع کی۔ پھر اسی انداز سے مولانا شبلی کی سوانح حیات "شبلی نامہ" لکھی۔ جسے بعد میں اضافہ کے ساتھ "یادگارِ شبلی" کے عنوان سے شائع کیا۔ "آبِ کوثر"، "رودِ کوثر" اور "موجِ کوثر" کے نام سے مسلمانانِ ہند کی تمدنی، ثقافتی، علمی اور مذہبی تاریخ لکھی۔ ہند و پاک کے شعرا کا منتخب کلام "ارمغانِ پاک" کے نام سے شائع کیا۔ اے۔ ار۔ البیرونی کے فرضی نام سے انگریزی میں ایک کتاب MAKING OF PAKISTAN لکھی۔ انھوں

نے ایک ملازم سرکار کے بعد ایک عالم، ماہر مالیات، ادیب اور مورخ کا
نقش چھوڑا ہے۔

ماخذ

مالک رام۔ تذکرہ معاصرین

جلد دوم۔ ص۔ ۲۰ ۔ ۳

محمد دین فوق (۱۸۷۶ء۔۱۹۴۵ء)

محمد دین فوقؔ سیالکوٹ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں لاہور آکر "پیسہ اخبار" میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار "پنجۂ فولاد" جاری کیا جو ۱۹۰۶ء میں بند ہوگیا۔ اس کے بعد ماہنامہ "کشمیری میگزین" جاری کیا جو بعد میں ہفتہ وار اخبار "کشمیری" بن گیا ۱۹۱۴ میں رسالہ "طریقت" نکالا جو چھ سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۱۸ میں رسالہ "نظام" شروع کیا جو جلدی بند ہوگیا۔ ان کی بے شمار تصنیفات ... "یادِ رفتگاں" وجدانی نشتر، رہنمائے کشمیر، حریتِ اسلام "تذکرۂ شعرائے کشمیر" شبابِ کشمیر کا تذکرہ اقبال نے اپنے خطوط میں کیا ہے "تاریخ اقوام کشمیر" ان کی ایک اور مشہور تصنیف ہے۔

ماخذ

بشیر احمد ڈار۔ انوارِ اقبال

میاں سر شاہ نواز (ولادت ۱۸۷۵ء)

میاں سر شاہ نواز کا تعلق باغبان پورہ کے معروف میاں خانوادہ سے تھا۔ اس خاندان کے معروف سر براہ میاں نظام الدین تھے۔ ان کے بڑے بیٹے میاں ظہورالدین تھے۔ یہ وکیل تھے۔ انھوں نے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو اپنی وکالت کے لیے منتخب کیا۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے میاں شاہ نواز تھے۔ جو اکتوبر ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ میاں شاہ نواز نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کیا۔ اعلا تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں کرائسٹ کالج کیمبرج میں داخلہ لیا۔ جہاں ان کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی۔ یورپ جانے سے پہلے بھی ان دونوں میں کالج کے زمانۂ تدریس سے بڑے قریبی تعلقات تھے۔

میاں شاہ نواز نے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اور اپنے والد کے ساتھ کام کرنے ڈیرہ اسمٰعیل خاں چلے گئے۔ چند ماہ بعد آپ نے اپنی وکالت کا کاروبار ملتان منتقل کر دیا۔ اپریل ۱۹۱۱ء میں میاں شاہ نواز کی شادی میاں سر محمد شفیع کی بیٹی جہاں آرا سے ہوئی جو آگے چل کر اپنی تعلیمی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے برصغیر کی مشہور ترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔

میاں شاہ نواز نے انجمن حمایت اسلام کے رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ پنجاب کی سیاست میں بھی بڑے سرگرم رہے۔ متعدد بار پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ جوشیلے مقرر تھے۔ یہ اعلا پایہ کے بیرسٹر اور عربی و فارسی کے شائق اور تصوّف کی طرف مائل تھے۔ دیوان حافظ ان کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔

اقبال سے شاہ نواز کی دوستی کی داستان بڑی طویل ہے۔ انگلستان سے واپس آئے تو بار روم کی محفلوں، آئے دن کی ملاقاتوں، جلسوں اور محفلوں میں ایسا

یارانہ گھٹا کر ایک جان دو قالب کی سی صورت پیدا ہو گئی۔ شاہ نواز اور اقبال ایک دوسرے کے ہمدرد و جلیس تھے۔ دوستی ایسی کہ دوران علالت میں کبھی ایک دوسرے سے ملنے میں فرق نہیں آیا۔ اقبال علیل ہیں، اتنے علیل کہ بستر سے ہلنا مشکل ہے اور شاہ نواز کو فالج نے بے حس و حرکت کر رکھا ہے لیکن دوستی اور محبت کا یہ عالم ہے کہ ملازم انھیں گاڑی میں بٹھاتا، جاوید منزل لے جاتا، گاڑی اقبال کے پلنگ کے ساتھ لگا دی جاتی۔ اقبال بستر پر لیٹے لیٹے آگے بڑھتے، گھنٹوں باتیں کرتے اقبال کہتے اب تو ہمارا ملنا چکوے چکوی کا ملنا ہے شاہ نواز سخن فہم تھے۔ اور اقبال ان کی اصابت رائے کے قائل تھے۔ اقبال کہتے کہ شاہ نواز بہت بڑا آدمی ہے، بہت بڑا آدمی ہوتا۔ لیکن حالات راستے میں حائل ہو گئے اور یہ آگے نہ بڑھ سکے۔

ماخذ

بصد شکریہ۔ ڈاکٹر وحید عشرت،

معاون ناظم ادبیات، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

سید نذیر نیازی۔ دانائے راز (سوانح حیات حکیم الامت حضرت علامہ اقبال)

ص۔ ۱۹۵ ۔ ۱۹۶

رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال ص۔ ۱۳۰

(سر) محمد شفیع (۱۸۶۹ء — ۱۹۳۲ء)

میاں محمد شفیع ضلع لاہور میں باگھبان پورہ کے مشہور اور بڑے جاگیردارانہ خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۰ مارچ ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں سینٹرل ماڈل اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ پھر فورمین کرسچن کالج FORMAN CHRISTIAN COLLEGE میں منتقل ہو گئے۔ ۱۸۸۹ء میں بیرسٹری کے لیے انگلستان گئے۔

۱۸۹۰ء میں لندن میں انجمن اسلامیہ کے آنریری صدر منتخب ہوئے۔ جون ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد وطن لوٹے یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء سے ہوشیارپور میں وکالت شروع کی۔ یکم مئی ۱۸۹۵ء میں لاہور میں منتقل ہوئے اور وہاں پنجاب چیف کورٹ میں وکالت شروع کی۔

میاں محمد شفیع مسلمانوں کے تعلیمی امور میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ ہوشیارپور میں انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھی اور مسلم ہائی اسکول قائم کیا۔ ۱۸۹۵ء میں مسلمانوں کے انگریزی اخبار (OBSERVER) کی انتظامیہ کمیٹی کے رکن رہے۔ جب انڈین مسلم لیگ کی شاخ پنجاب میں قائم ہوئی تو یہ اس کے آنریری سکریٹری مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۱۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ جب انڈین نیشنل کانگریس دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو انھوں نے (MODERAT CONFERENCE) کی حمایت کی۔ اور لبرل پارٹی کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔

دسمبر ۱۹۱۱ء میں یہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل IMPERIAL LEGISLATIVE COUNCIL کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۲ء کے آخر میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن نامزد ہوئے۔ اور ۱۹۱۴ء میں دوسری بار امپیریل کونسل کے رکن نامزد کیے گئے۔ اور ۱۹۱۷ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر دوبارہ اس کے رکن نامزد ہوئے۔ اس طرح دس سال سے زائد مدت تک پنجاب یا امپیریل کونسل کے رکن رہے۔

جولائی ۱۹۱۹ء میں وائسرائے کی مجلسِ عاملہ (EXECUTIVE COUNCIL) کے ممبر

نامزد ہوئے۔ قانون ساز کی حیثیت سے ان کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے امپیریل کونسل میں (IMPERIAL COUNCIL) ہندوستان کی نمائندگی کی پرزور حمایت کی۔ اس کے سبب ہی ہندوستان کو کونسل آف امپائر (COUNCIL OF IMPERIAL) میں برابر کے شریک کار کی حیثیت سے جگہ دی گئی۔

ایگزیکٹو کاؤنسل میں تقرری سے قبل انھوں نے سر نیدر ناتھ سیزجی[1] کے ہم دوش ہوکر امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں اپیل کی تھی کہ وہ رولٹ بل (ROWLATT BILL) پاس نہ کرے۔

سر محمد شفیع نے تعلیمی معاملات میں انتہائی دلچسپی لی۔ جولائی ۱۹۱۱ء میں آل انڈیا اُردو کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ اُردو کی ترویج وفروغ کے زبردست مبلغ تھے۔ اور علی گڑھ تحریک کے پُرزور حامی تھے۔ ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوستانیوں کو پرائمری درجہ تک مفت تعلیم دینے کی سرکار سے پُرزور اپیل کی۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کے معاملات میں بھی سرگرمی سے برابر حصّہ لیتے رہے۔

۱۹۲۴ء میں عوامی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔ ۷/ جون ۱۹۳۲ء کو انتقال کیا۔

ماخذ

INDIAN MUSALMANS

---

[1] سر نیدر ناتھ بیرجی (۱۸۴۸ء۔ ۱۹۲۵ء) کے مشہور سیاستداں، محب وطن، مجاہدِ آزادی سودیشی تحریک کے زبردست حامی اور تقسیمِ بنگال کے سخت مخالف تھے۔

محمد شعیب قریشی (متوفی ۱۹۶۲ء)

علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔ لڑکپن ہی میں ماں باپ، بھائی بہن سب دو چار دن کے اندر وبائے ہیضہ کی نذر ہو گئے۔ اور یہ بے خانماں اور بالکل بے سہارہ رہ گئے۔ ہمّت کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا پھر آکسفرڈ یونیورسٹی میں بھی تعلیم پائی اور لندن سے بارایٹ لا ہوئے۔

سیاسی تحریکوں میں شریک ہوے۔ چودھری خلیق الزماں منہ بولے بھائی تھے اور مولانا محمد علی کے رفیقوں میں سے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں سلسلہ جنگ بلقان ڈاکٹر انصاری کے طبیّ مشن میں شریک ہو کر ترکی گئے۔

انھوں نے میدانِ صحافت میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ لندن میں بیرسٹری کی تعلیم کے دوران "مسلم آوٹ لک" (MUSLIM OUTLOOK) کی ادارت میں شریک رہے۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی ہفتہ وار "نیو ایرا" (NEW YEAR) کے ایڈیٹر مقرّر ہوئے۔ احمد آباد میں گاندھی جی کی غیر موجودگی میں ان کے شہرۂ آفاق ہفتہ وار ینگ انڈیا (YOUNG INDIA) کو بھی چلاتے رہے۔

جیل بھی گئے اور مدّت تک خلافت کمیٹی کے سکریٹری رہے۔ ۱۹۲۴ء میں جب مشہور وفد خلافت حجاز گیا تو اس کے بھی سکریٹری تھے اور جب دوسرا وفد مولانا ظفر علی خاں کی قیادت میں گیا تو اس میں بھی شامل تھے۔

کانگریس میں بھی بہت مقبول تھے۔ اور جواہر لال نہرو کے دوستوں میں سے تھے۔ جب نہرو رپورٹ شائع ہوئی تو اس سے اختلاف کی وجہ سے کانگریس سے علاحدہ ہو گئے۔

بعد میں نواب حمید اللہ خاں صاحب والی بھوپال کے پرائیویٹ سکریٹری مقرّر ہوئے۔ پھر ریاست بھوپال میں وزیر اور مشیر المہام روبکاری خاص کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔

۲۶ر مئی ۱۹۳۰ء کو مولانا محمد علی کی چھوٹی صاحبزادی گلنار بی سے شادی ہوئی۔
پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مرکزی وزارت میں لیے گئے۔
بعد ازاں عراق میں سفیر اور ہندوستان میں ہائی کمشنر بھی رہے۔
جب عہدہ و منصب سے علاحدہ ہوئے تو زندگی کا آخری حصّہ گمنامی اور گوشہ نشینی میں بسر کیا۔ ۲۵ر فروری ۱۹۶۲ء کو انتقال کیا۔
اقبال سے بہت اچھے مراسم تھے۔ اقبال جب کبھی بھوپال جاتے تو استقبال اور پذیرائی میں شعیب قریشی پیش پیش رہتے۔

ماخذ:-

۱۔ حکیم عبدالقوی دریابادی: وفیات ماجدی ص ۱۵۱ ــ ۱۶۱

۲۔ عبدالماجد دریابادی۔ محمد علی۔ ذاتی ڈائری کے چند اوراق جلد دوم
ص ۱۱۱ ــ ۱۱۴ ، ۱۳۴ ــ ۱۳۵

۳۔ صہبا لکھنوی: اقبال اور بھوپال

۴۔ رفیع الدین ہاشمی: خطوطِ اقبال، ص ۲۳۶

(مولوی) محمد عزیز مرزا (۱۸۶۵ء-۱۹۱۲ء)

محمد عزیز مرزا یکم مئی ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ایم۔اے او کالج میں داخلہ لیا۔ وہاں ۱۸۸۸ء میں طلبا کی ہڑتال میں نمایاں حصّہ لیا اور سرسید احمد خاں کے خلاف مضامین لکھے۔ لیکن امتحان میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی اور ۸۸-۱۸۸۷ء میں بی۔اے پاس کیا۔ اس کے بعد ریاست حیدرآباد میں ملازمت مل گئی۔ اگست ۱۸۸۸ء میں سرسید احمد کے نام معافی نامہ شائع کرایا۔

حیدرآباد اسٹیٹ سروس میں ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے معتمد داخلہ (ہوم سکریٹری) کے عہدہ پر پہنچے۔ اس کے بعد حیدرآباد ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ اور علی گڑھ میں آکر بس گئے۔ ایم۔اے۔او کالج کے ٹرسٹی اور سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے۔

جنوری ۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ دسمبر ۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے چوتھے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی کہ ہندوستانی مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں جائز حصّہ دیا جائے۔

مولوی محمد عزیز مرزا اُردو کے ممتاز ادیب بھی تھے۔ اردو صحافت کے سخت نقّاد تھے اور ایک بار لکھا کہ ہمارے بہترین اخبارات کا دوسری زبانوں کے بدترین اخبارات سے بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

انھیں سکّے جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ NUNISNATIE SOCIETY OF INDIA کے رکن بھی رہے۔

۲۶ر فروری ۱۹۱۲ء کو انتقال کیا۔

ماخذ —

(مولانا) محمد علی (۱۸۷۸ء۔۱۹۳۱ء)

محمد علی مرادآباد میں پیدا ہوئے اور انھوں نے علی گڑھ اور آکسفورڈ میں تعلیم۔ کی ہندوستان کی واپسی پر صحافت کی راہ اختیار کرنے سے پہلے انھوں نے رام پور اور بڑودہ کی ریاستوں میں ملازمت کی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک انگریزی ہفت روزہ "کامریڈ" نکالا۔ اور اس کو تحریکِ خلافت کی حمایت کے لیے استعمال کیا۔ بعد میں اُردو روزنامہ "ہمدرد" جاری کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران مولانا محمد علی اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی انگریزوں کے خلاف ایک مضمون لکھنے کے جرم میں نظر بند کر دیے گئے۔ ۱۹۱۹ء میں رہا ہونے کے بعد مولانا محمد علی کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اور اس کی کارروائی میں سرگرم حصّہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے وہ انگلستان گئے۔ مگر اپنے مشن میں ناکام رہے۔

گاندھی جی کے ایک پیرو کی حیثیت سے انھوں نے ہندوستان میں خلافت ایجی ٹیشن کی رہنمائی کی اور رائے عامّہ کو عدم تعاون کی تحریک کے لیے تیار کیا۔ یہ انھیں کی ذات تھی جس نے علی گڑھ کے طلبا اور اساتذہ کو اپنا کالج چھوڑنے پر تیار کیا اور "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ وہ اس کے پہلے شیخ الجامعہ منتخب کیے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں اپنے اس اعلان کی بنا پر کہ مسلمانوں کیلئے برطانوی فوج کی نوکری حرام ہے اُن کو اسیری کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹۲۳ء میں "تغیر پسند" (PRO-CHANGER) میں مفاہمت کا ذریعہ بننے اور کانگریس کے کاکی ناڈا (KAKANADA) اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں اتحاد کانفرنس طلب کرنے میں یہ بھی پیش پیش تھے۔ ۱۹۲۸ء میں انھوں نے سائمن کمیشن کی مخالفت میں مظاہروں کی تنظیم بھی کی۔

اقبال سے مولانا کے نہایت مخلصانہ تعلّقات تھے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں جب مولانا محمد علی چار سال کی نظر بندی کاٹ کر کانگریس اور خلافت کے اجلاس میں شریک

نے کے لیے امرتسر آئے تو اقبال بھی وہاں پہنچے۔ راستے میں چند شعر ہو گئے جو اقبال نے علی برادران کو مخاطب کرتے ہوئے جلسے میں پڑھ کر سنائے۔ یہ اشعار "بانگ درا" ں اسیری کے عنوان سے موجود ہیں۔

۱۹۲۲ء میں جب مولانا ایک وفد کے ہمراہ برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج کے سامنے خلافت کا مسئلہ پیش کرنے ولایت گئے اور ناکام لوٹے تو اقبال نے اس دریوزہ گری کو باعث ننگ قرار دیا اور ایک نظم بہ عنوان "دریوزہ گری خلافت" لکھی جو "بانگ درا" میں شامل ہے۔

"گول میز کانفرس" کے ایک مندوب کی حیثیت سے اس کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے مولانا محمد علی نے اعلان کیا کہ:

"میں اپنے ملک کو واپس نہیں جاؤں گا، یا تو ہندوستان کو DOMINION STATUS دو، ورنہ میرے لیے ایک قبر کھود دو، میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔"

"EITHER GRANT FOR INDIA DOMINION STATUS, OR DIG FOR ME A GRAVE; I SHALL NEVER GO BACK TO A SLAVE COUNTRY AGAIN"

اس کے کچھ عرصہ بعد لندن میں ان کا انتقال ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو ہو گیا۔ اور ان کے جسدِ خاکی کو بیت المقدس لے جا کر دفن کیا گیا۔ اقبال نے انتہائی دل سوزی سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

یک نفس جاں نزار او تپید اندر فرنگ
تا مژہ برہم زنیم از ماہ و پرویں درگزشت

اے خوشا مشت غبار او کہ در جذب حرم
از کنار اندلس از ساحل بربر گزشت

خاک قدس او را بآغوش تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت جاں راہے کہ پیغمبر گزشت

می نہ گنجد جز باں خاکی کہ پاک از رنگ و بوست
بندہ کو از تمیز اسود و احمر گزشت

جلوہ او تا ابد باقی بچشم آسیاست
گرچہ آں نور نگاہ خاور از خاور گزشت

مندرجہ بالا اشعار اقبال کے کسی مجموعہ میں موجود نہیں۔

ترجمہ۔ اس کی جان نزار دم بھر کے لیے فرنگستان میں تڑپی
اور ہمارے پلک جھپکتے وہ ماہ دیر دیں سے گزر گیا

خوشانصیب کہ اس کی مشت غبار حرم کی کشش سے
اندلس اور مراکو کے ساحلوں کو طے کرتی ہوئی گزری

اور بیت المقدس کی خاک نے اسے اپنے آغوشِ تمنا میں لے لیا۔
وہ آسمان کی طرف اس راستے سے گیا جدھر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تھے۔

صرف وہی بندہ اس رنگ و بو (تفریق و امتیاز) سے پاک
مٹی میں سما سکتا ہے جو گورے اور کالے کی قید سے گزر
گیا ہو۔

اس کا جلوہ آسمان کی نگاہوں میں تا ابد باقی رہے گا
اگرچہ مشرق کا وہ نورِ نگاہ مشرق سے جا چکا ہے۔

مولانا محمد علی انگریزی کے زبردست انشا پرداز، اردو کے قادر الکلام شاعر، نڈر صحافی، آتش بیاں مقرر، ماہر سیاستداں آزادی کے سچے علمبردار اور ملک کے محبوب رہنما تھے۔

ماخذ:

۱۔ احمد۔ جدید ہندوستان کے معمار۔ ص۔ ۵۷۔ ۷۶
۲۔ محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی

ملا فرج اللہ ترشیزی (متوفی بعد ۱۰۸۵)

ملا فرج اللہ ترشیزی کا تعلق حیدر آباد سے تھا۔ یہ دکن میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں تھے۔ احمد نگر، گولکنڈہ اور بیجا پور وغیرہ کے قطب شاہی اور عادل شاہی درباروں سے متعلق رہے۔ اور حیدر آباد میں انتقال ہوا۔
عربی و فارسی کے بلند پایہ عالم تھے۔ فارسی میں شعر بھی خوب کہتے تھے۔ دیوان کے قلمی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، بانکی پور (۳، ۲۸۸)، برٹش میوزیم (ضمیمہ صفحہ ۲۰۷) وغیرہ میں ہیں۔
۱۰۸۰ھ میں جب غلام علی معصوم مولف "سلافۃ العصر" ان سے ملا تو فرج اللہ کی عمر ۷۰ سال تھی۔ تقی اوحدی مولف "تذکرہ عرفات" ان سے آگرہ میں ملا تھا۔ صائب نے بھی اپنے بعض اشعار میں فرج اللہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

ماخذ

آزاد بلگرامی۔ سرو آزاد ص۔ ۹۴
اختر حسن۔ قطب شاہی دور کا فارسی ادب ص ۱۵۹ - ۱۶۰

ملا واحدی (متوفی ۱۹۷۶ء)

ملا واحدی برِ صغیر کے معروف اخبار نویس تھے۔ اصل نام محمد ارتضیٰ تھا۔ دِلّی کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد انجینئر تھے۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی۔ آصف علی بیرسٹر کے ہم جماعت تھے۔

خواجہ حسن نظامی سے دوستی ہوئی تو انھوں نے "ملا واحدی" کا خطاب دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہی نام مشہور ہوگیا۔ ۲۳، ۲۴ سال کی عمر میں "رسالہ" کے مدیر مقرر ہوئے۔ حکیم اجمل خاں کے طبی رسالہ کا انتظام بھی کیا۔ ملا واحدی کو مذہب اور ادب سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ پہلے "درویش" اور پھر ماہ نامہ "نظام المشائخ" جاری کیا۔

دلّی سے انھیں لگاؤ اور دلچسپی ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ دلّی پر دو کتابیں لکھیں۔ (۱) "میرے زمانے کی دلّی" اور (۲) "ناقابلِ فراموش لوگ" علاوہ ازیں سیرتِ رسول دو جلدوں میں مرتّب کی۔ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ قرآن کی آسان اور سلیس زبان میں ترجمانی کی۔

تقسیمِ وطن کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۷۶ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ:

(۱) ماہر القادری: یادِ رفتگاں، ص۔ ۴۳۵ - ۴۴۳

(۲) رفیع الدّین ہاشمی: خطوطِ اقبال، ص۔ ۱۲۱

(مخلص کاشی (سترہویں صدی عیسوی)

میرزا محمد مخلص کاشی، حزیں اصفہانی اور سلطان حسین صفوی، والیِ ایران کے معاصر تھے۔ اعتماد الدولہ محمد مومن خاں نے آپ کو اصفہان بلوایا، جہاں آپ مدتوں رہے اور وہیں انتقال کیا۔ آپ کے دیوان میں تین ہزار اشعار ہیں۔

ماخذ :

مولانا محمد عبدالغنی فرخ آبادی۔ تذکرۃ الشعراء، ص۔ ۱۲۲

مِل جان سٹورٹ MILL, JOHN STUART.

(۱۸۰۶ء ۔ ۱۸۷۳ء)

معروف برطانوی ماہرِ معاشیات و فلسفی جیمز مل (JAMES MILL) کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جو ۲۰ مئی ۱۸۰۶ء کو لندن میں پیدا ہوا۔

۱۷ سال کی عمر میں انڈیا آفس کے جانچ کے دفتر (EXAMINER'S OFFICE) میں ملازمت شروع کی۔ جہاں تقریباً ۲۰ سال تک (۱۸۳۶ء ۔ ۱۸۵۶ء) برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات کے شعبہ میں کام کیا اور ۱۸۵۶ء میں اس کا مہتمم اعلیٰ بنا۔ ۱۸۵۸ء میں جب یہ کمپنی بند کی گئی تو پنشن لے لی اور بقیہ زندگی فرانس کے ایک موضع میں گزاری۔ جہاں اس کی بیوی نے وفات پائی تھی۔

اس دوران اس کے مضامین مشہور معاشی اور ادبی جرائد مثلاً WESTMINISTER REVIEW اور EDINBURG REVIEW میں شائع ہونے لگے۔ ۱۸۴۴ء میں ان کا پہلا مجموعہ ESSAYS ON SOME UNSETTLED QUESTIONS OF POLITICAL ECONOMY "چند غیر مثبت سیاسی معاشی سوالات پر مضامین" کے نام سے شائع ہوا۔

۱۸۴۸ء میں اصول سیاسی معاشیات PRINCIPLES OF POLITICAL ECONOMY دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

۱۸۵۱ء میں HARRIET HARDY نامی خاتون سے شادی کی۔ اور اس کے زیر اثر مل (MILL) عورتوں کی تحریک کا زبردست مبلّغ بنا۔ اس موضوع پر اس کا مضمون "ENFRANCHISEMENT OF WOMEN" "عورتوں کا حقِ رائے دہی" شائع ہوا۔ بعد میں ایک کتاب عورتوں کی غلامی پر ON SUBJECTION OF WOMEN ۱۸۶۹ء میں لکھی۔ اس کی تحریک مستورات کی حمایت کی طرف اقبال نے اپنے خط مورخہ ۹ر اپریل ۱۹۱۷ء بنام محمد امین زبیری میں اشارہ کیا ہے۔

۱۸۶۵ء میں پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ ۱۸۶۷ء کے ریفارم بل کے پاس کرانے

میں سرگرمی سے حصّہ لیا۔ اس کے علاوہ منجملہ اور موضوعات کے عورتوں کی نمائندگی کے
سوال پر پارلیمنٹ میں اپنے خیالات کا پرزور طریقہ سے اظہار کیا۔
اس نے اپنے عصر کے برطانوی سماجی اور معاشی فلسفہ پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔
اس نے فرانس میں AVIGNON کے مقام پر ۸ رمئی ۱۸۷۳ء کو وفات پائی۔

ماخذ:

جدید دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد ۱۲، ص۔۱۹۷ تا ۲۰۰
ایڈیشن (۱۹۸۳ء)

ملٹن جان JOHN MILTON (۱۶۰۸-۱۶۷۴ء)

شیکسپئر کے بعد انگریزی زبان کا یہ عظیم ترین شاعر ۹ دسمبر ۱۶۰۸ء کو لندن میں پیدا ہوا

ملٹن نے پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ ۱۶۲۸ء میں اس نے اپنی نظم ON THE MORNING OF CHRISTS NATION لکھی۔ ۱۶۳۱ء میں اس نے دو مشہور نظمیں "L' ALL EGRO" اور PENSEROSO خوشی اور مسرت و غم کے عنوان پر لکھیں۔

۱۶۴۲ء سے ۱۶۵۸ء تک اس نے انگریزی لاطینی اور اطالوی زبانوں میں نظمیں لکھیں۔ اس دور کی (SONNETS) مشہور ہیں جن میں (LYCIDAS) ۱۶۳۷ء قابل ذکر ہے۔ یہ ایک مرثیہ ہے جو اس کے کالج کے ہم جماعت ایڈورڈ کنگ (EDWARD KIND) کا جہاز غرقاب ہونے پر لکھا گیا۔

ملٹن کی شاہکار تصانیف اس کی زندگی کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہیں (PARADISE LOST) ۱۶۶۷ء میں شائع ہوئی

PARADISE REGAINED اور SAMSON A GONISTES

۱۶۷۱ء میں شائع ہوئیں PARADISE LOST اور PARADISE REGAINED انگریزی زبان کی مشہور ترین رزمیہ نظمیں ہیں اور ادب عالیہ میں شمار کی جاتی ہیں ان میں آدم و حوا کا جنت سے نکالا جانا۔ ابلیس کی کارکردگی حضرت عیسٰی کا ظہور اور انجیل کے اساطیر کا ذکر ہے۔ ۸ نومبر ۱۶۷۴ء میں ملٹن کا انتقال ہوا۔

اسلام اور عیسائیت کے مسئلہ خیر و شر میں ابلیس کا ایک خاص مقام ہے
ابلیس نے جنت میں آدم کو راہ راست سے بھٹکا دیا تھا۔ اس سلسلے میں اقبال
اور ملٹن دونوں ابلیس سے خاص ہمدردی رکھتے ہیں۔ دونوں کا خیال ہے کہ
انسان کے زوال کی داستان میں ابلیس محض ایک علامت شر ہی نہیں، علامت
حرکت جہد و عمل کے طور پر نظر آتا ہے۔

ماخذ

(دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۱۵/ص ۴۷۵-۴۸۳)

ممنون حسن خاں (ولادت ۳۱ مئی ۱۹۱۰ء)

ممنون حسن خاں شاہ جہاں پور (یو پی) کے پٹھان خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کاکوری کیس کے مشہور انقلابی اشفاق اللہ خاں شہید ان کے قریبی عزیز تھے۔ مسعود ثانی کے داماد۔ ریاست بھوپال میں متعدد اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ پروفیسر کے ٹی شاہ اور جناب غلام محمد (بعد کو گورنر جنرل پاکستان) کے ساتھ بطور اسپیشل اسسٹنٹ کام کیا ہے۔ سر راس مسعود وزیر تعلیم ریاست بھوپال ہوئے تو ممنون صاحب ان کے سکریٹری تھے۔ علامہ اقبال کے بھوپال کے زمانہ قیام میں یہ اقبال کے ساتھ بطور سکریٹری رہے۔ راس مسعود کے انتقال کے بعد شعیب قریشی مرحوم کے سکریٹری ہوئے

علاوہ ازیں سول ڈیفنس کنٹرولر" فوڈ کنٹرولر"، ٹیکسٹائل کمشنر لائبریرین حمیدیہ لائبریری، ڈائرکٹر آثار قدیمہ، سکریٹری پبلک سروس کمیشن ڈائرکٹر انڈسٹریز اور ریبر کمشنر و چیرمین بھوپال ڈیولپمنٹ اتھارٹی جیسے معزز عہدوں پر فائز رہے نواب حمید اللہ خاں نے انھیں" بہادر" کا خطاب بھی مرحمت فرمایا تھا ممنون حسن خاں بفضلہ تادم تحریر (۱۹۸۹) صدر حیات میں ہیں انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے مدھیہ پردیش میں اقبال ادبی مرکز قائم کیا ہے شیش محل کو اقبال کی یادگار قائم کرنے کے لیے حکومت سے حاصل کر لیا ہے اور اس کے سامنے خوبصورت اقبال میدان تعمیر کرایا ہے حکومت مدھیہ پردیش کے محکمہ کلچر کی جانب سے ایک لاکھ روپے کا ایک ادبی انعام "اقبال اعزاز"

کے نام سے شروع کرایا ہے

ماخذ

یہ معلومات شخصی ذرائع سے حاصل کی گئیں ۔

صہبا لکھنوی - اقبال اور بھوپال
اخلاق اختر : اقبال اور ممنون

(حلّاج حسین بن) منصور

(۲۴۴ھ/۸۵۷ء ۔۔۔ ۹۲۲ء)

حسین بن منصور حلّاج ایران کے شہر شیراز سے سات فرسنگ دور ایک گاؤں طور میں ۲۲۴ھ/۸۵۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کی کنیت ابوالمغیث ہے اور لقب حلّاج عام روایت یہ ہے کہ اس کا باپ روئی دھننے کا کام کرتا تھا۔

حلّاج کے والدین تلاشِ معاش کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر شہر واسط میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ حلّاج نے سولہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ اور سہل[1] بن عبداللہ تستری کا مرید ہوا۔ پھر حسن[2] بصری کے مدرسہ میں پہنچا اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ بصرہ کے قیام میں بنی مجاشع سے دوستی ہو گئی۔ یہ لوگ حکومتِ وقت کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ چنانچہ حلّاج کو بھی پریشان کیا گیا اور یہ بغداد چلا آیا۔ یہاں عمرو بن عثمان مکی سے بیعت کی اور خرقہ حاصل کیا۔ اسی زمانے میں ابو یعقوب اقطع کی بیٹی سے شادی کی جس سے چار بچے تولد ہوئے۔ چونکہ عمرو بن عثمان مکی کے تعلقات اقطع سے اچھے نہیں تھے لہذا حلّاج کو اپنے پیر کی ناراضگی مول لینا پڑی چنانچہ حلّاج جنید بغدادیؒ کی خانقاہ میں پہنچا اور وہاں چھ سال تک قیام کیا۔ بغداد میں جب اس کے مریدوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو حکومتِ وقت چوکنا ہو گئی اور اسے بغداد چھوڑ کر سفرِ حج پہ جانا پڑا، مکہ میں وہ تین سال تک مقیم رہا۔ واپسی میں خوزستان آیا۔ اور مشرقی ایران میں پانچ سال گزارنے کے بعد تستر واپس آ گیا۔ ۲۹۱ھ میں دوبارہ حج کیا۔ اس بار وہ ہندوستان بھی آیا اور ملتان کے راستہ کشمیر تک گیا۔

---

[1] ابو محمد سہیل بن عبداللہ بن یونس (۲۰۳/۸۱۸ء – ۲۸۳ھ/۸۹۶ء) صوفی اور متکلم تھے۔ ان کے ایک ہزار ملفوظات "مواعظ العارفین" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

[2] ابوسعید حسن بصری مدینہ میں پیدا ہوئے۔ بعد میں بصرہ چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔ مشہور تابعی ہیں۔ ان کی تعلیمات اسلام سے متصادم نہیں۔

وزیرِ اعظم حامد بن عباس نے حلاج کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے پیشِ نظر خلیفہ مقتدر باللہ کو مشورہ دیا کہ حلاج کو قتل کر دے۔ چنانچہ ۲۹۷ھ میں اس کے خلاف جب پہلا فتویٰ ابن داؤد اصفہانی[1] نے دیا تو اسے گرفتار کیا گیا۔ حلاج ایک سال تک جیل میں رہا۔ ۲۹۸ھ میں قید سے فرار ہو کر علاقہ سوس (خوزستان) چلا گیا۔ لیکن ۳۰۱ھ / ۹۱۳ء میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ آٹھ سال جیل میں رہنے کے بعد رہا ہوا لیکن ۳۰۷ھ میں حامد بن عباس کے اصرار پر پھر گرفتار ہوا۔ اور اس پر سال بھر تک مقدمہ چلایا گیا۔ ۲۷ مارچ ۹۲۲ء کو اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بعد اس کا ایک ایک عضو کاٹا گیا۔ "تذکرہ اولیاء" میں لکھا ہے کہ حلاج کے ہر عضو سے اناالحق کی آواز آتی تھی۔ کسی نے اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی آخر اس کا جسم جلا دیا گیا۔

ابن ندیم[2] نے حلاج کی تصانیف کی تعداد ۴۶ بتائی ہے۔ جس میں عربی زبان میں ایک دیوان بھی شامل ہے۔ اس سے ایک فارسی دیوان بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ حلاج کا ایک رسالہ "الطواسین" مشہور ہوا۔ جسے مستشرق لوئی ماسینیوں نے فرانس میں پہلے ۱۹۱۳ء میں اور پھر ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔ (اس پر علاحدہ نوٹ ملاحظہ ہو)۔ اقبال تاریخ تصوّف پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جس کا ایک باب حلاج کے عقائد سے متعلق تھا۔ اسی باعث یہ رسالہ ان کی توجہ اور مطالعہ کا مرکز رہا۔ صابر کلوروی صاحب نے اقبال کی اس کتاب کے سلسلے میں لی گئی یادداشتوں کو "تاریخ تصوّف" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

(مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور۔ ۱۹۸۵ء صفحات ۱۲۸)

---

[1] ابوبکر محمد بن ابی سلمان داؤد الاصفہانی ۲۵۵ھ / ۸۶۶ء - ۲۹۷ھ / ۹۰۹ء، بغداد کا نامور شاعر "کتاب الزہرہ" اور "کتاب الوصول" اس کی تصانیف ہیں۔

[2] محمد بن اسحاق ابن الندیم (۲۹۷ھ / ۳۹۰ھ یا ۳۸۵ھ) بغداد میں کتب فروش تھا۔ "الفہرست" کا مولف ہے جس میں ۳۷۷ھ / ۹۸۸ء تک کی کتابوں کا ذکر ہے۔

حلاج کی نظر ادبیات، تصوف، علم الکلام اور فلسفہ پر گہری تھی۔ اس کا اسلوب قرآنی اسلوب سے متاثر معلوم ہوتا ہے۔

حلاج صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ وہ ایک مصلح کی حیثیت سے یہ خواہش رکھتا تھا کہ عوام میں خودی اور عزتِ نفس کا احساس اجاگر ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعد میں اقبال کی رائے حلاج کے متعلق بدل گئی تھی۔ اس کے عقائد کے متعلق علماء اور صوفیا کے نظریات میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے دار کا سزاوار سمجھتے ہیں اور اکثر اسے شہید کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء اور صوفیاء کی ایک بڑی جماعت اس کی حمایت میں ہے۔ جن میں شیخ ابوبکر شبلی، شیخ فریدالدین عطار اور امام غزالی کے نام نمایاں ہیں۔ سید سلیمان ندوی کا یہ قول حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

"حلاج شہید انا الحق نہ تھا قتل راہِ سیاست تھا"

اقبال شروع میں حلاج کے دعویٔ انا الحق کو گمراہی سمجھتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی رائے تبدیل ہوگئی۔ وہ حلاج کے دعویٔ انا الحق کو خودی کی ہی ایک تعبیر بتاتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں؎

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی | مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر | اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش

"جاوید نامہ" میں اقبال کی حلاج سے ملاقات "فلکِ مشتری" پر ہوتی ہے۔

ماخذ:

تاریخِ تصوف، مرتبہ صابر کلوروی، ص ۵۸ اور ۶۴ - ۶۸

منو مہاراج

منو مہاراج کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے باوا آدم تھے۔ رگ وید میں بھی یہی کہا گیا ہے ہندو دیو مالا میں چودہ اشخاص کا منو کے نام سے ذکر ہے۔ ان میں سے پہلے منو کو 'سوام بھووا' کہا جاتا ہے کہ یہ 'سوام بھو' (ذات مطلق) سے پیدا ہوئے۔ منو سمرتی ان ہی سے منسوب کی جاتی ہے۔ انھوں نے 'مانو وکلپ ستر' بھی مرتب کی۔ پرانوں میں منو اور طوفان (طوفان نوح کی طرح) کا قصّہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ عصر حاضر کے متعدد سکالر منو کو اساطیری شخصیت (MYTHICAL) سمجھتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے پہلے انتخاب شدہ راجہ گزرے ہیں۔ چوتھی صدی ق۔م میں ان کو دیوتا کا درجہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔

منو مہاراج دنیا کے اولین قانون ساز شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ ہندو قوم کے مذہبی، اخلاقی معاشرتی اور قانونی نظام کے بانی تھے۔ جس کی تفصیلات ان کے مرتب کردہ 'مانو دھرم شاستر' یا 'منو سمرتی' میں بیان کی گئی ہیں، ہندو قانون کی یہ سب سے اہم اور مستند کتاب ہے جو بارہ ابواب اور دو ہزار چھ سو ابیات پر مشتمل ہے۔ بوُہلر (BUHLER) اور کانے (KANE) کے مطابق موجودہ منو سمرتی دوسری صدی ق۔م اور دوسری صدی عیسوی کے درمیانی زمانہ میں لکھی گئی۔

منو سمرتی کا یہ معجزہ ہے کہ اس نے ہندو قوم کو صدیوں تک ایک مکمل مذہبی، اخلاقی معاشرتی معاشی اور قانونی نظام کے ذریعہ منظم اور متحدد رکھا۔ جس کا ذکر اقبال نے اپنے مکتوب محررہ ۱۳ر فروری ۱۶ ۱۹ء بنام

خان محمد نیاز الدین خاں میں کیا ہے۔

ماخذ

۱۔ پی۔ وی۔ کانے دھرم شاستر کی تاریخ جلد اول
حصہ دوم ص۔ ۳۰۹ ـ ۹۲۲

P V KANE HISTORY OF DHARAMSHASTRA
VOL I - Part II p 309-922

۲ ڈاکٹر ایس۔ رادھا کرشنن۔ فلسفہ ہند، جلد دوم
ص۔ ۵۱۵۔ ۵۱۸

DR S RADHAKRISHNAN INDIAN PHILOSOPHY
Vol II - P 515-518

۳۔ رما شنکر ترپاٹھی۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ ص۔ ۹۹

مہاراجہ الور

الور راجستھان کی ریاست۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے چودھویں صدی میں قائم کی تھی۔ یہ مہاراجہ جے پور کے خاندان کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ وہی ریاست ہے جہاں غالب کے والد میرزا عبداللہ بیگ خاں ملازم تھے اور اسی ملازمت میں مارے گئے۔

جب اقبال مہاراجہ الور کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے ملازمت کے خواہاں تھے (ملاحظہ ہو خط بنام سرکشن پرشاد شاد محررہ یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء اور ذکرِ اقبال از عبدالمجید سالک ص ۸۳-۸۴) اس وقت راجہ سوائے سر جے سنگھ مہاراجہ تھے۔ اقبال نے مہاراجہ سے ملاقات کی لیکن ملازمت قبول نہ کی اس لیے کہ تنخواہ بہت کم تھی۔

راجہ سوائے سر جے سنگھ نے ۱۴ جون ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ یہ دوسری رانی کے بطن سے تھے جو مہاراجہ رتلام (مدھیہ پردیش، بھارت) کی بہن تھی۔ میو کالج MEO COLLEGE اجمیر میں تعلیم پائی۔ فلسفہ اور سنسکرت کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ ۱۸۹۲ء میں جب نابالغ تھے تو تخت نشین ہوئے اور ۱۹۳۷ء تک حکومت کی۔ انھوں نے ریاست کی زبان اردو کی جگہ ہندی قرار دی۔ ۱۹۳۷ء کو انتقال ہوا۔

ماخذ

۱۔ راجستھان ڈسٹرکٹ گزٹ الور، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۴۷،

۲۔ کے۔ آر۔ کھوسلہ۔ ہندوستان اور برما کی ریاستیں، زمینداریاں اور حالات اکابرین

مومن استرآبادی (متوفی ۱۰۳۴ھ)

میر محمد مومن استرآباد کے سادات میں سے تھے۔ قزوین میں شاہزادہ حیدر شاہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ شاہ طہماسپ صفوی اور شاہزادہ حیدر شاہ کے قتل کے بعد ۹۸۶ھ (۸۔۱۵۷۷ء) میں قزوین سے کاشان آئے۔ وہاں سے ہندوستان کا رخ کیا، اور ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں تقریباً تیس سال کی عمر میں گول کنڈہ پہنچے۔ یہاں قطب شاہی دربار میں رسائی حاصل کی۔ اپنے علم و فضل کے باعث بہت جلد ترقی اور مقبولیت حاصل کر لی اور وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ محمد قلی قطب شاہ اور سلطان محمد قطب شاہ کے عہدِ حکومت میں تقریباً ۴ سال تک وزیر رہے۔ ۱۰۳۴ھ ـــ (۲۵-۱۶۲۴ء) میں ۷۰/۷۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ شہر حیدرآباد کی تعمیر اصل میں ان ہی کے مجوزہ خاکے پر ہوئی۔ قطب شاہی سلطنت سے ایران کے خوشگوار تعلقات بھی ان کی بدولت قائم ہوئے۔

عربی اور فارسی دونوں میں ان کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ فارسی دیوان کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ (فہرست نمبر ۱۵۳۰) آزاد بلگرامی نے ان کا تخلص ادائی لکھا ہے۔

ملاحظہ ہو۔

۱۔ محی الدین قادری زور۔ میر محمد مومن۔ حیات اور کارنامے۔

۲۔ اختر حسین۔ قطب شاہی دور کا فارسی ادب۔ حیدرآباد، ص ۸۰۔۸۲

(کیپٹن) منظور حسن (۱۸۹۷ء۔۱۹۷۳ء)

منظور حسن ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں جب بی۔اے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو چند نظموں کا مجموعہ "پیامِ غربت" کے نام سے شائع کیا اور سرِ ورق پر اقبال کا یہ شعر بہ ترمیم درج تھا۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
غربت کے درمند کا طرزِ کلام اور ہے

انھوں نے "پیامِ غربت" کا ایک نسخہ اقبال کی خدمت میں بھیجا۔

پہلے اسلامیہ ہائی اسکول گوجرانوالہ میں فارسی کے مدرس کی حیثیت سے اور بعد میں انکم ٹیکس اور محکمہ امدادِ باہمی میں ملازمت کی۔ ۴۷۔۱۹۴۸ء تک فوج میں رہے۔ اس تمام عرصے میں شعر کہتے رہے لیکن کلام کبھی شائع نہ کیا۔ البتہ ۱۹۲۳ء میں اقبال کی نظم "خضرِ راہ" کو فارسی میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو علامہ نے اپنے خط محررہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں منع فرمایا۔

ان کی تصانیف میں رسالہ "سلف و خلف" (۱۹۴۵ء) ایک مختصر سا ناول بہ عنوان "مجرمِ عشق" اور "فنِ تاریخ گوئی" (۱۹۷۲ء) شامل ہیں۔

دسمبر ۱۹۷۳ء میں انتقال کیا۔

ماخذ:۔

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرینِ اقبال کی نظر میں، ص۔ ۵۴۰۔ ۵۵۵

شمس العلماء مولوی سیّد میر حسن (متوفی ۱۹۲۹)

مولوی میر حسن سیالکوٹ کے ایک دیندار خانوادہ سادات میں پیدا ہوئے ان کے والد سید محمد شاہ شہر کے مشہور طبیب تھے۔ تعلیم سے فراغت اور حفظِ قرآن کے بعد ایک مشن اسکول میں فارسی کے استاد ہوگئے۔ ۔ ۔ سرسید احمد خاں کی تعلیمی تحریک کے مداح تھے۔ اقبال نے ابتدائی تعلیم ان کے مکتب میں شروع کی اپنے استاد کو حکومت برطانیہ سے شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ ستمبر ۱۹۲۹ء میں میر حسن کا سیالکوٹ میں انتقال ہوا۔ انھوں نے اقبال کو اقبال بنایا جیسا کہ خود اقبال نے کہا کہ ان کی سب سے بڑی تصنیف "اقبال" ہے "التجائے مسافر" (بانگِ درا) میں جہاں اپنے بڑے بھائی کا ذکر محبت اور عزت سے کیا ہے وہاں مولوی میر حسن کی بابت لکھا ہے۔

وہ شمع بارگہ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی محبت نے نکتہ داں مجھ کو

دعا یہ کر کہ خداوند آسماں و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شاداں مجھ کو

ماخذ

فقیر سید وحیدالدین۔ روزگار فقیر ۲۰۴۔ ۲۰۹

ناسخ (متوفی ۱۸۳۸ء)

شیخ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے۔ بعض نے لے پالک بتایا ہے بچپن فیض آباد میں گذرا۔ ورزش اور پہلوانی سے دلچسپی تھی۔ نواب محمد تقی رئیس فیض آباد نے انھیں اپنا مصاحب بنایا اور وہی لکھنوء لے آئے۔ لکھنوء کے ایک رئیس میر کاظم علی نے ناسخ کو اپنا فرزند بنا لیا تھا۔ ان کے مرنے پر خاصی جائداد اور دولت ان کو ملی اور ناسخ نے محلہ ٹکسال میں ایک مکان لے لیا۔ یہاں مولوی وارث علی سے ان کے مکان پر درس لیا اور خاصی استعداد پیدا کرلی۔

شاعری کا ذوق غالبًا نواب محمد تقی کی (ف ۱۲۰۵ھ)... مصاحبت میں پیدا ہوا۔ کلام پر اصلاح مصحفی سے یا ان کے شاگرد محمد عیسیٰ تنہا سے لی۔ پھر قمرالدین احمد عرف حاجی کے متوسل ہو گئے جہاں محمد حسن قتیل اور قاضی محمد صادق اختر بھی تھے۔

یہاں زبان کی تراش خراش اور تحقیق کا چسکا پڑا اور انھوں نے قدیم اردو کو ثقیل الفاظ سے صاف کر کے مانجھ دیا۔ ان کے سیکڑوں شاگرد ہوئے۔ ناسخ نے ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں انتقال کیا۔ اپنے گھر ہی میں مدفون ہوئے۔ ان کے دو دیوان اور ایک مثنوی شائع ہو چکی ہے۔

ماخذ

عبدالحیٔ۔ گل رعنا ۳۴۰۔ ۳۵۸

(مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۴ھ)

ناصر علی سرہندی (متوفی ۱۶۹۷ء)

ابتدائی تعلیم سرہند میں ہوئی پھر وہ مرزا فقیر اللہ سیف خاں گورنر کشمیر (مصنف راگ درپن) کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء میں سیف احسان الہ آباد کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تو ناصر علی بھی ہمراہ تھے۔ ۱۰۹۵ھ/ ۱۶۸۴ء میں سیف خاں کا انتقال ہوا تو ناصر علی واپس سرہند چلے گئے اور بعد میں دکن گئے جہاں اورنگ زیب سے ان کی ملاقات ہوئی مگر بادشاہ کو شاید ان کے قلندرانہ انداز پسند نہ آئے اور ناصر علی بیجاپور میں نواب ذوالفقار خاں کے پاس پہنچ گئے اس کی شان میں ناصر علی نے قصیدہ کا مطلع پڑھا ؎

اے شان حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

(اے کہ تیری پیشانی سے حیدر کرار کی شان ٹپکتی ہے تیرا نام ہی لڑائی میں حضرت علی کی تلوار ذوالفقار کا کام کرتا ہے) تو نواب ذوالفقار خاں نے تیس ہزار روپئے انعام دیا اور کہا کہ ناصر علی اور شعر نہ سنائیں کیونکہ وہ مزید انعام نہیں دے سکتے۔ ذوالفقار خاں کے ہمراہ ۱۱۰۳ھ/ ۹۲-۱۶۹۱ء تک رہے پھر دہلی آ گئے۔ یہاں ۲۰ رمضان ۱۱۰۸/۲/اپریل ۱۶۹۷ء کو تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ بیدلؔ نے "رنگ نازشکست" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ دیوان غزلیات کے علاوہ ناصر علی کی ایک مثنوی بھی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ نیشنل میوزیم (نمبر ۳۰۶۹) میں موجود ہے۔ ریو۱/ ۶۹۹ میں اس کا

عنوان مثنوی "لطف کش ساغرِ ازلی" لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ مثنوی ناصر علی کہلاتی ہے۔

(سید) ناظر الحسن (ہوش بلگرامی) ۱۸۹۳-۱۹۵۵ء

ہوش بلگرامی کا نام سید ناظر الحسن، ہوش تخلص اور ہوش یار جنگ خطاب تھا۔ ستمبر ۱۹۰۳ء میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی ہی میں انھیں ڈاکٹر سید علی بلگرامی کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ انھیں کی تربیت اور صحبت نے ہوش کے علمی اور ادبی ذوق کو سنوارا اور نکھارا۔ سید علی بلگرامی کے انتقال کے بعد ہوش ۱۹۱۴ء میں حیدر آباد آئے اور یہیں ان کی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

نومبر ۱۹۱۵ء میں ایک مصور علمی رسالہ "ذخیرہ" نکالا۔ اس میں علمی، اخلاقی تاریخی اور ادبی مضامین چھپتے تھے۔ اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں سرکشن پرشاد، نواب عادل الملک، سید علی اصغر بلگرامی، سید علی حیدر نظم طباطبائی وغیرہ شامل تھے۔ یہ دو سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ نکلتا رہا۔ ۱۹۱۶ء میں کسی وجہ سے ہوش پر نظام حیدر آباد کا عتاب نازل ہوا۔ نہ صرف یہ رسالہ بند ہوا بلکہ انھیں شہر بدر بھی کر دیا گیا۔ ہوش رام پور چلے گئے جہاں والیِ ریاست نواب حامد علی خاں کے دس سال تک مصاحب رہے۔ پھر دوبارہ حیدر آباد آئے اور وہاں اچھے عہدوں پر فائز رہے، نظام دکن کے مقربین خاص میں ہونے کی وجہ سے درباری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل رہی۔

ہوش بلگرامی نہایت باذوق، زندہ دل، دوست نواز، خلیق اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ رام پور کے قیام کے دوران انھوں نے منتخب مضامین کا مجموعہ "عروسِ ادب" کے نام سے شائع کیا۔ ان کی ایک اور تصنیف "مشاہدات" ہے۔ اس کا مقدمہ کے۔ ایم منشی (سابق گورنر یو۔ پی) نے لکھا تھا۔ اس میں حیدر آباد کے آخری زمانے کے حالات لکھے ہیں۔ ان کے بعض بیانات پر خاصا ہنگامہ بھی ہوا اور پھر کتاب کے کچھ حصے حذف کیے گئے۔

ہوش بلگرامی کی طبیعت نثر نگاری کی طرف زیادہ مائل تھی۔ لیکن ان کی نظم نگاری

کا بھی اپنا رنگ ہے۔ اس سلسلے میں ان کی ایک طویل مثنوی "طوفانِ محبت" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ "سوز و غم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
۱۹ر نومبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔

ماخذ

۱۔ امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو۔ جلد پنجم، ص۔ ۴۳۰-۴۳۳
۲۔ داستان ادب حیدرآباد۔ ص، ۱۹۷
۳۔ سخنوران دکن۔ ص۔ ۳۷۰
۴۔ سلیمان ادیب "شاعر" حیدرآباد۔ جلد دوم ص ۱۱۰ - ۱۱۱
۵۔ محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال بنام شاد۔ ص۔ ۱۴۸

نجم الغنی خاں رامپوری (۱۸۵۹-۱۹۳۲)

رام پور کی مشہور علمی شخصیت ۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے
انھوں نے مختلف موضوعات پر ۳۰ کتابیں لکھیں جن میں سے ۳۲
چھپ چکی ہیں۔ (کل صفحات ۲۸۸۳۹) زبان، مذہب، تاریخ،
طب، منطق وغیرہ علوم کے ماہر تھے۔ مشہور طبیب اور عالم حکیم
اعظم خاں مصنّف اکسیر اعظم ان کے ماموں تھے۔
تاریخ اودھ (۵ جلدیں) اخبار الصنادید تاریخ روہیل کھنڈ
(دو جلدیں) ان کی مقبول کتابیں ہیں۔ یکم جولائی ۱۹۳۲ء کو انتقال
فرمایا اور رام پور میں شاہ درگاہی کے روضہ میں مدفون ہوئے۔

برائے تفصیل

احمد علی شوق : تذکرہ کاملان رام پور
سید عبدالحیٔ : نزہت الخواطر۔

(شیخ) نذر محمّد (۱۸۶۶ء۔۱۹۴۲ء)

شیخ نذر محمد گوجرانوالہ کے کشمیری نژاد پنجابی خاندان میں ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ معلّمی کی ہیڈ ماسٹر بنے۔ ترقی کرتے کرتے انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ اور بحیثیت انسپکٹر مدارس ہی سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

شعر و سخن سے دلی ذوق تھا شعر بھی کہتے تھے۔ اور نذرؔ تخلّص کرتے تھے۔ "کلامِ نذر" کے نام سے ان کا مجموعۂ اشعار شائع ہوا تو مولانا حالی اور علامہ اقبال نے اسے بہت سراہا۔ حالی نے کہا مناظرِ قدرت کا سماں خوب باندھا ہے۔ اقبال نے لکھا کہ نوجوانوں کے لیے یہ مجموعہ ہدایت آموز اور دلچسپ ثابت ہوگا۔

شیخ صاحب نے طویل عمر پائی۔ ۹؍ فروری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا۔

ماخذ

سید نذیر نیازی۔ دانائے راز۔ ص ۲۴۱۔ ۲۵۰

(خواجہ) نظام الدین اولیا (متوفی ۳۲۵ھ)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ۔ پورا نام محمد بن احمد البدائونی ہے۔ بدایوں (یوپی) میں ولادت ہوئی۔ بیس سال کی عمر میں دہلی آئے۔ اجودھن (پاک پٹن) جاکر حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے۔ رمضان ۶۶۹ھ / اپریل ۱۲۷۱ء میں شیخ سے خلافت ملی۔ دہلی کے قریب غیاث پور گاؤں (موجودہ مقبرہ ہمایوں کے شمال مشرق میں آپ کی خانقاہ تھی۔ جس کے کچھ آثار اب تک موجود ہیں۔

ان کے لاکھوں مرید اور سیکڑوں خلفاء ہوئے۔ حضرت امیر حسن سنجری نے آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" کے نام سے پانچ جلدوں میں مرتب کیے جن میں ۱۸۸ مجلسوں کی گفتگو قلمبند ہوئی ہے۔ حضرت امیر خسرو سے آپ کو گہرا قلبی تعلق تھا۔ خلفاء میں حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی (وفات ۷۵۸)، حضرت برہان الدین غریب (وفات ۷۳۸ھ) وغیرہ ممتاز ہیں۔

علامہ اقبال نے مختلف مواقع پر ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ۱۹۰۴ء میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد پر بلوچستان میں ایک فوجداری مقدمہ قائم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ اس دور میں اقبال نے ۲۵ اشعار کی ایک نظم بعنوان "برگ گل بر مزار مقدس حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی" لکھی تھی۔ اور خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر بھیجی۔ یہ نظم عرس کے موقع پر پڑھی گئی۔ اور اس کا مندرجہ ذیل شعر لکھ کر مزار کے دروازے پر لٹکا دیا گیا ؎

ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے

یہ نظم "سرودِ رفتہ" میں موجود ہے۔ ستمبر ۱۹۰۵ء میں یورپ کی روانگی کے موقع پر اقبال نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک اور نظم لکھی اور دہلی میں ان

ے مزار پر حاضری کے موقع پر، مزار کے سرہانے بیٹھ کر پڑھی۔ یہ نظم "بانگ درا" میں
موجود ہے۔
چہار شنبہ ۱۷، ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ مطابق ۲؍ اپریل ۱۹۷۵ء کو صبح کے
وقت انتقال فرمایا۔

ماخذ

۱۔ نثار احمد فاروقی: تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین۔
خواجہ حسن نظامی نظامی مسری۔ دہلی۔ ۱۹۸۴ء

۲۔ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص۔ ۷۷

نظامی (۵۳۵ھ۔ ۶۱۰ھ)

حکیم ابوالیاس جمال الدین نظامی گنجوی (۵۳۵ھ۔ ۶۱۰ھ) ان کا خمسہ یا "پنج گنج" مشہور ہے۔ جس میں مخزن الاسرار، خسرو و شیریں، لیلیٰ مجنوں، بہرام نامہ، سکندر نامہ، پانچ مثنویاں ہیں۔ ان کی تقلید میں کئی شاعروں نے خمسہ لکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن کامیابی صرف امیر خسرو کو ہوئی۔ اقبال نے "پیام مشرق" کی نظم خرابات فرنگ، نظامی کی ایک غزل کے وزن میں لکھی ہے مگر اس غزل کا نظامی گنجوی کی تصنیف ہونا محل نظر ہے۔

ماخذ

شبلی: شعر العجم جلد اول ص ۲۵۵۔ ۲۱۴

نظیری نیشاپوری (متوفی ۱۰۲۱ھ)

ملا محمد حسین نظیری نیشاپوری، نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی جوانی میں ۹۹۱ھ احمد آباد گجرات آئے اور عبدالرحیم خاں خاناں کے دربار سے متوسل رہے۔ احمد آباد ہی میں ۱۰۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ وہیں محلہ جمال پورہ کی ایک مسجد میں ان کا مزار ہے۔ نظیری باکمال شاعر ہے اور اس کا دیوان ہر زمانے میں مقبول رہا ہے۔

ماخذ

کلمات الشعرا۔ ۱۷۹
کشن چند اخلاص: تذکرہ ہمیشہ بہار۔ ۲۵۶

نکلسن (رینالڈ ایلین) NICHOLSON, REYONLD, ALLEYNE
(۱۸۶۸ — ۱۹۴۵ء)

رینالڈ ایلین نکلسن ۱۹ اگست ۱۸۶۸ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۸۸ء میں ٹرنیٹی کالج، کیمبرج میں داخلہ لیا۔ پہلے ہی سال یونانی زبان میں نظم لکھنے پر اس کو پورسن (PORSON) انعام دیا گیا۔ ۱۸۹۲ء میں ہندوستانی زبانوں میں درجہ اوّل حاصل کیا۔ مشرقی زبانوں میں دلچسپی اس کو اپنے دادا جان نکلسن (JOHN NICHOLSON) کے کتب خانہ سے پیدا ہوئی۔ جو انجیل کے اسکالر تھے۔ عربی و فارسی کے مخطوطات اسے ان ہی سے ملے۔ مزید براں براؤن (BROWNE) دی خوجے (MICHEAL JAM DE GOEJ) اور نولدیکے (THEODOR NOLDEKE) کی صحبت نے بھی اس کے شوقِ مطالعہ میں اضافہ کیا۔

۱۸۹۳ء میں ٹرنیٹی کالج میں فیلوشپ حاصل ہوئی اور براؤن کی معاونت اس کی وفات (۱۹۲۶ء) تک قائم رہی۔ نکلسن کی تمام عمر کیمبرج یونیورسٹی میں گزری ماسوائے ایک سال (۱۹۰۱۔ ۱۹۰۲ء) جب وہ یونیورسٹی کالج لندن میں فارسی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں براؤن کے بعد پہلا فارسی کا لکچرار (۱۹۰۲۔ ۱۹۲۶ء) اور ۱۹۲۶ء میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوا۔ لیکن اورئنٹیل اسکول سے ۱۹۴۰ء تک وابستگی قائم رہی جب خرابی صحت اور ضعفِ بینائی کے سبب نارتھ ویلز (NORTH WALES) میں خلوت گزیں ہو گیا۔ ۲۷ اگست ۱۹۴۵ء کو وفات پائی۔

نکلسن کو بہت سی اعزازی ڈگریاں بھی عطا کی گئیں۔ ایل۔ ایل۔ ڈی (L L D) (۱۹۱۳ء)، فیلو آف دی برٹش اکادمی (FELLOW OF THE BRITISH ACADEMY) (۱۹۲۲ء) ـــــ اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی (ROYAL ASIATIC SOCIETY) کا طلائی طمغہ (۱۹۳۸ء) ملا۔

شروع ہی سے نکلسن کو تصوّف سے کافی شغف تھا۔ اس نے دیوان شمس تبریز مع ترجمہ شائع کیا (۱۸۹۸ء) اس کے بعد ۱۹۰۵۔ ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصہ میں اس نے تصوف پر چار اہم تصانیف کے تراجم کیے۔ عطار کی "تذکرہ اولیاء" (۱۹۰۵۔ ۱۹۰۷ء) "کشف المحجوب ہجویری" (۱۹۱۱ء) اور ابن عربی کا کلام ترجمان الاشواق" (۱۹۱۱ء) سراج کی کتاب "کتاب اللمع" (۱۹۱۴ء) کے علاوہ براؤن کے ساتھ مختلف تصانیف و تالیف میں معاون رہا۔ ۱۹۱۴ء میں عام قاری کے لیے "اسلامی صوفیاء" (THE MYSTICS OF ISLAM) کے نام سے شائع کی۔ ۱۹۰۷ء میں "تاریخ ادبیات عرب" لکھی۔ ان کا ایک اور ایڈیشن ۱۹۰۷۔ ۱۹۱۱ء میں تصنیف کیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد دو اور اہم تصانیف "اسلامی تصوّف کا مطالعہ" (STUDIES IN ISLAMIC MYSTICISM) اور "اسلامی شاعری کا مطالعہ" (STUDIES IN ISLAMIC POETRY) ۱۹۲۱ء میں دو جلدوں میں مکمل کیں جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئیں۔

نکلسن اقبال کے خاور شناسوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ جب اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تو نکلسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۴ء میں علامہ کے تصحیح کردہ ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ اس کے بعد ایک اور بڑا کارنامہ مولانا روم کی مثنوی کا مکمل تنقیدی تجزیہ و ترجمہ ہے۔ اس پر اٹھارہ سال تک کام کیا۔ (۱۹۲۴۔۲۵ء) میں شائع ہوئی۔ مگر افسوس کہ آخری جلد جو مولانا روم کی سوانح عمری پر مشتمل ہوتی وہ مکمل نہ کرسکا۔

ابتدائی زمانے میں اس نے ہلکے پھلکے شعر بھی کہے تھے جو "پروفیسر اور درویش" (THE DON AND THE DERWISH) (۱۹۱۱ء) کے نام سے شائع ہوئے۔

ماخذ:
۱۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی۔ ۶۲۹ – ۶۲۸
۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف برطانیکا۔ جلد پنجم۔
ص ۳۲۸۔

(دیا نرائن) نگم ۱۸۸۲-۱۹۴۲ء)

کانپور کے ایک معزز کایستھ گھرانے میں پیدا ہوئے ۱۹۰۳ء میں کرائسٹ چرچ کالج کانپور سے بی ۔ اے کیا اور اسی سال رسالہ"زمانہ" کانپور (۱۹۰۳ - ۱۹۴۲) کی ادارت سنبھالی ۔ وہ اردو کے ممتاز ادیب اور صحافی مانے جاتے تھے ۔ اس صدی سے پیشتر نامور ادیبوں نے "زمانہ" میں لکھا یا اس کے توسط سے دنیائے ادب میں روشناس ہوئے ۔ منشی پریم چند کی تقریباً سو کہانیاں " زمانہ " ہی میں چھپیں اور "پریم چند"، قلمی نام بھی منشی دیا نرائن نگم کا تجویز کردہ تھا" زمانہ" میں ادب، تاریخ ، مذہب، فلسفے کے علاوہ ملکی و قومی مسائل پر بھی گراں قدر مضامین شائع ہوئے ۔معاشرتی مسائل پر بھی ترقی پسندانہ نقطہ نظر سے بہت کچھ لکھا ۔ زمانہ کے لکھنے والوں میں منشی ذکاء اللہ، اکبرالہ آبادی، الطاف حسین حالیؔ علامہ اقبالؔ ، حسرت موہانی ،گنگا پرشاد ورما ، برج نارائن چکبست عزیز لکھنوی، شاد عظیم آبادی ، یگانہ ، جوش، جگر ، فراق جیسے نامور اہلِ قلم شامل ہیں۔

۱۹۱۲ سے انہوں نے ایک ہفتہ وار" آزاد" بھی نکالنا شروع کیا جو خاصا مقبول ہوا اور ۱۹۴۲ء تک جاری رہا۔ وہ کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں اردو بھی پڑھاتے تھے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی انہوں نے حصّہ لیا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور اردو زبان کے سچے پرستار تھے۔

تفصیل کے لیے
یادگار جشن صد سالہ منشی دیا نرائن نگم مرتبہ سری نرائن نگم نامی
پریس لکھنوء ۱۹۸۲ء)

نواب علی (پروفیسر سیّد) (۱۸۷۷-۱۹۶۱ء)

کیننگ کالج لکھنؤ سے ایم. اے بی ٹی پاس کرنے کے بعد ۱۹۰۰ء میں مدرستہ العلوم علی گڑھ سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں بڑودہ کالج میں علوم مشرقیہ کے پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ مولانا محمد علی جوہر بھی مہاراجہ گائکواڑ بڑودہ کے ولی عہد کے اتالیق ہو کر بڑودہ میں سات سال رہے۔ مولانا کی فرمائش پر انھوں نے طلبہ کے لیے سیرت پر ایک کتاب "ہمارے نبی" لکھی جس کے پچاس سے زیادہ ایڈیشن نکلے۔ سیرت نبوی پر ان کی دوسری کتاب "تذکرۃ المصطفٰی" ۱۹۰۸ء میں چھپی۔ اسلام اور سائنس (۱۹۴۳) تاریخ صحف سماوی (۱۹۱۹) سیرت رسول اللہ (۱۹۲۳) آپ کی دوسری بلند پایہ علمی تصانیف ہیں۔

اپنے عہد کے اکابر سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اقبال سے بھی اچھے مراسم تھے۔ ان سے تعارف کی بنیاد ۱۹۱۲ء میں پڑ چکی تھی...

۲۶ سال تک بڑودہ میں خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۲۹ء میں ریاست جوناگڑھ سے وابستہ ہو گئے، پہلے بہاء الدین کالج کے پرنسپل ہوئے۔ پھر وزیر تعلیمات و اوقاف ہو گئے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں وہاں سے پینشن لے لی اور جولائی ۱۹۳۴ء میں بھوپال آ گئے۔ دسمبر ۱۹۳۴ء میں اپنے وطن لکھنؤ چلے گئے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کو ہجرت کی اور ۳۰ جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

ماخذ

- صہبا لکھنوی۔ اقبال اور بھوپال

(شیخ) نور محمد (متوفی ۱۹۳۰ء)

علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد عرف شیخ نتھو۔ ان کے والدین کے ہاں بچے ایام شیر خواری ہی میں فوت ہو جاتے تھے۔ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کی ناک میں نتھ پہنائی گئی۔ اس لیے عرف نتھو ہو گیا۔ اس زمانے میں ایک افسر وزیر اعلیٰ بلگرامی سیالکوٹ میں تعینات ہوئے۔ انھوں نے شیخ نور محمد کو پارچہ دوزی کے لیے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا کچھ عرصہ کے بعد شیخ نور محمد نے پارچہ دوزی کا اپنا کام شروع کیا۔ وہ خواتین کے برقعوں کی ٹوپیاں تیار کرتے تھے۔ یہ کاروبار خاصا ترقی کر گیا۔ اقبال کے انگلستان جانے سے پہلے وہ یہ کاروبار بند کر چکے تھے۔

شیخ نور محمد نے باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ لیکن اپنے علمی ذوق اور مذہبی علوم سے تعلق کی وجہ سے علما۔ وصوفیاء کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔

شیخ نور محمد بڑے رفیق القلب، سادہ، بردبار، متحمل مزاج اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔

انھوں نے ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ماخذ

اعجاز احمد۔ مظلوم اقبال۔ ص۔ ۲۲ — ۳۶

(دادا بھائی) نوروجی (۱۸۲۵ - ۱۹۱۷ء)

پارسی مذہبی رہنماؤں کے خاندان میں ۴، ستمبر ۱۸۲۵ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے ۱۸۴۵ء میں ایلفنسٹن کالج (ELPHINSTONE COLLEGE) بمبئی سے بی اے پاس کیا۔ اسی کالج میں لیکچرار مقرر ہوئے ۱۸۵۵-۵۶ء میں تجارت کی اور لندن کی" کاما اینڈ کمپنی" (CAMA AND COMPANY) کے شریک کار بن گئے۔ ۱۸۶۲ء میں اس کمپنی سے کنارہ کش ہو کر خود اپنا کاروبار" دادا بھائی نوروجی اینڈ کمپنی" کے نام سے شروع کیا۔

دادا بھائی نوروجی نے مختلف اہم ادارے قائم کئے اور ہندوستان و انگلستان دونوں ممالک کے متعدد اداروں اور سوسائٹیوں سے وابستہ رہے۔ چند معروف ادارے جو ان کی سعی جمیلہ سے قائم ہوئے وہ ہیں:

۱۔ انڈین نیشنل کانگریس (INDIAN NATIONAL CONGRESS)

۲۔ دی ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن لندن THE EAST INDIA ASSOCIATION LONDON

۳۔ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بمبئی۔

(THE ROYAL ASIATIC SOCIETY OF BOMBAY)

یہ ۱۸۸۶ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۶ء میں تین بار انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میں کانگریس سیشن کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ" سوراج ہی ہندوستان کے مسائل کا واحد حل ہے۔"

دادا بھائی نوروجی انگریزی اور گجراتی کے زبردست مقرر تھے وہ ایک ممتاز صحافی اور ادیب تھے۔ اور مختلف جریدوں اور رسالوں میں اپنے مضامین اور مقالے شائع کراتے رہے۔ ۱۸۸۳ء میں

انہوں نے ایک اخبار " دی وائس آف انڈیا" (THE VOICE OF INDIA)
نکالا۔ انھوں نے اپنی کتاب (THE DUTIES OF ZOROSTRIANS) میں
خیال، تقریر اور عمل کی پاکیزگی پر زور دیا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں
پنجاب یونیورسٹی نے ان کو ایل ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی
۱۹۱۷ء میں انتقال کیا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں وہ ہندوستان کے ایک سرکردہ
سماجی مصلح شمار ہونے لگے۔ وہ ذات پات کے سخت مخالف اور
عورتوں کی تعلیم کے پرجوش حامی تھے۔ وہ بڑے وسیع القلب
انسان تھے۔ ان کے احباب میں ہر مسلک اور مشرب کے لوگ تھے
جن میں اے۔ او ہیوم (A O HUME) بدر الدین طیب جی، گوپال
کرشن گوکھلے وغیرہ مصلح بھی شامل تھے۔

انہوں نے نہ صرف سماجی اصلاح کی تحریک میں میں حصہ لیا
بلکہ وہ ایک زبردست محب الوطن اور قوم پرست تھے۔ اپنے
دور میں ان کو THE GRAND OLD MAM)E INDIA کہا جاتا تھا۔

ماخذ

(قاضی) نور اللہ بن شریف الحسنی الشوستری
(۱۵۴۹ — ۱۶۱۰ء)

قاضی نور اللہ ۱۵۴۹ء میں شوستر (ایران) میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۸۰ء میں ہندوستان آئے۔ اپنے زمانے کے بڑے جیّد عالم، واعظ اور اہلِ قلم گزرے ہیں۔ ان کی دو تصنیفات "مجالس المومنین" اور "احقاق الحق" بہت مشہور ہیں۔ "مجالس المومنین" ۹۹۳ھ/۱۰۱۰ھ کے درمیان لکھی گئی اور اس میں شیعہ عالموں، فقیہوں، بادشاہوں، شاعروں اور صوفیوں کے حالات اور اقوال درج کیے ہیں۔ انھوں نے تصوّف کی تعریف کی ہے۔ برخلاف شیعہ علمار کے جو اس کو رد کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت سلیم چشتیؒ کی شان میں گستاخانہ جملے کہے تھے۔ جس پر جہانگیر نے برافروختہ ہوکر ان کو ۱۶۱۰ء میں آگرہ میں قتل کروادیا اور وہیں مدفون ہیں۔ اثنا عشری حضرات انھیں "شہیدِ ثالث" کے لقب سے پکارتے ہیں۔

ماخذ

شیخ اکرام۔ رودِ کوثر۔ ص۔ ۳۹۹۔۴۰۳

می بداونی، قاموس المشاہیر ص ۲۷۱۔ ۲۷۲

سیّد تقی حسین زیدی "صفوۂ نور"۔ لاہور

وحشت کلکتوی (متوفی ۱۹۶۵ء)

سید رضا علی وحشت کلکتوی ۱۸ر نومبر ۱۸۸۱ء کو کلکتے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کلکتہ ہی میں پائی۔ ۱۹۰۱ء میں امپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ کلکتہ کے شعبۂ فارسی میں چیف مولوی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج کلکتہ میں صدر شعبۂ فارسی و اردو مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں 'خان بہادر' کا خطاب ملا۔ ۱۹۵۰ء تک لیڈی برابورن کالج کلکتہ میں اردو فارسی کے پروفیسر رہے۔ مئی ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے مشرقی پاکستان چلے گئے۔ ۲۰ر جولائی ۱۹۵۶ء کو ڈھاکہ میں انتقال کیا۔

وحشت اردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ۱۹۱۰ء میں ان کا اوّلین مجموعۂ کلام "دیوانِ وحشت" شائع ہوا تو ہندوستان کے جن ادیبوں نے اس پر تبصرے کیے ان میں حالی، شبلی، شرر، حسرت، ظفر علی خاں، نوبت رائے نظر، شوق قدوائی، صفی لکھنوی، اکبر الٰہ آبادی، شاد عظیم آبادی، ظہیر دہلوی، نظم طباطبائی اور اقبال قابلِ ذکر ہیں۔

ماخذ

رفیع الدّین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص۔ ۱۱۰

وقارالملک (۱۸۴۱ء۔ ۱۹۱۷ء)

ان کا نام مشتاق حسین تھا۔ ۲۴ر مارچ ۱۸۴۱ء میں سراوا ضلع میرٹھ (اتر پردیش، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ چھ ماہ کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور یہ اپنی والدہ کے ساتھ امروہہ چلے گئے اور اسے اپنا وطن سمجھا۔ اردو اور فارسی کی تعلیم مکتب میں پائی۔ تحصیلی اسکول میں بھی چند برس پڑھا۔ ۱۸۵۹ء میں امروہہ کے تحصیلی اسکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۸۶۰ء میں تحصیل مرادآباد میں محرر ہو گئے۔ ۱۸۶۱ء میں مرادآباد میں سخت قحط پڑا۔ اسی زمانے میں سرسید تبدیل ہو کر مرادآباد آ چکے تھے اور رلحت کاری کے کام کے انچارج تھے۔ انھوں نے یہ کام امروہہ میں مشتاق حسین کے سپرد کیا جسے انھوں نے پوری لگن اور تندہی سے انجام دیا۔ سرسید نے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا۔ مشتاق حسین بڑی تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ ۱۸۶۵ء میں جب وہ سررشتہ داری پر ترقی پا کر علی گڑھ پہنچے تو سرسید یہاں صدرالصدور تھے۔ ۱۸۷۲ء میں تحصیل داری کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

۱۸۷۵ء میں ریاست حیدرآباد نے ان کو طلب کر لیا۔ اس وقت سرسالارِ جنگ اول ریاست حیدرآباد کے مدارالمہام یعنی وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے ریاست کے ازسرِ نو بند و بست کا منصوبہ بنایا تھا۔ مولوی مشتاق حسین نے ریاست کا نظم و نسق چلانے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ ریاست میں امرا کی باہمی سازشوں کے نتیجہ میں ان کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ یہ امروہہ آ گئے اور پھر علی گڑھ جا کر قوم کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ سرسید نے کالج کے بورڈنگ ہاؤس کی ذمہ داری انھیں سونپ دی۔

مولوی مشتاق حسین کا ستارہ پھر سے چمکا۔ ۱۸۸۲ء میں سرسالار جنگ نے حالات سازگار پائے تو انھیں دوبارہ حیدرآباد بلا لیا۔ اور صدر تعلق دار کے عہدہ پر فائز کیا۔ جب مولوی نذیر احمد ملازمت سے سبکدوش ہوئے

تو ان کی جگہ ریونیو ممبر بنایا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں صوبہ شرقی کے ناظم (گورنر) مقرر ہوئے۔ مدارالمہام کے مشیرِ خاص رہے۔ ان کی بیش بہا خدمات کے صلہ میں وقارالدولہ وقارالملک کے خطابات عطا کیے گئے۔ ۱۸۹۲ء میں ریاست حیدرآباد کی ملازمت کو خیرآباد کہہ کر وطن چلے آئے۔ اب یہ ہمہ تن خدماتِ قومی میں منہمک ہو گئے۔ اس زمانہ میں یوپی کے لفٹیننٹ گورنر سر انٹونی میکڈانل SIR ANTHONY MACDONVEL کی اردو دشمنی سے سارے ملک کے مسلمانوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں لکھنؤ میں مسلمانوں کے جلسہ میں وقارالملک نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ اس صورت میں ممکن ہے کہ ان کی ایک جداگانہ جماعت ہو۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو وقارالملک اس کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔

دسمبر ۱۹۰۷ء میں وقارالملک تین سال کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹی کے آنریری سکریٹری بنائے گئے۔ اور یہ مدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ ان کی خواہش کے خلاف انھیں پھر منتخب کرلیا گیا۔ انھیں کے عہد میں یونیورسٹی کی تحریک کا آغاز ہوا۔ کالج میں توسیع ہوئی۔ ادھوری عمارتیں مکمل ہوئیں۔ اور اتنا چندہ جمع ہوا کہ جس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے اور نہ بعد میں۔

زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور بڑے صدمے برداشت کیے۔ مگر ہمت نہیں ہاری۔ ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء کی درمیانی شب میں امروہہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

ماخذ ــــ

۱۔ سہ ماہی "فکر و نظر" (علی گڑھ کا نامورانِ علی گڑھ نمبر جنوری تا ستمبر ۱۹۸۵ء، ص۔ ۸۶ ـ ۸۷

کلیات مکاتیب اقبال۔ ۱

۲۔ جی۔ علانہ۔ ایمینینٹ مسلم فریڈم فائٹرز (۱۵۶۲ ۔ ۱۹۴۷ء) ص۔ ۱۵۱ ۔ ۱۶۰

۳۔ محمد امین زبیری : وقارِ حیات (سوانح عمری)

ولی دکنی (۱۰۷۹۔ ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۴ء)

نام شمس الدین، ولی تخلص، ۱۰۷۹ھ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت گجرات میں ہوئی۔ اردو کے ابتدائی دور میں ولی نے بلند پایہ شاعری کی۔ انھیں اردو غزل کے بانیوں میں سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اردو شاعری کو فارسی کے سانچوں میں ڈھالا جس کی شمالی ہند میں پیروی کی گئی۔

ولی کا کلام سادہ اور شیریں ہے۔ پیچیدہ اور دوراز کار تشبیہوں سے پاک ہے۔

ولی نے ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۴ء میں بمقام احمد آباد ۷۶ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

"دیوانِ ولی" انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔

ماخذ

اردو انسائیکلو پیڈیا ۔ ص۔ ۱۵۶

(شاہ) ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء)

اورنگ زیب کے عہد میں ۱۷۰۳ء میں غازی میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت عمر سے ملتا ہے۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم ایک جید عالم تھے اور درس و تدریس ان کا خاص شغل تھا۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ ساتویں سال سے روزہ اور نماز پابندی سے ادا کی۔ پھر سلسلۂ نقشبندی سے منسلک ہوگئے۔ والد کی وفات پر سترہ برس کی عمر میں مسند سنبھالی۔ دو مرتبہ حج کو گئے۔ مدینہ شریف میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ ۱۷۳۲ء میں دلی واپس تشریف لائے۔ اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحمانیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جو آخر عمر تک جاری رہا۔ ۱۷۶۲ء میں انتقال ہوا اور دلی میں مدفون ہوئے۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک اور علوم قرآنی کی اشاعت ہے۔ ۱۷۳۷ء میں آپ نے قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور اس پر سیر حاصل مقدمہ بھی لکھا۔ اس سے علمائے وقت بہت برہم ہوئے۔ اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ پھر عربی میں ایک تفسیر "الفوز الکبیر" لکھی۔ اس کے علاوہ فقہ، اجتہاد اور تصوف پر متعدد کتابیں لکھیں۔ آپ کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ جس میں شریعت اسلامی کے رموز و اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

اقبال نے اپنے (خط محررہ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء) بنام خان محمد نیاز الدین خاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا اور یہ کام انھوں نے نہایت خوبی سے کیا ہے۔" اور ان کی کتاب "مضیلت الشیخین"، یعنی "قرۃ العین فی تفصیل الشیخین" کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کے آخری حصہ میں تصوف پر بحث کی ہے۔

ماخذ

اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص۔ ۸۸۴ ۔ ۸۸۵

(سر) ولیم میور SIR WILLIEM MUIR
(۱۸۱۹ - ۱۹۰۵ء)

ولیم میور اپریل ۱۸۱۹ء میں گلاسگو (GLASGOU) میں پیدا ہوا۔ گریجویشن کرنے سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی میں سول سروس میں ملازمت مل گئی۔ ۱۶ر دسمبر ۱۸۳۷ء کو بمبئی میں وارد ہوا۔ اور محکمہ مال کا کام سپرد ہوا۔ اس میں اپنی ملازمت کے ۳۹ برس صرف کیے۔ کانپور، بندیل کھنڈ اور فتح پور اضلاع میں تعینات رہا۔ بعد میں ترقی پاکر بورڈ آف ریونیو (BAORD OF REVENUE) میں چلا گیا۔ ۱۸۴۷ء میں سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں بورڈ آف ریونیو کا سینئر ممبر (SENIOR MEMBER) مقرر ہوا۔ ۱۸۶۴ء میں گورنر جنرل کی لیجسلیٹو کونسل (LEGISLATIVE COUNCIL) کا عارضی رکن نامزد ہوا۔

ملازمت کے مختلف مدارج طے کرتا ہوا ۱۸۶۸ء میں شمالی مغربی صوبہ جات کا لفٹیننٹ گورنر مقرر ہوا۔ اور ۱۸۷۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ ہندوؤں میں رائج رسم دختر کشی کو بغیر کسی سیاسی خلفشار کے ختم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے اپنے عہد اقتدار میں محکمہ مال کے نئے قوانین نافذ کیے۔ جن سے کسانوں پر لگان کا بار کچھ کم ہوا۔

پرائمری اور یونیورسٹی کی سطح کی تعلیم کی ترویج و ترقی میں نمایاں کام کیا۔ الٰہ آباد میں کالج قائم کیا۔ جو اس کے نام پر میور کالج (MUIR COLLEGE) کہلایا۔ پھر الٰہ آباد یونیورسٹی قائم کی جو آج تک اس کی یادگار ہے۔

۱۸۷۴ سے ۱۸۷۶ء تک وائسرائے لارڈ نارتھ بروک (LORD NARTH BROAK) کی کونسل کا فائنس ممبر بھی رہا۔

۱۸۷۶ء میں ریٹائر ہونے کے بعد لندن میں انڈین کاؤنسل (INDIAN COUNCIL) کا رکن مقرر ہوا۔ اور اس عہدہ پر ۱۵ر دسمبر ۱۸۸۵ء تک فائز رہا

جب اس کو ایڈنبرا یونیورسٹی (EDINBURGH UNIVERSITY) کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ (آجکل وائس چانسلر کہتے ہیں) اور مرتے دم تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ پرنسپل کی حیثیت سے وہ طلبا میں حد درجہ مقبول تھا۔

اس کو شہرت عربی زبان کے سکالر اور مورخ کی حیثیت سے حاصل ہوئی۔ ۱۸۵۸ء - ۶۱ میں اس نے "پیغمبر اسلام کی سوانح حیات۔ اسلامی تاریخ دورِ ہجری تک" (LIFE OF MOHAMAD - HISTORY OF ISLAM TO THE ERA OF HEGIRA) چاروں جلدوں میں لکھی۔ بعد میں اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۸۴ء میں ایک جلد میں شائع ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں "خلافت راشدہ اور اشاعتِ اسلام" (THE EARLY CALIPHET OF RISE OF ISLAM) کی تاریخ لکھی۔ مزید برآں ۱۸۸۳ء میں خلافت راشدہ کی تاریخ (ANNALS OF EARLY CALIPHET) اور ۱۸۹۳ء میں "مملوک یا خاندان غلامان مصریہ" (MAMELUKE OR SLAVE DYNASTY OF EGYPT) مرتب کی۔ اس کی دوسری مشہور تصنیفات یہ ہیں۔ قرآن ترتیب و تعلیقات اور شہادت صحائف آسمانی" THE CORAN: ITS COMPOSITION AND TEACHING AND THE TESTIMONY ITS BEARS TO THE HOLY SCRIPTURES ۱۸۷۸ء

اقتباسات قرآن مع انگریزی ترجمہ کے ساتھ (EXTRACT FROM THE CORAN IN THE ORIGINAL WITH ENGLISH RENDERING) ۱۸۸۰ء

"الکندی کی حمایت میں" THE APOLOGY OF AL-KINDY ۱۸۸۱ء - ۱۸۸۷ء

ANCIENT ARABIC POETRY: IT GENUINERS AND ANTHENTICITY اس کا مقالہ قدیم شاعری اور اس کی صحت استناد اعلیٰ پایہ کا ہے جو رائل ایشاٹک سوسائٹی (ROYAL ASIATIC SOCIETY) کے جریدہ (JOURNAL) میں ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا۔

اس کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بھائی (JOHN) کی مالی شرکت سے اپنے دادا کے بھائی سر جیمس شا (SIR JAMES SHAW) کی یاد میں سنسکرت اور تقابلی ادب کے پروفیسر کا عہدہ ایڈنبرا یونیورسٹی میں قائم کرایا۔

میور ۱۸۸۴ء میں رائل ایشیاٹیک سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا۔ اسلامی تاریخ اور ادب پر اس کی تصنیفات پر ندرت و وسعت کے پیشِ نظر آکسفورڈ، ایڈنبرا اور بلونا BOLONA یونیورسٹیوں نے اسے اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔

۱۱ر جولائی ۱۹۰۵ء کو ایڈنبرا میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ

(مس ایما) ویگے ناسٹ FRAULEIN (MISS) EMMA WEGENAST
(۱۸۷۹ء۔۱۹۶۴ء)

مس ایما ویگے ناسٹ ایک جرمن خاتون تھیں جو ہائیڈل برگ (HEIDELBERG) میں اقبال کے مختصر قیام کے دوران (اواخر جولائی تا اوائل اکتوبر ۱۹۰۷ء) جرمن زبان میں ان کی اتالیق تھیں۔ اس وقت خاتون موصوفہ کی عمر بیس اور تیس سال کے درمیان تھی۔ یہ بڑی خوش شکل مہذب اور باسلیقہ نوجوان خاتون تھیں۔ اقبال ان کے بڑے گرویدہ تھے لیکن یہ گرویدگی بالکل صاف اور معصوم تھی۔

پہلے پہل اس خاتون کی طرف توجہ عطیہ فیضی کی کتاب کے ذریعہ مبذول ہوئی تھی۔ مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط کی کھوج جناب ممتاز حسن مرحوم جو (پاکستان جرمن فورم (PAKISTAN-GERMAN FOURM) کے صدر تھے) اور ایک نومسلم جرمن محمد امان اللہ ہربرٹ ہوبوم (MOHD A-ANULLAH HERBERT HOBOHM) جو وسط عشرہ ۱۹۵۰ء سے وسط عشرہ ۱۹۶۰ء تک جرمن فورم کراچی کے معتمد رہ چکے تھے اور جن کی شادی علامہ اقبال کے دوست مولوی انشاءاللہ خاں ایڈیٹر "وطن" کی پوتی سے ہوئی تھی) ۱۹۵۹ء کے دورہ جرمنی کے دوران لگائی تھی۔ اگرچہ اس دورہ میں وہ مس ویگے ناسٹ سے ذاتی طور پر نہیں مل سکے تاہم ان کے ساتھ خط و کتابت رہی۔ جس کے نتیجہ میں خاتون موصوف نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل یعنی ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں اپنے نام اقبال کے سارے خطوط پاکستان جرمن فورم کے حوالے کر دیے۔ ممتاز حسن صاحب مرحوم نے اس مجموعۂ خطوط کی ایک مکمل فوٹو کاپی اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں سے دو پوسٹ کارڈوں کا اصل مسودہ ہوبوہم صاحب کو عطا کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے پاس ستائیس (۲۷) خطوط تھے۔ ہوبوہم صاحب کو کچھ ہلکی سی یاد ہے کہ کل ملا کر چالیس (۴۰) خطوط تھے۔ باقی تیرہ (۱۳) خطوط کی جستجو ہنوز جاری ہے۔

کلیاتِ مکاتیب اقبال ۔۱

سعید اختر دُرّانی نے ان خطوط کی نقول جناب ہو بوہم سے ۱۹۸۲ء میں حاصل کیں اور اپنی کتاب "اقبال یورپ میں" شامل کر کے شائع کر دیے ۔ یہ کتاب ۱۹۸۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔

ان دستیاب ستائیس (۲۷) خطوط میں سترہ (۱۷) خطوط جرمن زبان میں اور دس (۱۰) خطوط انگریزی زبان میں ہیں ۔ پہلی جنگ عظیم سے بیشتر لکھے گئے تمام خطوط (باستثنائے دو (۲) جرمن زبان میں ہی ہیں۔

عرصہ تحریر کے لحاظ سے ان خطوط کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انیس (۱۹) خطوط ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۴ء تک کے درمیان عرصہ میں لکھے گئے ۔ صرف ایک خط کو چھوڑ کر جس کا سنہ تحریر ۱۹۱۹ء ہے بقیہ سات مکاتیب ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک تین برسوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

یہ خطوط "اقبال یورپ میں" سے اخذ کیے گئے ہیں اور اردو ترجمہ جناب سعید اختر دُرّانی صاحب کا ہے ایک آدھ جگہ ہم نے ترجمہ میں خفیف سی تبدیلی کو جائز رکھا ہے۔

برائے تفصیل :۔

۱۔ سعید اختر دُرّانی ۔ اقبال یورپ میں

۲۔ محمد اکرام چغتائی ۔ اقبال اور دیگے ماسٹ

۳۔ نوائے وقت، لاہور ۔ ۹، نومبر ۸۴ ۱۹ء

ہائنے ہابن رک HEINRICH HEINE
(۱۷۹۵۔۱۸۵۶ء)

ہابن رک ہائنے ۱۳ دسمبر ۱۷۹۵ء کو ڈوزل ڈورف کے (DUSSELDORF) مقام پر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بون (BONN) برلن (BERLIN) اور گوٹن جین (GOTTINGEN) یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ ۱۸۲۵ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی لیکن کبھی پریکٹس نہیں کی۔

اپنے دو چچازاد بہنوں کے عشق میں رومانی شاعری پر مائل ہوا۔ اور ۱۸۲۷ء میں اس کی شاعری کا پہلا مجموعہ THE BOOK OF SONGS شائع ہوا۔ اس کی بین الاقوامی شہرت کا دارومدار بڑی حد تک اسی کی عشقیہ شاعری پر ہے۔ انیسویں صدی میں یورپ کی ادبیات میں عشقیہ شاعری کا عظیم ترین علم بردار کہا جاتا ہے۔ وہ نثر نگار بھی تھا۔ ۱۸۲۴ء میں جرمنی کے کوہستان ہارز (HARZ) کے سفر پر پیدل نکلا۔ بعد ازاں انگلستان اور اٹلی کو بھی سیر کی۔ اور اپنا سفرنامہ مضامین کی صورت میں مرتب کیا۔

فرانس کے جولائی ۱۸۳۰ء کے انقلاب کے بعد ۱۸۳۱ء میں پیرس چلا گیا۔ اور وہیں بقیہ عمر گزاری۔ اس زمانہ کے عصری، سیاسی اور سماجی مسائل پر چبھتے ہوئے مقالے اخباروں میں لکھے۔ جو کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ یہ سلسلہ ۱۸۴۸ء تک چلتا رہا۔

دوسرا مجموعہ کلام (NEW POEMS) ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا۔ اس نے طنزیہ اور مزاحیہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔

۱۸۴۸ء سے سخت بیماری میں مبتلا ہوا۔ جس سے وہ جان بر نہ ہو سکا۔ اس کا تیسرا مجموعہ کلام (ROMANZERO) دلدوز شہر آشوب قسم کی نظموں اور انسانی درد و کرب کی آئینہ دار نظموں پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری مجموعہ کلام (POEMS OF AND) ۱۸۵۳۔۱۸۵۴ء یا ۱۸۵۳ اور ۱۸۵۴ کی نظموں کے نام سے شائع ہوا جس میں

اسی نوع کی نظمیں ہیں۔
اس نے ۱۷ر فروری ۱۸۷۰ء کو انتقال کیا۔

ماخذ

دائرۃ المعارف برطانیکا، جلد ہشتم، ص ۴۳،۔ ۴۵،
ایڈیشن ۱۹۸۲ء

ہمایوں (نصیرالدّین) (۱۵۰۸۔۱۵۵۶ء)

ظہیرالدین بابر کا بڑا بیٹا اور ولی عہد ۱۶ / مارچ ۱۵۰۸ء میں کابل میں پیدا ہوا۔ ۱۵۲۶ء میں باپ کے ساتھ ہندوستان آیا۔ حصار فتح کیا اور پانی پت کی پہلی لڑائی میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ ہندوستان آنے سے پہلے بدخشاں میں گورنر رہا۔ ۱۵۲۹ء میں سنبھل کا گورنر مقرّر ہوا۔ باپ کی وفات پر ۱۵۳۰ء میں ہندوستان کا شہنشاہ بنا۔ اس وقت مشرق میں افغانیوں کا زور تھا جو بنگال، بہار سے اٹھ کر جون پور اور اس کے اطراف پر قابض ہوگئے تھے۔ مغرب میں گجرات کا سلطان بہادر شاہ مالوے پر قابض ہو چکا تھا۔ راجپوتانہ میں راجپوت دوبارہ قسمت آزمائی کے لیے تیاریاں کر رہے تھے۔ ہمایوں نے ۱۵۳۴ء میں گجرات پر توجہ کی۔ چتوڑ کے قریب بہادر شاہ کو شکست دی۔ ہمایوں نے اپنے بھائی عسکری کو گجرات کا گورنر مقرّر کیا۔ ہمایوں گجرات میں الجھا ہوا تھا تو فرید خاں عرف شیر خاں نے بہار میں افغانیوں کو منظم کر کے زبردست قوت پیدا کر لی۔ بنگال کے بادشاہ نصرت شاہ نے ہمایوں کو بنگال آنے کی دعوت دی اور حمایت کا یقین دلایا۔ ہمایوں نے بنگال کا رُخ کیا۔ شیر خاں ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر جلد ہی بنارس، بہرائچ، قنوج اور جون پور سے واپس لوٹا تو شیر خاں نے بکسر کے قریب، جوسہ کے مقام پر ہمایوں کو شکست فاش دی۔ اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور شیر خاں کے بجائے شیر شاہ (۱۵۳۹۔۱۵۴۵ء) کہلانے لگا۔ شیر شاہ نے قنوج سے آگے بڑھ کر بلگرام میں ہمایوں کو دوسری مرتبہ شکست دی۔ پھر ہمایوں آگرہ، لاہور سے ہوتا ہوا سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح اپریل ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کی حکومت ہندوستان میں ختم ہوگئی۔ اور شیر شاہ سوری یہاں کا فرماں روا بنا۔ ہمایوں سندھ ہوتا ہوا پریشان حال قندھار پہنچا۔ وہاں سے بھائی کے ساتھ شہنشاہ ایران کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوا۔

۱۵۵۴ء میں ہمایوں نے ایرانی فوج کو ساتھ لے کر کابل پر حملہ کیا اور فتح حاصل

کی۔ نومبر ۱۵۵۴ء میں ہندوستان کا رُخ کیا۔ دیپال پور کے قریب معمولی مزاحمت پیش آئی۔ ماچھی واڑہ میں سکندر شاہ سوری کو شکست دے کر ہمایوں سرہند پہنچا۔ یہاں دوبارہ جنگ ہوئی۔ سکندر شاہ شکست کھا کر سوالک کی پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ ہمایوں ۱۵۵۵ء میں دلّی اور آگرہ پر قابض ہو گیا۔ ۷ر جنوری کو مغرب کی اذاں سن کر کتب خانہ کی چھت سے اترتے ہوئے گر کر سخت زخمی ہوا۔ اور ۲۴ر جنوری ۱۵۵۶ء کو وفات پائی۔

ماخذ

اُردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لیمیٹڈ، لاہور

ص ۱۵۰۴ ۔ ۱۵۰۵

ہیگل (جارج ولیم فریڈرک) HEGEL (GEORG WILHELM FRIEDRICK)

(۱۷۷۰ - ۱۸۳۱ء)

۲۷ اگست ۱۷۷۰ء کو سٹوٹ گارٹ (STUTTGART) میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۸۸ء میں ٹوبن جین (TUBINGEN) کے ادارے میں دو سال تعلیم حاصل کی اور فلسفۂ قدیم میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔

۱۸۰۱ء میں یہ جینا (JENA) چلے آئے جہاں فلسفہ اور ریاضی پر لیکچر دینے لگے۔ ۱۸۰۵ء میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۸۰۷ء میں ان کا پہلا شاہکار "علم ادراکِ ذہن" (THE PHENOMENOLOGY OF MIND) شائع ہوا۔ ۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۹ء تک یہ نورن برگ (NURNBERG) میں استادِ اعلیٰ RELTOR رہے۔ ۱۸۱۲ء میں اُن کی ایک مشہور کتاب حکمتِ منطق (SCIENCE OF LOGIC) کا پہلا حصہ شائع ہوا۔ اور دوسرا حصہ ۱۸۱۶ء میں مکمل ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں ان کی معرکۃ الآرا تصنیف "دائرۃ المعارف الحکمت فلسفہ" (FNCYCLOPAEDIA OF THE PHILOSOPHICAL SCIENCE) شائع ہوئی۔ اس کی شہرت کی بنا پر ۱۸۱۸ء میں وہ برلن میں صدرِ شعبۂ فلسفہ مقرر ہوئے۔ ۱۸۲۱ء میں ان کی تصنیف "فلسفۂ حق" (PHILOSOPHY OF RIGHT) شائع ہوئی۔

اب اُن کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ ۱۸۳۱ء میں فریڈرک ولیم III (RITORICK WILHELM III) نے تمغہ عطا کیا اور ۱۸۳۰ء میں یونیورسٹی کے ریکٹر مقرر ہوئے۔

۱۴ نومبر ۱۸۳۱ء کو انتقال کیا۔

انھوں نے افلاطون کے اس نظریہ کو کلی طور پر قبول کیا تھا کہ فلسفی تمام کائنات اور تمام عالمِ زمان و مکان کا ناظر ہوتا ہے۔

(THE SPECTATOR OF ALL TIME AND ALL EXISTANCE)

ان کا فلسفہ تمام کائنات کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ ہیگل کا بنیادی نظامِ فکر ارتقاء بالضد (اقدار کی کشمکش سے ارتقار کا وجود ہے) ہے۔ اس کو جدلیاتی نظامِ فکر بھی کہا جاتا ہے۔ DIALECTICS

اُن کے فلسفہ اجداد سے انیسویں صدی کے بیشتر حکماء متاثر ہوئے اور یہ ہی فلسفہ مارکس (MARKS) کے فکر کی بنیاد بنا۔ اقبال نے بھی ارتقا بالضد کا اصول ہیگل کے فلسفے سے اخذ کیا، اقبال نے (STRAY REFLECTIONS) میں لکھا ہے کہ "ہیگل کا نظامِ فکر نثر میں ایک رزمیہ" ہے۔ لیکن ہیگل سے مرعوب ہونے کے باوجود اس کے بارے میں وہ "پیامِ مشرق" میں لکھتے ہیں ؎

حکمتش معقول را با محسوس در خلوت نرفت
گرچہ بکرِ فکر او پیرا یہ پوشد چوں عروس
طائرِ عقلِ فلک پرواز او دانی کہ چیست
ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس

ترجمہ: (اس کا فلسفہ معقول ہے مگر اسے محسوس کے ساتھ خلوت نصیب نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کے نادر افکار دلہن کا سا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اس کی آسمانوں میں پرواز کرنے والی عقل کا طائر جانتے ہو کیا ہے؟ ایک ایسی مرغی جو زورِ مستی میں بغیر مرغ کے انڈا دیتی ہے)

ماخذ
دائرۃ المعارف برطانیکا، جلد ۱۱ ص ۲۹۸۔۳۳
اقبال: پیامِ مشرق
IQBAL: STRAY REFLECTION)

یحییٰ کاشی (متوفی ۱۰۶۴ھ ۔ ۱۶۵۴ء)

میر یحییٰ کاشی اصلاً شیرازی تھے۔ لیکن کاشان میں رہنے لگے تھے۔ اس لیے کاشی کہلائے۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں آپ ہندوستان آئے اور زیادہ تر داراشکوہ کی مداحی میں اپنا وقت صرف کیا۔ شاہ جہاں آباد کے قلعہ کی تاریخ کہی: ع

شد شاہ جہاں آباد ز شاہ جہاں آباد

جس کے لیے پانچ ہزار روپے انعام میں ملے۔ ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

ماخذ

غنی۔ تذکرۃ الشعراء۔ ص ۱۲۵

علامہ علی آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ۔ مطبع نولکشور۔

جنگ ہائے بلقان BALKAN WARS

پہلی جنگ بلقان ۸؍اکتوبر ۱۹۱۲ء کو شروع ہو کر ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء کو صلح نامہ لندن کی رو سے ختم ہوئی۔ اس جنگ میں ایک طرف ترکی اور دوسری طرف بلغاریہ (BULGARIA) سربیا (SERBIA) اور یونان تھے۔ اس جنگ کے خاتمہ پر ترکی کو اس تمام مغربی علاقے سے دست بردار ہونا پڑا۔ جس کے ایک کونے پر "اینوز" اور دوسرے پر "میدیا" ہے۔ اس کے علاوہ کریٹ (CRETE) بھی اس کی علمداری سے نکل گیا۔ بالفاظ دیگر ترکی کا یورپ میں اقتدار ختم ہو گیا۔

دوسری جنگ بلقان ۲۹؍جون ۱۹۱۳ء کو شروع ہو کر ۳۰؍جولائی ۱۹۱۳ء کو ختم ہوئی۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ بلغاریہ کے جنرل سوائے نے اپنے وزیر اعظم کو مطلع کیے بغیر اور اس کی اجازت حاصل کیے بغیر سربیا پر اور یونان کی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ بلغاریہ کی حکومت نے اس اقدام سے بے تعلقی کا فوراً اعلان کر دیا۔ مگر سربیا اور یونان کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ اور انھوں نے حکومتِ بلغاریہ کے اعلان کے باوجود یہی مناسب خیال کیا کہ جنگ جاری رکھی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلغاریہ کے جنرل کے اس عاقبت نا اندیشانہ اعلانِ جنگ سے پیشتر سربیا اور یونان نے بلغاریہ پر حملہ کرنے کا فوجی پلان (منصوبہ) تیار کر رکھا تھا۔ جس پر وہ فوراً عمل پیرا ہو گئے۔ بعد ازاں ان کی دیکھا دیکھی رومانیہ (RUMANIA) اور ترکی نے بھی بلغاریہ پر دھاوا بول دیا۔ جس کے باعث بلغاریہ کو فوری شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور ۱۰؍اگست ۱۹۱۳ء کو عہد نامہ بخارسٹ (TREATY OF BUCKARST) پر دستخط کرنے پڑے۔ جس کی رو سے سربیا اور یونان کا مقدونیہ (MACEDONIA) کے ان علاقوں پر تسلّط تسلیم کر لیا گیا۔ جن پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ۲۳؍ستمبر ۱۹۱۳ء کو سربیا نے البانیہ (ALBANIA) پر حملہ کر دیا اور ان علاقوں پر جو معاہدۂ لندن کی رو سے اسے عطا کیے گئے تھے قابض ہو جانا چاہا

مگر ۱۸ اکتوبر کو آسٹریا (AUSTRIA) نے سربیا کو الٹی میٹم دے دیا کہ البانیہ کے ان علاقوں سے آٹھ روز کے اندر اندر اپنی فوجیں ہٹا لے۔ اس پر سربیا نے گھٹنے ٹیک دیے۔ ۲۹ ستمبر کو معاہدۂ قسطنطنیہ ہوا جس کی رو سے ترکی نے بلغاریہ سے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لے لیے۔

ماخذ:

اردو انسائیکلوپیڈیا۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۴۳۵

حماسہ

فنِ شاعری کی وہ قسم ہے جسے رزمیہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں میدانِ جنگ میں بہادری کی مدح اور اعدا کو مغلوب کرنے، شہسواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی، تیراندازی وغیرہ کی مدح ہوتی ہے۔ شجاعت کا جذبہ ابھارنے والے مضامین نظم کیے جاتے ہیں جنھیں پڑھ کر انساں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دے۔ یہ درس دیا جاتا ہے کہ ایثار و قربانی کی زندگی اور نیزوں کے سائے میں موت شرف و کرامت کی علامت ہے۔ یہ اشعار میدان جنگ میں بہادروں کا جذبہ غیرت و شجاعت ابھارنے کے لیے پڑھے جاتے ہیں۔

ماخذ

شوقی ضیف۔ فصول فی الشعر

دائرۃ المعارف مصر، مطبع ثانی، ص ۲۲-۲۳

سودیشی تحریک

۱۸۴۱ء۔ ۱۸۴۹ء کے دوران گوپال ہری دیش مکھ GOPAL DESHMUKH نے "ملک" میں غریبی دور کرنے اور انگریزی اشیاءکا بائکاٹ کرنے کے لیے سودیشی کی اپیل کی۔ بنگال میں بھلا ناتھ BHULA NATH نے معاشی سودیشی تحریک چلانے پر زور دیا۔ اسی زمانہ میں (۱۸۷۴ء کے لگ بھگ) ہندی کے اولین عظیم شاعر، ادیب اور ڈرامہ نگار بھارتیندو، ہریش چندر BHARTENDU HARISH CHANDRA نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ بدیشی کپڑا استعمال نہ کریں اور صرف دیسی کپڑا استعمال کرنے کا عہد کریں۔

اس کے تقریباً تین سال کے بعد جب وائسرے ہند لارڈ کرزن LORD CURZON نے ۱۹۰۵ میں تقسیم بنگال کا اعلان کیا تو سودیشی تحریک نے زور پکڑا۔ اور برطانوی حکومت کو ہلاکر رکھدیا۔ بالآخر برطانوی حکومت کو ۱۹۱۱ءمیں تقسیم بنگال کو تنسیخ کرنا پڑا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں بالعموم اور کانگریس کی تاریخ میں بالخصوص نیا موڑ تھا۔ بایں حالات سودیشی تحریک نے کانگرس کو خود اعتمادی اور عدم تعاون کے موثر طریقہ کار مہیا کیے۔ ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۰۶ء میں تحریک اپنے شباب پر تھی۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ میں اس کا زور تھا۔ اور یہ ایک عوامی

تحریک بن گئی تھی۔ بال کرشنا گوکھلے BALKRISHNA GOKHALE
بھی جو برطانوی مال کے بائیکاٹ کرنے کی تحریک کی انقلاب
انگیزی کے حامی تھے اس بات کو تسلیم کرتے لگے کہ یہ قومی
ترقی کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جواہرلال
نہرو نے غیر جانبدارانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے "قومی تحریک
نے ۱۹۰۶ء سے پہلی بار متوسط طبقہ کو بیدار کیا اور خصوصاً
بنگال میں اس طبقہ میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی اور
کسی حد تک عوام میں بھی۔ کہا جاسکتا ہے اس کا اثر متوسط طبقہ کے
نوجوانوں کے دل و دماغ پر بنگال کے علاوہ دوسرے علاقوں
میں بھی پڑا۔

اقبال نے بھی سودیشی تحریک کی حمایت کی تھی۔ اپنے ایک
مضمون نامراسلے میں جو کیمرج یونیورسٹی سے لکھا گیا اور رسالہ زمانہ
(کانپور) کے مئی ۱۹۰۶ کے شمارہ میں شائع ہوا۔ کہتے ہیں۔
"سودیشی کی تحریک ہندوستان کے لیے کیا" ہر ملک کیلئے
جس کے اقتصادی و سیاسی حالات ہندوستان کی طرح ہوں
مفید ہے۔ کوئی ملک اپنے سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کرسکتا
جب تک کہ پہلے اس کے اقتصادی حالات درست نہ ہوجائیں
ہمیں مقدس عہد لینا ہے کہ ہم خارجی ممالک کی مصنوعات کا
استعمال نہ کریں۔"

یہ امر قابل غور ہے کہ اقبال نے اس زمانے میں مسلم قیادت
کی بھی پروا نہ کی تھی جو تقسیم بنگال کی حامی تھی اور قدرتی طور
پر سودیشی تحریک کے خلاف تھی۔

سودیشی تحریک کی حمایت کا موثر بیان ان کی فارسی مثنوی

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق (۱۹۳۶ء) میں بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپ والے بڑے عیار اور چالاک ہیں۔ وہ ہمارے ملک سے خام مال لے جاتے ہیں اور اپنے ملکوں کے کارخانوں میں مشینوں سے عمدہ عمدہ اشیاء تیار کر کے ہمارے ہی بازاروں میں بیچتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم دیسی چیزیں استعمال کریں۔ اور بدیشی چیزیں نہ خریدیں تاکہ ہماری معیشت مضبوط ہو۔

گر تو میدانی حسابش را درست
از حریرش نرم تر کرپاس تست

(اگر تم حساب اچھی طرح جانتے ہو تو جانوگے کہ ان کے ریشمی کپڑوں سے تمہارا کھدر زیادہ نرم ہے)

بوریائے خود بہ قالینش مدہ
بیدق خود را بہ فرزینش مدہ

(اپنے بورے کو ان کے قالین کے بدلے مت چھوڑو اور شطرنج کی بازی میں) اگر ان کا فرزین بھی مل رہا ہو تو اس کے بدلے میں اپنا پیادہ ہاتھ سے نہ دو۔)

آنچہ از خاک تو رست اے مردِ حر
آں فروش و آں بپوش و آں بخور

(اے مردِ آزاد جو کچھ تمہاری زمین سے پیدا ہو رہا ہے وہی بیچو اور وہی پہنو اور وہی کھاؤ۔)

اے ز کارِ عصرِ حاضر بے خبر
چرب دستی ہائے یورپ را نگر

(تو نئے دور کے کاموں سے بے خبر ہے یورپ کے ہاتھ کی صفائی کو دیکھ۔)

قالی از ابریشم تو ساختند
باز اورا پیش تو انداختند

(یہ تیرے ریشم سے قالین بناتے ہیں اور پھر تیرے ہی سامنے
(بیچنے کے لیے) ڈال دیتے ہیں۔
ملاحظہ ہو۔
سید مظفر حسین برنی: محب وطن اقبال

فتح قسطنطنیہ

بحیرۂ مارمورا میں رودبار راسفورس پر واقع ہے۔ قسطنطین اعظم نے روما سے دارالحکومت تبدیل کر کے اسے اپنی حکومت کا صدر مقام قرار دیا تھا۔ ۱۲۰۴ء میں اسے صلیبی جنگ آزماؤں نے فتح کر لیا تھا۔ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد دوم درّانی نے یہ شہر واپس لیا اور یہاں ترکوں کی حکومت قائم ہوئی۔ جو نومبر ۱۹۲۲ء تک رہی ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء کو اس کا نام "استنبول" قرار دیا گیا۔

ماخذ

اُردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور

ص ۱۱۹۲

نفحات

"نفحات" سے اگر نفحات الانس مولفہ عبدالرحمان جامی مراد ہے۔ تو یہ کتاب انھوں نے امیر علی شیر نوائی کی فرمائش پر ۸۸۳ھ میں لکھی تھی۔ اس میں ۵۸۲ صوفیاء و اولیاء کے حالات ہیں۔ مقدمہ کتا میں اصطلاحات صوفیہ سے بھی بحث کی ہے۔ کتاب ابو ہاشم صوفی کے ذکر سے شروع ہوکر خواجہ حافظ شیرازی کے ترجمہ پر ختم ہوتی ہے۔ متعدد بار ایران اور ہندوستان میں چھپی ہے۔

فلسفۂ عجم

اقبال کے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے مقالہ "ایران میں فلسفہ ما بعدالطبیعات کا ارتقاء" کا اردو ترجمہ ہے۔ انگریزی کتاب

THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA

۱۹۰۸ء میں لوزاک اینڈ کمپنی (LUZAC & CO) ۴۶ گریٹ رسل اسٹریٹ (46 GREAT RUSSELL STREET) لندن سے شائع ہوئی ۱۹۵۴ء میں بزم اقبال لاہور نے اس کا دوسرا ایڈیشن چھاپا۔ ۱۹۵۹ء میں تیسرا اور ۱۹۶۴ء میں بزم اقبال لاہور ہی سے چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔ حیدر آباد (دکن) کے تصدق حسین تاج نے اقبال کی زندگی میں اس کتاب کا اردو ترجمہ 'فلسفۂ عجم' (از میر حسن الدین) (۱۹۳۶ء) چھاپا۔

کتابیات

۱۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ — ڈاکٹر سید عبداللہ
انجمن ترقی اردو ہند دہلی — ۱۹۴۲ء

۲۔ اقبال بنام شاد — محمد عبداللہ قریشی
بزم اقبال لاہور — ۱۹۸۶ء

۳۔ اقبال اور فارسی شعراء — محمد ریاض
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۷۷ء

۴۔ اقبال کے حضور — سید نذیر نیازی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۷۱ء

۵۔ انوار اقبال — بشیر احمد ڈار
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۶۷ء

۶۔ اقبال اور مغربی مفکرین — جگن ناتھ آزاد
مکتبہ جامعہ دہلی — ۱۹۷۵ء

۷۔ امیر خسرو — شیخ سلیم احمد
ادارہ ادبیات دہلی — ۱۹۷۶ء

۸۔ اقبال یورپ میں — سعید اختر درانی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۸۵ء

۹۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام — محمد جہانگیر عالم
یونیورسل بکس لاہور — ۱۹۸۶ء

۱۰۔ اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ — ڈاکٹر عبدالشکور احسن
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۷۷ء

۱۱۔ اقبال ایک مطالعہ — ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۱۹۸۷ء

۱۲ اوراق گم گشتہ — رحیم بخش شاہین
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور — ۱۹۷۹ء

۱۳۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی — طاہر تونسوی
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی — ۱۹۷۹ء

۱۴ اقبال اور مشاہیر — طاہر تونسوی
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی — ۱۹۸۱ء

۱۵۔ اقبال اور حیدرآباد — نظر حیدرآبادی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور — ۹۶۲ء

۱۶۔ اقبال اور مسوت — ڈاکٹر اخلاق اثر
طارق پبلیکیشنز بھوپال — ۱۹۸۳ء

۱۷۔ اقبال اور عبدالحق (مکتوبات اقبال کی روشنی میں) — ڈاکٹر ممتاز حسن
مجلس ترقی ادب لاہور — ۱۹۷۳ء

۱۸۔ اقبال معاصرین کی نظر میں — پروفیسر سید وقار عظیم
مجلس ترقی ادب لاہور — ۱۹۷۳ء

۱۹۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ — محمد احمد خان

اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء

۲۰۔ اقبال آئینہ خانہ میں — آفاق احمد
مدھیہ پردیش اردو اکادمی بھوپال ۱۹۷۹ء

۲۱۔ اقبال کے ہم نشین — پروفیسر صابر کلوروی
مکتبہ خلیل لاہور ۱۹۸۵ء

۲۲۔ اتالیق خطوط نویسی — حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی
حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی ۱۹۲۹ء

۲۳۔ اقبال ۔ جہاں دیگر — محمد فرید الحق
گردیزی پبلشرز کراچی ۱۹۸۳ء

۲۴۔ اقبال دانائے راز — عبداللطیف آعظمی
مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۸ء

۲۵۔ اقبال کے آخری دو سال — عاشق حسین بٹالوی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۸ء

۲۶۔ اقبال نامہ اول — شیخ عطاراللہ
شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور ۱۹۴۵ء

۲۷۔ اقبال نامہ دوم — شیخ عطاراللہ
شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور ۱۹۵۱ء

۲۸۔ اخبار الاخیار — شیخ عبدالحق محدث دہلوی
مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۴ء

۲۹۔ اردو انسائیکلوپیڈیا — فیروز سنز لمیٹڈ
فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۶ء

۳۰۔ القاموس الاسلامی جلد سوم — احمد عطیہ اللہ

۳۱۔ الاعلام (۸ جلدیں) — خیرالدین الزرکلی
دارالعلم للملایین — بیروت — ۱۹۷۶ء

۳۲۔ المستشرقون — نجیب العقیقی
دائرۃ المعارف — مصر — ۱۹۶۴ء جلد اول
۱۹۶۵ء جلد دوم و سوم۔

۳۳۔ اقبال نامہ — چراغ حسن حسرت
کراچی — ۱۹۷۳ء

۳۴۔ اقبال اور ... — محمد اکرام چغتائی

۳۵۔ اقبال اور بھوپال — صہبا لکھنوی
اقبال اکادمی پاکستان — لاہور — ۱۹۷۳ء

۳۶۔ اقبال نامے — ڈاکٹر اخلاق اثر
طارق پبلیکیشنز — بھوپال — ۱۹۸۱ء

۳۷۔ اقبال — مولوی احمد دین۔ مرتبہ مشفق خواجہ
انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی — ۱۹۷ء

۳۸۔ بانگ درا مع شرح — پروفیسر سلیم چشتی
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس — دہلی — ۱۹۷۵ء

۳۹۔ باقیات اقبال — عبدالواحد معینی
کراچی — ۱۹۵۲ء

۴۰۔ بزم تیموریہ حصہ دوم — سید صباح الدین عبدالرحمٰن
معارف — اعظم گڑھ — ۱۹۸ء

۴۱۔ بزم صوفیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن
دارالمصنفین — اعظم گڑھ — ۱۹۴۹ء

۴۲۔ بیدل — عبادالله اختر
ادارہ ثقافت اسلامیہ — لاہور — ۱۹۶۱ء

۴۳۔ تاریخ ادبیات ایران — ڈاکٹر رضا زادہ شفق
ندوۃ المصنفین — دہلی — ۱۹۸۵ء

۴۴۔ تاریخ بغداد — خطیب بغدادی
مکتبہ سعادہ قاہرہ — مصر — ۱۳۵۹ھ

۴۵۔ تاریخ ادبیات ایران — ایڈورڈ براؤن
کیمبرج یونیورسٹی پریس — لندن — ۱۹۲۸ء

۴۶۔ تاریخ دعوت عزیمت اول — سید ابوالحسن علی ندوی
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ — ۱۹۷۹ء

۴۷۔ تاریخ تصوف — علامہ اقبال۔ مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی
مکتبہ تعمیر انسانیت — لاہور — ۱۹۸۵ء

۴۸۔ تاریخ اولیاء۔ نظامی مبسری — خواجہ حسن نظامی
خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی دہلی — ۱۹۸۴ء

۴۹۔ تاریخ صحافت اردو جلد پنجم — امداد صابری
مطبوعہ جمال پریس — دہلی — ۱۹۸۳ء

۵۰۔ تاریخ مشائخ چشت — خلیق احمد نظامی
ادارہ ادبیات دِلّی — دہلی — ۱۹۸ء

۵۱۔ تاریخ فیروز شاہی — ضیاءالدین برنی
مرتبہ سرسید احمد خاں
ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال — ۱۸۶۲ء

۵۲۔ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) — سید معین الحق
مرکزی اردو بورڈ — لاہور — ۱۹۶۹ء

۵۳۔	تحقیقی مضامین		مالک رام
	مکتبہ جامعہ	دہلی	۱۹۸۴ء
۵۴۔	تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ		نثار احمد فاروقی
	خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی دہلی		۱۹۸۰ء
۵۵۔	تذکرہ دربار حیدر آباد		رمن راج سکسینہ
	ترقی اردو بیورو	دہلی	۱۹۸۸ء
۵۶۔	تذکرہ معاصرین (۴ جلدیں)		مالک رام
	مکتبہ جامعہ	دہلی	۱۹۸۲ء
۵۷۔	تذکرہ شعراء		مولانا عبدالغنی فرخ آبادی
	انسٹی ٹیوٹ گزٹ	علی گڑھ	
۵۸۔	تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہید		نسیم احمد فریدی
	ادارہ الفرقان	لکھنؤ	۱۹۷۸ء
۵۹۔	تذکرہ ہمیشہ بہار		کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی
	انجمن ترقی اردو	کراچی	۱۹۷۳ء
۶۰۔	تذکرہ کاملان رام پور		احمد علی شوق
	ہمدرد پریس	دہلی	۱۹۲۹ء
۶۱۔	تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ		ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
	اقبال اکادمی پاکستان	لاہور	۱۹۸۲ء
۶۲۔	تحقیقات و تاثرات (خصوصی مطالعہ اقبال ٹیگور اور لمعہ حیدرآبادی)		پروفیسر اکبر رحمانی
	ایجوکیشنل اکادمی	جلگاؤں	۱۹۸۷ء
۶۳۔	تلمیحات اقبال		سید عابد علی عابد
	بزم اقبال لاہور	لاہور	۱۹۸۵ء

۶۴۔ پیام مشرق — اقبال
لاہور — ۱۹۴۲ء (چوتھا ایڈیشن)

۶۵۔ پریم چند، شخصیت اور کارنامے — قمر رئیس
مکتبہ عالیہ — رام پور — ۱۹۶۲ء

۶۶۔ پریم چند — ہنس راج رہبر
نعمانی پریس — دہلی — ۱۹۵ء

۶۷۔ جدید ہندوستان کے معمار — مترجم: احمد
ترقی اردو بیورو — دہلی — ۱۹۷۹ء

۶۸۔ جامی — علی اصغر حکمت/سید عارف نوشاہی
رضا پبلیکیشنز — لاہور — ۱۹۸۳ء

۶۹۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں — محمد عبداللہ قریشی
بزم اقبال — لاہور — ۱۹۸۲ء

۷۰۔ حیات جاوداں — محمد عبداللہ قریشی

۷۱۔ حیات اسمٰعیل (حیات و خدمات) — ڈاکٹر سیفی پریمی
مکتبہ جامعہ — دہلی — ۱۹۷۶ء

۷۲۔ حیات شبلی — شاہ معین الدین احمد ندوی
دار المصنفین — اعظم گڑھ

۷۳۔ حیات شبلی — سید سلیمان ندوی
معارف دار المصنفین اعظم گڑھ — ۱۹۷۰ء

۷۴۔ حلیۃ الاولیاء — ابونعیم اصفہانی
مکتبہ سعادہ قاہرہ — مصر — ۱۹۳۲ء

۷۵۔ حیات محروم۔ تلوک چند محروم۔ شخصیت اور فن — جگن ناتھ آزاد
انجمن ترقی اردو ہند — دہلی — ۱۹۸۷ء

۷۶۔ حیات حافظ — مولانا اسلم جیراجپوری
مکتبہ جامعہ ۔ دہلی — ۱۹۸۳ء

۷۷۔ حیات حمیدیہ حصہ دوم — مرزا حیرت دہلوی
کرزن پریس — دہلی — ۱۹ ۲ء

۷۸۔ خدو خال اقبال — محمد امین زبیری
تھری اے پرنٹرس ڈائرس کراچی — ۱۹۸۶ء

۷۹۔ خزانہ عامرہ — غلام علی آزاد بلگرامی
مطبع نولکشور — ۱۹۰۰ء

۸۰۔ خطوط اقبال — رفیع الدین ہاشمی
مکتبہ خیابان ادب — لاہور — ۱۹۷۶ء

۸۱۔ خطوط — مولانا غلام رسول مہر
المہر — لاہور — ۱۹۸۳ء

۸۲۔ خطوط اقبال بنام بیگم گرامی — مرتبہ حمید اللہ شاہ ہاشمی
محبوب بک ڈپو — فیصل آباد — ۱۹۷۸ء

۸۳۔ خطبات عالیہ — مولوی انوار احمد زبیری مارہروی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ — ۱۹۲۷ء

۸۴۔ خسرو شناسی — ظ۔ انصاری / ابو الفیض سحر
نیشنل بک ٹرسٹ — نئی دہلی — ۱۹۷۵ء

۸۵۔ دانائے راز۔ سوانح حیات
حکیم الامت حضرت علامہ اقبال — سید نذیر نیازی

اقبال اکادمی پاکستان   لاہور   ۱۹۷۹ء

۸۶۔ دانائے راز دیار دکن میں   سلیم تمنائی

انجمن اشاعت اردو   میسور   ۱۹۸۲ء

۸۷۔ دائرۃ المعارف برطانیکا   ولیم بنٹن پبلشرز شکاگو امریکا

امریکا   ۱۹۶۷ء

۸۸۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ اردو   پنجاب یونیورسٹی لاہور

لاہور

۸۹۔ دائرۃ المعارف   مصر

۹۰۔ داستان ادب حیدر آباد   ڈاکٹر محی الدین قادری زور

حیدر آباد   ۱۹۵۱ء

۹۱۔ دیوان حافظ   حافظ شیرازی/مترجم قاضی سجاد حسین

سب رنگ کتاب گھر   دہلی   ۱۹۷۲ء

۹۲۔ ذکر اقبال   عبدالمجید سالک

بزم اقبال   لاہور   ۱۹۵۵ء

۹۳۔ ذکر غالب   مالک رام

مکتبہ جامعہ   نئی دہلی   ۱۹۵۰ء

۹۴۔ روح مکاتیب اقبال   محمد عبداللہ قریشی

اقبال اکادمی پاکستان   لاہور   ۱۹۷۷ء

۹۵۔ روزگار فقیر   فقیر سید وحید الدین

لائن آرٹ پریس   کراچی   ۱۹۶۶ء

۹۶ روح بیدل   ڈاکٹر عبدالغنی

مجلس ترقی ادب   لاہور   ۱۹۶۸ء

۹۷۔ رود کوثر — شیخ اکرام
ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۹ء

۹۸۔ رسالہ قدسیہ با مقدمہ و تصحیح — خواجہ محمد/ملک محمد اقبال
مرکز تحقیقات فارسی و ایران راولپنڈی ۱۹۷۵ء

۹۹۔ ریحانۃ الادب — محمد علی تبریزی
ایران ۱۳۶۹ھ

۱۰۰۔ سیرت اقبال — محمد طاہر فاروقی
قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۸ء

۱۰۱۔ سفینۃ الاولیاء — داراشکوہ
لکھنؤ ۱۹۷۲ء

۱۰۲۔ سیرت امیر احمد مینائی — ممتاز علی آہ
ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۴۱ء

۱۰۳۔ سخنوران دکن — تسکین عابدی
حیدرآباد ۱۹۳۸ء

۱۰۴۔ ماثر اکرام موسوم بہ سرو آزاد — آزاد بلگرامی
مطبع رفاہ عام لاہور ۱۹۱۳ء

۱۰۵۔ سیرالاولیاء — میر خورد کرمانی
مطبع محب ہند دہلی

۱۰۶۔ سلطان الہند (عکسی ایڈیشن) — عبدالباری معانی اجمیری
اسلامک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۴۳ھ

۱۰۷۔ شاد اقبال — ڈاکٹر محی الدین قادری زور
سب رس کتاب گھر حیدرآباد ۱۹۴۲ء

۱۰۸۔ شعر العجم — علامہ شبلی نعمانی
معارف — اعظم گڑھ — ۱۹۸۴ء

۱۰۹۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان — محمود احمد برکاتی
مجلس اشاعت اسلام — لاہور — ۱۹۷۶ء

۱۱۰۔ شذرات۔ فکر اقبال — ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی/مترجم
مجلس ترقی ادب — لاہور — ۱۹۷۳ء

۱۱۱۔ شرح سودی بر حافظ — ڈاکٹر عصمت ستار زادہ

۱۱۲۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات — اعجاز الحق قدسی
اکادمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی — ۱۹۶۱ء

۱۱۳۔ صدر یار جنگ — شمس تبریز خاں
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ — ۱۹۷۲ء

۱۱۴۔ صحیفۂ نور — سید تقی حسین زیدی
لاہور

۱۱۵۔ الطبقات الکبریٰ — ابن سعد
دار بیروت للطباع والنشر بیروت — ۱۹۵۸ء

۱۱۶۔ طبقات الصوفیہ — عبد الرحمٰن اسلمی
۱۹۶۲ء

۱۱۷۔ عکس جمیل (اردو) — پروفیسر اکمل ایوبی

۱۱۸۔ غالب — غلام رسول مہر
آزاد بک ڈپو ہال بازار — امرتسر — ۱۹۳۶ء

۱۱۹۔ غالب نامہ — محمد اکرام
لاہور — ۱۹۳۶ء/۱۹۳۹ء

۱۲۰۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ — ڈاکٹر محمد ریاض/ڈاکٹر محمد صدیق شبلی
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور — ۱۹۷۴ء

۱۲۱۔ تاریخ ادبیات در ایران — پروفیسر ذبیح اللہ صفا
تہران — ۱۹۵۶ء

۱۲۲۔ فرہنگ ادبیات فارسی دری — زہرای خانلری
بنیاد فرہنگ ایران — ۱۳۴۸ شمسی

۱۲۳۔ فرہنگ فارسی — ڈاکٹر محمد معین
تہران — ۱۹۶۳ء

۱۲۴۔ قاموس المشاہیر — نظامی بدایونی
نظامی پریس بدایوں — ۱۹۲۶ء

۱۲۵۔ قطب شاہی دور کا فارسی ادب — اختر حسین
حیدرآباد — ۱۹۷۳ء

۱۲۶۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ — رماشنکر ترپاٹھی
ترقی اردو بیورو حکومت ہند دہلی — ۱۹۸۱ء

۱۲۷۔ کلمات شعراء — محمد افضل سرخوش/مرتبہ محمد حسین محوی لکھنوی
مدراس یونیورسٹی — ۱۹۵۱ء

۱۲۸۔ کلیات حزیں — شیخ علی حزیں
نولکشور پریس — ۱۸۹۳ء

۱۲۹۔ کارنامہ سروری — آغا مرزا دہلوی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ — ۱۳۵۲ھ

۱۳۰۔ کشف المحجوب — ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجوری
اسلام آباد — ۱۹۷۸ء

۱۳۱۔ گفتارِ اقبال — محمد رفیق افضل
ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور — ۱۹۷۷ء

۱۳۲۔ گل رعنا — عبدالحی
معارف — اعظم گڑھ — ۱۳۵۳ھ

۱۳۳۔ مختصر تاریخ ادب اردو — ڈاکٹر اعجاز حسین
آزاد کتاب گھر — دہلی

۱۳۴۔ مرزا عبدالقادر بیدل — سید اطہر شیر
ادارہ تحقیقات عربی و فارسی — پٹنہ

۱۳۵۔ مرقع سخن — ڈاکٹر محی الدین قادری زور
حیدر آباد — ۱۹۴۱ء

۱۳۶۔ مقالاتِ اقبال — سید عبدالواحد
آئینۂ ادب — لاہور — ۱۹۸۲ء

۱۳۷۔ معاصرین اقبال کی نظر میں — محمد عبداللہ قریشی
مجلس ترقی ادب — لاہور — ۱۹۷۷ء

۱۳۸۔ مقدمہ خیر المجالس — خلیل احمد نظامی
مسلم یونیورسٹی — علی گڑھ — ۱۹۵۹ء

۱۳۹۔ مقدمہ دیوان حافظ — پروفیسر نذیر احمد
تہران — ۱۹۷۵ء

۱۴۰۔ مجھے بھی کہنا ہے اپنی زبان میں — خواجہ غلام السیدین
سیدین میموریل سوسائٹی
جامعہ نگر نئی دہلی — ۱۹۷۴ء

۱۴۱۔ محمد حسین آزاد — اسلم فرخی
انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی

۱۴۲۔ محبت نامہ — حضرت ید اللہ حسینی
قلمی (ذخیرہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)

۱۴۳۔ ملفوظاتِ اقبال مع حواشی و تعلقات — ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء

۱۴۴۔ مکتوباتِ اقبال — سید نذیر نیازی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۵۷ء

۱۴۵۔ مکاتیبِ اقبال بنام خان
نیاز الدین خاں — مرتبہ بزمِ اقبال
بزمِ اقبال لاہور ۱۹۵۴ء

۱۴۶۔ منتخب اللطائف — رحیم علی خاں ایمان
چاپ تاباں تہران ۱۳۳۹ھ

۱۴۷۔ محب وطن اقبال — سید مظفر حسین برنی
ہریانہ ساہتیہ اکادمی چنڈی گڑھ ۱۹۸۴ء

۱۴۸۔ مظلوم اقبال — اعجاز احمد
داؤد پوتہ روڈ کراچی ۱۹۸۵ء

۱۴۹۔ محمد علی۔ ذاتی ڈائری کے چند اوراق — عبد الماجد دریا بادی
عارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء

۱۵۰۔ ماثر عجم — عظیم الحق جنیدی
ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۰ء

۱۵۱۔ مکاتیبِ اقبال بنام گرامی — محمد عبد اللہ قریشی
اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۶۹ء

۱۵۲- نقش اقبال — سید عبدالواحد
آئینہ ادب — لاہور — ۱۹۶۵ء

۱۵۳- نکات الشعراء — نواب صدر یار جنگ
انجمن ترقی اردو ہند — دہلی — ۱۹۲۹ء

۱۵۴ نزہتہ الخواطر — سید عبدالحی
دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد — ۱۹۵۷/۱۹۴۷ء

۱۵۵- نوادر — ذوالفقار احمد
ادارہ ثقافت اسلامیہ — لاہور — ۱۹۸۵ء

۱۵۶- وفیات ماجدی — حکیم عبدالقوی دریا بادی
مولانا عبدالماجد دریا بادی اکادمی — لکھنؤ — ۱۹۷۸ء

۱۵۷- وقار حیات (سوانح عمری) — مولوی اکرام علی
مقدمہ حبیب الرحمٰن خاں شروانی
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ — ۱۹۲۵ء

۱۵۸- وفیات الاعیان — ابن خلکان
مطبع لبہیہ، — قاہرہ — ۱۳۱۰ھ

۱۵۹- ہندوؤں میں اردو — سید رفیق مارہروی
نسیم بک ڈپو — لکھنؤ

۱۶۰- یاد رفتگاں — ماہر القادری
البدر پبلی کیشنز — لاہور — ۱۹۸۶ء

۱۶۱- یاد رفتگاں — سید سلیمان ندوی
کراچی — ۱۹۵۵ء

۱۶۲۔ یادگار غالب — الطاف حسین حالی
نامی پریس — کانپور — ۱۸۹۷ء اشاعت اوّل

۱۶۳۔ یادگار جشن صد سالہ
منشی دیا نرائن نگم — سری نرائن نگم
نامی پریس — لکھنؤ — ۱۹۸۲ء

اخبارات و رسائل

۱۔	روز نامہ نوائے وقت، لاہور	۹ نومبر	۱۹۸۴ء
۲	مخزن	نومبر	۱۹۰۶ء
۳۔	اقبال ریویو	جولائی	۱۹۰۷ء
۴۔	شاعر، اقبال نمبر بمبئی جلد اول		۱۹۸۸ء
۵۔	نقوش لاہور نمبر		۱۹۶۷ء
۶۔	نقوش مکاتیب نمبر		۱۹۵۷ء
۷۔	نقوش مکاتیب نمبر		۱۹۶۸ء
۸۔	فکر و نظر (ناموران علی گڑھ نمبر) علی گڑھ	جنوری تا ستمبر	۱۹۸۵ء
۹۔	فکر و نظر (ناموران علی گڑھ نمبر) علی گڑھ	جنوری تا جولائی	۱۹۸۸ء
۱۰۔	راوی صد سالہ اقبال نمبر لاہور	اپریل	۱۹۷۴ء

اشخاص

آ

ا

ر

ز

س

ص

ط

م

ن

ممالک، شہر، مقامات

ا

ب

اخبارات و رسائل

انجمن، ادارے، کانفرنس

ا

ب

پ

ج

ح

خ

د

س

ش

و	ی ، پے
وکٹری پرنٹنگ پریس بمبئی	یونیورسل بکس لاہور ۳۳ ۔
۳۲ ۔	یونیورسٹی کالج آکسفورڈ ۱۹۶ ۔

کتابیں، ڈکشنریاں، انسائیکلوپیڈیا

ا

ل

م

ن

ڈکشنریاں

انسائیکلوپیڈیا

Ahmed, S Hasan,

Iqbal His Political Ideas At Crossroad,

(A Commentary on unpublished letters to Professor Thompson)

Printwell Publications, Ali'arh, 1979

Allana, C

Eminent Muslim Freedom Fighters (1562 - 1947)

Neeraj Publishing House, Delhi 1969

Atiya Begum

Iqbal

Victory Printing Press, Bombay, 1947

Azad, Jagan Nath,

Iqbal Mind And Art,

National Book House Lahore 1981

Bechert Heniz & Combrich, Richard,

The World Buddhism,

Thomas & Hudson Ltd , London, 1974

Broune, Edward G ,

A Literary History of Persia

Combridge University Press, London, 1928

Chopra, P N

Role of Indian Muslims in the Struggle

For Freedom,

Light & Life Publisher, New Delhi - 1979

Dar B A

Letters of Iqbal

Iqbal Academy, Lahore, 1978

Dar B A

Letters & Writings of Iqbal

Iqbal Academy, Pakistan, Lahore, 1981

Eminent Musalman

Neeraj Publishing House

Delhi, R Print 1981

Frank thilly,

A History of Philosophy

Central Book Depot, Allahabad 1978

Habib, Mohd

Ameer Khusroo,

Holt,,P M ,

The Cambridge History of Islam, Vol I A

Cambridge University Press - 1979

Jain, Naresh Kumar,

Muslims in India

(A Biographical Dictionary) Vol I & II

Manohar Publications, Delhi, 1979, 1983

Kane Pandu ang Vaman,

History of Dharmasatra

(Anciant And Medieval Religious and

Civil law in India)

Vol I - Part I- & Part - II

Bhandarkar Oriental Research Institute,

Poona 1968/1975

Khosla, K R,

Estates Who s Who

Imperial Publishing Company Lahore, 1942

Mirza Waheed,

Life & Works of Ameer Khusroo

Nehru, Jawahar Lal

A Book of Old Letters

Radhakrishnan

Indian Philosophy Vol I & II

London, George Allen &

Unwin Ltd, New York, 1977

Rajasthan District Guzatar, Alwar

Oct 1968, Delhi

Sen, S P

Dictionary of National Biography

Institute of Historical Studies, Calcutta

Singh, Ganda,

History of Freedom Movement in the Punjab

Maharaja Duleep Singh Correspondence Vol - III

Punjab University, Patiala - 1977

Singh N Iqbal,

Amrita sher Gill,

Vikas Publishing House Pvt Ltd Delhi - 1984

Stein, Sir Aurel

The Buddhist Paintings Introduction Chapter

ضمیمہ

سر ولیم روتھین اسٹائن کے نام

QUEENS ANNE'S MANSIONS,
ST JAMES'S PARK,
LONDON SWI

۱۸/ دسمبر ۱۹۰۲ء

مائی ڈیئر مسٹر روتھین اسٹائن!

آپ کا کرم نامہ میں نے کل رات پڑھا تھا اس یاد افزائی کے لیے شکرگذار ہوں۔ مجھے بڑی شرمندگی ہے کہ میں نے آپ کو غلط تاریخ بتادی اور میری اس سہو سے آپ کو اتنی پریشانی اُٹھانا پڑی۔ یقین کیجیے! بداخلاقی کا ارتکاب میرا مقصد ہرگز نہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ ایک غلط فہمی کے سبب یہ گڑبڑ ہوگئی۔ میرا جو خط آپ نے ساتھ ارسال کیا ہے اس سے اس معاملے کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے۔ بہرحال میں آپ کو مطلع کروں گا کہ کانفرنس کب اختتام کو پہنچے گی اور ہماری آپ کی ملاقات کب ممکن ہو سکے گی۔

یوں لگتا ہے کہ کرسمس کی تعطیلات کے دوران میں انگلستان ہی میں رہوں گا اور ایسا ہی ہوا تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ اگر آپ سے دوبارہ رابطہ قائم ہوا اور ملاقات ہو سکے۔

مخلص۔ محمد اقبال

(انگریزی سے)
(غیر مدون)

نوٹ۔ مندرجہ بالا خط ماہ نامہ" قومی زبان "کراچی کے شمارہ نمبر۱، جنوری ۱۹۹۱ء میں ص۔۱۶۔ ۱۷۔ پر شائع ہوا ہے۔ یہ شمارہ جناب جمیل الدین عالی صاحب نے مجھے ارسال فرمایا ان کے شکریہ کے ساتھ شامل کلیات کیا جا رہا ہے۔

(مولف)

خواجہ غلام الحسنین کے نام

مائی ڈیئر خواجہ صاحب!

میں نے سپنسر (SPENCER) کی تصنیف "ایجوکیشن" (EDUCATION) کے آپ کے اُردو ترجمہ کو جستہ جستہ دیکھا ہے جب مولانا شبلی نے گذشتہ سال مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا سپنسر کی تصنیف "سن تھیٹک فلاسفی" (SYNTHETIC PHILOSOPHY) کے کچھ حصّوں کا اُردو میں ترجمہ ہو سکتا ہے۔ تو میں نے ان کو لکھدیا تھا کہ یہ کوشش اس بنا پر ناکام رہے گی کہ اس کوزہ میں مواد کا یہ سمندر نہیں سما سکتا۔ لیکن آپ کے ترجمہ نے مجھے قایل کر دیا ہے کہ میرا فیصلہ اس حسین ترین اور ترقی پسند زبان کے تمام تر امکانات کی لاعلمی پر مبنی تھا کہ اس میں عربی زبان کی لچک اور ترکیبیں وضع کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے جو اس میں اور دوسری امتزاجی زبانوں میں قدرِ مشترک ہے۔ اکثر اوقات مغربی سائنٹفک مباحث پر جدید اردو ترجمے ایک نوع کی مصنوعیت اور آورد کی غمازی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اردو زبان کی ترقی کی ابتدائی منزل کو دیکھتے ہوئے۔ آپ[1] کی عبارت کی بے تکلف روانی

---

[1] "انوار اقبال" میں صرف یہ دو جملے بطور اقتباس درج ہیں۔ یہی اس جلد کے ص۔ ۸۳ پر شامل کر لیے گئے تھے۔ اب ڈاکٹر اخلاق اثر صاحب کی کرم فرمائی سے اس خط کا پورا اصل انگریزی میں دستیاب ہوا ہے جو خواجہ غلام الحسنین کی تصنیف "فلسفہ تعلیم" میں شائع ہوا تھا۔ یہ ہربرٹ سپنسر کی تصنیف "ایجوکیشن" (EDUCATION) کا اردو ترجمہ ہے جو رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور سے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔ "انوار اقبال" (ملاحظہ ۲ ۔ ب)

بالکل حیرت انگیز ہے۔ اگر ہربرٹ سپنسر ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی اردو میں اس سے بہتر تحریر اختیار نہیں کرسکتا۔ یہ امر کہ اس درجہ اعلیٰ درجہ کا ترجمہ ہوسکتا ہے آپ کی صلاحیت اور زبان پر قدرت پر دال ہے بلکہ اس نوجوان اور ہونہار زبان کی جینس (GENIUS) اور ممکنات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

آپ کے بیش بہا ترجمہ کی ایک خصوصیت پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب میں (مصنف کے نظریات و خیالات) پر ایک مسلسل تحریر بھی شامل کیا ہے جس سے کسی مسئلہ کے نمایاں نکات پر آپ کی گرفت کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عام طور پر پڑھی جائے گی اور آپ کا تجزیہ سپنسر کے خیالات کو سمجھنے اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

(انگریزی سے)

(بقیہ ص۔ ۱۔ کا حاشیہ)

میں سالِ اشاعت ۱۹۰۳ء دیا ہے جو درست نہیں ناشر کا نام مولوی مختار علی چھپا ہے اس کتاب میں ناشر نے خط کا آخری حصہ (WITH REGARDS, YOURS SINCERELY, آداب و سپاس کے ساتھ، آپ کا مخلص محمد اقبال MOHD IQBAL) شامل نہیں کیا ہے۔

(مؤلف)

شعیب قریشی کے نام

لاہور ۸ نومبر ۱۸ء

ڈیئر مسٹر شعیب، السلام علیکم!

کل شام آپ کے تار نے خرمنِ صبر و قرار پر بجلی گرا دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس کہ گذشتہ پچاس ساٹھ سال کی تعلیمی کشمکش کے بعد ایک آدمی ہم میں پیدا ہوا تھا جو دل و دماغ دونوں کے اعتبار سے قدیم حکمائے اسلام کا نمونہ تھا مگر مشیت ایزدی نے اسے ہم سے عین اس وقت جدا کر لیا جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ شاید مرحوم اپنے وقت سے پہلے پیدا ہوا تھا خاص سوسائٹی میں اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا وہ اس کی قدر نہ پہچان سکتی تھی۔ ہندوستان کی اسلامی دنیا میں بہت کم ایسے آدمی ہوں گے جن کو تحوری کی پوشیدہ قوتوں کا احساس ہو گا اور کیا عجب کہ مرحوم کو خود بھی ان قوتوں کا احساس نہ ہو لیکن اگر وہ دس سال ہم میں اور رہتا تو آنکھیں اس کے کمالات کی آب و تاب سے خیرہ ہو جاتیں۔ ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں لیکن وہ ہمیں میں سے ایک تھا جس نے یہ کہا تھا کہ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ پس ہم بھی اپنی بربادی کا رونا اسی کے سامنے روئیں گے اور اپنی شکایت و حزن اسی کے سامنے پیش کریں گے۔ اس کی تقدیر سے کس کو مفر ہے؟ پھر کیوں ہم اپنے مصائب و آلام کو اس کے قرب کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اپنے حبیبِ پاک کے دربار کی حاضری نصیب کرے۔

آہ! ملتِ اسلامیہ بدنصیب ہے! ہر طرف بربادی و تباہی کے آثار ہیں مگر کیا یہ ویرانی کسی تازہ نغمہ کا پیش خیمہ ہے۔

عکس مکتوب اسال ۔۱

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند[1]
نے کہ اوّل کہنہ را ویراں کنند

مرحوم کے اعزا و اقربا کی خدمت میں میری طرف سے دلی ہمدردی کا پیغام بھیجیے اور مجھے اس کا پتہ تحریر فرمایئے کہ میں خود بھی انھیں لکھوں۔

والسلام
مخلص محمد اقبال، لاہور

(عکسی)
(غیر مدوّن)
(ہماری زبان، ۸ نومبر ۱۹۸۹ء)

---

[1] یہ شعر رومی کا ہے اور اس کا دوسرا مصرع اس طرح ہے ؂ اوّل آں بنیاد را ویراں کنند۔

علامہ اقبال کا دوسرا خط

محمد عبداللہ العمادی کے نام

لاہور - ۱۰/ اکتوبر ۱۸ [۱]

ڈیئر مولوی صاحب السلام علیکم!

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مجھے آپ کا خط پڑھ کے تعجب ہوا کہ آپ کو ایسے واقعات پیش آئے جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے۔ افسوس ہے میری ملاقات مسٹر حیدری سے نہ ہو سکی۔ انھوں نے علی گڑھ سے مجھے تار دیا تھا مگر میں لاہور میں نہ تھا شملہ میں تھا۔ ۲۳ ستمبر کو شملہ سے آیا تو ان کا تار ملا۔ اس اثنا میں وہ علی گڑھ سے روانہ حیدر آباد ہو چکے تھے اگر ان سے ملاقات ہو جاتی تو میں آپ کے بارے میں خاص طور پر ذکر کرتا لیکن مجھے یقین ہے کہ اہلِ حیدر آباد آپ کے علم و فضل سے جلد واقف ہو جائیں گے اور آپ کے وجود کو غنیمت تصوّر کریں گے۔ آپ کے چلے جانے سے لاہور کی علمی صحبت کا خاتمہ ہو گیا ہے ڈاکٹر اعظم الدین بھی شاید چلے جائیں بس پھر بقول مولانا اکبر:

"یہاں دھرا کیا ہے سوا اکبر کے اور امرود کے"

مولوی ظفر علی خاں سے شملہ میں ملاقات ہوئی تھی وہ اب کرم آباد میں ہیں۔ لوگ

---

[۱] عکس میں سن صاف طور پر نہیں پڑھا جاتا لیکن ڈاکخانے کی مہر پر (18 OCT) درج ہے۔

اس خط کا عکس علامہ عمادی کے بھتیجے ڈاکٹر عبدالقادر عمادی، ریڈر سینٹرل یونیورسٹی، حیدر آباد کی عنایات سے حاصل ہوا ہے۔

(مؤلف)

جو نکہ پہلے سے ان کی نسبت بدظنیاں ان کے حیدر آباد سے واپس آجانے کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اڑ رہی ہیں۔ ایک حیدر آبادی راوی نے ایک عجیب و غریب واقعہ ان کا بیان کیا یعنی یہ کہ وہ حضور نظام کے دربار میں "یا امیر المسلمین" کا نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ راوی کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی بے ہوشی مصنوعی تھی۔ واللہ اعلم۔ میں نے ان کو کہا بھی تھا اور حاجی دفعہ کہہ بھی دیا تھا کہ وہ حیدر آباد میں سوائے اپنے کام کے اور کسی سے سروکار نہ رکھیں۔ مگر افسوس کہ میری نصیحت پر عمل نہ کر سکے اور نتیجہ وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

کیا خوب آپ مجھے حیدر آباد بھیجتے ہیں اور میں حیدر آباد آپ کے آنے کے متوقع ہیں۔ میں اس فکر میں ہوں کہ آپ لاہور آجائیں کہ لاہور میں علمی چرچا آپ کے دم سے تھا۔ مولوی وجاہت حسین آپ کو آفتاب کی ایڈیٹری کے لیے بلانا چاہتے تھے شاید انھوں نے آپ کو لکھا بھی ہو۔ میری کوشش ہے کہ آپ کو لاہور رکھ کے اسلامیہ کالج یا حمیدیہ کالج میں جس کا نصاب زیر غور ہے کوئی پروفیسری مل جائے۔ بہرحال جو خدا کو منظور ہو گا ہو رہے گا۔ مولوی صدرالدین، پروفیسر عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور کو میں نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ گولڈزیہر نے جو تنقید احادیث کی کی ہے اسے اردو میں ترجمہ کر ڈالیں اگر آپ یہاں ہوتے تو گولڈزیہر کی تنقید کی تردید میں آپ سے گراں بہا مدد ملتی ہے۔ تاہم جو کچھ مجھے معلوم ہے مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے گا۔ حیدر آباد میں کہیں خواجہ کرمانی کے دیوان کا قلمی نسخہ ملے تو مطلع کیجیے کہ آیا قیمتاً مل سکے گا یا مالک نسخہ نقل کرنے کی اجازت دے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ کیا آپ مہاراجہ سرکشن پرشاد سے بھی ملے؟ وہ بھی اہلِ علم کے بڑے قدردان ہیں۔ لاہور میں سردی آرہی ہے اب شہر کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔ عبدالحکیم صاحب کو آپ کا پیغام دے دیا جائے گا۔ وہ کل شام یہاں آئے تھے مگر افسوس کہ میں مکان پر موجود نہ تھا۔

مخلص محمد اقبال

(غیر مطبوعہ، عکسی)

سر ولیم روتھین اسٹائن (SIR WILLIAM ROTHENSTEIN)
(۱۸۷۲ — ۱۹۴۵ء)

سر ولیم روتھن اسٹائن انگلستان کے شہر بریڈ فورڈ (BRADFORD) میں ۲۹ فروری ۱۸۷۲ء کو ایک متمول جرمن یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا کپڑے کا کاروبار تھا۔ مقامی اسکول میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں پیرس میں اکیڈمی جولیاں (ACADMI JULIAN) میں داخل ہوئے۔ انگلستان واپس آکر ادب اور فنونِ لطیفہ کے حلقے میں ممتاز حیثیت حاصل کی۔ یہ شیفیلڈ (SHFFIELD) یونیورسٹی میں فنونِ لطیفہ کے پروفیسر رہے بعد میں مشہور عالم برطانوی رائل کالج آف آرٹ کے پرنسپل مقرر ہوئے (۱۹۲۰-۱۹۳۱ء) انہیں ۱۹۳۱ء میں سر کا خطاب ملا۔

انھوں نے آئن اسٹائن (EINSTEIN) اور ٹی۔ ای لارنس (T E LAWRENCE) کے وہ تاریخی پورٹریٹ (تصاویر) بنائے تھے جو آج تک آرٹ کی دنیا میں بے مثال اور لافانی تصوّر کیے جاتے ہیں۔ حکومتِ برطانیہ نے ان سے آکسفورڈ یونیورسٹی کی متعدد شخصیات کی تصویریں بنانے کی گذارش کی تھی۔ ان میں سے کئی پورٹریٹ ٹیٹ گیلری (TATE GALLERY) میں موجود ہیں۔

۱۹۱۰ء میں سر ولیم ہندوستان آئے تھے۔ ان کو حلقہ ٹیگور سے خاص تعلق تھا۔ ٹیٹ گیلری میں ٹیگور کا جو بھرپور سراپا دیکھنے میں آتا ہے وہ سر ولیم ہی کا معرکۃ الآرا شاہکار ہے۔ یہ بات واضح نہیں کہ سر ولیم کی ملاقات اقبال سے کب اور کیسے ہوئی؟ ہو سکتا ہے کہ ان کی اقبال سے ملاقات ان کے سفرِ ہندوستان کے دوران ہوئی ہو۔

سر ولیم روتھین اسٹائن فنِ مصوّری کے استاد، صاحبِ ذوق اور صاحبِ قلم تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء - ۱۹۳۹ء کے دوران MEN AND MEMORIES (چند شخصیات چند یادیں) کے عنوان سے سوانح مرتّب کر کے تین جلدوں میں شائع کی۔ بعد ازاں

ان مکاتیب ۔ ہ برسوانح حیات ۱۹۳۹ء میں LIFE IN LETTERS ۱ عمر ... سال گذرنے کے بعد، کے نام سے شائع ہو ں کی دو ... ت ... ب میں ۱۸۹۳ء OXFORD (آکسفورڈ کی مطابق ہند ...) اور ۱۹ ... LIFE OF GOYA (گویا کی CHARACTERS سوانح حیات ... میں

سرولیم روتھین اسٹائن کا انتقال ۷۳ برس کی عمر میں ۱۴ فروری ۱۹۴۵ء کو ہوا۔

ماخذ

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا ۔ جلد ۱۹ ۔ ص ۔ ۶۴۴ ، لندن ، ۱۹۷۳ء

۲ ڈاکٹر سید نعمان الحق ۔ ایک برطانوی مصور کے نام اقبال کے چار غیر مطبوعہ اور نامعلوم مکاتیب ، شائع شدہ "قومی زبان" ، کراچی ، شمارہ نمبر ۱ ، جنوری ۱۹۹۱ء ص ۔ ۱۴ ۔

خلیفہ عبدالحکیم

(۱۸۹۳ - ۱۹۵۹ء)

خلیفہ عبدالحکیم ۱۲ جولائی ۱۸۹۳ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ شیرانوالہ دروازہ کے ہائی اسکول سے میٹرک کیا مزید تعلیم علی گڑھ، الٰہ آباد اور دہلی میں پائی، پھر لاہور واپس آکر پنجاب آبزرور کی مجلسِ ادارت میں شامل ہو گئے۔ اسی زمانے میں اقبال کی شاعری نے ان کے خیال و فکر پر گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں وہ غزالی، رومی، کانٹ اور ہیگل کے بہ یک وقت ہمنوا ہو گئے جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اقبال نے ایک سفارشی تحریر کے ساتھ ان کو حیدرآباد بھیجا۔ جہاں وہ فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اس کے چند سال بعد انھوں نے جرمنی سے فلسفہ کی ڈاکٹریٹ حاصل کی جس پر ان کو جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ فلسفہ کا صدر بنا دیا گیا۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں انھوں نے اقبال سے متعلق اپنی یادداشتوں کو مرتب کیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کو شائع کراتے اقبال کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے یادداشتوں کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور پہلی مرتبہ اقبال کی مکمل سوانح کی ضرورت محسوس کرائی۔ جب اس سلسلے میں اقبال کے دوستوں، ملاقاتیوں اور جاننے والوں میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا تو خود انھوں نے پہل کی اور اپنی یادداشتوں اور معلومات کے حوالے سے "اقبال کی زندگی" کے عنوان سے ایک بھرپور مقالہ لکھا جس کو اقبال کی پہلی مستند سوانح کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ اس کے ساتھ انھوں نے اقبال کے فلسفیانہ افکار کو بھی عام کرنے کی کوشش کی۔

۱۹۴۳ء میں خلیفہ صاحب کو امر سنگھ کالج سرینگر کا پرنسپل منتخب کیا گیا اس کے دو سال بعد وہ وہاں ناظمِ تعلیمات کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے اس عہدے سے استعفیٰ دے کر حیدرآباد کی راہ لی۔ ان کو جامعہ عثمانیہ میں ڈین آف آرٹ فیکلٹی مقرر کیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۴۹ء میں لاہور آکر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے

پہلے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۸ فروری ۱۹۵۹ء کو جب ان کا قیام کراچی میں تھا، عارضۂ قلب کا حملہ ہوا، اور انتقال کر گئے۔

ان کی تصانیف میں اسلامی نظریۂ حیات، حکمتِ رومی، فکرِ اقبال، داستانِ دانش، وارداتِ روحانی، افکارِ غالب، اسلام اور کمیونزم، تشبیہاتِ رومی، اسلام کی بنیادی حقیقتیں اور اسلام اور مُلّا، قابلِ ذکر ہیں۔

ماخذ

عبدالرؤف عروج - رجالِ اقبال ص۔ ۳۴۴ - ۳۴۵

گولزیر اگنائس (GOLDZIHER IGNAZ)

(۱۸۵۰ء - ۱۹۲۱ء)

گولزیر اگنائس GOLDZIHER) IGNAZ) ۲۲/جون ۱۸۵۰ء کو ہنگری میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ پانچ سال کی عمر میں انجیلِ مقدس کے اصل متن کا گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ ۱۸۷۳-۷۴ء میں مشرقِ وسطیٰ کی سیاحت پر نکلا، استنبول، بیروت، دمشق اور بیت المقدس ہوتا ہوا قاہرہ پہنچا۔ یہ پہلا یورپین اسکالر تھا جو جامعہ ازہر میں داخل ہوا۔ قاہرہ کے قیام کے دوران اس کی جمال الدین افغانی سے ملاقاتیں رہتی تھیں۔

قاہرہ سے واپس آکر بوڈاپیسٹ یونیورسٹی (BUDAPEST UNIVERSITY) میں اسے ۱۸۷۶ء میں بحیثیت پروفیسر تقرری کی توقع تھی مگر ناکام رہا۔ البتہ بوڈاپیسٹ نیولوگ جیوسش کانگریگیشن (NEOLOG JEWISH CONGREGATION) کے سکریٹری کی حیثیت سے تقرر ہوگیا۔ یہاں تیس سال تک کام کیا مگر یہ اسے غلامی سے تعبیر کرتا تھا چونکہ یہودی مذہب اور انجیلِ مقدس کی جانب ناقدانہ نقطۂ نظر کی وجہ سے عام یہودی اس کے مخالف ہوگئے تھے۔ بہرکیف زندگی کے آخری سالوں میں اس کی عالمانہ خدمات کو سراہا گیا اور اسے متعدد اعزاز حاصل ہوئے ۱۸۸۹ء میں اسے انٹرنیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس (INTERNATIONAL CONGRESS OF ORIENTALISTS) کا اعلیٰ ترین اعزاز گولڈ میڈل (GOLD MEDAL) دیا گیا۔ اس کا شمار یورپ کے عظیم مستشرقین میں ہونے لگا۔

۱۹۲۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔

۱۸۷۳-۷۴ء میں اس کے دو روزنامچے شائع ہوئے۔ پہلا روزنامچہ اور ذاتی ڈائری

(ORIENTAL DIARY) تھا جس میں مشرقِ وسطیٰ کے سفر کے حالات بیان کیے ہیں۔ دوسرا روزنامچہ "تاگے بخ" (TAGE BUCH) ہے۔ ان روزنامچوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہا اور اسے "پراگندہ خیال نابغہ" کہا جاتا ہے۔

اس نے ۱۳ ہزار سے زائد خطوط بھی لکھے۔ اس نے اسلامی علوم و فنون کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور عربی زبان نہایت روانی سے بولتا تھا اس کی شہرۂ آفاق تصنیف "محمڈن سٹڈیز" (MOHAMMEDAN STUDI'TS) دو جلدوں میں بالترتیب ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی اس میں اس نے اسلام کے روحانی اور ثقافتی تاریخ کے زریں کارنامے بیان کیے ہیں۔ گولڈ زیہر علم حدیث کے گہرے اور ناقدانہ مطالعہ کے لیے مشہور رہے اس موضوع پر اس کا معرکۃ الآرا مقالہ اس کتاب میں شامل ہے۔

ماخذ:

LAWRENCE I CONRAD
GOLDEN ROADS. MIGRATION, PILGRIMAGE
AND TRAVEL IN MEDIAEVAL & MODERN ISLAM
EDITED BY RACHARD NETTON